تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیرِ قرآن

تفسیرِ ماجدی

جلد سوم

سُوْرَةُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ - تا - سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ

از:

مولانا عبد الماجد دریابادی

رحمۃ اللہ علیہ

مجلسِ نشریاتِ قرآن

۱-کے-۳، ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱، کراچی ۷۴۶۰۰

تفسیر قرآن
(تفسیر ماجدی)

جلد سوم

اردو ایڈیشن — اضافہ وترمیم شدہ — باراوّل — لکھنؤ
اردو ایڈیشن — اضافہ وترمیم شدہ — باراوّل — کراچی

مجلسِ نشریاتِ قرآن
۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحات نمبر
۱	عرض ناشر	5
۲	سورۃ بنی اسرائیل	۷ ـ ۸۹
۳	سورۃ الکہف	۹۱ ـ ۱۶۸
۴	سورۃ مریم	۱۶۹ ـ ۲۲۰
۵	سورۃ طٰہٰ	۲۲۱ ـ ۲۸۰
۶	سورۃ الانبیا	۲۸۱ ـ ۳۴۱
۷	سورۃ الحج	۳۴۲ ـ ۳۹۵
۸	سورۃ المؤمنون	۳۹۶ ـ ۴۳۲
۹	سورۃ النور	۴۳۳ ـ ۴۹۰
۱۰	سورۃ الفرقان	۴۹۱ ـ ۵۲۶

عرضِ ناشر

(پاکستانی ایڈیشن)

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ، جہاں ایک صاحب طرز ادیب اور انشاء پرداز کی حیثیت سے مشہور ہیں دوسری طرف اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سے ایک عظیم کام تفسیر قرآن کا لیا جس کے لئے انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصّہ وقف کر دیا۔ اور ایک ایسی تفسیر لکھی جو قدیم علوم و اصول تفسیر کے تمام محاسن سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ عہد حاضر کے علوم اور تقاضوں کو بھی اپنے دامن میں رکھتی ہے اور اسی کے ساتھ نئے اذہان کے شکوک و شبہات بھی دور کرتی ہے۔

الحمد للہ ہم نظر ثانی شدہ تفسیر ماجدی پاکستان میں پہلی بار شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کو اپنے انعامات خاص سے نوازے اور اس حقیر کی اس خدمتِ قرآن کو قبول فرما کر آخرت میں ذریعہ نجات بنائے۔ اس کے لئے یہ عاجز مخدومی و مرشدی مفکر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ علیہ اور مخدومی حضرت مولانا سیّد محمّد رابع حسنی ندوی مدظلہ، ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا شکر گذار ہے۔ جنھوں نے اس احقر کو پاکستان میں تفسیر ماجدی کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

خادم

فضلِ رَبّی ندوی

مدیر مجلس نشریات قرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمدللہ تفسیر ماجدی اُردو کی تیسری جلد اشاعت کی منزل تک پہونچی۔ اور اس طرح اس عظیم تفسیری کام کا تین چوتھائی کام قارئین کو پیش کرنے کے لائق ہوگیا۔

اس اہم تفسیری خدمت کو اشاعت کے منزل تک پہنچانے میں خاصی فکر و توجہ کی ضرورت پڑی۔ اس کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سابقہ اشاعت کے مضامین و تشریحات میں نئی حاصل شدہ علمی معلومات کی بناء پر جو اضافے کیے تھے۔ اور ان اضافوں و ترمیمات کی بناء پر مسودہ پر جو اثر پڑا تھا۔ اور خاص طور پر مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے مخصوص طرز تحریر سے جگہ جگہ رسم خط میں جو مبہم صورت بن گئی تھی۔ جو دراصل اُن کی پیرانہ سالی کے اثر سے تھی۔ اس کے حل و وضاحت کے لیے ان کے قریب تر اعزہ سے جو اُن کے رسم خط کے سمجھنے کے عادی تھے مدد لینا پڑی۔ اس کی وجہ سے کام آہستہ آہستہ انجام پایا۔ اور دیر لگی۔ اور قارئین کو بھی خاصا انتظار کرنا پڑا۔ جس کے لیے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اُن خاص اعزہ میں ان کے فاضل برادرزادہ مولانا حکیم عبدالقوی صاحب دریابادی مدیر ہفتہ وار "صدق جدید" تھے شروع کی جلدوں میں اُن سے بڑی مدد ملی پھر اُن کی وفات کے بعد اُن ہی کے نواسے عزیزی مولوی نعیم الرحمٰن ندوی کی خدمات حاصل ہوئیں۔ اور انھوں نے ماشاء اللہ اچھی مدد دی۔ مجلس کے ذمہ دار عملہ میں اس کے دفتر کے انچارج مولوی سید محمد عفران ندوی اور ان کے معاون مولوی انیس احمد ندوی نے بڑی توجہ سے کام کیا جس کے نتیجہ میں یہ تیسری جلد لائق طباعت ہوئی۔ اور چوتھی و آخری جلد بھی تکمیل کے قریب آگئی۔ ہم انشاء اللہ اس کی پیش کش کے بھی جلد قابل ہوسکیں گے۔

تفسیر ماجدی کا یہ عظیم کام متعدد اہم خصوصیات کا حامل ہے، اس کا امتیاز دوسری تفسیری کتابوں پر خاص طور پر یہ ہے کہ اس کے مصنف نے صرف عربی تفاسیر کے مطالعہ و واقفیت سے ہی کام نہیں لیا بلکہ بلکہ عصر جدید کی تحقیقات و معلومات سے واقفیت اور یہودی و مسیحی کتابوں سے تائیدی و تصدیقی مواد کا حصول اور اس کے ذریعہ قرآنی معلومات کی تقویت و شہادت کا بھی پورا فائدہ اٹھایا۔ اس طرح یہ تفسیر مروجہ تفسیری فوائد کے ساتھ، عصر جدید کے ذہنوں کو بھی متوجہ کرنے اور مطمئن بنانے کا مفید کام انجام دیتی ہے۔

ہم کو امید ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے لیے یہ تفسیر بڑا ذخیرہ آخرت بنے گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اب ہم چوتھی جلد کی اشاعت سے بھی جلد از جلد عہدہ برآ ہوسکیں۔ اور اس کام کی تکمیل پر اس تفسیری ذخیرہ سے فائدہ عام ہونے کا ذریعہ بن سکیں۔

والسلام

سید محمد رابع حسنی ندوی

(صدر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام)

۱۰ رشوال المکرم ۱۴۲۲ھ

(۱۷)

سُوْرَةُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مَكِّيَّةٌ

اٰیَاتُہَا ۱۱۱ — ۱۱۱ آیتیں

رُکُوْعَاتُہَا ۱۲ — ۱۲ رکوع

سورۂ بنی اسرائیل مکی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان باربار رحمت کرنے والے کے نام سے

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

پاک ذات ہے وہ جو اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا ۱

۱ (اور اپنے اُس برگزیدہ بندہ کو اِس عجیب اور نادر سرفرازی سے نواز دیا۔)

ترجمہ زیادہ ٹھیٹ روزمرّہ میں یوں بھی ہو سکتا ہے "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی"۔

سبحٰن۔ وہ ذات ہر نقص اور کمی سے پاک، ہر عجز سے منزّہ اور ہر قید اور حد بندی سے بالاتر ہے۔ تسبیح۔ کا لفظ لایا ہی ایسے موقع پر جاتا ہے جہاں کسی امر اہم وعظیم کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو۔ اور لفظ سبحٰن بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے حق میں استعمال نہیں ہوتا۔

معناہ التنزیہ والبرأۃ للہ عزوجل من کل نقص فہو ذکر عظیم للہ تعالیٰ لا یصلح لغیرہ۔ (قرطبی)

دل علی التنزیہ البلیغ من جمیع القبائح۔ (کشاف)

فالتسبیح انما یکون عند الامور العظام۔ (ابن کثیر)

اور سبحٰن اصلاً مصدر ہے غفران کے وزن پر اور اسے تسبیح سے اسم علم میں لیا گیا ہے۔

وسبحٰن اصلہ مصدر نحو غفران (راغب)

سبحٰن اسم علم للتسبیح۔ (کبیر)

اسریٰ لیل کی تصریح نہ ہوتی جب بھی خود سریٰ میں رات ہی کے سفر کا مفہوم داخل ہے۔

السُّرٰی سیر اللیل۔ (راغب)

فعل سریٰ و اسریٰ دونوں الفاظ سفر شب کے لئے آتے ہیں بعض نے فرق یہ کیا ہے کہ اسریٰ سے مراد اول شب کا سفر ہے اور سریٰ سے آخر شب کا۔

قیل اسری سار من اول اللیل و سری سار من اٰخرہ۔ (قرطبی)

لیلاً۔ لیل کا اضافہ تاکید کلام کے لئے ہے۔

ذکر علی سبیل التوکید۔ (بحر)

لفظ لیلاً نکرہ لانے سے اشارہ اس حقیقت کی طرف ہوگیا کہ اتنا بڑا سفر جو عادۃً کئی ہفتہ میں یا ۴۰ دن میں طے پاتا تھا، فوق العادۃ طور پر رات کی چند گھڑیوں کے اندر انجام پاگیا۔

اراد بقوله ليلا بلفظ التنكير تقليل مدة الاسراء وانه اسرى به فى بعض الليل من مكة الى الشام مسيرة اربعين ليلة (كشاف)

وفائدته الدلالة بتنكيره على تقليل مدة الاسراء (بيضاوى)

وذلك ان التنكير فيه قد دل على معنى البعضية۔ (كبير)

بعبدہ عبد سے سیاق میں مراد عبد کامل ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک، قرآن مجید میں محل تخصیص وتکریم پر اکثر آپؐ کو عبد ہی سے موسوم کیا گیا ہے مثلاً وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا۔ (البقرہ-۲۳) یا نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ۔ (الفرقان-۱)

محققین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے لئے اگر کوئی لقب عبد سے زیادہ تعظیمی ہوتا تو اس موقع پر ضرور ہی لایا جاتا۔

قال العلماء لو كان للنبى صلى الله عليه وسلم اسم اشرف منه لسماه به فى تلك الحالة العلية۔ (قرطبى وبحر)

عبد کی اضافت ہ کے ساتھ عبد کے اظہار شرف وتکریم کے لئے ہے۔

قال ابوالقاسم هذه اضافة تشريف واختصاص۔ (بحر)

لفظ عبد سے اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ بہ ایں شرافت وکرامت وبہ ایں کمالات معجزانہ رسول کریمؐ محض عبد ہی رہے یہ نہیں ہوا کہ فوق العبد ہوکر کچھ شرکت الوہیت وربوبیت میں حاصل کرلی ہو۔ اُمت مسیحؑ کی مثال عبرت سب کے سامنے ہے کہ ایک عبد برگزیدہ کو اٹھا کر کس طرح الوہیت کے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے!

سد الباب الغلو فيه صلى الله عليه وسلم كما وقع للنصارى فى نبيهم۔ (روح)

اور لفظ عبد سے بہ قول فاضل گیلانیؒ اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ اس مقام کا تعلق منصب رسالت سے اتنا نہیں جتنا کہ کمال عبدیت وعبودیت سے ہے کہ اللہ نے اپنے بندہ کو جو مغلوبیت کی ظاہری پستی میں ہر طرح سے گھرا ہوا تھا معراج کی کس انتہائی بلندی تک پہنچا دیا، اور جو ظاہری طور پر سب سے زیادہ بے بس تھا، اسے کس بے مثال حد تک اونچا کر دیا گیا۔

اور مقام عبدیت میں پستی تو صرف جاہلوں اور عامیوں کو نظر آتی ہے محققین عارفین کے نزدیک یہ تو عین اشرفیت اور کمال افضلیت کا مظہر ہے۔

والعبودية على مانص عليه العارفون اشرف الاوصاف واعلى المراتب (روح)

اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ سے یہ حقیقت بھی واضح و روشن ہوگئی کہ اس سفر کا کرانے والا اس عجیب و معجز واقعہ کو تکمیل تک پہنچانے والا حق تعالیٰ تھا، رسول کریمؐ خود نہ تھے۔

جس حیرت انگیز شبانہ سفر نبویؐ کا یہاں ذکر ہے اس کا اصطلاحی نام معراج ہے۔ ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ معراج ایک نہیں متعدد واقع ہوئی ہیں۔ لیکن محققین کا ارشاد ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے۔ اور ائمۂ سلف میں سے کوئی بھی اس طرف نہیں گیا ہے۔

هذا البعيد جداً، ولم ينقل هذا عن أحد من السلف۔ (ابن کثیر)

معراج سے متعلق اور بھی بڑی بڑی بحثیں ہوگئی ہیں، مثلاً یہ کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی، بیداری میں ہوئی یا حالتِ خواب میں۔ صحابہ سے لے کر متأخرین تک ان سوالات کے مختلف جوابات مختلف بزرگوں کی طرف سے دیئے گئے ہیں۔

هل كان إسراء بروحه أو جسده، اختلف فى ذٰلك السلف والخلف، فذهبت طائفة إلى أنه إسراء بالروح، ولم يفارق شخصه مضجعه، وأنها كانت رؤيا رأى فيها الحقائق، ورؤيا الأنبياء حق، ذهب إلى هذا معاوية وعائشة، وحكى عن الحسن وابن اسحاق۔ (قرطبی)

واختلف فى أنه كان فى اليقظة أم فى المنام فعن عائشة .... عن معاوية .. عن الحسن ... (کشاف)

وذهب معظم السلف والمسلمين إلى أنه كان إسراء بالجسد وفى اليقظة۔ (قرطبی)

فالأكثرون من طوائف المسلمين إتفقوا على أنه أسرى بجسد رسول الله صلى الله عليه وسلم (کبیر)

وأكثر الأقاويل بخلاف ذٰلك (کشاف)

ہر فریق دلائل بھی اپنی تائید میں رکھتا ہے لیکن آیت قرآنی کی تفسیر ان میں سے کسی ایک پہلو کے بھی اختیار کرنے پر موقوف و معلق نہیں۔ قرآن کے متعلم کو صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ واقعہ کی تفصیلی نوعیت کچھ بھی ہو، اور واقعہ جس صورت اور جس جزئی و تفصیلی کیفیت کے ساتھ بھی پیش آیا ہو، بہرحال ایک خارق عادت معجزہ اور عام تجربۂ بشری سے مافوق تھا۔ اور ایمان اس کے نفس وقوع پر رکھنا واجب ہے۔۔۔ پیمبروں کو جو تجربے کرائے گئے ہیں اکیلے سید الانبیاءؐ ہی کو نہیں، ابراہیم خلیلؑ اور دوسرے انبیاءؑ کو بھی، وہ اپنے جزئیات و تفصیلات کے ساتھ غیر نبی کے ذہن کی گرفت میں آ ہی کب سکتے ہیں، بقول عارف رومیؒ ؎

درنیابد حالِ پختہ ہیچ خام \
پس سخن کوتاہ باید والسلام

محدث سہیلیؒ نے سیرۃ ابن ہشام کی شرح الروض الانف میں ایک مستقل عنوان یہ قائم کیا ہے۔

هل كان الأسراء فى يقظة بجسده أو كان فى نومه بروحه (آپؐ کی معراج بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی تھی یا بحالت خواب میں روحانی؟) اور خود ابن ہشام میں محدث اور مشہور صاحب السیرۃ ابن اسحٰق کے حوالہ سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل بیدار رہتا ہے، چنانچہ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپؐ کو عجائب الٰہی میں سے جو کچھ دکھلایا گیا وہ

إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ

جس کے اردگرد کو ہم نے بابرکت بنا رکھا ہے تاکہ اس (بندہ) کو ہم اپنے بعض عجائب (قدرت) دکھائیں ۔ ۳

خواب یا بیداری کس حالت میں دکھلایا گیا، بہرحال وہ عین صدق وحق ہی تھا۔ علی ای حالۃ کان نائما او یقظان کل ذلک حق وصدق۔

من المسجد الحرام۔ یعنی خانۂ کعبہ کی مسجد سے۔ حرم شریف واقع مکہ سے۔

قیل ھو المسجد الحرام بعینہ ھو الذی یدل علیہ ظاھر لفظ القراٰن (کبیر)

الی المسجد الاقصیٰ۔ یعنی قبلۂ اول بیت المقدس کی مسجد تک۔ اقصیٰ یعنی شہر مکہ سے بہت دور

اتفقوا علی أن المراد منہ بیت المقدس وسمی بالأقصیٰ لبعد المسافۃ بینہ وبین المسجد الحرام (کبیر)

یہ واقعۂ معراج پیش کب آیا تھا؟ ہجرت مدینہ سے قبل، قیام مکہ کے زمانہ میں تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ہجرت سے کتنا قبل؟ اس میں بھی کچھ زیادہ اختلاف نہیں سال سوا سال قبل پر اتفاق ہے۔ بعض تابعین کی روایت پورے ایک سال کی ہے اور بعض کی ۱۶ مہینہ کی۔

المسئلۃ الثانیۃ فی تاریخ الاسراء وقد اختلف العلماء فی ذلک ایضا (قرطبی)

عن الزھری کان الاسراء قبل الھجرۃ بسنۃ وکذا قال عروۃ وقال السدی بستۃ عشر شھرا۔ (ابن کثیر)

۳ واقعہ اسراء ایک تو بجائے خود عجیب وغریب، مکہ معظمہ سے یروشلم کی صدہا میل کی مسافت کا گویا آناً فاناً طے ہو جانا اور پھر حسب تصریح احادیث بیت المقدس میں انبیاء سابقین سے ملاقات کا ہونا، اور پھر ملکوتی اور آسمانی مشاہدات عجیب تر ہیں۔

الذی بٰرکنا حولہ۔ یعنی ملک شام۔ بٰرکنا کے تحت میں مادی وروحانی ہر قسم کی برکتیں آگئیں۔ ملک کی سرسبزی وشادابی سرزمین سے (بہ زبان توریت) دودھ اور شہد کی نہروں کا ابلنا برکت مادی کی مثال ہوئی، اور انبیاء کرام کا کثرت سے اسی سرزمین سے اٹھنا اور اسی کی خاک میں مدفون ہونا، روحانی برکتوں کو واضح کر رہا ہے۔

ببرکات الدین والدنیا۔ (بیضاوی)

لنریہ۔ اوپر سے صیغۂ غائب چلا آرہا تھا، اب صیغۂ متکلم کی طرف انتقال ہو گیا، عربی ادب وانشاء میں اس کو صنعت التفات کہتے ہیں۔ اس کا استعمال کلام عرب اور خود قرآن مجید میں بھی عام ہے اس کا ذکر ان حواشی میں پہلے بھی آچکا ہے۔

والعرب کثیرًا ما تصرف عن الغیبۃ إلی الخطاب وعن الخطاب إلی الغیبۃ و ھذا الفن من التصرف متسع فی القراٰن وفی الشعر (ابن الشجری۔ ج ۱ ص ۱۱۱)

انتقال صیغہ برکات وآیات کے اظہار عظمت وتکریم کے لئے ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

بے شک سمیع و بصیر تو بس وہی (اللہ) ہے۔ ۵۳

وصرف الکلام من الغیبۃ الی التکلم لتعظیم تلک البرکات والایات۔ (بیضاوی)

من اٰیٰتنا۔ یہ عجائبات جو کچھ بھی تھے ان کی حیثیت محض آیات الٰہی ہی کی تھی جن سے معرفت و حکمت کے بڑے بڑے سبق ملتے ہیں تفریح و تماشہ کی نہ تھی۔

۵۳ (رسول کے ان مراتب قرب و کمال سے متاثر ہو کر کہیں یہ سمجھنے نہ لگنا کہ آپؐ بھی ان صفات باری میں کچھ شریک ہو گئے تھے، معاذ اللہ۔ سمیع و بصیر تو بلا شرکت غیرے وہی حق تعالیٰ ہی رہا۔)

السمیع۔ سمیع جب اسماء الٰہی میں آتا ہے تو اس سے مراد ایسے سننے والے سے ہوتی ہے جس سے باریک ترین آواز بھی غیر مسموع نہیں رہ سکتی اور جو بغیر کسی آلہ یا عضو کے سنتا ہے اور سمیع صیغہ مبالغہ کا ہے۔

فی أسماء اللہ تعالیٰ (السمیع) وھو الذی لا یعزب عن ادراکہ مسموعٌ وإن خفی فھو یسمع بغیر جارحۃٍ۔ وفعیل من أبنیۃ المبالغۃ۔ (نہایہ)

البصیر۔ بصیر جب اسماء الٰہی میں آتا ہے تو اس سے مراد ایسے دیکھنے والے سے ہوتی ہے جس پر بغیر کسی آلہ یا عضو کے ساری چیزوں کا ظاہر و باطن روشن رہتا ہے اور بصر سے اللہ کے حق میں مراد وہ صفت ہے جس سے اس کو کامل ترین انکشاف ہوتا رہتا ہے۔

فی أسماء اللہ تعالیٰ (البصیر) ھو الذی یشاھد الاشیاء کلّھا ظاھرھا وخافیھا بغیر جارحۃ۔ والبصر فی حقہ عبارۃ عن الصفۃ التی ینکشف بھا کمال نعوت المبصرات۔ (نہایہ)

بصیر کے لیے ملاحظہ ہو البقرہ آیت ۹۶ حاشیہ ۳۳۸ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ کے تحت۔

یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ پر سب کچھ روشن ہے اس نے رسولؐ کے اقوال کو سن کر اور احوال کو دیکھ کر آپؐ کو اس درجہ کا قرب عطا کیا۔ انبیاء پر پروردگار کی رحمت کا تو عین مقتضا ہی یہ تھا کہ ایسے باکمال بندہ کو بلندی کے انتہائی سرے تک پہنچا دے۔

انہ ھو السمیع البصیر۔ آیت کی ترکیب اور ترتیب الفاظ نے مفہوم حصر کا پیدا کر دیا اور معنی یہ ہو گئے کہ سمیع بصیر تو بس وہی ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

۵۴ توریت موجودہ میں اب تک متعدد آیتیں تعلیم توحید کی مل رہی ہیں مثلاً۔

"خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں، میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا، تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں (خروج۔ ۲۰: ۲۔ ۵)

الکتٰب۔ توریت کا مراد ہونا ظاہر ہے۔

وَّاٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور ہم نے اس (کتاب) کو بنی اسرائیل کیلئے (ذریعہ) ہدایت بنایا تھا کہ

تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ۝۲ؕ ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ

کہیں میرے سوا کسی (اور) کو کارساز مت قرار دے لینا۔ ؎۴ اے ان لوگوں کی نسل جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا ؎۵

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳ وَقَضَیْنَاۤ اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ فِی

وہ بے شک بڑے شکر گزار بندہ تھے۔ ؎۶ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ جتلا دیا تھا کہ تم ملک میں دوبار

الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا ۝۴

ضرور فساد پیدا کر کے رہو گے اور بڑی ہی سرکشی کر کے رہو گے۔ ؎۷

یہود برائے نام تو ہمیشہ توحید کے قائل رہے ہیں البتہ دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر عملاً اس راہ سے بار بار ہٹ جاتے تھے یہ وعید اسی پر ہو رہی ہے۔

؎۵ (اور اس طرح ہلاکت عام سے بچا لیا تھا۔)

سو اے اسرائیلیو! سن لو کہ یہ خطاب تم ہی سے ہے ہم ہی نے اس ہلاکت عام کے وقت تمہارے مورثوں کو بچا لیا تھا۔ اور تم ان ہی بچے ہوؤں کی نسل میں ہو تم پر تو شکر گزاری اور زیادہ واجب ہے

مَعَ نُوْحٍ۔ نوحؑ ان کی کشتی اور طوفان سب پر حاشئے پہلے گزر چکے۔

ذُرِّیَّةَ۔ صیغۂ ندا ہے "اے ذریت" کے معنی میں۔ اور ذریت نوحؑ کے تحت میں سارے اہل ارض آگئے کہ اب اس زمین پر آباد وہی لوگ تو تھے جو کشتی نوحؑ کے ذریعہ بچا لئے گئے تھے۔

قال مجاهد هذا النداء يعنى يا ذرية من حملنا۔ (معالم)

اى يا ذرية من حملنا على النداء والمراد بالذرية كل من احتج عليه بالقرآن وهم جميع من على الارض۔ (قرطبی)

؎۶ (اور شکر گزاری کی سب سے بڑی فرد عقیدۂ توحید اور اس کے مقتضیات پر عمل ہے۔)

عبد۔ کا لقب یہاں بھی ایک پیمبر جلیل کے لئے عین موقع مدح و تخصیص پر لایا جا رہا ہے۔

خوب خیال کر لیا جائے ایک پیمبر برحق کی قرآنی مدح کیا ارشاد ہوئی ہے؟ یہ کہ وہ بندے تھے، اور اللہ کے بڑے شکر گزار بندے تھے۔ بعد کو صوفیہ و مشائخ کے القاب میں جو شدید مبالغہ آرائی ہوئی ہے، وہ قرآن مجید کی روشنی میں کوئی بھی بار استناد رکھتی ہے؟

شَكُوْرًا۔ ملاحظہ ہو سورہ نحل آیت ۱۲۱ پر حاشیہ۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ

پھر جب دو بار میں سے پہلی کی میعاد آئے گی ۸ تو ہم تمہارے اوپر اپنے (ایسے) بندوں کو مسلط کردیں گے ۹

۷ (خلق پر ظلم کرکرکے اور خالق کے قانون سے بغاوت اختیار کرکرکے)

فَسَادُ فِی الْاَرْضِ۔ اور علوّ دونوں سے مراد حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا اتلاف ہے اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ۔

وَقَضَيْنَآ.... الْكِتٰبِ۔ یہ خبر بنی اسرائیل کو ان کے مختلف پیمبروں کے ذریعہ سے سنادی گئی تھی ــــ خود توریت کے بھی بعض مقامات انذاری پیشگوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں، مثلاً احبار باب ۲۶ یا استثناء باب ۲۸۔ اس کے علاوہ یرمیاہ نبی کی ہولناک پیشگوئیاں موجود ہیں ــــ اور اس کے بعد کے دور کے لئے حضرت یحییٰؑ نبی اور حضرت عیسیٰؑ نبی کی انذاری پیشگوئیاں جو عہد جدید کے صحیفوں میں درج ہیں۔

مَرَّتَيْنِ۔ یوں تو قوم اسرائیل کی تاریخ تباہیوں اور بربادیوں ہی میں کی ایک مسلسل سرگزشت ہے تاہم دو مرتبہ کی قیامت خیز ہلاکتیں تاریخ کے صفحات پر بہت گہرے الفاظ میں نقش ہیں ایک بار ۵۸۶ ق م میں بخت نصر تاجدار بابل ونینوا کے ہاتھوں۔ اور دوبارہ ۷۰ء میں رومی شہنشاہ طیطاؤس (TITUS) کے زمانہ میں۔

بنی اسرائیل ملک مصر سے آزادی پائے اور حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد شام میں ازسر نو آباد ہوگئے تھے، پہلے قبیلہ وار چھوٹی چھوٹی حکومتوں کی صورت میں اور پھر صدیوں بعد ایک متحدہ قومی حکومت کی شکل میں۔

۸ (اور تمہارے جرائم تمہیں عقوبت شدید کا مستحق بنادیں گے)

یرمیاہ نبی کی کتاب جو آج بھی صحائف عہد عتیق کا ایک جزء ہے اور دیکھی جاسکتی ہے یہود کی شرارتوں بدکاریوں کی داستان سے لبریز ہے۔ احبار اور ربیّوں کے نزدیک بھی انتقام الٰہی کی محرک یہود کی تباہ کاریاں ہی ہوئی تھیں ــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

۹ (اور تمہیں کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔)

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ۔ اس عالم اسباب میں سزا اور غضب الٰہی کا نفاذ ہمیشہ کسی نہ کسی مخلوق ہی کے ذریعہ اور واسطہ سے ہوگا، بعثت سے یہاں مراد بعثت تشریعی نہیں محض بعثت تکوینی ہے۔ اور عباد سے مراد وہ انسان ہیں جو عذاب الٰہی کے کارندوں کی حیثیت سے ان پر مسلط کئے گئے تھے اور ان کے لئے یہ ہرگز ضروری نہ تھا کہ وہ خود بھی مومنین صالحین میں سے ہوں۔ اس لئے عِبَادًا لَّنَآ پر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بخت نصر تو ایک کافر تاجدار تھا پھر قرآن نے اس کے لشکر کا انتساب اپنی جانب کیسے کرلیا۔

یہی مضمون یہود کے مقدس صحیفہ یرمیاہ میں بھی ہے اور اس میں بخت نصر کو خدا کا خدمت

فَجَاسُوا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝

جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے ۹ (الف) اور یہ وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا ۱۰

گزار کہا گیا ہے۔

"رب الافواج" یوں کہتا ہے اس لئے کہ تم نے میری باتیں نہ سنیں۔ دیکھ میں اُتر کے سارے گھرانوں کو اور اپنے خدمت گزار شاہ بابل بنوکد نضر کو بلا بھیجوں گا"۔ (یرمیاہ۔ ۲۵ = ۸، ۹)

۹ (الف) اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ۔ بابل والے عموماً بڑے جنگجو اور نبرد پیشہ تھے، اور بخت نصر کی خون آشامی کے ذکر سے تو تاریخ کے صفحات رنگین ہیں۔ اور یہیں سے ایک دوسرا مسئلہ بھی صاف ہوا جاتا ہے اسرائیلی بہر حال موحد تھے اور ان کے حملہ آور مشرک اور قانون الٰہی میں یہ ضروری ہرگز نہیں کہ ہمیشہ فتح موحدین ہی کو مشرکین پر ہوتی رہے۔

جَاسُوا خِلٰلَ الدِّيَارِ۔ بخت نصر کے لشکر نے جس جس طرح سرزمین شام کو تاخت و تاراج کیا، ہیکل سلیمانی کو شہید کیا، شہر میں آگ لگائی ایک ایک گھر میں گھس گھس کر جان و مال عزت کو برباد کیا یہ سب اسی مختصر و جامع فقرۂ قرآنی کی تفصیلات ہیں۔

۱۰ یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں خود یہ وعید اور پھر اس کے ظہور عملی دونوں کی تفصیلات درج ہیں۔ "میں ایسا کروں گا کہ ان کے درمیان خوشی کی آواز اور خرمی کی آواز، دُلہے کی آواز اور دلہن کی آواز، چکی کی آواز اور چراغ کی روشنی باقی نہ رہے اور یہ ساری سرزمین ویرانہ اور حیرانی کا باعث ہو جائے گی اور یہ قومیں ستر برس تک بابل کے بادشاہ کی غلامی کریں گی اور ایسا ہوگا خداوند کہتا ہے کہ جب ستر برس پورے ہوں گے، میں بابل کے بادشاہ کو اور اس کی قوم کو، اور کسدیوں کی سرزمین کو ان کی بدکاری کے سبب سزا دوں گا اور میں اُسے ایسا اجاڑوں گا کہ ہمیشہ تک ویرانہ رہے"۔ (یرمیاہ ۲۵ = ۹، ۱۲)

"خداوند نے صیہون کی بیٹی کو اپنے قہر کے ابر تلے چھپا دیا اس نے اسرائیل کے جمال کو آسمان پر سے زمین پر پٹک دیا، اور اپنے قہر کے دن اپنے پاؤں رکھنے کی کرسی کو یاد نہ کیا خداوند نے یعقوب کے سارے مکانوں کو غارت کیا اور رحم نہ کیا، اس نے اپنے قہر میں یہوداہ کی بیٹی کے قلعوں کو ڈھا دیا، اس نے انھیں خاک کے برابر کر دیا اس نے بادشاہت اور اس کے امیروں کو ناپاک کیا اس نے اپنے قہر شدید میں اسرائیل کا ہر ایک سینگ بالکل کاٹ ڈالا"۔ (یرمیاہ کا نوحہ۔ ۲۔ ۱۔ ۳)

۱۱ (کسی ایسی حکومت کے ذریعہ سے جو تمہاری ہمدرد اور ہوا خواہ ہوگی اور یہ اس وقت جب تم اپنی حرکتوں پر پشیمان ہو لو گے۔)

دارائے اوّل سائرس یا خورس شاہ ایران نے کلدانیوں کو شکست دے کر اور خود ان کے ملک پر قابض ہو کر ۵۳۹ھ ق م میں یہود کو جلا وطنی سے نجات دے کر وطن جانے اور یروشلم کے

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ

پھر ہم تمہارے دن اُن پر غلبہ دے کر پھیر دینگے ۱۱ اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد

اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝٦ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ

کریں گے اور تمہیں ایک بڑے جتھے والا بنا دیں گے ۱۲ اگر اچھے کام کرو گے اپنے ہی لئے اچھائی کرو گے اور اگر بُرائی کرو گے تو بھی

فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا

اپنے ہی حق میں ۱۳ پھر جب پچھلی بار کی میعاد آئے گی (ہم دوسروں کو مسلّط کر دیں گے) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ (تمہاری)

الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝٧

عبادت گاہ میں گھس پڑیں جیسا کہ اس میں (اگلے لوگ) اگلی بار گھس آئے تھے اور تاکہ جس چیز پر بھی ان کا زور چلے اسے تہس نہس کر ڈالیں ۱۴

دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دے دی تھی، قرآن مجید کا یہ اشارہ اسی تاریخی واقعہ کی جانب ہے

۱۲ یعنی تمہاری جو جائدادیں چھن گئی تھیں وہ تمہیں واپس مل جائیں گی اور تمہارے افراد جو قید ہو گئے تھے چھوٹ کر اپنے وطن آجائیں گے اور تمہاری آبادی اچھی خاصی ترقی کر جائے گی۔

جلاوطنی کے بعد اسرائیلیوں کو جو مال واپس ملا تھا اس کا تذکرہ عہد عتیق میں ہے۔

۱۳ (اور خود ہی سزا بھگتو گے)

یہ سب کچھ اسرائیلیوں سے اسی وقت ان کے پیمبروں کی وساطت سے کہہ دیا گیا تھا۔

وَاِنْ اَحْسَنْتُمْ۔ اس کے تحت میں ساری ہی نیکیاں اور طاعتیں آجاتی ہیں، لیکن خاص اشارہ ادھر معلوم ہوتا ہے کہ اگر تم نے انبیاء کا اتباع شروع کر دیا ـــــ یہود کا اصلی اور بنیادی جرم یہی اپنے انبیاء سے بار بار سرکشی اور نافرمانی تھی توحید کے تو وہ بہر حال کسی نہ کسی صورت میں قائل ہی تھے۔

فَلَهَا میں ل، الی کے معنی میں بھی لیا گیا ہے، اور علی کے معنی میں بھی۔

ای فعلیھا۔۔۔۔ قال الطبری اللام بمعنی الی۔ (قرطبی)

۱۴ یعنی جس طرح چھ صدیوں قبل کلدانیوں اور بابلی سپاہیوں نے تمھیں ہلاک و تباہ کر ڈالا تھا اور تمہاری عبادت گاہ میں آگ لگا دی تھی ایکی بار رومی سپاہی عذاب الٰہی کے مؤکل بن کر تم پر نازل ہوں گے ـــــ ان پیش خبریوں کا عملاً جس طرح ظہور ہوا اس کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن

وَعْدُ الْاٰخِرَةِ۔ یعنی جن دوبار کا ابھی اوپر ذکر آچکا ہے، ان میں سے دوسری بار ۷۰ئہ میں

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ

عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر مہربانی کرے ۱۵

ٹائٹس رومی کے عہد میں پہلی سزا شریعت موسوی کے ترک و تحریف پر ملی تھی، اب یہ دوسری سزا نبوت عیسوی کی مخالفت و انکار پر دی جا رہی ہے۔

لِيَسُوْٓءٗا۔ لِيَدْخُلُوا۔ لِيُتَبِّرُوْا۔ ان تینوں افعال میں ل لام تعلیل ہے مراد اس سے مقصود الٰہی تکوینی کا ظاہر کرنا ہے نہ کہ مقصود الٰہی تشریعی کا ـــــ یہ مظہر ارادۂ الٰہی کا ہے نہ کہ رضاء الٰہی کا۔

اسی دوسری جنگ کے عذاب کی تفصیل رومی تاریخوں میں بھی "FACITUS" وغیرہ کی لاطینی زبان سے انگریزی میں ترجمہ ہو کر آ چکی ہے۔

۱۵ (اور تم کو مزید ذلت و ادبار سے بچا لے)

اب خطاب ان اسرائیلیوں سے ہے جو قرآن کے معاصر اور براہ راست مخاطب تھے، ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ پہلی تباہیاں جو آنا تھیں آ چکیں اب بھی کچھ نہیں گیا ہے، اگر اصلاح حال کر لو، اور عدوان و طغیان چھوڑ دو تو اب بھی یہ ادبار ٹل سکتا ہے ـــــ عفو خداوندی اور رحمت الٰہی کی کوئی انتہا ہے کہ اتنی نافرمانیوں اور عدول حکمیوں کے بعد بھی تعلیم رحمت الٰہی سے دائمی مایوسی کی نہیں مل رہی ہے۔

عسیٰ۔ جب اس لفظ کا استعمال اللہ کی طرف سے ہوتا ہے تو یہ توقع نہیں بلکہ وجوب کے معنی میں آتا ہے گویا اللہ کی جانب سے فضل و رحمت کا وعدہ ہو رہا ہے۔

"عسی" وعد من اللہ ان یکشف عنھم۔ "وعسی" من اللہ واجبۃ۔ (قرطبی)

قوم یہود کی اس مکرر بربادی و تعذیب کا تذکرہ بڑا ہی سبق آموز ہے، یہود بہر حال ایک موحد قوم ہیں۔ دونوں مرتبہ (چھ سوا چھ سو صدیوں کے فصل سے) ان کے فاتح ان پر غالب آنے والے اور انھیں ہر طرح کے عذاب دردناک میں مبتلا کرنے والے مشرک ہی تھے۔ اس سے اور کھلا ہوا سبق آج کل کے مسلمانوں کو یہ ملتا ہے کہ جب کسی موحد قوم کی عملی حالت ناگفتہ بہ ہو جائے تو مشیت الٰہی کو اس میں ذرا بھی تأمل نہیں ہوتا کہ انھیں پیٹ ڈالنے اور انھیں ہر طرح ذلیل و خوار کرنے کا کام مشرک و مبغوض قوموں ہی سے لے۔ یہود کا اپنا دعویٰ توحید اور انبیاء مقبولین کی جانب اپنا انتساب ذرا بھی ان کے کام نہ آیا! صدیوں سے جو مسلمان مختلف ملکوں میں عیسائیوں یا ملحدوں کے ہاتھوں پٹ رہے ہیں اور اب اس میں اضافہ یہود اور دوسری غیر مسلم قوموں کا ہو گیا ہے یہ سب اسی قانون الٰہی تکوینی کی مثالیں ہیں اور ذرا بھی حیرت انگیز نہیں۔

ساتھ ہی ایسے تاریخی واقعات کی تفسیر کے لیے تفسیر نگار کی نظر تاریخ عالم پر ہونا کس درجہ ضروری ہے۔

وَإِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿٨﴾

اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور جہنم کو تو ہم نے کافروں کا قید خانہ بنا ہی رکھا ہے۔ ١٦ف

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

بے شک یہ قرآن ایسے (طریقہ) کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے رہتے

الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيْرًا ﴿٩﴾

ہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہے۔ ١٧ف

١٦ف یہ آخرت کی سزا دنیوی سزا کے علاوہ ہے۔

وان عدتم عدنا۔ یعنی تم نے بھی اگر اپنی وہی پچھلی حرکتیں، وہی مخالفتِ حق، وہی انانیت و استکبار جاری رکھا، تو پھر وہی سزائیں قتل، اسیری، جلاوطنی، خانماں بربادی وغیرہ اب بھی تمہارے لئے موجود ہیں ـــ بدنصیب یہود عرب نے اس آخری تنبیہ کو نہ سنا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سارے پُرقوت قبیلے بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع ایک ایک کر کے ایک قلیل ہی مدت کے اندر مٹ گئے۔

حصیرا۔ یہ عالم آخرت کا وہ حلقۂ عذاب ہوگا جس سے کافر کبھی مخلصی نہ حاصل کرسکیں گے۔

يقال حصره يحصره حصرًا ضيق عليه واحاط به (جوهری)

ای حابسًا (راغب)

ای محبسًا وسجنًا (قرطبی)

لهولاء الاقوام لهم من عذاب الدنيا ما وصفناه ويكون لهم بعد ذلك من عذاب الآخرة ما يكون محيطًا بهم من جميع الجهات ولا يتخلصون منه ابدًا۔ (کبیر)

١٧ف صلاح وفلاح دارین، دنیوی و اخروی فوز و کامرانی کی راہیں اسی کتاب حقیقت ترجمان سے وابستہ ہیں۔ ذرا اس پر عمل کر کے دیکھو تو۔

اقوم۔ سے ادھر اشارہ ہوگیا کہ سابق کتب آسمانی کی بتائی ہوئی راہیں بھی اپنی اپنی جگہ پر سیدھی ہیں، لیکن یہ قرآن والی شاہراہ سب سے بڑھ کر اور سب کی جامع ہے۔

ای أقوم الطرق وأسدّها (روح)

ای الطریقة التی هی أسد وأعدل وأصوب۔ (قرطبی)

اقوم کو قیم، مستقیم کے مرادف بھی سمجھا گیا ہے۔

انما المعنی هی التی قیمة ای مستقیمة۔ (بحر)

اور افعل التفضیل کے مفہوم میں بھی لیا گیا ہے۔

ع ۱ | وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑩

اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے۱۸

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪

اور انسان برائی کی درخواست (بھی اس تقاضہ سے) کرتا ہے (جس طرح) بھلائی کی درخواست اور انسان ہے ہی جلد باز۱۹

اقوم هنا افعل التفضيل على قول الزجاج۔ (بحر)

ھذا القرآن۔ اشارہ ھذا تعظیم قرآن کے لئے ہے۔

و فی الاشارة بهذا تعظيم لما جاء به النبی المجتبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (روح)

یھدی۔ اس کا مفعول عام ہے یعنی یہ ہدایت سب ہی کو کرتا ہے کسی مخصوص فرقے کو نہیں۔

ای الناس کافة لا فرقة مخصوصة۔ (روح)

للتی۔ یہاں الطریقة محذوف ہے۔

ای للطریقة التی (روح)

ای الطریقة التی ھی اقوم الملل والشرائع والطرق ومثل هذه الكناية كثيرة الاستعمال فی القرآن۔ (کبیر)

قرآن مجید کا تعارف ایک بار اور کرا دیا گیا اور اس کے خصوصیات بیان کر دیئے گئے ہیں۔

ف ۱۸ آخرت سے انکار اپنے وسیع معنی میں یعنی صحیح تفصیلات کے ساتھ یوم الجزاء سے انکار تو ہر کافر کے لئے عام ہے لیکن یہود کے سلسلہ میں اس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ برمحل ہے اس لئے کہ یہود باوجود دعویٰ توحید کے سب سے زیادہ اسی عقیدۂ آخرت ہی کو بھولے ہوئے تھے۔ دنیا پرستی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو یہی صورت پیدا کر دیتی ہے ــــــ موجودہ توریت محرّف میں سب سے کم ذکر یوم آخرت اور وہاں کی جزا سزا کا ہے سارا زور اسی دنیا کے انعامات پر ہے۔

ف ۱۹ (اور اپنے انجام پر غور نہ کرنے والا)

یدع الانسان۔ یہاں الانسان سے مراد ایک خاص قسم کا انسان یعنی کافر انسان ہے۔

والمراد بالانسان الجنس اسند اليه حال بعض افراده وهو الكافر واليه يشير كلام ابن عباسؓ۔ (روح)

یدع .... بالخیر۔ جن چیزوں کا لازمی نتیجہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا ہے ان کی تمنا کرتے رہنا اپنے کو عذاب یا بُرائی کی دعوت ہی دینا ہے۔

عجولا۔ یعنی لذت فوری و عاجل کا حریص خواہ وہ کتنی ہی قلیل ہو۔

ای یؤثر العاجل وان قل علی الآجل وان جلّ (قرطبی)

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا رکھا ہے ۲۰ سو ہم نے رات والی نشانی کو دھندلا بنایا اور

النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ

ہم نے دن والی نشانی کو روشن کر دیا تاکہ اپنے پروردگار کی روزی تلاش کرو۔ اور تاکہ برسوں کا شمار

وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫

اور (دوسرے) حساب معلوم کر لیا کرو، اور ہر (ضروری) شے کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے ۲۱۔

کان الانسان عجولا۔ اس کے ماتحت وہ انسان نہیں آتے جنھوں نے اپنے کو اتباع شریعت سے مہذب و مزین کر لیا ہے۔

اس ذرا سے فقرہ میں گمراہ و باطل پرست انسان کی ساری ذہنیت کی تشریح آگئی۔ ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کی طرف لے جانے والی چیز انسان کی یہی عجلت پسندی اور فوری لذت کی تمنا ہوتی ہے۔ اگر ذرا وہ سوچ سمجھ سے کام لے لیا کرے تو کبھی ان نتائج کی نوبت ہی نہ آئے خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے ہر فسق ہر عصیان کی تہ میں انسان کی یہی فوری لذت پسندی نکلے گی۔

۲۰ (اپنی قدرت، صنعت و حکمت کی)

حکمت و عرفان کی نظر سے دیکھا جائے تو رات اور دن کے طلوع و غروب میں ان کی مسلسل پابندیوں میں حکمتوں اور صنعتوں کی ایک دنیا پوشیدہ نظر آئے گی، بدبخت قوموں نے الٹا انھیں ہی دیوی دیوتا مان کر ان کی پرستش شروع کر دی جیسا کہ اس تفسیر میں باربار واضح کیا جا چکا ہے، قرآن کو ہیئت و فلکیات اور دوسرے علوم طبعی و مادی کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں، چنانچہ یہاں بھی اس نے یہ نہیں کیا کہ دن اور رات کے پیدا ہونے کے طبعی اسباب کی بحث چھیڑ دے بلکہ توجہ صرف ان کے "آیاتی" پہلو پر دلادی اور گفتگو کا رخ توحیدی پہلو کی طرف موڑ دیا۔

۲۱ (اس کتاب عزیز و حکیم کے اندر)

ای کل شیء یکم الیہ حاجۃ فی مصالح دینکم فقد فصلناہ و شرحناہ (کبیر)

مما تفتقرون الیہ فی دینکم و دنیاکم۔ (کشاف)

محونا۔ جعلنا۔ دن جیسا کہ وہ ہے اور رات جیسی کہ وہ ہے ان کی ترتیب، ترکیب، سب کچھ اللہ ہی کی کاریگری کا ثمرہ ہے۔ یہ نہیں کہ یہ محض بخت و اتفاق سے خود بخود وجود میں آگئے ہوں یا کسی دیوی دیوتا نے انھیں خلعت وجود سے مشرف کیا ہو۔

مبصرۃ۔ کا مفہوم اس سیاق میں ہے آنکھوں کو روشن کر دینے والا۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ⑭ؕ

(لے) اپنا نامۂ (اعمال) پڑھ۔ آج تو خود ہی اپنے حق میں حساب کرنے کے لئے کافی ہے ۲۴

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ

جو کوئی راہ پر چلتا ہے سو وہ اپنے ہی نفع کے لئے راہ پر چلتا ہے اور جو کوئی

شقاوت کے۔

ای عملہ الذی طار عنہ من خیر وشر (راغب)

قال الحسن ای شقاوتہ وسعادتہ وماکتب لہ من خیر وشر (قرطبی)

ای عملہ الصادر منہ باختیارہ (روح)

سمی الخیر والشر بالطائر تسمیۃً للشئ باسم لازمہ (کبیر)

الزمنٰہ فی عنقہ۔ محاورۂ عرب میں شدّت لزوم اور کمال ربط کے اظہار کے لئے آتا ہے۔

تصویر لشدۃ اللزوم وکمال الارتباط (روح)

انما اراد بہ عملہ من خیر او شر علی عادۃ العرب (جصاص) اخبر انہ فی عنقہ کالطوق الذی یحیط بہ ویلازمہ مبالغۃ فی الوعظ والتحذیر (جصاص)

کنایۃ عن اللزوم (کبیر)

ذکر العنق عبارۃ عن اللزوم کلزوم القلادۃ للعنق (قرطبی)

۲۳ یہ نامۂ اعمال جو اس وقت تک غیب میں فرشتوں کے ہاتھ میں محفوظ ہوگا حشر میں کھول کر ہر بندہ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا ــــــ حکماء اسلام نے کہا ہے کہ آیت میں ایک بڑے عالی مضمون کا بیان ہو رہا ہے۔

قال حکماء الاسلام ھذہ الآیۃ فی غایۃ وشرف وفیھا اسرار عجیبۃ۔ (کبیر)

۲۴ (کسی اور کو ضرورت ہی نہیں کہ تجھے تیرے اعمال گنائے)

اقرأ کتٰبك۔ یہ بندہ سے کہا جائے گا۔

نامۂ اعمال کے اس تذکرہ دینے والے ذکر پر اس نامہ سیاہ کو اپنے نامۂ اعمال کی سیاہیاں یاد آ گئیں لیکن ساتھ ہی بندہ نواز مولی کی بے انداز شفقتوں اور بے حد وحساب بندہ پروری کا بھی خیال آ گیا! ــــــ اللہ ٹھنڈی رکھے اقبال کی تربت کو، کیا لاجواب مضمون باندھ گیا ہے، گو پیرایۂ ادا ذرا خلافِ ادب ہے ؎

روز حساب جب مرا پیش ہو دفتر عمل
آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ

بے راہی کرتا ہے وہ بھی اپنے ہی لئے بے راہ ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا[۲۵]

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿١٥﴾

اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کسی پیامبر کو ہم بھیج نہیں لیتے[۲۶]

مالک و آقا کی شرمندگی اپنے بندے کی کسی خطا اور کمزوری پر وفور رحمت اور کمال ربوبیت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

۲۵ مشرک قوموں کا تو ذکر ہی نہیں، خود اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ہاں انفرادی ذمہ داری مٹ مٹا کر سارا زور مسئلہ "شفاعت" و "کفارہ" وغیرہ پر رہ گیا تھا۔ قرآن مجید میں اسی لئے ان عقائد کی پُر زور تردید بار بار مختلف عنوانات سے ہوتی رہتی ہے اور یہاں بھی مقصود شخصی ذمہ داری و مسئولیت کا اثبات ہے۔

۲۶ (اور اس بندۂ مکلف کو شریعت کے پیام پہنچا نہیں لیتے۔)
یہاں یہ عام قاعدہ بیان کر دیا گیا کہ تبلیغ دین، رسول یا اس کے کسی نائب کے ذریعہ سے ہو جانا ضروری ہے بغیر اس کے کسی قوم پر عذاب نہیں آتا، اور محققین نے اس سے استنباط کر کے لکھا ہے کہ جن قوموں تک رسول کی اصلاً خبر نہیں پہنچی وہ کفر و معاصی پر معذب نہ ہوں گے۔
اور یہیں سے فقہاء اہل سنت نے یہ بھی نکالا ہے کہ کوئی کافر حربی اگر اسلام لے آئے اور اُسے نماز زکوٰۃ وغیرہ کے احکام کی خبر نہ پہنچے، تو جب تک اطلاع نہ پہنچ لے اس پر ان واجبات و فرائض کی قضا نہیں ہے۔

ھذا یدل علی من اسلم من اھل الحرب ولم یسمع بالصلاۃ والزکاۃ ونحوھا من الشرائع السمعیہ انہ لا یلزمہ قضاء شئ عنھا (جصاص)

فیہ دلیل علی ان ما وجب وجب بالسمع لا بالعقل (معالم)

وفی ھذا دلیل علی ان الاحکام لا تثبت الا بالشرع خلافا للمعتزلۃ القائلین بأن العقل یقبح ویحسن ویبیح ویحظر۔ (قرطبی)

فیہ دلیل علی انہ لا وجوب قبل الشرع۔ (بیضاوی)

اور یہ نتیجہ بھی (بعض گمراہ فرقوں کے برعکس) نکالا ہے کہ جب تک رسول ہی کے پیامات کی مخالفت نہ ہو محض عقلی واجبات و فرائض کی مخالفت سے عذاب ہلاکت نازل نہیں ہوتا۔

انہ لا یعذب عذاب الاستیصال الا بعد قیام حجۃ السمع بالرسول وان مخالفۃ موجبات احکام العقول قبل ورود السمع من جھۃ الرسول لا توجب فی حکم اللہ عذاب الاستیصال (جصاص)

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ

اور جب ہم ارادہ کر لیتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں گے تو اس (بستی) کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ

عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ ٱلْقُرُونِ

وہاں شرارت مچاتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے پھر اس (بستی) کو نہس نہس کر ڈالتے ہیں[۲۷] اور ہم نے کتنی ہی امتوں کو نوح کے

مِنۢ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِۦ خَبِيرًۢا بَصِيرًا ﴿١٧﴾

بعد سے ہلاک کر ڈالا ہے اور آپ کا پروردگار ہی اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والے، دیکھتے رہنے والے کی حیثیت سے بس ہے[۲۸]

قال اصحابنا وجوب شکر المنعم لا یثبت بالعقل بل بالسمع (کبیر)

اخبار عن عدله تعالیٰ، وأنه لا یعذب أحدا إلا بعد قیام الحجة علیه بإرسال الرسول إلیه۔ (ابن کثیر)

رَسُولًا۔ رسول یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں عام پیام رسان شریعت کے مفہوم میں ہے۔ یہ اصطلاح "رسول" اور اس کے ہر نائب کے لئے عام ہے ۔۔۔ قانون الٰہی یہ ہے کہ بغیر تبلیغ بلیغ کے کسی بندہ پر گرفت نہیں۔

۲۷؎ یہاں اس عام ضابطہ کا بیان ہے کہ جب کسی قوم کی تشدّت کفر و طغیان کی بنا پر حکمت الٰہی کو اس کا فنا کر دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے تو پہلے کسی رسول کے ذریعہ سے اسے ایمان و اطاعت احکام کا حکم پہنچایا جاتا ہے اور جب وہ برابر عدول حکمی کرتے رہتے ہیں تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور وہ بستی نہس نہس کر ڈالی جاتی ہے۔

وَإِذَآ أَرَدْنَا۔ یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ مصالح تکوینی اور آئینی حکمت کے ماتحت ہوتا ہے رضائے الٰہی ایک بالکل دوسری چیز ہے۔

أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً۔ یہ کسی بستی کی ہلاکت بہ طریق عذاب اس کی مسلسل نافرمانیوں ہی کا نتیجہ ہوتی ہے خود بخود نہیں واقع ہو جاتی۔

أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا۔ اطاعت احکام الٰہی کا یہ حکم ملتا تو امت کے عوام و خواص سب ہی کو ہے لیکن خواص کی حیثیت لیڈر، پیشوا یا مقتدا کی ہوتی ہے اس لئے ان کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا، عوام تو بس ان ہی کے پیرو ہو جاتے ہیں۔

فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ۔ یہ الفاظ اس باب میں صریح ہیں کہ گرفت دفعۃً اور بلا اطلاع نہیں ہو جاتی، پوری طرح موقع دینے اور ہر طرح کے اتمام حجت کے بعد ہی ہوتی ہے۔

فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا۔ نذیر احمدی زبان میں ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے "پھر ہم اسے مار کر پٹڑا کر دیتے ہیں"

۲۸؎ (اسے کسی اور سہارے کی ذرا بھی حاجت نہیں۔)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ

جو کوئی دنیا کی نیت رکھے گا ہم اس کو دنیا میں سے جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فوراً ہی دے دیں گے

نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾

پھر ہم اس کے لئے جہنم رکھیں گے اس میں وہ بد حال اور راندہ ہو کر داخل ہوگا ۲۹

صفات خبیر و بصیر لا کر یہ یاد دلا دیا کہ حق تعالیٰ سب کے ظاہر و باطن سے پوری طرح خبردار ہے اور بصیرت میں کامل ہے اس کے ہاں اس اندھیر کا امکان ہی نہیں کہ کسی کو بلا قصور سزا مل جائے عام مشرک قوموں کے دیوی دیوتاؤں کے ہاتھ انسانوں کے ساتھ برتاؤ کا کوئی قانون و قاعدہ ہی نہیں، گاہے بسلامے برنجند گاہے بہ دشنامے خلعت دہند کا معاملہ رہتا ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ۔ یہ ان ہی قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے جو اپنے کفر و طغیان کی پاداش میں ہلاک ہوئیں۔

مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ۔ یعنی جب سے تاریخ کا آغاز ہوا ہے ـــــ دنیا از سر نو طوفان نوح کے بعد ہی آباد ہوئی اور تاریخ عالم کا آغاز کہنا چاہئے اسی وقت سے ہوتا ہے۔

۲۹ آیت کے اندر بڑی عبرت کا مضمون بیان ہوا ہے آج دنیا میں کثرت سے لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کو مختلف منصوبوں میں کامیاب پا کر اپنے کو برسر حق اور مقبول سمجھنے لگتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ضمیر کی خلش محسوس کریں اپنی ہر کامیابی کے ساتھ اور زیادہ غافل مطمئن اور بے فکر ہوتے جاتے ہیں۔ کوئی رشوت لے لے کر اپنی حرص پوری کر رہا ہے کوئی سود لے لے کر اپنا خزانہ جمع کر رہا ہے، اور چونکہ دولت کھٹا کھٹ چلی آ رہی ہے، اپنے حال پر اور زیادہ نازاں ہوتا جاتا ہے۔ اور اپنے عمل پر احتساب و نظر ثانی کی ضرورت ہی سرے سے نہیں سمجھتا۔ آیت میں بتایا ہے کہ یہ فوری کامیابی مطلق صورت میں ہرگز خوش ہونے والی چیز نہیں۔ دیکھنا تو یہ چاہئے کہ غایت عمل کیا ہے اور مقصود سعی کیا ہے۔ اگر محض دنیا ہے تو انجام تمام تر خراب ہی ہوتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمح نظر اس عارضی و فانی دنیا کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے۔

العاجلۃ سے مراد ہے دنیا۔۔ یعنی الدار العاجلۃ صفت بول کر مراد موصوف لی گئی ہے۔

یعنی الدنیا والمراد الدار العاجلۃ۔ (قرطبی)

مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ۔ دونوں قیدیں اہم ہیں۔ یہ وعدہ مطلق صورت میں نہیں کہ ہر طالب دنیا کو اس کی خاطر خواہ دنیا مل ہی جائے گی بلکہ صرف اسی کو اور اتنی ہی مقدار میں ملے گی جس کے لئے اور جس حد تک مشیت الٰہی مصالح تکوینی کے مطابق ہوگی۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ

اور جو کوئی آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے کوشش بھی اس کے لائق کرے گا درانحالیکہ وہ مومن بھی ہو

سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ

سو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہو رہے گی ۳۰ہم ہر ایک کی امداد کرتے ہیں اُن میں سے بھی اور اِن میں سے بھی آپ کے

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

پروردگار کی بخشش میں سے۔ اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی پر) بند نہیں ۳۱

۳۰ (اللہ کے ہاں۔ اور ایسوں کو اجر پورا مل کر رہے گا۔)
بہ خلاف آیت ماقبل کے یہاں وعدہ مطلق اور قطعی صورت میں ہے طالبِ عقبیٰ کو (جو حقیقتہً طالب مولیٰ ہی ہوتا ہے) ایمان اور سعی حسن عمل کے بعد جزائے کامل یقیناً ملے گی۔
مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ۔ یعنی جو اپنا مطمح نظر اس تکمیلِ و پائدار زندگی کو بنائے رکھے اور اپنے عمل سے مقصود اسی کو رکھے ـــــ گویا قبول کی پہلی شرط تصحیح نیت ہوئی۔
وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا۔ محض تمنا ہرگز کافی نہیں، جب انسان نیکی حاصل کرنا چاہے تو لازم ہے کہ عملاً بھی اس کی طرف قدم بڑھائے محض آرزو و تمنا کا درجہ قطعاً ناکافی ہے اور عمل بھی اپنے ظن وتخمین سے نہیں، یا اپنی ہوائے نفس کے ماتحت نہیں، بلکہ قانون شریعت کے مطابق ہو ـــــ گویا دوسری شرط تصحیح عمل ہوئی حسب ضابطۂ شریعت۔
اعمال وطاعات کا شریعت کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہونا بہت ہی ضروری ہے اپنے دل سے گڑھی ہوئی ریاضتیں اور مجاہدات کیسے ہی شدید ہوں ہرگز نافع نہ ہو سکیں گے، اگر معیار شریعت سے ہٹے ہوئے رہے۔
وَهُوَ مُؤْمِنٌ تیسری اور سب سے زبردست شرط یہ تصحیح عقیدہ کی ہوئی منکر قانونِ الٰہی کا عمل کوئی سا بھی مقبول نہیں۔ اس مضمون کی جہاں بھی آیتیں قرآن مجید میں آئی ہیں، ہر جگہ قید وھو مومن کی لگی ہوئی ہے۔

۳۱ یہاں یہ قانون بیان ہوا ہے کہ نیک و بد، سعید و شقی، مقبول و مردود تکوینی طور پر خزانۂ غیب سے سب ہی مدد پاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ تو روز کا مشاہدہ ہے کہ ہوا اور پانی اور سورج کی گرمی اور چاند کی ٹھنڈک اور روشنی اور حیوانی و نباتی موجودات سے جس طرح مومن نفع اٹھا سکتے ہیں، اسی طرح شدید منکرین بھی نفع اٹھا رہے ہیں۔
كُلًّا۔ یعنی ہر دو فریق۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ

(تو دیکھ) ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے۔ اور آخرت یقیناً بہت بڑی ہے درجات کے اعتبار سے بھی

وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ

اور بہت بڑی ہے فضیلت کے اعتبار سے بھی ۳۲ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا، ورنہ تو ہمیشہ رہے گا

مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع ۲ ۲

بدحال اور بے یار و مددگار ہو کر ۳۳

ای کل واحد من الفریقین۔ (مدارک)

۳۲ (سو اصل اہتمام اور پورا اہتمام اسی آخرت کا چاہیئے)

وللآخرۃ اکبر درجات۔ جس آخرت میں یہ مرتبے عطا ہوں گے وہ مخصوص ہے مومنین مقبولین کے لئے ___ آیت میں اشارہ اسی جانب ہے کہ دنیا میں جو فرق مراتب و مدارج تمہارے لئے محسوس و مشاہد ہے وہ تو استقدر ہے تو آخرت میں باہمی فرق درجات تو اس سے ہزاروں گنا زیادہ نمایاں ہوگا۔

فضلنا بعضھم علی بعض۔ یہ ایک پر دوسرے کی فضیلت انعامات دنیوی کے لحاظ سے ہے مال، جاہ، کمالات وغیرہ۔ اس ظاہری "عدم مساوات" کو سطحی نظر سے نہ دیکھو۔ یہ سمجھے رہو کہ خلق میں یہ رنگارنگی یہ تنوع عین حکمت و مصلحت ہی سے ہے۔

انظر۔ سبق لینے کی نیت سے دیکھو۔

انظر بعین الاعتبار۔ (کشاف۔ مدارک)

عبرت پذیری کی دولت بہت بڑی دولت ہے جس کسی کو یہ مل گئی اس کو بہت کچھ مل گیا بقول شاعر ؎

نہ کچھ بھی رہا تو بھی سب کچھ رہا
تیری یاد دل میں اگر رہ گئی

۳۳ شرک کی ایک نمایاں قباحت تو اسی دنیا میں یہ نظر آتی ہے کہ انسان توحید سے کٹ کر بالکل بے سہارا اور بے یار و مددگار رہ جاتا ہے ___ اور آخرت میں بھی بے کسی اور بے بسی متشکل ہو کر خود مشرک کے سامنے آجاتی ہے۔

فتقعد۔ قعود سے یہاں مراد جسم کی وہ وضع و ہیئت نہیں جو کھڑے ہونے یا لیٹنے سے ممتاز ہے بلکہ جیسے اردو محاورہ میں "بیٹھ رہنے" سے مراد کسی ناخوشگوار حالت میں پڑے رہ جانے سے ہوتی ہے، جیسے ان فقروں میں کہ "صدمہ تو بہت ہوا لیکن کرتے کیا، رو پیٹ کر بیٹھ رہے" "تھک کر بیٹھ رہے" اسی طرح

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ

اور تیرے پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اس (ایک رب) کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک رکھنا ۳۴

عربی محاورہ میں بھی قعود کسی بری حالت کے مستمر ہو جانے کے موقع پر آتا ہے۔

معناہ المکث ای فتمکث فی الناس مذموما مخذولا وھذہ اللفظۃ مستعملۃ فی لسان العرب والفرس فی ھذا المعنی (کبیر) معناہ المکث سواء کان قائما او جالسا۔ (کبیر)

۳۴ وَقَضٰى رَبُّكَ۔ اللہ نے اپنا یہ حکم جاری کر دیا ہے، اپنا یہ قانون ٹھہرا دیا ہے۔ قَضٰی اَمَرَ کے معنی فقہاء نے وجوب و فرضیت کے لیے ہیں۔

امر ربک قال ابن عباس و قتادۃ والحسن، قال الربیع وانس وجب ربک (معالم)

القضاء ھھنا بمعنی الأمر (ابن کثیر)

ماں باپ کی خدمت کرتے رہنا شریعت اسلامی کے اہم ترین واجبات میں سے ہے۔ تہذیب فرنگ کی طرح شریعت اسلامی کا یہ فتویٰ نہیں کہ لڑکا جب عاقل اور بالغ و صاحب اختیار ہو جائے تو بیوی کو ساتھ لے کر اپنا الگ گھر بار کر لے اور بوڑھے ماں باپ سے تعلق اگر رکھے بھی تو محض دور کا اور ضابطہ کا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

بڑے ہو کر ماں باپ سے بے تعلقی، خاص وصف حیوانی ہے اور تہذیب فرنگ نے حیوانیت کے اور عنصروں کی طرح اسے بھی بے تکلف اپنے میں جذب کر لیا ہے ـــــ قرآن مجید کو جیسے پورا علم تھا کہ ایک دور عالم انسانی پر ایسا آئے گا جب یہ حیوانیت ہی عین علامت تہذیب سمجھی جائے گی۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ یہ فقرہ جس میں خدمت والدین کا حکم ہے، اس کا عطف اس فقرہ پر جس میں توحید اور منع شرک کا حکم ہے خود اس امر پر ایک دلیل ہے کہ شریعت میں خدمت والدین کا درجہ کتنا اہم و بلند ہے!

بیّن اللہ تعالٰی بھذہ الآیۃ تاکید حق الابوین فقرنہ الامر بالاحسان الیھما الی الامر بالتوحید۔ (جصاص)

صحیح بخاری کی حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ بعد نماز فرض اور جہاد فی سبیل اللہ کے، بہترین عمل خدمت والدین ہے ـــــ فاخبر صلی اللہ علیہ وسلم ان بر الوالدین افضل الاعمال بعد الصلاۃ التی ھی اعظم دعائم الاسلام ـــ

اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ فقرہ فرمایا کہ جس نے کسی دوسرے کے باپ کو گالی دی اس نے گویا اصلاً خود اپنے باپ کو گالی دلوائی۔

آیت میں کوئی استثناء و تخصیص نہیں، والدین اگر مشرک ہیں تو ان کے حق میں دعائے ہدایت جاری رہنا چاہئے اور اگر مومن ہیں تو دعائے رحمت۔

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا

اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں تو تو ان سے (کہیں) ہوں بھی نہ کہنا

تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرنا ۳۵

لا نسخ ولا تخصیص لان الوالدین اذا کانا کافرین فله ان یدعو لهما بالهداية والارشاد وان یطلب الرحمة لهما حصول الایمان ۔ (کبیر)

لا یختص بر الوالدین بان یکونا مسلمین بل ان کانا کافرین یبرهما ویحسن الیهما اذا کان لهما عهد (قرطبی)

فقہاء نے لکھا ہے کہ والدین اگر مشرک ہوں جب بھی ان کے ساتھ حسن معاشرت واجب ہے بجز اس کے کہ باب شرک میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔

فامر بمصاحبة الوالدین المشرکین بالمعروف مع النهی عن طاعتهما فی الشرك (جصاص)

۳۵ دنیا میں اسی سطح زمین پر ایسی ایسی مہذب و شائستہ قومیں بھی گزری ہیں، جن کے یہاں دستور یہ تھا کہ جب والدین بوڑھے ہو کر قوم کے لئے بیکار، بلکہ اس پر ایک بار ہو جاتے تھے تو سعادتمند صاحبزادے انھیں لے جا کر کسی سنسان پہاڑی وغیرہ پر چھوڑ آتے تھے کہ وہیں پڑے پڑے مر جائیں، یا کسی جنگلی جانور کی غذا بن جائیں۔

اما یبلغن عندك الکبر۔ بڑھاپے کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ اسی سن میں والدین معذور ہو کر دوسروں کی خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں اور ان کے اسی سن میں ان کی خدمت طبیعت کو گراں گزرنے لگتی ہے۔

ایک حدیث نبوی میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ بڑا بد قسمت ہے وہ شخص جو اپنے والدین کا بڑھاپا پائے اور پھر ان کو خوش کر کے ان کی دعاؤں سے اپنے کو جنت کا مستحق نہ بنالے۔

فلا تقل لهما اف۔ حکم قرآنی سے مراد صرف یہ ہے کہ والدین کو قولاً فعلاً، بڑی چھوٹی کسی قسم کی بھی اذیت پہنچانا جائز نہیں صرف لفظ "اُف" کے تلفظ سے روکنا ہرگز مقصود نہیں بلکہ حکم خدمت واطاعت میں زور و تاکید پیدا کرنا مقصود ہے۔

ثم انهم لتوسعوا فذکروا هذه اللفظ عند کل مکروه یصل الیهم (کبیر) لا تقل لفلان اف مثل یضرب للمنع من کل مکروه واذية وان خف وقل (کبیر) المقصود من هذا الکلام المبالغة فی تعظیم الوالدین ۔ (کبیر)

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا

اور ان کے سامنے محبت سے انکسار کے ساتھ جھکے رہنا اور کہتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان پر مہربانی فرما

رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾

جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا، پرورش کیا۔ ۳۶ھ

ای لا تقل لھما ما یکون فیہ ادنی تبرم (قرطبی)

ای لا تسمعھما قولاً سیئًا حتی ولا التأفیف الذی ھو ادنی مراتب القول السیئ۔ (ابن کثیر)

اُف عربی کا "اُف" اُردو کے "اُف" سے ذرا مختلف مفہوم رکھتا ہے، عربی میں "اُف" سے مقصود کراہت یا گھن کا اظہار ہوتا ہے۔ جو کسی گندگی سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

یقال ذٰلک لکل مستخف استقذارًا لہ۔ (راغب)

صوت یستعمل عند التکرہ والتضجر۔ (بحر)

ویقال لکل ما یضجر و یستثقل۔ (قرطبی)

اردو میں ایسے موقع کے لئے چھی چھی کرنا آتا ہے۔

وقل لھما قولاً کریما۔ اسی حکم کے اندر یہ ہدایت بھی آگئی کہ والدین سے جب بات کی جائے تو خطاب پورے ادب و تعظیم کے ساتھ کیا جائے۔

والمراد منہ ان یخاطبہ بالکلام المقرون بامارات التعظیم والاحترام۔ (کبیر)

وبالوالدین احسانا۔ سے حکم اگر والدین کے ساتھ عمل میں لطف و نرمی کا نکلا تو فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما سے تاکید قول میں ان کے ساتھ ادب اور تمیز داری کی نکلی، اور قل لھما قولاً کریما سے حکم مخاطبت و گفتگو میں ان کے ادب و عظمت کے لحاظ رکھنے کا نکل آیا۔

۳۶ھ خدمت والدین کے سلسلہ میں محض سلبی ہدایات یا نواہی کافی نہیں، ایجابی ہدایت یا اوامر بھی مل رہے ہیں قل لھما قولاً کریما تو ابھی ابھی آچکا ہے اب دو ہدایتیں اور ملیں۔

واخفض لھما جناح الذل۔ محاورۂ زبان کے اعتبار سے اس فقرہ سے والدین کے ساتھ انتہائی فروتنی اختیار کرنے کی تاکید نکل آئی۔

ھو مجاز لان الذل لیس لہ جناح ولا یوصف بذلک ولکنہ اراد المبالغۃ فی التذلل والتواضع (جصاص)

مبالغۃ فی التذلل والتواضع لھما (کشاف)

والمقصود منہ المبالغۃ فی التواضع (کبیر)

استعارۃ فی الشفقۃ والرحمۃ بھما والتذلل لھما تذلل الرعیۃ للأمیر

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ

تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے ۳۷ اگر تم (دل سے) سعادت مند ہو تو وہ بھی

لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ﴿٢٥﴾ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ

توبہ کرنے والوں کے حق میں بڑا ہی مغفرت کرنے والا ہے ۳۸ اور دے تو قرابت دار کو (بھی) اس کا حق اور

السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾

محتاج اور مسافر کو (بھی) ان کا حق اور مال کو فضولیات میں نہ اڑا ۳۹

والعبید للسادة۔ (قرطبی)

مِنَ الرَّحْمَةِ۔ من یہاں جنس کے لیے ہے، یعنی یہ تابعداری محبت ہی سے پیدا ہونا چاہیے۔

من لبیان الجنس۔ (قرطبی)

من فرط رحمتك لهما۔ (کشاف)

قُلْ .... صَغِيرًا۔ یہاں کس حکمت کے ساتھ جوان، تندرست، وتنومند اولاد کو خود اس کے بچپن کی بےکسی اور بےبسی یاد دلادی گئی ــــــ قدرۃً یہاں پہنچ کر ہر انسان کو یہ خیال آئے گا کہ ایک دن مجھے بھی اسی طرح ضعیف ومعذور ہو کر خود اپنی اولاد کا محتاج ودست نگر ہونا ہے۔

قل رب ارحمھما۔ والدین کے حق میں دعائے رحمت کرتے رہنے سے خود اپنے دل میں بھی ان کے متعلق جذبات محبت وکشش بیدار ہو جائیں گے، یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے، جب جس کا جی چاہے اس کا تجربہ کر کے دیکھ لے ــــــ اور پھر یہ دعا کرنا کہ "اے پروردگار ان پر رحمت فرما"، گویا یہ دعا کرنا ہے کہ "اے پروردگار انھیں دنیا وآخرت کی ہر قسم کی بھلائی سے بہرہ ور کر" کہ لفظ رحمة عربی میں جامعیت ہی ایسی رکھتا ہے۔

ولفظ الرحمة جامع لكل الخيرات في الدين والدنيا۔ (کبیر۔عن القفال)

كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی نکل آئی کہ معاشرت اسلامی میں بچوں کی پرورش والدین ہی کا حق ہے (اور ہر صالح تمدن میں یہی ہونا بھی ہے) نہ کہ حکومت کا یا کسی اور ادارہ کا ــــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

۳۷ (اس لئے محض ظاہری اور لفظی تعظیم پر اکتفا نہ کرنا، بلکہ دل سے بھی ان کی توقیر وتعظیم اور ادب ولحاظ میں لگے رہنا)

اللہ اللہ! خدمت والدین واطاعت والدین کے باب میں قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام منظور ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝۲۷

بے شک فضول خرچیاں میں اڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی بند ہوتے ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے ۝۴۰

۳۸؎ (اس لئے اگر اتفاقی طور سے کبھی کوئی بات تم سے ان کے مرتبہ کے منافی صادر ہو جائے تو معاً نادم ہو کر اس کی تلافی کرو۔)

صٰلحین۔ یعنی نیکی اور حسن سلوک کا ارادہ رکھنے والے ہماری زبان میں سعادتمند ایسے ہی موقع کے لئے ہے۔

ای قاصدین الصلاح والبر دون العقوق والفساد۔ (روح)

قاصدین الصلاح والبر۔ (کشاف)

اوّابین۔ یعنی وہ لوگ جو غلطی یا لغزش صادر ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف توبہ و استغفار کے ساتھ رجوع کریں۔

ای الراجعین الیہ تعالیٰ التائبین عما فرط منھم مما لا یکاد یخلو منہ البشر (روح)

الاوّاب الحفیظ الذی اذا ذکر خطایاہ استغفر منھا۔ (قرطبی)

۳۹؎ اسلام نفس جمع مال و کسب مال کا ہرگز مانع نہیں، البتہ پہلے تو وہ کسب مال کے لیے شرائط جائز و حلال کی قید لگاتا ہے اور پھر صرفِ مال کے قاعدے مقرر کرتا ہے کہ مال و دولت پر تو عزیزوں کے، مسکینوں کے، نادار مسافروں پر دیسیوں کے حق قائم ہیں یہ ان ہی کے کام میں آنے کی چیزیں ہیں — والدین کے ادائے حقوق کے معاً بعد نہایت صحیح ترتیب کے ساتھ اب دوسرے اہل حقوق کے حقوق کی ادائی کا حکم ہو رہا ہے۔

حقہ۔ حق کا لفظ مالی، غیر مالی ہر قسم کے حقوق پر شامل ہے لیکن یہاں ذکر حقوق مالی ہی کا ہو رہا ہے حق کے لفظ نے یہ بھی بتا دیا کہ عزیزوں، مسکینوں وغیرہ کی اعانت واجب ہے۔ ان کا حق ہے کہ وہ مالداروں سے اعانت طلب کریں، اور مالداروں پر لازمی ہے کہ ان پر احسان رکھ کر نہیں اپنا فرض سمجھ کر ان کی اعانت کریں — یہ معنی ہیں صحیح سوشلزم (اشتراکیت) کے۔ نہ یہ کہ ایک طرف ناداروں کو سرمایہ داروں کے خلاف بھڑکا دیا جائے اور غصہ دلا دیا جائے، اور دوسری طرف نظام سرمایہ داری مالداروں کے قلب میں قساوت پیدا کر دے۔

خدمت والدین کا حکم ابھی ابھی مل چکا ہے، اس کے معاً بعد یہ ہدایت لانا گویا یہ کہنا ہے کہ حقوق خدمت صرف والدین تک محدود نہ رہیں، والدین کے بعد ہی دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے، اور پھر درجہ بدرجہ ہر تعلق اور سابقہ رکھنے والے کا۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔ اسلام مالدار کو یہ حکم نہیں دیتا کہ وہ اپنے نفس کی آسائش پر سرے سے کچھ خرچ ہی نہ کرے۔ جائز حدود کے اندر اس نے اس کی بھی پوری اجازت دی ہے البتہ وہ اندھا دھند اسراف سے قطعاً روکتا ہے، جس سے جائداد کچھ روز میں تباہ ہو کر رہ جائے۔

وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا

اور اگر تجھے ان سے پہلوتہی کرنا پڑے اس انتظار میں کہ تیرے پروردگار کی طرف سے وہ کشائش آئے

مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا

جس کی تجھے امید ہے تو تو ان سے نرمی کی بات کہہ دے ۴۱ ۔ اور تو نہ اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لے اور نہ اسے بالکل

كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾

کھول ہی دے ورنہ تو ملامت زدہ تہی دست ہو کر بیٹھ جائے گا ۴۲

تبذیر ۔ کہتے ہیں مال کے بے موقع یعنی محل معصیت میں خرچ کرنے کو ۔ اور اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں ۔

۱۔ معصیت بالذات مثلاً زنا ، شراب ۔ قمار بازی وغیرہ اس میں کچھ بھی صرف کرنا ہر حال میں حرام ہے ۔

۲۔ معصیت بالغیر یعنی عمل تو بجائے خود جائز ہو لیکن اس میں شرکت سے مقصود شہرت تفاخر وغیرہ ہو ۔

التبذیر انفاق المال فی غیر حقه (جصاص عن ابن عباس وعبد الله بن مسعود وقتادة)

التبذیر تفریق المال فی غیر الحل والمحل ۔ (مدارك)

۴۰ (کہ حق تعالیٰ نے اس کو دولت عقل کی دی تھی مگر اس نے اسے خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں لٹا دیا)

اخوان الشیاطین ۔ یعنی ناشکری اور کفران نعمت میں شیطان کے مشابہ اور ہم سطح ہوتے ہیں ۔

والمراد من هذه الاخوة التشبه بهم فی هذا الفعل القبیح ۔ (کبیر)

اخوان ۔ اخ کا اطلاق عربی میں بہت وسیع اور ہر قسم کے اشتراک و مشابہت کے لئے عام ہے ۔

یستعار فی کل مشارك لغیره فی القبیلة او فی الدین او فی صنعه او فی معاملة او فی مودة وفی غیر ذلك من المناسبات ۔ (راغب)

العرب یسمون اللازم للشئ اخاله فیقولون فلان اخو الکرم والجود واخو السفر اذا کان مواظبا علی هذه الاعمال ۔ (کبیر)

انسان کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُسے شیطان سے تشبیہ دے دی جائے جو سرچشمہ ساری برائیوں کا ہے ۔

وهی غایة المذمة لانه لا شر من الشیطان (کشاف)

۴۱ یعنی نرم زبانی اور ان کی دلجوئی کو ملحوظ رکھ کر ان سے آئندہ کے لئے وعدہ کر لینا کوئی کڑا اور دلشکن جواب انھیں ہرگز نہ دینا ۔

واما تعرضن عنهم ۔ یعنی جب وہ لوگ تم سے طالب اعانت ہوں اور عارضی طور پر تم خود تہی دست ہو ۔

عنهم ۔ سے مراد وہی لوگ ہیں ، جن کا حقدار ہونا ابھی اوپر گزر چکا ہے ۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ

بے شک تیرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور (وہی) تنگی (بھی) کر دیتا ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ ع

بے شک وہی اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا ہے (انہیں) خوب دیکھتے رہنے والا ہے ۴۳

۴۲ (جیسا کہ بے تحاشہ اسراف کا نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے)

خرچ کے معاملہ میں اسلام کی تعلیم اعتدال، اقتصاد و میانہ روی کی ہے ــــــ نہ اپنی حالت اور قدرت سے بڑھ کر خرچ، اور نہ بالکل کنجوسی ہی۔ نہ صرف بے محل و خلاف موقع، نہ موقع و محل پر صرف سے گریز۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے غایت بخل سے۔ جیسے اردو میں کہا جاتا ہے کہ اپنا ہاتھ بالکل ہی نہ کھینچ لینا۔

ای لا تجعل یدك فی انقباضها كالمغلولة الممنوعة من الانبساط۔ (کبیر)

هذا مجاز عبر به عن البخیل۔ (قرطبی)

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ عربی محاورہ میں کنایہ ہے انتہائے اسراف سے۔

ولا تتوسع فی الانفاق توسعا مفرطا بحیث لا یبقی فی یدك شیٔ۔ (کبیر)

هذا تمثیل لمنع الشحیح واعطاء المسرف وأمر بالاقتصاد الذی هو بین الاسراف والتقتیر۔ (کشاف)

فَتَقْعُدَ۔ ملاحظہ ہو اوپر حاشیہ ۳۳

۴۳ مخلوقات کی ضرورتوں سے، مصلحتوں سے، حق تعالیٰ سے بڑھ کر باخبر و واقف کار اور کون ہو سکتا ہے۔ کیا انفراداً اور کیا اجتماعاً اس کو سب کے ظاہر کا بھی پورا علم ہے اور باطن کا بھی اس نے تقسیم دولت جملہ مقتضیات حکمت کے ساتھ کی ہے۔ کسی احمق تنگ نظر، سطح بین کو اس پر زبان طعن دراز کرنے کا کوئی حق ہی نہیں۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ۔ یعنی اس کی مشیت تکوینی جس کسی کے مناسب حال وسعت رزق سمجھتی ہے اس کے ذرائع رزق وسیع دیتی ہے اور جس کے لئے اس کے برعکس سمجھتی ہے ذرائع رزق تنگ و محدود کر دیتی ہے، غرض جو کچھ بھی ہو رہا ہے یونہی اندھا دھند اور بغیر کسی مقصد مصلحت کے نہیں ہو رہا ہے، سب آئین حکمت اور نقشۂ مصلحت کے ماتحت و مطابق ہی ہو رہا ہے۔

فالتفاوت فی ارزاق العباد لیس لاجل البخل بل لاجل رعایة المصالح۔ (کبیر)

لِمَنْ يَّشَآءُ۔ یہ دولت و افلاس کا فرق مراتب دنیا میں جو کچھ ہے انتظامی، تکوینی، مشیتی مصلحتوں کے ماتحت ہے، اسے کسی کی مقبولیت، عدم مقبولیت سے کوئی تعلق نہیں۔

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ‌ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ‌ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ

اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل مت کر دیا کرو۔ ۴۴ھ ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ ۴۵ھ

كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰٓى‌ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ

بے شک ان کا قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ اور زنا کے پاس بھی مت جاؤ یقیناً وہ بڑی

وَسَآءَ سَبِيۡلًا ﴿۳۲﴾

بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔ ۴۶ھ

۴۴ھ قتل اولاد کی حمایت میں ایک بڑی دلیل جاہلی قوموں کے ہاتھ میں والدین کی مفلسی رہی ہے، اور اسی دلیل سے کام لے کر آج بیسویں صدی میں بڑے طمطراق کے ساتھ اور خوشنما اصطلاحات کے پردے میں "منع حمل" اور "خاندانی منصوبہ بندی" کی تحریک کو اٹھایا گیا ہے بلکہ اب تو نوبت جواز اسقاط کی بھی آگئی ہے۔ قرآن مجید اس نظریہ باطل کی تردید کرتا ہے سورۃ الانعام آیت ۱۵۱ میں بھی اس پر حاشیہ گزر چکا ہے۔

متعدد جاہلی قوموں کا نظریہ یہ رہا ہے کہ افراد کا کسب چونکہ عورتوں میں نہیں صرف مردوں ہی میں پیدا ہوتے ہیں، اس لئے عورت کو قومی دولت میں شرکت کا، اور اس لئے زندہ رہنے کا ہی کوئی حق نہیں۔ عرب جاہلی میں بھی یہی نظریہ عام تھا۔

العرب کانوا یقتلون البنات لعجز البنات عن الکسب وقدرۃ البنین علیہ لسبب اقدامھم علی النھب والغارۃ۔ (کبیر)

۴۵ھ (اور ہماری ربوبیت ورزاقیت کے قوانین ان اصول سے بالکل الگ ہیں جو تم نے اپنی محدود نظر کے موافق معاشیات واقتصادیات کے گڑھ رکھے ہیں۔)

اسی طرح کی ایک آیت ایسے ہی موقع پر سورۃ الانعام آیت ۱۵۱ میں بھی آئی ہے۔ مگر وہاں الفاظ ہیں، نرزقکم وایاھم یہاں اس کے برعکس صیغۂ غائب پہلے اور صیغۂ مخاطب بعد کو یہ فرق کیوں؟

اصل یہ ہے کہ دو مسئلے الگ الگ ہیں، ایک چیز تو ہے نفس افلاس یا اس کا وقوع یعنی والدین واقعۃً اور فی الحال افلاس میں مبتلا ہیں، اور اس لئے بچوں کی زندگی ختم کئے دیتے ہیں۔ اور دوسری چیز ہے خوف افلاس یعنی والدین فی الحال تو افلاس میں مبتلا نہیں لیکن اندیشہ یہ کر رہے ہیں کہ اولاد اگر پیدا ہونی شروع ہو گئی تو موجودہ آمدنی کفایت نہ کرے گی ـــــ قرآن مجید نے ان دونوں قتلوں کے درمیان فرق ملحوظ رکھا ہے، اول الذکر کے موقع پر محض من املاق آیا ہے۔ اور آخر الذکر کے موقع پر خشیۃ املاق لایا گیا ہے۔

اور حرام اگرچہ دونوں صورتوں میں قتل اولاد کو ٹھہرایا ہے لیکن جہاں من املاق ہے یعنی افلاس

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور جس شخص (کی جان) کو اللہ نے محفوظ قرار دیا ہے اُسے قتل مت کرو ہاں مگر حق پر ۴۷

کا تحقق پایا جا چکا ہے وہاں خطاب براہ راست ہے نرزقکم وایاھم یعنی اے گروہ والدین تمہیں تو بہر حال ہم رزق پہنچا ہی رہے ہیں اسی طرح اولاد کو پہنچاتے رہیں گے، اور جہاں خشیۃ املاق ہے یعنی تحقق افلاس فی الحال نہیں ہے بلکہ صرف اس کا اندیشہ لگا ہوا ہے وہاں ترتیب خطاب میں ایک ذرا سا لطیف و نازک فرق کر دیا ہے نرزقھم وایاکم ہم انھیں بھی رزق پہنچاتے رہیں گے جیسا کہ تمھیں اب تک پہنچاتے رہے ہیں۔

۴۶ یعنی زنا بجائے خود بھی قبیح ہے اور بہ لحاظ دوسرے مفاسد کے بھی۔ افراد کی روحانی پاکیزگی اور اخلاقی طہارت کے بھی منافی ہے اور صالح تمدن و معاشرہ کی اجتماعی صالحیت کے بھی۔ روحانیت اور عبودیت کے چہرہ پر بھی ایک داغ۔ اور جسمانی، معاشری، معاشی مضرتوں اور خطروں کے اعتبار سے بھی قابل نفرت ——— "منع حمل"۔ "خاندانی منصوبہ بندی"، اور "جواز اسقاط" سے قدرۃً زنا کے دروازے اور زیادہ کھلتے جاتے ہیں اور حرام کاری پر دلیری اور بڑھتی ہی جاتی ہے، اس لئے لاتقتلوا اولادکم کے معًا بعد ولاتقربوا الزنی کا حکم بالکل قدرتی ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی۔ الفاظ قرآنی پر غور رہے۔ لاتزنوا ارشاد نہیں ہو رہا ہے، ارشاد ہو رہا ہے لاتقربوا الزنی۔ زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو، اس کے مبادی، دواعی، مقدمات تک سے بچو۔

یقول تعالٰی ناھیًا عبادہ عن الزنا وعن مقاربتہ ومخالطۃ اسبابہ۔ (ابن کثیر)

وھو نھی دواعی الزنا۔۔۔۔۔ ولو ارید عن نفس الزنا لقال ولاتزنوا۔ (مدارک)

ابلغ من ان یقول ولاتزنوا فان معناہ لاتدنوا من الزنی۔ (قرطبی)

گویا اس حکم امتناعی کے تحت میں بے حیائی و بے حجابی کے سارے قولی، فعلی، تقریری، تحریری، تصویری، لباسی مظاہرے آگئے۔ برہنہ و نیم برہنہ لباس، برہنہ و نیم برہنہ تصویریں، فحش و نیم فحش شاعری سینما، تھیٹر، رقاصی وغیرہا ——— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

یہ شریعت اسلامی ہی ہے جس نے ہر غیر نکاحی ازدواجی تعلق کو ہر حال اور ہر صورت میں حرام قرار دے دیا ہے۔ ورنہ اکثر قدیم و جدید جاہلی تہذیبوں اور قانونوں میں زنا بجائے خود کوئی جرم ہی نہیں، جب تک کہ جبر کی آمیزش، یا حقوق شوہری میں دست اندازی وغیرہ اس میں شامل نہ ہو۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بابل، مصر، ایران، ہند قدیم وغیرہ کے متعدد جاہلی مذہبوں نے تو خاص خاص حالات میں اسے ایک عبادت یا عمل مقدس مان رکھا ہے! ——— ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

۴۷ یعنی جب تک کوئی شرعی سبب وجوب قتل یا جواز قتل کا نہ پیدا ہو جائے اس وقت تک قتل ہرگز جائز نہ ہوگا۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ

اور جو کوئی ناحق قتل کیا جائے گا سو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے ۴۸ھ سو (اسے چاہیئے کہ) وہ

فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

قتل کے باب میں حد سے آگے نہ بڑھے ۴۹ھ بے شک وہ شخص قابل طرفداری کے ہے ۵۰ھ

وَلَا تَقْتُلُوا۔ قتل یہاں اپنے وسیع لغوی معنی یعنی ہلاک کرنے یا جان لینے کے مرادف ہے محدود اصطلاحی فقہی معنی میں نہیں یعنی جان لے لینے کی ہر صورت پر شامل ہے یہ مراد نہیں کہ صرف دھاردار آہنی آلہ سے جان نہ لو۔

النفس التی حرم اللہ۔ اور جان تو ہر انسان کی محفوظ ہی ہے تا آنکہ کوئی خاص سبب حسب قواعد شرعی اس کے واجب القتل یا مباح الدم ہونے کا نہ پیدا ہو جائے۔

۴۸ھ (قصاص طلب کرنے کا)

تسلطًا علی القاتل فی الاقتصاص (مدارک)

ای فی استیفاء القصاص من القاتل۔ (کبیر)

ومن قتل مظلومًا۔ اس قتل ناحق کے تحت میں ہر وہ قتل آگیا جو بغیر وجہ شرعی کے ہو۔ مظلوم کے لفظ نے یہ بھی صاف کر دیا کہ یہ قتل قتل عمد ہوگا۔ قتلِ خطا کو ظلم نہیں کہتے۔

ای غیر مستوجب للقتل (بیضاوی) یدل علی ان القتل عمد عدوان فان الخطا لا یسمی ظلمًا۔ (بیضاوی)

لولیہ۔ اس "وارث" کے تحت میں حقیقی اور حکمی دونوں قسم کے وارث آگئے۔

سلطٰنًا۔ سلطان کے معنی یہاں حجت کے لئے گئے ہیں یعنی ولی کو حق قصاص حاصل ہوگا۔

سلطانا ای حجۃ (جصاص عن ابن عباسؓ وسعید بن جبیر ومجاھد)

حجۃ یثب بہا علیہ (کشاف)

۴۹ھ یعنی یہ نہ کرے کہ جوش انتقام میں قاتل کے ساتھ غیر قاتلوں کو بھی قتل کر ڈالے یا اور کسی طرح زیادتیاں کرنے لگے — کہاں ایک طرف شریعت اسلامی کی یہ معتدل و متوازن تعلیم اور کہاں بڑی بڑی مہذب فرنگی حکومتوں کا یہ عمل متواتر کہ اگر اپنا ایک آدمی یا چند آدمی بھی مار دیئے گئے تو اس کے معاوضہ میں پوری پوری آبادیوں کو آگ لگا کر پھونک دیا، یا بم کے گولے برسا کر ہلاک کر ڈالا!

۵۰ھ قانون شریعت تو خود ہی اس کی حمایت، نصرت، اور پشت پناہی پر آمادہ ہے، اور حکومتِ اسلام خود ہی مقتول مظلوم کے معاملہ میں مدعی بن جاتی ہے پھر ایسے شخص کے وارثوں پر یہ شامت کیوں سوار ہو کہ وہ خواہ مخواہ حدود شرع سے تجاوز کرنے اور دوسروں پر ظلم زیادتی کرتے پھریں۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ بجز اس طریق کے جو مستحسن ہے ۱۵۱ یہاں تک کہ وہ اپنے سن پختگی کو پہنچ جائے ۱۵۲

فَلَا يُسْرِفْ میں ضمیر فاعل ولی کی جانب ہے۔

انہ۔ ضمیر ولی کی جانب کی جائے یا خود مقتول کی، حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے منقول دونوں ہیں

قال قتادة هو عائد على الولى وقال مجاهد على المقتول (جصاص)

اِمّا للولى .... اِمّا للمظلوم ۔(کشاف)

۱۵۱ (شریعت کی نگاہ میں)

یعنی یتیم کی جائداد میں کسی قسم کی دست اندازی روا نہ رکھو۔ بجز ان صورتوں کے کہ جنھیں خود شریعت نے روا رکھا ہے، یتیموں کی جائداد کے تحفظ کے باب میں قرآن مجید کو جو اہتمام ہے اس کا اندازہ کچھ ان حاشیوں سے بھی ہو سکے گا۔ حواشی سورۃ النساء آیات: ۲، ۳، ۶، ۸، ۱۰، ۳۶، اور سورۃ الانعام آیت ۱۵۲ میں اسی مسئلہ پر گزر چکے ہیں۔

اَلَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کے تحت میں صرف مال یتیم کے وہ سارے طریقے آگئے جن سے خود یتیم کا نفع متصوّر ہو خواہ تجارت ہو یا کچھ اور۔

الاحسن ما كان فيه حفظ ماله وتثميره (جصاص) وقد دلت الآية على جواز اجارة مال اليتيم والعمل به مضاربة ۔ (جصاص)

۱۵۲ (اور اپنے نفع نقصان کو خوب پہچاننے لگے) اور اس وقت اس کی جائداد اس کے حوالہ کر دی جائے گی ـــــ یعنی یتیم کی کم سنی بھر تو اس کی جائداد اولیاء کی نگرانی و انتظام میں رہے اور اولیاء ہمیشہ اسی کی مصلحتوں کو مصارف کے وقت ملحوظ رکھیں پھر جب وہ یتیم پوری طرح سن شعور کو پہنچ جائے تو اس کی جائداد اس کے حوالہ کر کے خود سبکدوش ہو جائیں۔

بلوغ اشد کا معیار کیا ہے؟ مختلف فقہاء نے اس جواب میں مختلف عمریں تجویز کی ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ یہ سب محض تخمینے اور اندازے ہیں۔ مختلف قوموں اور ملکوں میں بلکہ ایک ہی برادری کے افراد میں قوائے جسمانی و ذہنی کی پختگی کا کوئی ایک سن متعین ہی نہیں اور اسی لئے قرآن مجید نے بھی قصداً اسے مبہم ہی رکھا ہے فقیہ ابوبکر رازی مختلف عمروں کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں۔

واذا كان كذلك فالاشد ليس له مقدار معلوم فى العادة لا يزيد عليه ولا ينقص منه وقد يختلف احوال الناس فيه فيبلغ بعضهم الاشد فى مدة لا يبلغه غيره فى مثلها۔ (جصاص)

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ بلوغ عقل بس اس سن کو کہیں گے جب قوائے عقلی وحسی وحرکی اپنے کمال کو پہنچ جائیں۔

وبلوغ العقل هو ان يكمل عقله وقواه الحسية والحركية ۔(کبیر)

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ

اور عہد کی پابندی رکھو بے شک عہد سے متعلق سوال ہوگا ۵۳ اور جب ناپو تو ناپ پوری پوری رکھا کرو

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

اور جب تم تولو تو وزن بھی صحیح ترازو سے کیا کرو۔ یہی اچھا ہے اور یہی انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے ۵۴

۵۳ العھد۔ کے تحت میں ہر قسم کے جائز وعدے اور معاہدے آگئے، بلکہ اگر اُسے ذرا زیادہ وسیع معنی میں لیا جائے تو حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کے سب اس کے اندر آجاتے ہیں۔

أی الذی تعاهدون علیه الناس والعقود التی تعاملونهم بها، فان العهد والعقد کل منهما یسأل صاحبه عنه۔ (ابن کثیر)

اعلم ان کل عقد تقدم لاجل توثیق الامر وتوکیده فهو عهد۔ (کبیر) وحاصل القول فیه ان مقتضی هذه الآیة ان کل عقد وعهد جری بین انسانین فانما یجب علیهما الوفاء۔ (کبیر)

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے تحت میں اللہ کے سارے اوامر و نواہی آگئے۔

قال الزجاج کل ما امر الله به ونهی عنه فهو من العهد۔ (قرطبی)

۵۴ یعنی یہی احکام دین جو ابھی بتائے گئے ہیں بجائے خود بھی فطرت سلیم کے مطابق ہیں۔ اور نتائج بھی دنیا و آخرت دونوں میں ان ہی سے بہتر نکلتے ہیں۔

واوفوا.... المستقیم۔ غرض یہ کہ تجارتی، معاشرتی، قانونی، زندگی کے ہر شعبہ اور معاملات باہمی کی ہر شاخ میں پوری طرح دیانت امانت و صداقت کے اصول پر کاربند رہو — اسلام کچھ ریت رسم یا پوجا پاٹ کے قسم کے اعمال کا نام نہیں، سارے نظام زندگی کو قانونِ الٰہی کے سانچہ میں ڈھال لینے کے مرادف ہے۔

معاملات خصوصاً ان کی شاخ مالیات کی جس درجہ اہمیت اسلام میں ہے اس کے اندازہ کے لئے یہ آیات کافی ہیں۔ کتنے رنج کا مقام ہے کہ عملاً یہ اہمیت گویا تمام تر امت کے دل سے محو ہوگئی ہے۔ اور اچھے اچھے علماء، صلحاء، صوفیہ سب اس طرف سے ایسے بے التفات ہوگئے ہیں کہ گویا ان احکام کا کوئی تعلق ہی دین اور تزکیۂ نفس سے نہیں۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ بجائے خود بھی خوب اور حسن انجام کے لحاظ سے بھی بہتر یعنی نفع عاجل اور آجل کا جامع۔

خیر لثوابا واحسن عاقبة۔ (ابن کثیر)

۵۵ (قیامت کے دن)

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ

اور اس چیز کے پیچھے مت ہو لیا کر جس کی بابت تجھے علم (صحیح) نہ ہو بے شک کان اور آنکھ اور دل،

كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿٣٦﴾ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ

ان کی پوچھ ہر شخص سے ہو گی ۵۵ اور زمین پر اتھلا کر نہ چلا کر۔

اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿٣٧﴾

تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے ۵۶

یعنی سوال ہر ہر شخص سے اس کا ہو گا کہ کان سے سننے کا، آنکھ سے دیکھنے کا، دل سے سوچنے سمجھنے، یقین کرنے کا کام جائز اور صحیح موقعوں پر کتنا لیا، اور ناجائز موقعوں پر کتنا! ـــــ احساسِ ذمہ داری کی تعلیم ہر ہر فرد کو اس سے بہتر اور کہاں ملے گی؟ اس پر آج عمل ہونے لگے تو شخصی اور قومی، انفرادی و اجتماعی دونوں قسم کے کتنے جھگڑے قضیے آج دنیا سے مٹ جائیں اسلام ہر ہر فرد کو پوری طرح ذمہ داری کے سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے۔

آیت سے روشنی اس مسئلہ پر بھی پڑ گئی کہ آلات حس و ادراک میں اصل ذمہ داری و مسئولیت ان تین اعضاء پر ہے، کان، آنکھ، اور قلب یعنی علم سمعی پر، علم بصری پر اور علم قلبی پر۔

ولا تقف ما لیس لك به علم۔ یعنی بلا تحقیق ہر سنی سنائی بات کے پیچھے نہ ہو لیا کرو۔

البتہ مختلف مسائل کی تحقیق کے درجے مختلف ہوتے ہیں اور ہر مسئلہ کے متناسب۔

فقہاء و اصولیین نے کہا ہے کہ قطعیات میں دلائل بھی قطعی ہونے چاہئیں، اور ظنیات میں ظنی۔

فقہاء نے اسی آیت کے ذیل میں یہ بھی کہا ہے کہ احکام شرعی محض اپنی اٹکل سے بنا دینا، یا کسی پر بغیر تحقیق کوئی الزام لگا دینا دونوں اس آیت سے ناجائز ٹھہرتے ہیں۔

قد اقتضی ذلك نهی الانسان عن ان یقول فی احکام اللّٰہ ما لا علم به علی جهة الظن والحسبان وان لا یقول فی الناس من السوء ما لا یعلم صحته۔ (جصاص)

۵۶ (تو جب منکرین کی وضع و ہیئت اس قدر ممنوع و مذموم ہے تو نفس تکبر کس درجہ کا ممنوع و مذموم ہو گا!)

مقصود ہر طرح کے فخر و تکبر کی روک تھام ہے نہ کہ کسی مخصوص و متعین چال کی ممانعت۔

"فخر و پندار، خود بینی و خود نمائی آج کی تہذیب کے خط و خال فرنگی قوموں کی طرح قریش کی سوسائٹی میں بھی رچے بسے ہوئے تھے۔

مرحًا۔ لفظ کے معنی علاوہ تکبر و غرور کے لطف و تفریح کے اور اٹکھیلیوں کے بھی آئے ہیں۔

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى

یہ سارے بُرے کام تیرے پروردگار کے نزدیک بالکل ناپسند ہیں۔۵۷ یہ باتیں اس حکمت میں

اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ

سے ہیں جو آپ کے پروردگار نے آپ پر وحی کی ہے۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا نہ ٹھہرا ورنہ تو

جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

جہنم میں ملامت زدہ (اور) راندہ کرکے جھونک دیا جائے گا۔۵۸

مرح: نشط (قاموس)

المرح شدة الفرح والنشاط (جوهری)

المرح شدة الفرح والنشاط حتی یجاوز قدرہ۔ (لسان)

الفرح شدة الفرح والتوسع فيه (راغب)

مرح: اشتد فرحہ ونشاطہ حتی جاوز القدر۔ (اقرب)

شادمان وخرامندہ (منتہی الأرب)

اور یہی معنی لے کر بعض فقہاء نے رقص کی حرمت نص قرآنی سے نکالی ہے۔

استدل العلماء بهذه الآية على ذم الرقص وتعاطیه۔ قال الامام ابو الوفاء ابن عقیل النهی عن الرقص.... والرقص اشد المرح والبطر۔ (قرطبی)

۵۷ (اور ان کی ممانعت صراحۃً یا دلالۃً اوپر مذکور ہو چکی۔)

ذلك۔ سے اشارہ ہر اس عمل کی طرف آ گیا جس سے اوپر ممانعت آ چکی ہے۔

اشارة الى جملة ما تقدم ذكره مما امر به ونهی عنه (قرطبی)

مَكْرُوْهًا۔ مکروہ کے معنی فعل ممنوع کے ہیں۔

المراد من المكروه المنهى عنه۔ (کبیر)

بعض اہل تفسیر نے کہا ہے کہ یہاں مکروھًا بطور صفت سیئہ کے نہیں آیا ہے بلکہ اس کا بدل ہے اور تقدیر کلام یوں ہے کان سیئة وكان مكروهًا۔

"مكروها" ليس نعتا السيئة بل هو بدل منه۔ (قرطبی)

جن مفسرین نے سیئة کو فاحشة کے معنی میں لیا ہے، ان کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہوا گے کہ ایک اسی پر کیا ساری چیزیں سیئة کے حکم میں داخل ہیں، جن سے رضائے الٰہی نہیں بلکہ عدم رضا حاصل ہوتی ہے۔ اور جن مفسرین نے سیئة کو اضافة کی جانب سمجھا ہے ان کے نزدیک

اَفَاَصۡفٰكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا‌ ؕ اِنَّكُمۡ

تو کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں تو مخصوص کردیا لڑکوں کے ساتھ اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا۔ بے شک تم (بڑی)

لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِيۡمًا ۴۰ ع وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِيَذَّكَّرُوۡا ؕ

۴ ع ۴

سخت بات کہہ رہے ہو ۵۹ اور ہم نے اس قرآن میں (مضمون توحید کو) طرح طرح بیان کیا ہے تاکہ اچھی طرح سمجھ

وَمَا يَزِيۡدُهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرًا ۴۱ قُلْ لَّوۡ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوۡلُوۡنَ

لیں لیکن انہیں بیزاری ہی بڑھتی جاتی ہے ۶۰۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر اس (معبود برحق) کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے

اِذًا لَّابۡتَغَوۡا اِلٰى ذِى الۡعَرۡشِ سَبِيۡلًا ۴۲

جیسا کہ یہ (مشرکین) کہتے ہیں تو اس وقت تک انہوں نے عرش والے تک راستہ ڈھونڈھ لیا ہوتا ۶۱

اوپر کی آیت میں جتنی برائیاں ہیں سب عند اللہ مکروہ ہیں۔ دیکھئے ابن کثیر۔

۵۸ (اے مشرک! اور وہاں کوئی بھی تیرا مددگار نہ ہو سکے گا۔)

بلاغت قرآنی میں صیغۂ خطاب بار بار بدلتا رہتا ہے۔ اب خطاب بہ رنگِ عتاب مشرکین سے ہے۔

ذٰلِكَ سے اشارہ پچھلی آیتوں کے تمام آداب و احکام کی طرف آگیا کہ وہ تمام تر حکیمانہ ہی ہیں۔

اى هذه من الافعال المحكمة التى تقتضيها حكمة الله فى عباده (قرطبی)

۵۹ یعنی ایک تو اللہ کا صاحب اولاد ہونا ہی کیا کم ہے اور پھر اولاد میں بھی محض لڑکیاں اس کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہو جنہیں خود اپنی جانب باعث ننگ و تحقیر سمجھتے ہو!

خطاب مشرکین عرب سے ہے جو ملائکہ کو دیویاں اور خدا کی بیٹیاں مانتے تھے، اس عقیدہ پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔

عظیمًا۔ یعنی گناہ کی حیثیت سے عظیم۔

اى فى الاثم عند الله عز وجل (قرطبی)

۶۰ (دین حق اور توحید سے)

قرآن مجید کا اصلی مرکزی، بنیادی موضوع تو توحید ہی ہے، مذمت شرک و مدح توحید کی تکرار، و تصریحات سے قرآن مجید اسی لئے لبریز ہے کہ یہ خوب دلوں میں گھر کر جائے لیکن مشرکین کی ضد اور کج فہمی کا یہ عالم ہے کہ انہیں اور الٹی توحید سے نفرت و بیزاری ہی بڑھتی جاتی ہے۔

۶۱ (اور نوبت مقابلہ و مقاتلہ کی آگئی ہوتی، جس سے نظام عالم کب کا درہم و برہم ہو چکا ہوتا)

آیت میں رد اُن مذاہب جاہلی کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک خدائے اعظم ہے، جو عرش پر سر بر آرا ہے اور باقی اور دیوتا بھی بہت سے ہیں۔ ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ جب کوئی اور بھی خدا ہے

سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا كَبِيۡرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ

پاک ہے وہ (اللہ) اور کہیں برتر ہے اس سے کہ جو لوگ کہتے ہیں ۶۲ؒ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں

السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی بھی ان میں موجود ہیں ۶۳ؒ

تو خدا ہونے کی حیثیت سے ان کے لئے بھی مستقلاً صاحب قوت، صاحب ارادہ، خود مختار رہنا لازم ٹھہرا تو جب دو یا زائد خدا ہوئے تو ان میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں قوت و اختیار کا استعمال، اور باہمی جدال و قتال لازم ٹھہرا (جیسا کہ جاہلی مذہبوں کی روایتوں اور حکایتوں میں کثرت سے آیا بھی ہے) پھر اس جدال و قتال کے بعد یہ نظم کائنات کیونکر برقرار رہ سکتا ہے۔؟

کما یقولون ۔ اس ٹکڑے سے یہ بات صاف ہو گئی کہ مشرکوں کے عقیدہ میں جو بھی دیوی دیوتا تھے وہ خالقِ کائنات سے بڑے اور بڑھ کر نہ تھے، جن کی اپنی مشیت اس خالقِ کائنات کی مشیت و ارادہ پر غالب رہتی ۔

۶۲ؒ اس کی شان ربوبیت، اس کی شان الوہیت، اس کی شان حاکمیت اعلیٰ میں کسی دیوی دیوتا کی شرکت کا گزر نہیں وہ ہر ایسے انتساب سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ صاحب مثنوی معنوی کی زبان میں ؎

لے بروں از وہم و قال و قیل من ۔۔۔ خاک بر فرق من و تمثیل من

۶۳ؒ انسان، حیوان، جنات، فرشتے، ساری ہی مخلوق و من فیھن کے عموم میں داخل ہو گئی السمٰوٰت السبع والارض ومن فیھن ۔ یعنی جملہ موجودات و کائنات بلا استثناء۔ تُسَبِّحُ ۔ تسبیح۔ ہر ایک مخلوق اپنے خالق کی قدوسیت کا اعلان، اپنے مرتبۂ وجود کے تناسب و مطابق برابر کرتی رہتی ہے خواہ زبان سے ہو یا زبان حال سے، موجودات عالم کا ذرہ ذرہ اپنے حدوث و امکان کی بنا پر صانع مطلق کے نہ صرف وجوب وجود کی، بلکہ یکتائی، صناعی و قدرت کی بھی شہادت علانیہ دے رہا ہے۔

محققین عارفین نے تصریح کی ہے (اور یہی بات دل کو بھی لگتی ہے) کہ آیت میں لفظ تسبیح اپنے عموم کے ساتھ تسبیح قالی اور حقیقی اور تسبیح حالی اور حکمی دونوں پر شامل ہے مطیعین کی تسبیح حقیقی و قالی ہوتی ہے غیر مطیعین کی صرف حالی ۔

تسبح له .... فیھن قرآن مجید کس زور سے اعلان کر رہا ہے کہ کائنات میں چھوٹی بڑی جو چیز بھی ہے، بڑے بڑے آسمانوں سے لے کر زمین تک اور ان کی درمیانی موجودات ہر ایک اللہ کی تسبیح ہی کرتی ہے، یہ گویا اس کا بھی اعلان ہے کہ ہر شئے میں یہاں تک کہ جمادات میں بھی جان کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ہی

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ

اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو البتہ تم ہی ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو ۶۴

اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ

بے شک وہ بڑا حلم والا ہے بڑا مغفرت والا ہے ۶۵ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں

وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾

کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں ۶۶

موجود ہے ــــ ورنہ تسبیح کرنا کیونکر ممکن ہوتا ۔ اور یہ جواب اہل سائنس نے کہنا شروع کیا ہے کہ کوئی شے بھی سرے سے جان اور زندگی سے بالکل خالی نہیں ہے قرآن مجید ایک گونہ اس کی تصدیق کرتا ہے ۔ خود مادہ کے لیے اب اہلِ سائنس کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ کوئی الگ شے نہیں، بلکہ "انرجی"، ہی کی ایک صورت ہے ۔ اور سائنس کی اصطلاح میں جو شے "انرجی" ہے اس کو مذہب کی زبان میں روح یا زندگی کہیں گے ۔

۶۴ (اے مشرکو)

ولکن لا تفقھون تسبیحھم ۔ مشرکوں سے خطاب ہے کہ تم نے جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے اور اپنی عقل کو اندھا کر لیا ہے تو تمہاری سمجھ میں یہ دلالت حالی بھی نہیں آتی، جو ہر مخلوق ہر وقت اپنے خالق وصناع عالم کی قدوسیت و توحید کے ثبوت میں پیش کر رہی ہے ۔

ان الکفار ما کانوا یتفکرون فی انواع الدلائل ۔ (کبیر)

خطاب بجائے مشرکوں کے عام نوع انسان سے بھی ہو سکتا ہے، اور مراد یہ ہوگی کہ اے انسانو! تم سمجھو یا نہ سمجھو بہر حال ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق بھی اپنے حسب حال اپنے رب کی تسبیح کر رہی ہے ۔

۶۵ (اس لئے اگر اب بھی توبہ کر لو اس کی صفت غفر اب بھی سارے قصور معاف کر دے گی)

حلیما ۔ اس کی اس صفت حلم کا اثر ہے کہ مشرکانہ عقائد و اعمال پر فوراً گرفت نہیں ہوتی بلکہ برابر مہلت ملتی رہتی ہے ــــ دنیا میں مشاہدہ اس کی صفتِ حلیمی کا ہوتا رہتا ہے آخرت میں معائنہ اس کے وصف غفوریت کا ہوگا ۔

۶۶ (اور وہ باریک پردہ عدم فہم اور عدم ارادۂ فہم کا ہے ۔)

مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ آخرت کے منکر یا آخرت فراموش ہیں ۔ یہ جب قرآن مجید سنتے ہیں تو بجائے اس سے متاثر ہونے کے یہ اپنے اور اس کے درمیان ایک حجاب حاجز سا محسوس کرتے ہیں ۔

واذا قرأت القرآن ۔ یعنی جب آپؐ انھیں قرآن بغرض تبلیغ سناتے ہیں ۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِہِمْ اَکِنَّۃً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا

یعنی ہم انکے دلوں پر اس طرح سے حجاب ڈال دیتے ہیں کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھیں اور انکے کانوں میں ڈاٹ دیئے ہیں ۶۷ ؎

ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ

اور جب آپ قرآن میں تنہا اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنی پیٹھ پھیر کر بیزاری کے ساتھ چل دیتے ہیں ۶۸ ؎

اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْکَ

ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ لوگ اُسے سنتے ہیں جب یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ۶۹ ؎

لا یومنون بہ ۔ یہ ایمان نہ لانا فعل اختیاری ہوتا ہے۔ محض ضد، عناد اور بے غوری کی بنا پر۔ یہ نہیں کہ انھیں کوئی معذوری لاحق ہوتی ہے۔

جعلنا ۔ یہ ضمیر متکلم لا کر حق تعالیٰ کا اس فعل کا انتساب اپنی جانب کرنا تمام تر تکوینی حیثیت سے ہے، اور بہ طور مسبب الاسباب کے ہے، جس سے اس کی رضا کو قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

مستورًا ۔ ایسا جو عام طور پر نظر نہ آتا ہو۔

ذلک الحجاب شیٔ لایراہ احد (کبیر)

۶۷ ؎ حق تعالیٰ کے ضمیر متکلم لانے پر حاشیہ ابھی ابھی گزر چکا۔

ان یفقھوہ ۔ ان یہاں نفی کے معنی دے رہا ہے۔

ای کراھۃ ان یفقھوہ (کشاف)

ای لئلا یفقھوہ (کبیر)

۶۸ ؎ (کہ انھیں تو دلچسپی خدا سے نہیں، بلکہ اس کے شریکوں، دیویوں، دیوتاؤں سے ہے۔) مشرک قومیں زبان سے تو خدا کا بھی اقرار کرتی جاتی ہیں لیکن حقیقۃً و عملاً ان کے قلب کا سارا تعلق جھوٹے خداؤں یعنی دیوی دیوتاؤں سے رہتا ہے ــــ اور سخت افسوس ہے کہ یہی حال مشرک صفت و مبتلائے بدعات کلمہ گوؤں کا بھی ہوگیا ہے۔ جن بزرگ یا جس امام سے جس کسی کو اعتقاد ہوگیا بس ساری توجہ و عقیدت کا مرکز اسی کی ذات رہتی ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔

۶۹ ؎ (اور وہ غرض یہی عیب جوئی، اعتراض و طعن ہوتی ہے)

بما یستمعون بہ ۔ بہ مرادف لاجلہ یہ کے ہے۔

ای بسببہ ولاجلہ ۔ (بیضاوی)

اس لیے جن لوگوں نے یہاں ضمیر بہ کو 'زائد' کہہ دیا انھوں نے بڑی ہی عجلت پسندی سے کام لیا۔ آج بڑے نامور "مستشرقین" کی بھی یہی غرض قرآن پڑھنے یا اس کا ترجمہ کرنے سے بجز اپنے اسی معاندانہ

وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

اور جس وقت یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں جبکہ (یہ) ظالم یہ کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک سحر زدہ مرد کی راہ پر چل رہے ہو ف۶۹

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَ

آپ دیکھئے تو یہ لوگ آپ کیلئے کیسے کیسے القاب تجویز کرتے ہیں سو یہ گمراہ ہو گئے تو اب رستہ نہیں پا سکتے ف۷۱

قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

اور کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو ہم از سر نو پیدا اور جمع کئے جائیں گے؟ ف۷۲

شوق کے پورا کرنے کے اور کیا ہوتی ہے؟ الا ماشاء اللہ۔

ف۷۰ (جو خبط یا مالیخولیا میں مبتلا ہے۔)

رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ ایک سر پھرا مرد۔ ایک خبطی و مراقی۔

اور ٹھیک ان ہی اکابر جاہلیت قریش کی زبان میں ۱۴ صدیوں کے بعد آج بڑے بڑے عقلاء فرنگ بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ محمد عربی پر مرض صرع کا اثر تھا (نعوذ باللہ) اور "ترقی یافتہ دنیا" آج بھی ٹھیک وہیں ہے جہاں دنیائے عرب آج سے ۱۴ سو سال پیشتر تھی!

وَاِذْ هُمْ نَجْوٰى۔ یعنی جب یہ قرآن سننے کے بعد آپس میں آپ کے متعلق سرگوشیاں کرتے ہیں۔

ف۷۱ (حق و صواب کا)

یعنی قرآن کے ساتھ اور رسولوں کے ساتھ استہزاء کر کر کے انھوں نے اپنی استعداد اور صلاحیتوں کو بالکل ہی ضائع کر دیا ہے اور اب انھیں راہ ہدایت بھلا کیا ملے گی؟

فَضَلُّوْا۔ یعنی اب بالکل ہی گمراہ ہو گئے ہیں۔

كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ۔ چنانچہ وہ "عقلاء" قوم میں سے کوئی تو قرآن کی معجز بیانی سے متاثر ہو کر آپؐ کے لئے یہ رائے قائم کرتا کہ آپؐ شاعر ہیں، اور کوئی آپؐ کی پُر تسخیر شخصیت سے مرعوب ہو کر یہ کہتا کہ آپؐ ساحر ہیں، کوئی "روشن خیال" صاحب آپؐ کی زبان سے اخبار غیب سن کر یہ فرماتے کہ آپؐ مجنون ہیں، اور کوئی زبان قرآنی کے سجع و قافیہ سے حیران ہو کر یہ گدّا لگاتے کہ ہو نہ ہو آپؐ کاہن ہیں —— بیسویں صدی کے "روشن خیال" بھی کچھ ایسی ہی طبع آزمائیاں فرماتے رہتے ہیں۔

ف۷۲ آج کے "روشن خیالوں" کی طرح جاہلیت عرب میں روشن خیالوں اور مادئین کا گروہ موجود تھا جو امکان بعث و حشر کے منکر تھے۔ یہ قول ان ہی کا نقل ہو رہا ہے۔ انھیں بڑی وحشت عقیدۂ آخرت سے تھی، ان کے لیے بڑی رکاوٹ یہی تھی کہ انسان ایک بار فنا ہو جانے کے بعد دوبارہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ

آپ کہدیجئے کہ تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی بعید ہو ۵۷۳

فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ

پھر وہ کہیں گے کہ ہم کو کون دوبارہ جلائے گا؟ آپ کہئے کہ وہ وہی ہے جس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا ۵۷۴ پھر وہ

اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾

آپ کے آگے اپنی منڈیاں ہلائیں گے اور کہیں گے کہ یہ (زندہ ہونا) ہوگا کب؟ آپ کہدیجئے کہ عجب نہیں یہ (وقت) قریب ہی آپہنچا ہو ۵۷۵

قالوا۔ یہ وہ بر سبیل انکار و استہزاء کہہ رہے ہیں۔

ءانا۔ لفظ استفہام ہے مراد نفی و انکار ہے۔

استفهام والمراد به الجحد والانكار۔ (قرطبی)

۵۷۳ (قبول حیات سے۔ پھر بھی دوبارہ زندہ کئے ہی جاؤ گے)

يعني او خلقا مما يكبر عندكم عن قبول الحياة ويعظم في زعمكم على الخالق احياءه فانه يحييه (کشاف)

اي فافرضوا شيئا آخر ابعد عن قبول الحياة من الحجر والحديد۔ (کبیر)

یعنی تم تو ہڈیوں ہی کی حیات ثانی پر تعجب کر رہے ہو، اس سے بھی بڑھ کر کوئی چیز قبول حیات سے بعید تر فرض کر لو، پھر بھی بہر حال تم میں دوبارہ جان ڈالی ہی جائے گی۔

۵۷۴ (جبکہ تم معدوم محض تھے)

یہ وہ بڑا گروہ تھا جو وجود باری کا نہیں، صرف امکان بعث و حشر کا منکر تھا۔ اسی سے جرح ہو رہی ہے کہ تم جب اُسے تسلیم کر رہے ہو کہ صانع حقیقی کی قدرت تمہیں عدم محض سے وجود میں لے آئی تو اب کیا اُس کی قدرت اُس سے سلب ہو گئی ہے جو اَب وہ اس سے آسان تر چیز یعنی ایجاد معدوم کے بجائے اعادۂ معدوم پر بھی قادر نہیں رہا؟

۵۷۵ مطلب یہ ہوا کہ جب یہ امکان قیامت کے مسئلہ پر لاجواب ہو جائیں گے تو اب بحث یہ نکالیں گے کہ اچھا قیامت آئے گی کب؟

فسینغضون الیک رءوسهم۔ سر کی یہ حرکت بطور اعتراض و انکار ہو گی۔

رءوس۔ کا ترجمہ یہاں "منڈیاں" قصداً کیا گیا ہے کہ حقارت کا اظہار اسی سے ہوتا ہے۔

اي يحركون رءوسهم تكذيبا واستهزاء (ابن جرير عن قتادة)

فسيحركونها نحوك تعجبا واستهزاء۔ (کشاف)

ع ۵ ۱۲ ۵

يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّونَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع

یہ اس روز ہوگا جب (اللہ) تمہیں پکاریگا سو تم اسکی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کروگے اور تم اس خیال میں رہوگے کہ تم رہے ہی کتنا کم تھے ۵۷۶

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ

اور آپ کہئے میرے بندوں سے کہ ایسی بات کہا کریں جو بھلی ہو ۵۷۷ بے شک شیطان لوگوں میں فساد ڈلواتا ہے۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ ؕ

بے شک شیطان تو انسان کا صریح دشمن ہے ہی۔ ۵۷۸ تمہارا پروردگار تم سب کا

اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ ؕ

حال خوب جانتا ہے، وہ اگر چاہے تم پر فضل کردے اور وہی اگر چاہے تو تم کو عذاب دینے لگے۔

نغض ۔ کے لفظی معنی اوپر نیچے یا نیچے اوپر حرکت دینے کے ہیں۔

النغض فی کلام العرب انما هو حرکة بارتفاع ثم انخفاض او انخفاض ثم ارتفاع ۔ (ابن جریر)

۵۷۶ (اس دنیا میں اور قبر کے برزخ میں)

احساس کا یہ فرق اس روز کی ہیبت وہول سے پیدا ہوگا۔

یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ منکروں نے چونکہ یہاں سارا وقت سرکشی ونافرمانی میں صرف کیا، وہاں انکشاف حقائق کی گھڑی یہ سارا وقت تمام تر ضائع شدہ اور معدوم معلوم ہوگا۔

یوم یدعوکم ۔ یہ پکار میدان حشر میں جمع ہونے کی ہوگی۔

الدعاء النداء الی المحشر بکلام تسمعه ۔ الخلائق یدعوهم اللہ تعالیٰ فیه بالخروج ۔ (قرطبی)

فتستجیبون بحمده ۔ یعنی تعمیل ارشاد اور حمد الٰہی پر اپنے کو مجبور ومضطر پاؤگے۔

۵۷۷ (حسن اخلاق وشائستگی کے اعتبار سے)

ای ولایخاشنوا المشرکین (بیضاوی)

والین ولایخاشنوهم (کشاف)

لعبادی عباد سے یہاں مراد مسلم ومطیع بندے ہیں۔

المراد به المومنون (کبیر)

قل للمومنین ۔ (کشاف)

آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ غیروں سے مناظرہ ومجادلہ میں حتی الامکان سب وشتم اور خشونت

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ

اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے ۷۹ اور آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں

الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو ایک صحیفہ عطا کیا ہے ۸۰

سے احتراز چاہئے ـــ کاش ہمارے مولوی صاحبان، اور ملکی لیڈر صاحبان کی اکثریت کا عمل اس تعلیم پر کسی حد تک بھی ہوتا!

۷۸ (اس کا تو کام ہی لوگوں کو قبول حق سے دور کرنا اور باز رکھنا ہے)

ان الشیطان ینزغ بینھم۔ شیطان تو مومنین مطیعین کی زبان سے ایسے پُر خشونت الفاظ نکلوانے کی کوشش کرے گا، جو دلوں کو قبول حق سے اور دور کر دیں۔ اور عزیزوں میں عداوت اور قساوت اور زیادہ پیدا کر دیں۔

۷۹ (پھر آپ کو ان کے لئے اتنا زیادہ فکرمند رہنا کیا ضرور ہے)

ربکم اعلم بکم۔ وہی سب سے خوب واقف ہے کہ کون کس قابل ہے کس میں کیا کیا صلاحیتیں ہیں، اور کون کون اُن صلاحیتوں سے کیا کام لے رہا ہے۔

ان یشا یرحمکم۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہو گی تو تمہیں توفیق ہدایت دے دے گا اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا فضل ہے۔

ان یشا یعذبکم۔ اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہو گی تو تم سے توفیق ہدایت سلب ہو جائے گی اور یہی تمہارے حق میں اس کا بڑا عذاب ہے۔

آیت میں ان اہل حق کے لئے تسکین کا بڑا سامان موجود ہے جو اہل باطل سے مناظرہ و مذاکرہ میں مشغول رہتے ہیں، اور طبعاً اس پر جھنجلا اٹھتے ہیں کہ اہل باطل کیسا حق صریح کو چھوڑے ہوئے ہیں ـــ کسی کے راہ راست پر آنے نہ آنے کی ذمہ داری جب رسولؐ تک پر نہیں، تو آپ کے کسی بڑے یا چھوٹے نائب پر کیوں ہونے لگی!

۸۰ (اور یہ فضیلت انھیں بہت سے دوسرے انبیاء سے ممتاز کرتی ہے۔)

وربك.... الارض۔ چنانچہ اس نے ہر ایک کے حسب استعداد اور اپنے حسب مصلحت سب کو ایک ایک مقام اور درجہ پر رکھا۔

ولقد.... بعض۔ کہ کسی نبی کو عظیم بنایا تو کسی کو عظیم تر۔ پھر اگر ایک نبی سارے انبیاء کے کمالات کا جامع پیدا ہو گیا تو اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے۔ تفاضل انبیاء کی یہ دوسری قرآنی صراحت ہے۔ تلك الرسل فضلنا بعضھم علی بعض کے بعد منصب نبوت کے لحاظ سے سب پیمبروں کا یکساں

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ

آپ کہئے تم جن کو (اللہ) کے سوا (معبود) قرار دے رہے ہو ذرا ان کو پکارو تو بھی سو وہ تم سے تکلیف نہ دور کر سکتے

وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ

ہیں اور نہ (اُسے) بدل سکتے ہیں ۵۸۱ یہ لوگ جن کو یہ (مشرکین) پکار رہے ہیں (خود ہی) اپنے پروردگار کا قرب

الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ

ڈھونڈھ رہے ہیں کہ دیکھیں ان میں کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں ۵۸۲

اور اس لئے مطاع و مقتدا ہونا اس کے ذرا بھی منافی نہیں کہ ان کے درمیان درجات مراتب کا فرق بھی تسلیم کیا جائے۔

وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ داؤد پیمبر پر جانسے پہلے گزر چکے زبورٌ (تنکیر و تنوین کے ساتھ) ہر کتاب عظیم کے لئے عام ہے اور مطلق کتاب کے مرادف ہے۔

کل کتاب غلیظ الکتابۃ یقال لہ زبور (راغب)

فکان معناہ الکتاب (کبیر)

الزبور۔ (بہ طور علم کے) وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد نبیؑ پر نازل ہوئی تھی۔

وخص الزبور بالکتاب المنزل علی داؤد علیہ السلام۔ (راغب)

زبور۔ الزبور پر ملاحظہ ہو سورۂ نساء آیت ۱۶۳ حاشیہ ۴۱۴

زبور، جیسی کہ موجودہ ہے محض مناجاتوں اور دعائیہ شوقیہ نظموں پر شامل ایک کتاب ہے۔ احکام و قوانین سے یکسر خالی۔

کتاب لیس فیہ حلال ولا حرام ولا فرائض ولا حدود وانما ھو دعاء وتحمید و تمجید (قرطبی)

بعض نے زبور کی تنکیر سے اس کی تعظیم اور کاملیت کے معنی پیدا کئے ہیں۔

التنکیر ھھنا یدل علی تعظیم حالہ (کبیر) کان معنی التنکیر انہ کامل فی کونہ کتابا (کبیر)

۵۸۱ یعنی تمہارے دیوی دیوتا جن پر تم اتنا سہارا لگائے بیٹھے ہو، یہ اتنا بھی تو نہیں کر سکتے کہ تم سے کسی تکلیف کو دفع کر دیں یا یہ کہ اس کی شدت میں خفت ہی پیدا کر دیں ——— قدرت کلی ہونا تو درکنار قدرت جزئی بھی حاصل نہیں۔

۵۸۲ یعنی خود ہی طاعت و عبادت کے ذریعہ سے اللہ کا قرب اور قرب مزید ڈھونڈھ رہے ہیں۔ مراد یہاں ملائکہ و جنات اور بعض انبیاء لئے گئے ہیں جنھیں مشرکوں اور مبتلائے شرک اہل کتاب

وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿۵۷﴾

اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب ہے بھی ڈرنے ہی کے قابل۔ ۵۸۳

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا

اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم روز قیامت سے قبل ہلاک نہ کر دیں یا اس کے رہنے والوں کو عذاب

عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ

شدید نہ دیں ۵۸۴

نے درجۂ الوہیت دے رکھا ہے ـــــ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ بندگان صالح تو اپنے کمال عبدیت و عبودیت کی بنا پر خود ہی ہر طرح تلاش قرب، و قرب مزید میں لگے رہتے ہیں۔

الوسیلۃ۔ وسیلۃ عربی کے معنی (اردو کے "وسیلہ" سے الگ) قرب کے ہیں، اور یہی یہاں صحابہ تابعین اور اکابر مفسرین سے مروی ہیں۔

الوسیلۃ القربۃ (ابن جریر عن ابن عباس) القربۃ والزلفیٰ (ابن جریر عن قتادۃ) القربۃ والزلفۃ۔ (ابن جریر)

یبتغون۔ صیغہ حال کا ہے ماضی اس سے خود بخود نکل گیا۔ اس لیے مسیحؑ عزیرؑ وغیرہ بزرگان سابق یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔

واختار ابن جریر قول ابن مسعود لقوله يَبْتَغُوْنَ الخ وهذا لا يعبر به عن الماضي، فلا يدخل فيه عيسیٰ والعزير والملائكة، وقال والوسيلة هي القربة، كما قال قتادة۔ (ابن كثير) وقال ابن عباس ومجاهد يطلبون من الله الزلفة والقربة۔ (قرطبی)

۵۸۳ مطلب یہ ہوا کہ یہ تمام گڑھے ہوئے خدا خود ہی ہر طرح محتاج ہیں اور معبودیت کی صلاحیت سے بالکل عاری۔

ویخافون عذابہ۔ یعنی نافرمانی کی صورت میں اس کے عذاب سے بھی ڈرتے رہتے ہیں۔

۵۸۴ (قیامت کے دن)

یعنی کوئی کافر اگر یہاں بچ بھی گیا تو قیامت کے دن تو بہر حال عذاب شدید سے نہیں بچ سکتا۔

وان من قریۃ۔ بستیوں سے کافروں اور معاندین حق کی آبادیاں مراد ہیں۔

قيل المراد قرى الكفار۔ (كبير)

الانحن مھلکوھا۔ ہلاک سے یہاں مراد اہلاک بالعذاب ہے ورنہ نفس موت و ہلاکت تو طبعی اسباب سے مومن و کافر سب ہی کی ہوتی رہتی ہے۔

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿٥٨﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ

یہ کتاب میں لکھا ہوا (موجود) ہے۔ ۵۸۵ اور ہم کو معجزات (خاص) کے بھیجنے سے بس یہی امر

اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً

مانع ہوا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں ۵۸۶ اور ہم نے (قوم) ثمود کو اونٹنی دی تھی بصیرت کے ذریعہ کے طور

فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ

پر لیکن انھوں نے (بڑا) ظلم اسکے ساتھ کیا ۵۸۷

۵۸۵ یعنی ہر کافر کے معذّب ہونے کی (وہ دنیا میں ہو یا آخرت میں) صراحت لوح محفوظ میں پہلے ہی سے درج ہے اور یہ علم الٰہی کے کامل و جامع ہونے کے اثبات کا ایک طریقہ ہے۔

الكتٰب۔ سے مراد علم الٰہی کی کتاب ہے یعنی لوح محفوظ۔

ای الکتاب الذی کتب فیہ کل ما ھو کائن ذلك اللوح المحفوظ (ابن جریر)۔

فی اللوح المحفوظ (معالم)

ای فی اللوح۔ (قرطبی)

۵۸۶ یعنی موجودہ منکرین جو فلاں فلاں مخصوص و متعین معجزوں کی فرمائش کر رہے ہیں، ان معجزات کے نزول سے امر مانع بس یہ ہوا ہے کہ ایسے ہی فرمائشی معجزات، پہلے ایسے ہی منکرین کے اصرار پر نازل کئے جا چکے ہیں۔ لیکن وہ سب بے اثر رہے۔

بالاٰيٰت۔ آیات سے مراد منکرین کے طلب کئے ہوئے فرمائش کئے ہوئے معجزات ہیں۔

الایات التی اقترحھا قریش (بیضاوی)

التی سالھا کفار قریش۔ (معالم)

۵۸۷ یعنی اس سے بصیرت تو کچھ نہ حاصل کی، بلکہ اور الٹا انکار کر کے اونٹنی کو مار ہی ڈالا۔

مبصرة۔ کے معنی ایک تو خود روشن چیز کے ہیں، اور دوسرے اس چیز کو بھی کہتے ہیں، جس سے دوسری چیزوں پر روشنی پڑے۔

ای ذات بصیرۃ یبصرھا الغیر و یتبصر بھا (روح)

ای آیۃ دالۃ مضیئۃ نیرۃ علی صدق صالح۔ (قرطبی)

فظلموا بھا۔ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس کے ساتھ کفر کیا، اور یہ بھی کہ اس کے باعث اپنے اوپر ظلم کیا۔

ای فکفروا بھا او فظلموا انفسھم بسبب عقرھا (بیضاوی)

فکفروا بھا ظالمین۔ (روح)

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ

اور ہم (ایسے) معجزات کو ڈرانے ہی کے موقع پر بھیجا کرتے ہیں ۸۸ اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے پروردگار نے

بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

تمام لوگوں کو گھیر رکھا ہے ۸۹ اور ہم نے جو منظر آپ کو دکھلایا تھا اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا ۹۰

ظلموا بتكذ يبها۔ (قرطبی)

فعل ظلموا۔ کا تعدیہ بؔ سے لایا گیا ہے اس لئے اہل لغت کے نزدیک مفہوم کفر کرنے کا پیدا ہو گیا۔

وعداه بالباء لأنه فی معنی کفروا بها۔ (لسان)

۸۸ (اور جب قوم ان پر بھی ایمان نہیں لاتی تو بس معاً عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاتی ہے۔)

بالاٰیات۔ آیات سے مراد وہی فرمائشی معجزات ہیں۔

ای بالایات المقترحة (بیضاوی)

۸۹ (اپنے احاطہ علم سے)

حق تعالیٰ کی احاطت علمی اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ خدائے اسلام مشرکوں کے خدا کی طرح محدود علم والا نہیں۔ اسے بندوں کے سارے حالات کا علم ہے ان کے حال کا بھی استقبال کا بھی۔

ای علما کما رواہ غیر واحد عن ابن عباسؓ (روح)

قال الكلبی احاط علمه بالناس (قرطبی)

احاطت قدرت و مشیت سے بھی مراد ہو سکتی ہے۔

ای احاطت قدرته بهم فهم فی قبضته لا یقدرون علی الخروج من مشیئته قال مجاهد وابن ابی نجیح۔ (قرطبی)

۹۰ اشارہ اس واقعۂ اسراء یا معراج کی جانب ہے جس کا ذکر سورۃ کے بالکل شروع میں آچکا ہے — یعنی وہ عجائب قدرت جو ہم نے آپ کو شبا شب کے سفر بیت المقدس میں دکھا دیئے تھے۔

وهی ما رای فی لیلة الاسراء من العجائب (بحر)

المراد بها ما اراه الله تعالیٰ لیلة الاسراء وهو قول اکثر المفسرین (کبیر)

والمراد بالرؤیا ما عاینه صلی الله علیه وسلم لیلة اسری به من العجائب السماویة والارضیة کما اخرجه البخاری والترمذی والنسائی وجماعة عن ابن عباس۔ (روح)

الرؤیا۔ رؤیا کے عام معنی تو خواب ہی کے ہیں۔

الرؤیا ما رأیته فی منامك (قاموس۔ لسان)

الرؤیا ما یری فی المنام (راغب)

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ

اور اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے ۹۱ اور ہم لوگوں کو ڈراتے تو رہتے ہیں

فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ؑ ﴿۶۰﴾

لیکن ان کی بڑی سرکشی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے ۹۲

والمشهور اختصاصها لغة بالمنامية وبذلك تمسك من زعم ان الاسراء كان مناما۔ (روح)

لیکن رویت مطلق بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے جس کے تحت میں چشم بیداری کے منظر بھی آجاتے ہیں۔ اور جمہور کے خیال میں وہی یہاں مراد ہیں۔

وهي عند كثير بمعنى الروية مطلقا (روح)

قال الجمهور هي رويا عين ويقظة (بحر)

فتنة للناس۔ یعنی کسی نے تصدیق کی اور کسی نے خارق عادت جان کر تکذیب کی۔ اور اس طرح وہ رویا لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بن کر رہا۔

فلما ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم للناس انكر بعضهم وكذبوا وكان فتنة للناس۔ (معالم)

۹۱ یعنی شجر زقوم جو دوزخ میں ہوگا قرآن میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝ (الصّٰفّٰت: ۶۲)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۙ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۛ (دخان: ۴۳-۴۴)

روى عن ابن عباس والحسن والسدى وابراهيم وسعيد بن جبير ومجاهد وقتادة والضحاك انه اراد شجرة الزقوم (جصاص)

والمراد بها كما روى البخارى وخلق كثير عن ابن عباسؓ شجرة الزقوم۔ (روح)

الملعونة۔ لعنة سے مراد ہے مذمت۔

العرب تقول لكل طعام مكروه ضار انه ملعون۔ (كبير وبحر)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملعون سے مراد اس کا ثمر ملعون ہے یا وہ ملعون کافر ہیں جو اس پھل کو کھائیں گے۔

فاراد انه ملعون اكلها (جصاص)

المراد لعن الكفار الذين ياكلونها (كبير)

والمراد بلعنها لعن طاعميها من الكفرة۔ (روح)

۹۲ چنانچہ سنہ محمدی کی پہلی صدی کے بڑے "روشن خیال" ابوجہل نے (ٹھیک آج کے "روشن خیالوں" کے انداز میں) شجر زقوم کا ذکر سن کر تمسخر واستہزاء کے لہجے میں کہا تھا کہ آگ کے شعلوں کے

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے آگے جھکو سو وہ (سب) جھکے ہاں ابلیس نہ جھکا، وہ

ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿٦١﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ؗ

بولا کہ کیا میں اس کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟ ۹۳ (اور) وہ بولا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دے رکھی ہے

لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾

اگر تو نے مہلت دیدی روز قیامت تک تو میں اسکی (ساری) اولاد کو اپنے بس میں کرلوں گا بجز ایک قدرے قلیل (گروہ) کے ۹۴

درمیان کوئی درخت رہ کیسے سکتا ہے! ——— گویا عالم آخرت اور جہنم کے قوانین طبعی بھی بالکل عالم ناسوت کے قوانین مادی کے ماتحت اور انہی کی نقل ہوں گے!

ونخوفھم۔ یعنی انھیں آیات واحکام قرآنی کے ذریعہ سے ہم ڈراتے رہتے ہیں۔

۹۳ (درآنحالیکہ مٹی کا بنا ہوا مخلوق، مجھ جیسے آتشیں مخلوق سے کہیں پست ہے)

اس ابلیسی منطق کی پردہ دری ان تفسیری حاشیوں میں بیشتر کی جاچکی ہے۔ اس کے استدلال منطقیانہ کے صغریٰ وکبریٰ دونوں غلط ہیں۔ نہ تو یہی ثابت ہے کہ مٹی ہر حال میں آگ سے پست تر ہے۔ اور نہ یہ مسلّم ہے کہ افضل کسی حال میں بھی غیر افضل کے آگے نہ جھکے۔

اذ قلنا للملٰئکۃ۔ ملائکہ جو افضل ترین مخلوق اس وقت تک تھے، ان کے ضمن میں دوسری مخلوق کا بھی آجانا ہے۔

اسجدوا۔ سجدہ سے یہاں لغوی معنی ہیں نہ کہ اصطلاحی وفقہی، اس پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

لاٰدم۔ آدم کے کعبۃ اللہ کی طرح صرف جہت سجدہ ہونے نہ کہ خود مسجود ہونے پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

ابلیس۔ ابلیس کے مخلوق ناری وجنّی ہونے پر مفصّل حاشیے سورۃ البقرہ آیت ۳۴ اور سورہ الاعراف آیت ۱۱ کے تحت گزر چکے۔

۹۴ (اور وہ گروہ مومنین مخلصین کا ہے)

یہ ساری گفتگو اس وقت کی ہے جب ابلیس نافرمانی کی پاداش میں مردود ومطرود ہوچکا ہے۔ اسی لئے اس کے آغاز میں یہ جتانے کو کہ یہ مستقل کلام ہے، لفظ قال الگ آیا ہے، حالانکہ اوپر سے یہی قول ابلیس ہی کا چلا آرہا ہے۔

ھٰذا الذی کرّمت علیّ۔ اشارہ ظاہر ہے کہ حضرت آدمؑ کی جانب ہے اور ابلیس کا ان کی ذات سے حسد بھی بالکل ظاہر ہورہا ہے۔

لئن اخرتن الی یوم القیٰمۃ۔ ابلیس اس کی درخواست کرچکا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾

ارشاد ہوا چل نکل جو کوئی بھی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا سو بے شک (سب) کیلئے سزائے جہنم سزا ہے پوری ۹۵

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ

اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے تو اپنی پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دیکھ، اور ان پر اپنے سوار

وَ رَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ

اور پیادے چڑھا لا۔ اور ان سے اپنا ساجھا کر لے، مال اور اولاد میں۔ اور ان سے وعدہ کر لے۔

درخواست منظور ہو جائے گی ــــــــ باوجود اپنی مردودیت کے رحمت الٰہی پر اسے اب تک اتنا اعتماد ہے۔

لاحتنکن .... قلیلا۔ انسان کی جسمانی ساخت اور دماغی ترکیب پر نظر کر کے شیطان اپنی فراست سے ابتدا ہی میں سمجھ گیا تھا کہ میں اپنی کوشش اغواء و اضلال میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

لاحتنکن۔ حنك کے معنی پوری طرح چھا جانے اور چھاپ بیٹھنے کے ہیں۔

عبارة عن الاخذ بالكلية۔ (کبیر)

تفسیر احتواء، استیلاء یعنی اپنے ڈھب میں کر لینے، ان کے اوپر چھا جانے سے آئی ہے۔ اور اہلاک و استیصال سے بھی نقل ہوئی ہے۔

ای لاستولین (ابن جریر عن ابن عباس) ای لاحتوینھم۔ (ابن جریر عن مجاھد)

لأستأصلنھم بالاغواء۔ (کبیر)

۹۵ (تو چاہیئے کہ اس سزا کو سن کر اب تو اہلِ باطل اپنے دلوں میں ڈریں)

جزاؤکم۔ کے صیغۂ جمع میں شیطان خود اور اس کے سارے پیرو آگئے۔

ای جزاؤك وجزاؤھم۔ (روح)

فاذھب۔ ذھاب سے یہاں مراد پیروں سے جانا (آنے کے مقابل) نہیں بلکہ اُردو محاورہ میں مراد یہ ہے کہ جا، جو کچھ تیرے بس میں ہے کر دیکھ۔

وھذا لیس من الذھاب الذی ھو نقیض المجیئ وانما معناہ امض لشانك الذی اخترته والمقصود والتخلية وتفويض الامر الیه۔ (کبیر)

لیس المراد به حقیقة الامر بالذھاب ضد المجیئ بل المراد تخلیته ما سولته نفسه اھانة له كما تقول لمن یخالفك: افعل ما ترید۔ (روح)

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾

اور شیطان تو ان سے جو وعدہ کرتا ہے وہ (سب) دھوکا ہے ۹۶

۹۶ (تو چاہیئے کہ انسان اب اس کے ہتھکنڈوں کو سمجھ کر اس کے دام میں پھنسنے سے باز رہے)

بصوتك ۔ یعنی اپنے اغواء اور وسوسہ اندازی سے اور اپنے مخفی پروپیگنڈے سے۔
جو بھی آواز معصیت وفسق کی جانب لائے یا بلائے وہ سب شیطان ہی کی آواز ہے۔

قال ابن عباس هو الصوت الذی یدعویه الی معصیة الله وکل صوت دعی به الی الفساد فهو من صوت الشیطان (جصاص)

وصوته دعاؤه الی معصیة الله تعالیٰ (کبیر)

وصوته کل داع یدعو الی معصیة الله (قرطبی)

اور صوتك کے عموم میں شیطانی دعایت اور پروپیگنڈے کے سارے موجودہ طریقے آگئے۔
صوت کا خصوصی تعلق تابعین میں بھی گانے بجانے سے سمجھا گیا ہے۔

روی عن مجاهد انه الغنا واللهو (جصاص)

عن مجاهد الغناء والمزامیر واللهو، وقال الضحاك صوت المزمار۔ (قرطبی۔ بحر)

اور مشاہدہ کی بنا پر بھی تفسیر عین حق معلوم ہوتی ہے۔ طرح طرح کے گانے اور بجانے (اپنے بے شمار انواع واقسام کے ساتھ) ہی تو آج شیطان کے سب سے بڑے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔

واجلب علیهم بخیلك ورجلك ۔ یعنی ان پر تو اپنا حملہ ہر طرح کر دیکھ۔ خیل اور رجل کے لفظی معنی مقصود نہیں بلکہ محاورہ میں ان سے مراد مطلق لشکر سے ہوتی ہے۔

المراد منه ضرب المثل کما تقول المرجل المجد فی الامر جئتنا بخیلك ورجلك وهذا الوجه اقرب (کبیر)

فالمعنی اجمع علیهم کلما تقدر علیه من مکایدك (قرطبی)

اگر کوئی یہی سمجھے کہ شیطان سوار ہو کر بھی آتا ہے، تو اس کے امتناع پر بھی کوئی دلیل نہیں۔
یہ تفسیر بھی صحابہ وتابعین سے منقول ہے کہ دنیا میں جو سوار اور جو پیادے بھی معصیت کی راہ میں چلتے ہوئے ملیں، یہ سب شیطان ہی کے سوار اور پیادے ہیں۔

روی عن ابن عباس ومجاهد وقتادة کل راجل او ماش الی معصیة الله من الانس والجن فهو من رجل الشیطان وخیله (جصاص)

فعلی هذا التقدیر خیله ورجله کل من شارك فی الدعاء الی المعصیة۔ (کبیر)

وشارکهم فی الاموال والاولاد ۔ یعنی ان کے مال واولاد کو بھی ذریعۂ گمراہی بنا دیکھ۔
وشارکهم فی الاموال ۔ اشتراک اموال سے دور کا اشارہ نظریۂ اشتراکیت (کمیونزم)

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴿۶۵﴾

۹۷

بے شک جو میرے (خاص) بندے ہیں۔ ان پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا اور آپ کا پروردگار ہی کافی کارساز ہے۔

رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ

تمہارا پروردگار تو وہی ہے

کی جانب بھی ہوسکتا ہے۔

وعدھم۔ یعنی ان کو جھوٹے وعدوں کے خوب سبز باغ دکھا، مثلاً یہی کہ فلاں فلاں بات سے کوئی گناہ نہ ہوگا یا یہ کہ ابھی گناہ کرتے ہو تو بے کھٹکے کرتے رہو، بس مرتے وقت توبہ کرلینا یا کہ فلاں فلاں اعمال سے تم کو فلاح وخوش حالی حاصل ہوگی ـــــ پروپیگنڈے کے فن کا تو شیطان استاد اعظم ہے۔

یعدھم۔ یعنی ان سے جیسے جیسے سراسر جھوٹے اور دلفریب وعدے کرلے۔ جیسا سبز باغ انھیں دکھا سکتا ہے دکھاتا رہ۔

الا غرورا۔ شیطان کے سارے ہی وعدے حقیقت سے خالی اور فریب سے لبریز ہوتے ہیں۔

۹۷ (تو ایسوں کو فکر وتردد ہی کیا، بس وہ اپنا تعلق عبدیت ہمارے ساتھ جوڑے رکھیں ہم خود ہی ان کی ہر حفاظت شیطان کے حملوں سے کرتے رہیں گے اس مردود میں قوت ہی کتنی ہے) آیت سے ضمناً ان مذہبوں کی بھی تردید ہوگئی جنھوں نے شیطان کو بھی خدا ہی کی طرح قوت وطاقت کا مستقل مالک سمجھا، اور اہرمن نام دے کر اسے بدی کا خدا مانا۔

انّ ...... سلطٰن۔ مومنین مخلصین کی تسکین وتسلی کے لئے، ایک بار پھر اس حقیقت کی وضاحت کردی گئی کہ ڈرنے کے قابل تو صرف خالق ومالک کی نافرمانی ہے شیطان مردود میں قوت ہی کتنی ہے ـــــ آیت اس باب میں نص صریح کا درجہ رکھتی ہے کہ شیطان کو کوئی قوتِ تسلّط واقتدار انسان پر ہرگز نہیں دی گئی ہے۔ صرف لبھانا، پرچانا، پھسلانا، سبز باغ دکھانا اس کے اختیار میں ہے۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔

عبادی۔ یعنی وہ بندے جو اپنے تعلق عبدیت کو اللہ کے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں۔

المراد اھل الفضل والعلم والایمان (کبیر)

عباد۔ کی اضافت جو ضمیر متکلم حق تعالیٰ کی جانب ہے، بندوں کی عزّت افزائی کے لئے ہے عبد کی اضافت اللہ تعالیٰ اپنی جانب اکثر تخصیص ویگانگت ہی کے موقع پر کرتی ہے۔

الاضافۃ للتعظیم (روح)

والاضافۃ الیہ تعالیٰ اضافۃ تشریف۔ (بحر)

لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾

جو تمہارے لئے سمندر میں کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کے فضل کی تلاش کرو بیشک وہ تمہارے حق میں بڑا ہی مہربان ہے ۹۸؎

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ

اور جب تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے تو جنہیں تم پکارا کرتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں بجز اللہ کے پھر جب وہ تم کو

إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ

خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو تم (پھر) پھر جاتے ہو، انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ۹۹؎ کیا تم اس سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تم کو

۹۸؎ (چنانچہ یہ سامان بھی اسی مہربان ہی نے تمہارے نفع و آسائش کے لئے کر دیا ہے۔)

لتبتغوا من فضلہ۔ یعنی تجارت بحری سے نفع حاصل کرو۔

ای فی طلب التجارۃ (کبیر)

فی التجارات۔ (قرطبی)

انہ کان بکم رحیما۔ ”رحمت“ سے یہاں اشارہ دنیوی نفع کی جانب ہے۔

والمراد من الرحمۃ منافع الدنیاء مصالحھا (کبیر)

بحری تجارت کا اگر وجوب نہیں تو استحسان تو آیت سے صاف نکل رہا ہے ــــ بحری تجارت کا تعلق ذاتی ثروت اور ملّی خوشحالی دونوں سے بالکل ظاہر ہے۔ جو لوگ مذہب اسلام کو تہذیب، تمدن اور ہر قسم کی دنیوی ترقی و فلاح کا دشمن سمجھ رہے ہیں اور اسے صرف گوشہ نشینی کا مذہب قرار دے رہے ہیں، آیت ان کی آنکھیں کھول دینے کو کافی ہے۔ بحری تجارت کا یہ ذکر قرآن مجید خاص محل مدح میں کر رہا ہے۔

۹۹؎ (کہ ایسی جلدی منعم کا انعام و احسان اور اپنا عجز و الحاح سب بھول جاتا ہے)

ضل من تدعون۔ یعنی وہ دیوی دیوتا جن پر تمہیں اتنا بھروسہ ہوتا ہے اور جنہیں مدد کے لئے پکارتے ہو سب گئے گزرے ہوتے ہیں۔ کوئی بھی کام نہیں آتا۔

الانسان۔ انسان سے مراد اس سیاق میں وہی ناشکر گزار انسان ہے۔ اور اگر انسان سے مراد عام جنس بشری لی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ انسان کی طبیعت میں ناشکری رکھ دی گئی ہے۔ سوائے اس کے کہ کسی میں اللہ اپنی مہربانی سے شکر گزاری اور منت پزیری بھی رکھ دے۔

الانسان ھنا الکافر (قرطبی) وقیل وطبع الانسان کفورا للنعم الا من عصمہ اللہ،

فالانسان لفظ الجنس (قرطبی)

ای سجیتہ ھذا، ینسی النعم ویجحدھا الا من عصم اللہ (ابن کثیر)

جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾

خشکی کی طرف لاکر زمین میں دھنسا دے یا تم پر کوئی تند ہوا بھیج دے تو تم کسی کو (بھی) اپنا کارساز نہ پاؤ۔ ۱۰۰ھ

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا

کیا تم اس سے بے کھٹکے ہو گئے کہ وہ تمھیں ایک بار پھر اسی (یعنی سمندر کی) طرف لے جائے اور تم پر

مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾

ہوا کا سخت طوفان بھیج دے۔ پھر تمھیں تمھاری ناشکری کے باعث غرق کر دے اور تم کو اس بات پر ہمارا کوئی پیچھا

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ

کرنے والا نہ ملے ۱۰۱ھ اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے ۱۰۲ھ

اعرضتم۔ پھر جاتے ہو عقیدۂ توحید سے اور مبتلا ہو جاتے ہو عقائد شرک میں۔

۱۰۰ھ یعنی ایسا جو اللہ کے مقابلہ میں تمھاری حمایت و نصرت کچھ اور کسی درجہ میں بھی کر سکے۔ ان سالوا او یرسل علیکم حاصبًا۔ ایسی تند ہوا یا طوفانی آندھی چلا دے جو تم پر کنکر پتھر برسا دے۔

افامنتم.... حاصبًا۔ یعنی یہ تمھاری کیسی غفلت و نادانی ہے کہ تم خدا کو شاید صرف سمندر ہی پر قادر سمجھتے ہو اور یہ خیال نہیں کرتے کہ عذاب الٰہی کا خشکی میں بھی تو ہر وقت آ جانا ممکن ہے خواہ نیچے سے ہو یا اوپر سے۔

۱۰۱ھ یعنی تمھاری اس غرقابی پر ہم سے نہ بدلہ لے سکے نہ کوئی باز پرس کر سکے۔

یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تمھیں اپنے لئے اس پر ہمارے خلاف کوئی پیروی کرنے والا نہ ملے ـــــ

حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ اللہ کا احکم الحاکمین اور مطلق الاختیار ہونا۔

۱۰۲ھ (اور اسے ایک معزز مخلوق بنایا ہے۔)

یہودیت و نصرانیت کی طرح اسلام کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ انسان پیدائشی گنہگار اور ایک ذلیل ترین مخلوق ہے جسے پیدا کر کے اس کا خالق خود پچھتایا۔ ملاحظہ ہو عہد عتیق۔

• اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور اور خیال روز بروز صرف بدہی ہوتے ہیں، تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان کو بھی اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک۔ کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں۔" (پیدائش ۔ ۶ : ۵-۸)

وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی

اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا (دونوں) میں سوار کیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں عطا کیں، اور

كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ﴿٧٠﴾ ع

ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی ہے ۱۰۳

اور شرکیہ مذاہب میں تو انسان کی حالت اور بھی ذلیل اور گندی تسلیم کی گئی ہے ——— آیت اس باب میں نص واضح ہے کہ انسان فی نفسہٖ ایک ذی عزت اور قابل احترام مخلوق ہے نہ جلد کے رنگ کی بنا پر کالی قومیں یا زرد قومیں، حقیر و ذلیل سمجھی جاسکتی ہیں، اور نہ خلاف کنبہ یا برادری میں پیدا ہو جانے کی بنا پر کسی کو اچھوت یا نیچ قرار دیا جاسکتا ہے ہر انسان پیدائشی طور پر معزز ہی ہوتا ہے۔ انسان ذلیل صرف اس وقت ہوتا ہے جب وہ کفر و معصیت اختیار کر کے اپنے ہاتھوں اپنے کو اللہ کے نزدیک ذلیل و خوار کر ڈالتا ہے۔

امام شافعیؒ نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ آدمی موت سے نجس نہیں ہو جاتا۔

ولذا استدل الامام الشافعی بالآیۃ علی عدم نجاسۃ الآدمی بالموت۔ (روح)

بنی آدم۔ کے عموم میں گورے اور کالے اور پیلے اور ایشیائی، یورپی، افریقی، اور شہری اور جنگلی اور عالم و عامی، شاہ و گدا سب ہی آگئے، ہر ادنیٰ سے ادنیٰ آدم زاد بھی شرف و اعزاز کا سزاوار کسی درجہ میں ہو ہی گیا۔

۱۰۳ انسان بجائے خود ایک معزز و مکرم ہستی ہے اور بیشتر مخلوقات سے افضل۔ پھر اس کا دوسری مخلوقات سے ڈرنا اور ان کے مقابلہ میں احساس کمتری میں مبتلا رہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہاں تک تو نص قرآنی ہی سے ثابت ہو گیا، لیکن بعض نے کثیر کو کل کے معنی میں لے کر انسان کو حق تعالیٰ کی افضل ترین مخلوق ہونے پر بھی استدلال کیا ہے۔

ای من سائر الحیوانات واصناف المخلوقات (ابن کثیر)

وقد یوضع الاکثر موضع الکل کما قال تعالیٰ واکثرھم کاذبون ای کلھم (معالم)

ای علی الکل (مدارک) قال الحسن ای کلھم۔ (مدارک)

اور بعض نے اس آیت سے ملائکہ پر جنس بشر کی افضلیت پر استدلال کیا ہے۔

وقد استدل بھذہ الآیۃ الکریمۃ علی افضلیۃ جنس البشر علی جنس الملائکۃ (ابن کثیر)

لیکن صاحب کشاف نے جو لغت و ادب کے امام ہیں اس معنی سے سخت انکار کیا ہے اور صاحب بیضاوی اور صاحب بحر المحیط بھی کچھ ان ہی کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔

کثیر۔ کو اس کے اصلی معنی میں لینے سے بھی کوئی امر مانع نہیں۔ اللہ کی ساری مخلوقات کا علم

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ

(یاد رکھو) وہ دن جب ہم تمام انسانوں کو ان کے نامۂ اعمال سمیت بلائیں گے ۱۰۴ سو جس کسی کو اس کا نامۂ اعمال

يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾

۱۰۵

اس کے داہنے ہاتھ میں ملے گا سو ایسے لوگ اپنا نامۂ اعمال پڑھنے لگیں گے اور ان کا نقصان ذرہ بھر بھی نہ کیا جائے گا

کس کو ہے؟ ہو سکتا ہے کہ کوئی مخلوق انسان سے بھی افضل واشرف ہو۔ باقی مفسرین نے جس مخلوق کو انسان سے برتر مانا ہے وہ جبرئیل، میکائیل اور ان ہی کے ہمسر ملائکہ مقربین ہیں۔

الطيبات۔ سے مراد کھانے پینے کی لذیذ اور نفیس چیزیں ہیں۔

يعنی لذيذ المطاعم والمشارب۔ (قرطبی)

قرآن مجید نے ان لذائذ کا ذکر موقع مدح پر کیا ہے اور اُن کو اللہ کے فضل واحسان میں شمار کیا ہے۔ اس لئے اسلام میں لذیذ ماکولات ومشروبات سے لطف لینے میں مطلق مضائقہ نہیں جس چیز سے شریعت نے روکا ہے وہ ان لذات کام و دہن میں غرق ہو جانے اور انھیں حد اسراف تک پہنچا دینا ہے

حملنهم في البر والبحر۔ یعنی خشکی اور آبی دونوں قسم کی سواریوں پر سوار کرایا، اور جاندار و بے جان دونوں طرح کی سواریاں اُسے عنایت کیں ـــــ الفاظ قرآنی کا عموم حیوانی اور مشینی ہر قسم کی سواری پر حاوی ہے اور اونٹ، خچر، گدھا، گھوڑے ہاتھی سے لے کر بیل گاڑی۔ گھوڑا گاڑی، اونٹ گاڑی اور سائیکل، اسکوٹر، رکشا، موٹر، بس، ریل، موٹر کشتی، دخانی جہاز وغیرہ قیامت تک ایجاد ہونے والی سواریوں کو شامل ہے۔

۱۰۴ (میدان حشر میں حساب کتاب کے لئے)

امام کی تشریح یہاں عام طور پر نامۂ اعمال سے کی گئی ہے، قرآن ہی میں امام ایک اور جگہ لوح محفوظ کے معنی آیا ہے۔

الامام ما عمل واملى فكتب عليه (ابن جرير۔ عن ابن عباس) اى بكتابهم الذى فيه اعمالهم (ابن جرير۔ عن الحسن)

قال ابن عباس والحسن والضحاك امامه كتاب عمله (جصاص)

اى بكتاب اعمالهم وكذا قال ابو العالية والحسن والضحاك وهذا القول هو الارجح (ابن كثير)

لیکن دوسرے معنی یہ بھی اکابر ہی سے مروی ہیں کہ انسان گروہ درگروہ اپنے پیشواؤں اور لیڈروں یا اپنے زمانہ کے انبیاء کے ساتھ بلائے جائیں گے۔

قال مجاهد وقتادة امامه نبيه (جصاص) قال ابو عبيدة بمن كانوا يأتمون به فى الدنيا۔ (جصاص)

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

اور جو کوئی اس (دنیا) میں اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور راہ سے بالکل بھٹکا ہوا ۱۰۶

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا

اور یہ (کافر) آپ کو اس سے بچلا یا ہی چاہتے ہیں جو ہم آپ پر وحی کر چکے ہیں تاکہ آپ اس (حکم وحی) کے سوا ہم پر

غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

کوئی بات گڑھ لیں۔ اور وہ اس حالت میں آپ کو گاڑھا دوست بنا لیتے ۱۰۷

ای بالذی یقتدون بہ (راغب)

بمن ائتمّوا بہ من نبی (کشاف)

اور امام ابن جریر نے ترجیح اسی دوسرے مفہوم کو دی ہے۔

لأن الاغلب من استعمال العرب الامام فی ما ائتم واقتدی بہ (ابن جریر)

۱۰۵ یعنی ان کے ایمان اور اعمال کے اجر میں کمی ذرا بھی نہ کی جائے گی چاہے زیادتی جتنی بھی کر دی جائے۔ فمن.... کتٰبھم۔ حدیث میں تفصیل یہ بیان ہوئی ہے کہ میدان حشر میں لوگوں کے نامۂ اعمال ان کے ہاتھوں میں اُڑ اُڑ کر پہنچیں گے۔ جنتی کے داہنے ہاتھ میں، اور جہنمی کے بائیں ہاتھ میں —— تو داہنے ہاتھ میں پانے والے جلدی جلدی انھیں پڑھنے بھی لگیں گے خوش ہو کر کہ آپ پروانۂ مغفرت تو مل ہی گیا۔

۱۰۶ یہاں ایک بار اور اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ حشر میں جو کچھ بھی ہوگا اِس دنیا ہی کے اعمال کا پورا ظہور اور صرف نتائج و ثمرات کا تحقق ہوگا۔ کوئی ایسی بات جو سرے سے نئی ہو، نہ ہو گی —— آخرت ناسوت ہی کے تکملہ کا نام ہے۔

ومن کان فی ھذہٖ اعمی۔ یعنی جو کوئی دار العمل میں اپنی آنکھیں راہ نجات کی طرف سے اندھی رکھے گا۔ فھو فی الاٰخرۃ اعمی۔ سو ایسا شخص دار الجزاء میں جمال حق کی دید سے اور جنّت کے نظاروں سے محروم رہے گا۔

۱۰۷ (گو اس صورت میں آپ حمایت الٰہی و نصرت الٰہی کے دامن سے نکل جاتے۔

روایتیں اپنی تفصیلات میں مختلف ہیں لیکن اتنا جزء سب میں مشترک ہے کہ قبیلۂ بنی ثقیف یا کہیں اور کے کچھ کافروں نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اگر آپ فلاں فلاں احکام میں ہمارے لئے استثناء یا تخفیف کر دیں تو ہم ابھی ابھی مسلمان ہوئے جاتے ہیں۔ آپؐ کو ان کے ایمان کی طمع سے خیال کچھ ایسا ہی پیدا ہو چلا تھا کہ اتنے میں نزول وحی نے فیصلہ ان کے برخلاف صادر کر دیا۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ

اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ قریب تھا کہ ان کی طرف قدرے قلیل جھک چلتے ۱۰۸؎ اس حالت میں

ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

ہم آپ کو دوگنا عذاب چکھاتے زندگی میں بھی اور (بعد) موت بھی پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کسی کو بھی مددگار نہ پاتے ۱۰۹؎

۱۰۸؎ (اس لئے کہ وہ طمع ایمان کی دلا رہے تھے، اور آپ اس کے حریص ہیں)

لولا ان ثبتنٰك. خطاب نبی معصوم سے ہو رہا ہے کہ اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا —
لیکن ثابت قدم کیسے نہ رکھا ہوتا۔ یہ ثابت قدمی تو فرع ہے معصومیت کی اور معصومیت لازمۂ نبوت ہے۔

لقد.... قلیلا. بعض نے آیت کو کسی درجہ میں قادح عصمت سمجھا ہے۔ حالانکہ آیت کے الفاظ اس کے عکس پر دلالت کر رہے ہیں، آپ کا رکون (جھکاؤ) اول تو ہوا ہی نہیں صرف قرب رکون (کدت ترکن) مذکور ہے اور وہ بھی صرف مرتبۂ اولین (شیئا قلیلا) کے لحاظ سے! —
گویا رکون ہی نہیں صرف وسوسۂ رکون!۔

اور پھر وہ بھی ہونے کہاں پایا؟ لولا ان ثبتنٰك کی زنجیر عصمت نے اتنا بھی ہلنے کا موقع کہاں دیا؟
غرض یہ کہ یہ ارشاد الٰہی بہ طور الزام نہیں، بلکہ یہ تو آپؐ کی صرف کمال حرص ایمانی کا مظہر ہے،
اور بہ قول مفسر تھانویؒ یہ ارشاد عتاب نہیں بلکہ اظہار محبوبیت ہے کہ آپ ایسے محبوب ہیں کہ ہم نے رکون قلیل کے قرب سے بھی آپ کو بچالیا۔

فقہاء نے آیت سے متعدد مسئلوں کا استنباط کیا ہے مثلاً یہ کہ :۔

۱۔ شر ذریعہ خیر نہیں بن سکتا، خیر کے ذرائع و وسائل بھی خیر ہی ہونے چاہئیں۔

۲۔ احکام شریعت کسی قیمت پر بھی نرم نہیں کئے جا سکتے۔ ورنہ شریعت خداوندی کا مصلحت انسانی کے تابع ہو جانا لازم آتا ہے۔

۳۔ ارتکاب شر بشر ہی کی شامت سے ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا تم جھکنے کے قریب تھے لقد کدت ترکن الیھم

۴۔ توفیق خیر حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہم نے ثابت قدم رکھا ثبتنٰك۔

۵۔ انبیاء اپنے فرائض نبوت و رسالت میں معصوم ہوتے ہیں حق تعالیٰ ان کا محافظ رہتا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اس باب میں نص ہے کہ حضرات انبیاء کا بھی محافظ حق تعالیٰ ہی ہے محض ان کی قوت قدسیہ کافی نہیں تو دوسروں کو اپنی محفوظیت اور اپنی نسبت باطنی کی قوت پر کب اعتماد ہو سکتا ہے جبکہ ان کی خود نسبت ہی کے وجود پر گفتگو کی گنجائش ہے۔

۱۰۹؎ (مگر آپ چونکہ اپنے فرائض نبوت و رسالت میں معصوم ہیں اور ثابت قدم رہے اس لئے قرب میلان بھی نہیں ہوا۔ اور ان وعیدوں سے بھی بالکل بچ گئے۔)

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا

اور قریب تھا کہ یہ (کافر) (اس) سرزمین سے آپ کے قدم اکھیڑ دیں تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور

لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ

اس حالت میں یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے ۱۱۱؎ (جیسا کہ ہمارا) دستور ان کے باب میں رہا ہے جنھیں

مِنْ رُّسُلِنَا

آپ سے قبل ہم نے اپنا رسول بنا کر بھیجا تھا ۱۱۱؎

فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ علماء و خواص پر جاہل عوام سے سخت تر گرفت ہوگی مباح ان کی شان سے بعید اور مکروہ ان کے حق میں سزاوار وعید ہو جاتا ہے۔

اذًا۔ یعنی اگر اس میلان و رجحان کا ترتب و تحقق ہو جاتا، جو کہ نہیں ہوا ـــــ وہ صورت حال اگر ہو جاتی جس کی ابھی نفی کی جا چکی ہے۔ اردو مصرعہ "جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے" اور فارسی مقولہ "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" ان ہی مقامات کے ترجمان ہیں۔ رسول کا مرتبہ جتنا اونچا ہوتا ہے، اسی نسبت سے گرفت بھی سخت تر رکھی گئی ہے۔

والسبب فی تضعیف ھذا العذاب ان اقسام نعم اللہ تعالٰی فی حق الانبیاء علیھم السلام اکثر فکانت ذنوبھم اعظم فکانت العقوبۃ المستحقۃ علیھا اکثر۔ (کبیر)

۱۱۱؎ یعنی انھیں بھی مہلت نہ ملنے پاتی اور یہ بھی زمانۂ قریب میں عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاتے۔

وان .... من الارض۔ ملک عرب سے آپؐ کے قدم اکھیڑ دینا خواہ جبر سے ہوتا یا مکر سے ـــــ بعض نے یہاں کافروں سے مراد یہود لے لی ہے۔ انھوں نے آپؐ سے کہنا شروع کیا تھا کہ انبیاء کی سرزمین تو شام ہے، یہ آپ حجاز میں کیسے پڑے ہوئے ہیں، وہیں چلے جائیے۔

بہر حال وہ مخالفین معاندین میں سے خواہ مشرکین ہوں خواہ یہود۔ دیکھا تو یہ گیا، اور یہ کوئی بہت بڑی مدت کے بعد نہیں، چند ہی سال کے اندر کہ سارے جزیرۃ العرب میں اس سرے سے اس سرے تک نہ کوئی مشرک رہ گیا، نہ یہودی۔ سب کے سب اسی محمدؐ کی رسالت کا کلمہ پڑھنے والے رہ گئے۔

اذًا۔ یعنی اگر ایسا کافروں کے حسب خواہش واقع ہو گیا ہوتا جو نہیں ہوا۔

خلفک۔ یہاں بعد کے معنی میں ہے۔

ای بعدک (روح)

زعم الاخفش ان خلافک فی معنی خلفک (کبیر)

قیل بمعنی بعدک (قرطبی)

ع۸ ۷

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ

اور آپ ہمارے اس دستور میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے ۔۱۱۲ نماز ادا کیجیے، آفتاب ڈھلنے (کے بعد)

إِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ

سے رات کے اندھیرے ہونے تک ۱۱۳

۱۱۱ یعنی جب ان کی قوم نے ان پیمبران برحق کو اپنے اور ان کے وطن سے نکال دیا۔ تو خود ان منکروں کو بھی چین سے رہنا نصیب نہ ہوا۔

ای یعذبون کسنۃ من قد ارسلنا (قرطبی)

سنۃ ۔ جملہ کی ترکیب مقدر یوں سمجھی گئی ہے سن اللہ ذلک سنۃ اور سنۃ کا نصب مصدر تاکیدی کا نصب مانا گیا ہے۔

نصبت نصب المصدر المؤکد ای سنّ اللہ ذلک سنۃ ۔ (کشاف)

لا تجد لسنتنا تحویلا ۔ وعدہ کا پورا ہونا بہر حال ضروری ہے۔

ای لا خلف فی وعدھا ۔ (قرطبی)

۱۱۲ یعنی صابرین مطیعین کی مدد و نصرت اور منکرین کی مغلوبی و پامالی تو ہمارا قطعی قانون ہے، آپ اس باب میں کوئی شک و تردد لائیں ہی نہیں۔

سنتنا ۔ یہ سنت اللہ ہے، جیسا کہ اس جزء میں بالکل صاف ارشاد ہوا ہے اور اس کے قبل جو سنۃ کی اضافت رسلنا کے ساتھ آئی ہے تو اس سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ سنت الٰہی رسولوں کے باب میں ہے۔

فالسنۃ للہ عزوجل واضیفت للرسل علیھم السلام لانھا سنت لاجلھم (روح)

۱۱۳ وقت کی قدرتی تقسیم حرکت آفتاب کے تابع ہے اور قرآن مجید نے اسی کو اوقات عبادت کے لئے معیار قرار دیا ہے ۔۔۔ قرآن کا "اسٹینڈرڈ ٹائم" یہی ہے۔ ہرگز "پنج ٹائم" اور "مدراس ٹائم" سے بے نیاز۔

الصلوٰۃ ۔ سے مراد ظاہر ہے کہ نماز مفروضہ ہے اور اسی نماز فرض کے اوقات کا بیان ہو رہا ہے۔

دلوک ۔ کے مطلق معنی جھکاؤ یا میلان کے ہیں۔

معنی الدلوک فی کلام العرب ھو المیل (ابن جریر)

عن ابن عباس وابی برزہ الاسلمی وجابر وابن عمر دلوک الشمس میلھا وکذالک روی عن جماعۃ من التابعین قال ابوبکر ھولاء الصحابۃ قالوا ان الدلوک المیل وقولھم مقبول فیہ لانھم من اھل اللغۃ (جصاص)

وقال ابن عباس وابن عمر وجابر ھو زوال الشمس وھو قول عطاء وقتادۃ ومجاھد والحسن واکثر التابعین (معالم)

وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾

اور صبح کی نماز بھی ۱۱۴؎ بے شک صبح کی نماز حضوری کا وقت ہے ۱۱۵؎

دلوک الشمس ھو زوالھا عن کبد السماء وھو اختیار الاکثرین من الصحابۃ والتابعین۔ (کبیر)

دلوک الشمس۔ آفتاب ڈھلنے کے دو درجے ہیں، ایک تو اس کا عروج نصف النہار سے زوال کی طرف مائل ہونا، جسے عام بول چال میں دوپہر کہتے ہیں۔ دوسرے اس کا بالکل ڈھل کر افق پر نظر کے مقابل آجانا جسے عام بول چال میں سہ پہر کہتے ہیں۔ اوقات کی قدرتی تقسیم کی مناسبت سے دو نمازیں ظہر و عصر کی تجویز ہوئیں۔

غسق اللیل۔ ٹھیک اسی طرح شب کے اندھیرے کے بھی دو درجے ہیں، ایک یہ کہ سورج افق سے غائب ہوجائے، خواہ روشنی باقی ہو، دوسرے یہ کہ تاریکی خوب اچھی طرح پھیل جائے۔ ان ہی دو قدرتی وقتوں کی مناسبت سے رات کی نمازیں بھی دو یعنی مغرب و عشاء کی قرار پائیں۔

غسق اللیل۔ ھو اقبالہ ودنوہ بظلامہ۔ (ابن جریر)

لدلوک۔ میں ل سببیت کا ہے بعض نے بعد کے معنی بھی لئے ہیں۔

قال الواحدی اللام لام لاجل والسبب (کبیر)

واللام فی لدلوک قالوا بمعنی بعد (بحر)

لدلوک.... اللیل۔ چاروں نمازوں کے وقت کی ابتداء وانتہاء، آغاز و ختم دونوں کا بیان اس میں آگیا۔

بیان لمبدأ الوقت ومنتھاہ (بیضاوی)

کانت الآیۃ جامعۃ لمواقیت الصلوٰۃ کلھا فدلوک الشمس یتناول صلوٰۃ الظھر والعصر والی غسق اللیل یتناول المغرب والعشاء وقرآن الفجر ھو صلوٰۃ الصبح۔ (معالم)

۱۱۴؎ قرآن الفجر۔ قرآن یہاں نماز کے معنی میں ہے، یا قرأت قرآن کے معنی میں۔ اور اس سے بھی مراد نماز ہی ہے۔

یعنی صلاۃ الصبح (ابن جریر عن ابن عباس) ای صلاۃ الصبح (ابن جریر عن مجاھد)

صلاۃ الفجر سمیت قرانا (مدارک)

اجمعوا علی ان المراد منہ صلاۃ الصبح (کبیر)

صلاۃ الفجر (ابن کثیر)

تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ اقم قرآن الفجر۔

وانتصابہ بالعطف علی الصلاۃ فی قولہ اقم والتقدیر اقم الصلاۃ واقم قرآن الفجر۔ (کبیر)

۱۱۵؎ (فرشتوں کی)

وَ مِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ

اور رات کے کچھ حصہ میں بھی سو اس میں تہجد پڑھ لیا کیجیے (یہ) آپ کے حق میں زائد چیز ہے ۱۱۶

یہ تفسیر خود حدیث میں آ گئی ہے کہ یہ وہ نماز ہے کہ اس کے وقت رات کے فرشتوں اور دن کے فرشتوں دونوں کی حاضری ہوتی ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم تشہدہ ملائکۃ اللیل وملائکۃ النہار (ابن جریر عن ابی ہریرۃ)

۱۱۶ یعنی یہ ان پانچ نمازوں کے علاوہ فرض یہ نہیں، ہے زائد ہی۔ لیکن آپ اسے بھی پڑھتے رہیے۔
نافلۃ لک۔ آپ کے لئے زائد، بہ طور فضیلت کے۔

قال قتادۃ تطوعا وفضیلۃ (جصاص) قال مجاھد وانما کانت نافلۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لانہ قد غفرلہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر وکانت طاعاتہ نافلۃ ای زیادۃ فی الثواب ولغیرہ کفارۃ لذنوبہ (جصاص)

ای کرامۃ لک (قرطبی)

فتہجد۔ ھجد لغت اضداد میں ہے، لفظی معنی سونے کے بھی آتے ہیں اور جاگنے کے بھی۔

ھو من الاضداد ھجد نام، وھجد سھر، (قرطبی)

اصطلاح شریعت میں تہجد وہ نماز ہے، جو شب میں، سونے سونے اٹھ کر پڑھی جائے۔

التھجد التیقظ بعد رقدۃ فصار اسما للصلاۃ فالتھجد القیام الی الصلاۃ من النوم (قرطبی)

ای تیقظ بالقراٰن وذلک حث علی اقامۃ الصلاۃ فی اللیل (راغب)

التھجد التیقظ والسھر بعد نومۃ من اللیل۔ (ابن جریر)

من اللیل۔ من تبعیضیہ ہے یعنی رات کے کچھ حصہ میں۔

ای بعض اللیل۔ (کشاف)

من للتبعیض۔ (قرطبی)

نماز تہجد کا پُرمشقت ہونا ظاہر ہی ہے لیکن اجر و صلہ بھی اسی درجہ کا ہے۔ احادیث اس کی فضیلتوں سے لبریز ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے تو اس حکم کے بعد یہ نماز تہجد لازمی ہو گئی تھی خواہ بہ طور فرض زائد کے، خواہ بہ طور نفل کے۔

والمعنی ان التھجد زید لک علی الصلوٰت المفروضۃ غنیمۃ لک او فریضۃ علیک خاصۃ دون غیرک لانہ تطوع لھم۔ (مدارک)

بہ ضمیر ہ القراٰن کی جانب ہے۔

الھاء فی قولہ (بہ) کنایۃ عن قراٰن الفجر (جصاص)

والتقدیر فتھجد بالقراٰن فی الصلاۃ (بحر)

عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ

عجب کیا ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں جگہ دے ۱۱۷ اور آپ کہتے رہئے کہ اے میرے

مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ

پروردگار مجھے پہنچائیو پہنچانے کے وقت خوبی کے ساتھ ۱۱۸ اور مجھے نکالئے وقت خوبی سے نکالیو ۱۱۹ اور مجھے اپنے پاس

ای بالقرآن ۔ (قرطبی)

۱۱۷ احادیث میں آتا ہے کہ یہ مقام شفاعت کبریٰ کا ہے۔

مقام الشفاعة (ابن جریر عن ابن عباس) ای مقام الشفاعة یوم القیامة (ابن جریر عن الحسن)

وھو مقام الشفاعة عند الجمھور (مدارک)

عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو المقام الذی اشفع لامتی فیہ ۔ (ابن کثیر عن الامام احمد)

عسیٰ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس کے معنی میں شک کا پہلو نہیں رہ جاتا بلکہ تیقن پیدا ہو جاتا ہے۔

عسی من اللہ تعالیٰ واجب (معالم)

اتفق المفسرون علی ان کلمة عسی من اللہ واجب (کبیر)

اگرچہ امام راغب کو اس معنی سے قطعی اختلاف ہے اور انھوں نے اسے مفسرین کا قصور نظر بتایا ہے۔

۱۱۸ یعنی جب ہجرت کا وقت آئے تو مجھے اس دار الہجرت میں خیر و راحت کے ساتھ اتاریو۔

ادخلنی۔ اخرجنی کی تفسیر حدیث ترمذی میں ہجرت ہی کے ساتھ آئی ہے۔

مدخل صدق ۔ سے مراد مدینہ منورہ لی گئی ہے۔

ای المدینة حین ھاجر الیھا ۔ (ابن جریر عن ابن زید)

صدق کا مفہوم عربی میں بہت وسیع ہے ہر ایسا فعل اس کی جانب منسوب کر دیا جاتا ہے جو کوئی ظاہری یا باطنی خیر و خوبی رکھتا ہو۔

یُعبّر عن کل فعل فاضل ظاھرًا و باطنًا بالصدق فیضاف الیہ ذلک الفعل الذی یوصف بہ ۔ (راغب)

۱۱۹ (سرزمین مکہ سے)

یعنی ہجرت کے وقت یہاں سے خیر و خوبی کے ساتھ نکالیو۔

مُخْرَجَ صِدْقٍ ۔ یعنی مکہ مکرمہ ۔

اور مجاہد تابعی سے مدخل مخرج کے معنی ادخال و اخراج کے بھی نقل ہوئے ہیں جیسے قرآن مجید میں منزلًا مبارکًا بھی انزال کے معنی میں آیا ہے۔

سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿٨٠﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ

غلبہ دیجیو (اپنی) نصرت کے ساتھ ملا ہوا۔ ۱۲۰؎ اور آپ کہہ دیجئے کہ حق (بس اب) آ ہی گیا اور باطل مٹ گیا بیشک

كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ

باطل تھا ہی مٹنے والا۔ ۱۲۱؎ اور ہم قرآن سے ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں۔

قال معناہ مجاهد والمدخل والمخرج (بضم المیم) بمعنی الإدخال والإخراج کقوله أنزلني منزلاً مبارکاً ای انزالاً۔ (قرطبی)

ای مکة حین خرج منها۔ (ابن جریر)

صدق۔ جو کذب کی ضد ہے، وسعت مفہوم بھی اسی کی طرح رکھتا ہے۔ خوبی وخیر کی ہر چیز اس کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے۔

کل ما نسب الی الصلاح والخیر أضيف الی الصدق۔ (تاج)

مفہوم میں توسع پیدا کر کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ مجھے قبر میں داخل کیجیو ایمان وصدق کے ساتھ، اور قبر سے باہر نکالیو قیامت کے دن ایمان وصدق کے ساتھ۔

ای ادخلنی فی القبر مدخل صدق واخرجنی من القبر یوم القیامة مخرج صدق۔ (ابن عباس)

مدخل صدق اور مخرج صدق پیمبر اعظمؐ کا مولد اور وطن اختیاری مکہ معظمہ ومدینہ منورہ دونوں یکساں بابرکت وقابل احترام ہیں۔ تفاضل وتقابل کی بحث ہی سرے سے لاحاصل ہے۔ بہر حال سفر کہیں کا بھی ہو پیمبر تک کو ہدایت اس کی ہے کہ اللہ سے تعلق جوڑے رہے اور دعا ومناجات اسی سے کرتا رہے۔

۱۲۰؎ (کہ وہی غلبۂ حقیقی اور پائدار ہوتا ہے ورنہ عارضی اور ظاہری غلبہ تو کسی مصلحتِ تکوینی سے کافروں کو بھی ہو جاتا ہے۔)

۱۲۱؎ آیت کے آخری ٹکڑے نے یہ حقیقت صاف کر دی کہ پائداری اور قیام باطل کے نصیب میں نہیں۔ الحق۔ الباطل۔ حق سے مراد ہے دین توحید۔ اور باطل اس کی ضد ہے، اور ہر قسم کے کفر اور غیر پرستی پر شامل ہے۔

حدیث وسیر کی روایتوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد جب خانہ کعبہ کے اندر کے بتوں اور مورتیوں کو توڑتے جاتے تھے تو زبان سے یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے۔

محققین صوفیہ نے الفاظ آیت کے عموم سے فائدہ اٹھا کر حق کے تحت میں نور باطن اور حب الٰہی کو بھی داخل کیا ہے۔ اور باطل کے تحت میں ظلمت اور حب الخلق کو۔

وَلَا يَزِيدُ الظّٰلِمِينَ اِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ

اور ظالموں کا اس سے بس نقصان ہی بڑھتا ہے ۱۲۲ اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ

اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿٨٣﴾

منہ موڑ لیتا ہے اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو نا اُمید ہو جاتا ہے۔ ۱۲۳

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ

آپ کہہ دیجئے کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے۔

۱۲۲ یعنی جو لوگ قرآن کے باب میں ظالم ہیں، وہ اس کے حقائق کو بہ نظر انصاف نہیں دیکھتے۔ ان کے کام قرآن کے قبول عام و اشاعت سے اور بگڑتے ہی جاتے ہیں۔ اور ٹھوس اور بنیادی حقیقتوں کے انکار سے ان اہل تکذیب کی محرومی ہی ہیں اور اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

شفاء۔ یعنی عقائد فاسد اور اعمال فاسد سے نجات ـــــ اصلاح حال کا منفی پہلو۔

رحمة۔ یعنی احکام الٰہی پر عمل خود رحمت الٰہی کا جاذب ہو جائیگا۔ اصلاح حال کا مثبت پہلو۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اصطلاح سلوک میں شفاء سے اشارہ ہے تخلیہ کی طرف اور رحمة سے اشارہ ہے تجلیہ کی جانب۔

۱۲۳ (اپنی کامیابی اور ہماری رحمت و فضل کی طرف سے)

الانسان۔ سے مراد یہاں کافر اور ناشکر گزار انسان ہے۔

یعنی الکافر من کثرة ماله ومعیشته (ابن عباسؓ)

اعرض ونا بجانبه۔ یہ منہ موڑ لینا اور کروٹ پھیر لینا اللہ اور احکام الٰہی کی جانب سے ہوتا ہے۔ "اور کروٹ پھیر لیتا ہے"، یہ لفظی ترجمہ ہوا ونا بجانبه کا۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ تمرد و سرکشی کر کے دحق کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے۔

ای تباعد عن القبول ویقال للرجل اذا تکبّر واعرض عن الحق۔ (تاج)

واذا انعمنا ـــــ واذا مسه الشر۔ اول الذکر سے مراد انعامات تکوینی صحت، عافیت مال، اولاد وغیرہ ہیں اور آخر الذکر سے مراد ان ہی سے محرومی۔

یہ اعراض و یاس دونوں نتیجہ ہوتی ہیں حق تعالیٰ سے بے تعلقی رکھنے کا ـــــ بے دین، اللہ سے بے تعلق، اور خالص دنیا دار کی ذہنیت کی کیسی صحیح تصویر کشی ہے!

اعرض کے بعد نا بجانبه کا اضافہ تاکید اور زور کے لئے ہے۔

تاکید للاعراض۔ (کشاف)

فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا ﴿٨٤﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ

تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ کون صحیح تر راستہ پر ہے۔۱۲۴ اور آپ سے یہ روح کی بابت پوچھتے ہیں۔۱۲۵

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي

آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے۔۱۲۶

۱۲۴ (اور وہی سب کو ان کے موافق حال جزا دے گا۔)

آیت میں یہ بتایا کہ کسی کو حق نہیں کہ یوں ہی بلا دلیل شرعی اپنے کو راہ حق پر سمجھ لے۔

قل کل یعمل علی شاکلتہ۔ یعنی ہر شخص کی ایک خاص افتاد طبیعت ہوتی ہے اور وہ اسی کے مطابق عمل کرتا ہے خواہ وہ عمل نیک ہو یا بد، مقتضا ہو علم صحیح کا یا جہل قبیح کا ___ ماحول، توارث تربیت اور خود اپنے ارادہ و اختیار کے مسلسل استعمال سے ہر فرد کا ایک مستقل "شاکلہ" قرار پا جاتا ہے، اور فرد اسی سعادت یا شقاوت کے سانچے کے مطابق عمل کرتا رہتا ہے ___ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ آپ قرآن کی اس آیت کو "ارجیٰ" سمجھتے تھے، یعنی سب سے زیادہ پُر امید اور تشفی دہ۔ (قرطبی)

علیٰ شاکلتہ۔ یعنی اپنی افتاد طبیعت اور مزاج کے سانچے کے مطابق۔ شاکلہ کے معنی تابعین سے طبیعت، نیت، جبلت، طریقہ، سب نقل ہوئے ہیں۔ (قرطبی)

ای علی مذھبه وطریقته التی تشاکل حاله فی الھدی والضلالة (کشاف)

ای علی نیة وامرہ الذی ھو علیه۔ (ابن عباس)

قال مجاھد علی طبیعته وقیل علی عادته التی الفھا۔ (جصاص)

الشاکلة الطریقة والمذھب الذی جبل علیه قاله الفراء (بحر)

یہ قول صاحب مثنوی معنوی ے

ہر کسے را راہ سیرتے بنیادہ ایم ہر کسے را اصطلاحے دادہ ایم
ہندیاں را اصطلاحِ ہند مدح سندیاں را اصطلاحِ سند مدح

۱۲۵ (کہ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے مخلوق ہے یا غیر مخلوق، حادث ہے یا قدیم اس کا آغاز کیا اور انجام کیا ہے حیات انسانی کی ترکیب و ترتیب میں اس کا کیا حصہ ہے؟)

یہ سوال کرنے والے یا تو مشرکین قریش تھے، (جیسا کہ نسائی و ترمذی کی روایتوں میں آیا ہے) اور یا یہود مدینہ تھے (جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے) بہرصورت سائل جو بھی ہوں، سوال سے مقصود استفادہ اور اپنے جہل کا دور کرنا نہ تھا بلکہ مقصود امتحان تھا۔

۱۲۶ (اور اس لئے تمام دوسری مخلوقات کی طرح حادث و فانی ہے، خود کوئی قدیم، قائم بالذات مستقل ہستی نہیں رکھتی)

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٥﴾

اور تمھیں علم تو بس تھوڑا ہی دیا گیا ہے ۱۲۷

قرآن کے اس مختصر، حکیمانہ، جامع دو لفظی جواب نے اُن تمام لاطائل بحثوں کی بے حاصلی ظاہر کر دی جو صدیوں سے جاہلی فلاسفہ کے درمیان چلی آرہی تھیں مثلاً یہ کہ روح مجرد ہے یا مادی؟ بسیط ہے یا مرکب؟ جوہر ہے یا عرض؟ وغیرہا۔

روح کی حقیقت بھی منجملہ ان مسائل کے ہے جن کے باب میں اکثر باطل مذہبوں کو ٹھوکر لگی ہے۔ اور روح کا قائم بالذات وغیر فانی ہونا تو بہت سے مشرکانہ مذاہب میں مسلّم رہا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں آریہ سماجیوں کے نام سے جو فرقہ انیسویں صدی مسیحی کی پیداوار ہے اور وہ بُت پرستی کا دشمن اور عقیدۂ توحید کا مدعی ہے، وہ بھی روح کی قدامت ہی کا قائل ہے۔ اور خدا کی طرح پُرش (روح) اور پرکرتی (مادّہ) کو بھی ازلی، ابدی اور قدیم مانتا ہے۔ قرآن کا اصل مقصود اسی عقیدۂ ازلیت و ابدیت روح پر ضرب لگاتا ہے۔ روح کی ماہیت جو کچھ بھی ہو، بہر حال وہ اللہ ہی کی مخلوق و محکوم ہے۔ اس کی پرستش، اس کی معبودیت کا کوئی شائبہ بھی درست نہیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

الروح۔ روح سے مراد یہی روح انسانی ہے جو انسان کا سبب حیات ہے۔

فی ھذہ الآیۃ اقوال اظھرھا ان المراد منہ الروح الذی ھو سبب الحیاۃ۔ (کبیر)

امر۔ امر کا لفظ عربی میں بڑا وسیع و جامع ہے سارے ہی افعال و اقوال اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔

ھو لفظ عامّ للافعال والاقوال کلھا۔ (راغب)

امام رازی نے لکھا ہے کہ امر قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں فعل کا مرادف آیا ہے مثلاً وما امر فرعون برشید (سورۂ ھود آیت ۹۷) یا فلما جاء امرنا (سورۂ ھود آیت ۸۲) اور یہاں بھی اسی معنی میں ہے۔ اور اسی لئے قرآن مجید کے جواب سے ظاہر ہے کہ سوال روح کے قدیم و حادث ہونے کے متعلق تھا۔

قل الروح من امر ربّی ای من فعل ربّی وھذا الجواب یدل علی انھم سألوہ ان الروح قدیمۃ او حادثۃ فقال بل ھو حادثۃ وانما حصلت بفعل اللہ وتکوینہ وایجادہ (کبیر)

امر کے معنی ابداع کے بھی لئے گئے ہیں۔

ویقال للابداع امرٌ ..... وعلی ذلک حمل الحکماء قولہ قل الروح من امر ربّی ای من ابداعہ (راغب)

اور حاصل اس صورت کا بھی وہی ہے، یعنی اللہ کی پیدا کی ہوئی۔

۱۲۷ (اس لئے ایسے سوالات کے درپے نہ رہو، جو تمھاری فہم کے حدود سے باہر ہیں، اور تمھاری کسی دینی و عملی ضرورت کا انحصار بھی اس علم پر نہیں ہے جیسا کہ یہ حقیقت و ماہیت روح کا علم ہے اس لئے یہ تمھیں عطا بھی نہیں ہوا)

انسان کا بڑے سے بڑا علم بلکہ ساری نوع انسانی کے علوم کا مجموعہ بھی بھلا کیا بساط علم الٰہی کے سامنے

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ

اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے وہ سلب کرلیں پھر اس کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ

عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ

میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے ۱۲۸ مگر یہ (آپ پر) رحمت ہی ہے آپ کے پروردگار کی ۱۲۹ بے شک اس کا فضل آپ پر

كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ

بہت ہی بڑا ہے ۱۳۰ آپ کہہ دیجئے کہ اگر (کل) انسان وجنات اسی بات کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کا

هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾

سا (قرآن) لے آئیں (جب بھی) اس کا سا نہ لا سکیں گے اور خواہ ایک دوسرے کے مددگار ہی بن جائیں ۱۳۱

رکھتا ہے اسمندر میں قطرہ کے برابر بھی تو نہیں! اسی لئے قرآن مجید نے بار بار تنبیہ کی ہے کہ کیا بشر اور کیا فرشتے کوئی بھی علم کامل نہیں رکھتا۔

وما اوتیتم۔ سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ یہاں مخاطب کون ہے؟ جواب مختلف دیئے گئے ہیں، لیکن صحیح ترین جواب یہی ہے کہ سارا عالم۔

قالت فرقة المراد العالم كله وهو الصحيح (قرطبی) وقد نص رسول الله صلى الله عليه وسلم بقوله في بعض الاحاديث كلا يعني ان المراد جميع العالم۔ (قرطبی)

۱۲۸ اس میں رد ہے اس خیال کا کہ آپؐ قرآن اپنے اختیار و ارادہ سے تصنیف کر لیتے یا کر سکتے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کی کمال عظمت کا بیان ہے کہ وہ رسول سے اس کا کمال وحی بھی سلب کر سکتا ہے۔

۱۲۹ (کہ اس نے ایسا نہیں کیا اور وہ رحمت آپ پر قائم ہی رہنے والی ہے)
قرآن نے توحید کی جڑ کس کس طرح جمائی اور انسان پرستی کی جڑ کس کس طرح کاٹی ہے! پیمبر اعظم تک کے کمالات و فضائل کو منسوب اللہ ہی کی جانب اہتمام و کاوش کے ساتھ کیا ہے۔

۱۳۰ (سو وہ آئندہ کبھی اس کی نوبت ہی کیوں آنے دے گا۔ آپ اللہ کے اس فضل و رحمت کو یاد کر کے خوش رہئے۔ اور کسی کی مخالفت وغیرہ کا غم نہ کیجئے)
اللہ کا فضل بجائے خود کتنی اہم و عظیم نعمت ہے چہ جائیکہ جب اللہ تعالیٰ خود اس فضل کو فضل کبیر سے تعبیر کرے؟ کون اس کی حد و نہایت کو پہنچ سکتا ہے۔

۱۳۱ (اور وہ سب کے سب مل کر زور لگا لیں)
یہ دنیا کے سامنے کس زور و قوت کے ساتھ تحدی ہے کہ سارے کے سارے انسان ہر زمانہ اور ہر ملک

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَىٰ

اور بالیقین ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کا اعلیٰ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے لیکن اکثر

أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٨٩﴾ وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا

لوگ بے انکار کئے نہ رہے۔١٣٢ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک

مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ﴿٩٠﴾

تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کردو گے ١٣٣

کے بڑے بڑے باکمال اور فضلاء و محققین سب مل کر بھی، اور اپنے ساتھ ایک دوسری صنف مخلوق (جنات) کو ملا کر بھی (جو بعض قوتوں کے لحاظ سے انسان سے افضل ہے) اگر پورا زور لگا دیں جب بھی دوسرا قرآن نہیں تیار کر سکتے۔

بمثل هذا القرآن، بمثله۔ اس "مثلیت" میں مضامین کی جامعیت، مطالب کی کاملیت، حسن ادا، حسن انشاء کے سارے پہلو آگئے۔ نہ اس کی معنویت کی بلندی کو پاسکیں گے نہ اس کی عبارت کی شستگی و جاذبیت کو۔

ويستدل على ذلك بتحديد في هذه الآية العرب والعجم والجن والانس ومعلوم ان العجم لايتحدون من طريق النظم فوجب ان يكون التحدى لهم من جهة المعانى (جصاص) وكيف يشبه كلام المخلوقين كلام الخالق الذى لانظير له ولامثال له ولاعديل له (ابن كثير)

١٣٢ (جو دلیل ہے ان کے ناشکرے پن کے کمال کی)

صرّفنا۔ یعنی ایک ایک مضمون بار بار مختلف طریقوں سے سہولت تفہیم کے لئے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔

للناس۔ یعنی لوگوں کو سمجھانے کے لئے۔ ان کی نصیحت کے لئے۔

مثل۔ کے معنی ہیں ہر وہ مضمون جو ندرت یا حسن رکھتا ہو یا کلمۂ پُر تاثیر ہو۔

من كل مثل من كل وجه من العبر والاحكام والوعد والوعيد وغيرها (معالم)

اى بينا لهم الحجج والبراهين القاطعة ووضحنا لهم الحق وشرحناه وبسطناه (ابن كثير)

کہتے ہیں کہ فرقۂ قدریہ نے اپنے عقیدہ پر اس آیت کے آخری ٹکڑے سے استدلال کیا ہے۔

١٣٣ یہ کہنے والے مشرکین مکّہ تھے۔ اعجاز قرآن کے اس کھلے ہوئے ثبوت کو چھوڑ کر الٹا آپ سے مطالبہ متعین حسی خوارق اور مادی معجزات کا کیا کرتے تھے! گویا داعی حق نہ ہوئے، کوئی بازی گر، کوئی ساحر، کوئی شعبدہ باز ٹھہرے! ـــــ لیکن پیمبروں کی تاریخ میں یہ کوئی انوکھا مطالبہ نہیں بلکہ مشرکانہ مذاق کے عین مطابق ہے، اور قدیم قومیں بھی اپنے اپنے وقت کے داعیان حق سے برابر ایسے ہی فرمائشی معجزات

اَوۡ تَكُوۡنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡهٰرَ خِلٰلَهَا

یا خود تمہارے لئے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا (پیدا) ہو جائے پھر اس میں بیچ بیچ میں جگہ جگہ ندیاں

تَفۡجِيۡرًا ﴿۹۱﴾ اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمۡتَ عَلَيۡنَا كِسَفًا اَوۡ تَاۡتِىَ

جاری کر دو۔ یا تم ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو جیسا کہ تم دعویٰ رکھتے ہو یا تم اللہ اور فرشتوں ہی کو

بِاللّٰهِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ قَبِيۡلًا ﴿۹۲﴾ اَوۡ يَكُوۡنَ لَكَ بَيۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ

(ہمارے) سامنے لا کھڑا کرو۔ یا پھر تمہارے لئے کوئی گھر ہی سونے کا ہو یا تم آسمان

اَوۡ تَرۡقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنۡ نُّؤۡمِنَ

پر چڑھ جاؤ ۱۳۴؎ اور ہم تو تمہارے (آسمان پر)

چاہتی رہی ہیں۔

معجزۂ شق القمر اگر اس وقت واقع ہوا ہوتا تو کتنا اچھا موقع اس جواب کا تھا کہ اس کا حوالہ دے کر ارشاد ہو جاتا کہ ان سب معجزات سے اکبر و اعظم تو تم چاند کا پھٹ جانا دیکھ چکے ہو، اب اس کے بعد تمہارا منہ بھی ان معجزات کی فرمائش کا رہ جاتا ہے!

۱۳۴؎ خلاصہ ان تمام فرمائشوں کا یہ کہ ہم تو تمہارے دعوائے رسالت و نبوت میں تمہیں سچا اس وقت سمجھیں گے جب ایسے عجیب و غریب حسی و مادی خوارق سے ہمیں دوچار کرو —— نبوت و رسالت کی کل کائنات ان "عقلاء" کے ذہن میں یہ تھی کہ نبی و رسول کو (نعوذ باللہ) اعلیٰ درجہ کا بازیگر یا شعبدہ باز ہونا چاہیئے۔

جنة من نخیل و عنب۔ کھجور اور انگور کے باغ اہل عرب کے نزدیک بہت ہی بڑی نعمت تھے۔

فتفجر.... تفجیرا۔ پھر ان باغوں میں نہروں، ندیوں کا چلنا اہل عرب کے نزدیک خوشحالی اور راحت کی آخری معراج تھی۔

تسقط السماء۔ یہ آسمان کے ٹکڑوں کا گرنا اہل عرب کے نزدیک انتہائی قدرت کی دلیل تھی —— اور یوں بھی مشرکین کا یہ طعن صاحب قرآن پر تھا کہ تم ہر موقع امید و تہدید پر کہا کرتے ہو کہ اللہ آسمان کے ٹکڑے گرا دے گا، تو لاؤ یہ معجزہ پیش کر کے دکھاؤ۔ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَيۡهِمۡ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ۔ (سبا۔ ۹) ایسا ہی طنزیہ مطالبہ سورۃ الشعراء کی آیت ۱۸۷ میں بھی ہے۔ فَاَسۡقِطۡ عَلَيۡنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ۔

تاتی .... قبیلا۔ یعنی خدا اور فرشتوں (دیوتاؤں) کو رو در رو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو۔

لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ

چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لاتے کے جب تک کہ تم (وہاں سے) ہمارے لئے ایک نوشتہ نہ اتار لاؤ جسے ہم پڑھ لیں

كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا

آپ کہہ دیجئے کہ پاک ہے اللہ، میں بجز ایک آدمی (اور) رسول کے اور ہوں ہی کیا۔۱۳۵ اور جب (ان) لوگوں کے پاس ہدایت

اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

پہنچ چکی تو ان کو ایمان لانے سے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوئی بجز اسکے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے رسول بنا کر کیا بشر کو بھیجا ہے۔۱۳۶

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا

آپ کہہ دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے کہ چلتے بستے ۱۳۷ تو البتہ ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو

یکون.... زخرف } یہ سونے کا مکان ہونا یا آسمان پر چڑھ جانا سائلین کی نظر میں آخری
ترقی فی السماء } اور انتہائی عجائب اور خوارق تھے۔
ان سارے خوارق کی نوعیت اور ان کی فرمائش قرآن کے مخاطبین اول، اہلِ عرب، کی ذہنیت کی پوری ترجمان ہے۔

۱۳۵ (اور ہر بشر کی طرح میں بھی خوارق و معجزات پیش کرنے سے معذور ہوں)
جواب ان خرافاتی مطالبات کا رسول برحق کی زبان سے یہ ادا کرایا گیا کہ معاذ اللہ، میں تو محض بشر ہوں میرے اختیار میں یہ عجائب نمائی کہاں ہے؟ ہاں اتنی بات ہے کہ بشر ہونے کے ساتھ رسول بھی ہوں، لیکن رسول کا کام تو امانت، دیانت، صداقت کے ساتھ حق تعالی کے پیام اور شریعت کے احکام کا پہنچا دینا ہے۔ اور بس۔ میری صداقت کا دارمدار معجزات پر ہرگز نہیں۔
سبحان ربی۔ مشرکین کی درخواست کی تہ میں یہ شئے تھی کہ جیسے آپ بھی کوئی نیم دیوتا سے تھے۔ اور قوت و قدرت میں حق تعالی کے کسی درجہ میں شریک! سبحان ربی میں یہی اشارہ ہے کہ اس ذات پاک کی توحید مطلق ہر قسم اور ہر درجہ کے شرک کی آلودگی سے پاک ہے۔
تنزل علینا۔ میں اشارہ اس طرف ہو گیا کہ اس لکھی لکھائی ہوئی کتاب کا نزول ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔ محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ مقبولین کو یہ قدرت حاصل نہیں ہوتی کہ ان سے جو بھی درخواست کی جائے اسے وہ پورا کر دیں یا کرا دیں۔

۱۳۶ مشرکین اپنی بدعقلی اور کج فہمی سے بشریت اور رسالت میں تنافی سمجھ رہے تھے اور بے یقینی کے لہجے میں پوچھ رہے تھے کہ کیا اتنا بڑا منصب ایک بشر محض کے سپرد ہوا ہے؟ نہ دیوتا،

عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿٩٥﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ

بہ طور رسول کے اتارتے۔ ۱۳۸ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ بہ طور گواہ کے میرے

وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿٩٦﴾

اور تمہارے درمیان بس کرتا ہے، بے شک وہی اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے خوب دیکھتا ہے۔ ۱۳۹

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ

اور جسے اللہ راہ پر لاتا ہے وہی راہ پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کردے تو آپ ایسوں کا مددگار کسی کو بھی اللہ کے

نہ جن، نہ فوق البشر، بلکہ ایک محض انسان؟ ـــــ اہل شرک دیوتاؤں کی پرستش کے لئے بآسانی آمادہ ہوجاتے ہیں، انھیں ایک انسان کی تصدیق رسالت کرتے ایسی ہی دشواری نظر آتی ہے!

اذجاء ھم الھدی۔ ھدی سے مراد اس سیاق میں قرآن اور حقانیت قرآن کے دلائل ہیں۔

قالوا۔ ان کا یہ کہنا بہ طور استفہام واستفسار کے نہیں، تعجب وانکار کے لہجہ میں تھا۔

۱۳۷ یعنی وہ زمین کے باشندے ہوتے جیسے کہ انسان ہیں ـــــ فرشتے موجود تو زمین پر آج بھی ہیں۔ مقصود کلام یہ ہے کہ زمین اگر انسانوں کے بجائے فرشتوں ہی سے آباد ہوتی اور انھیں بھی ہدایت کے لئے کسی پیمبر کی ضرورت ہوتی تو ان کے لئے کوئی فرشتہ ہی پیمبر بنا کر بھیجا جاتا، اتنے ٹکڑے کا ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ دہلوی کے ہاں ہے:ـ

"اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے بستے"۔

اور علامہ تھانویؒ کے ہاں ہے:ـ

اگر زمین پر فرشتے اتنے ہوتے کہ اس میں چلتے بستے"۔

مطمئنین کا مفہوم ان ترجموں میں آگیا ہے۔

۱۳۸ (کہ وہ اپنے ہم جنسوں میں تبلیغ کرتا۔)

یہیں سے یہ ایک اہم اصل ہاتھ آتی ہے کہ ہدایت کے لئے مناسبت باہمی شرط ہے اور مناسبت کا سبب قوی مجانست ہے ـــــ ایک جنس کی مخلوق دوسری جنس والی سے بہ آسانی نہیں سیکھ سکتی۔

۱۳۹ (سو وہی خبیر تمہارے عقائد کو بھی خوب جان رہا ہے، اور وہی بصیر تمہاری ہٹ دھرمی کو بھی خوب دیکھ رہا ہے کہ باوجود وضوح دلائل اپنی بات پر اڑے ہوئے ہو)

شہیدا بینی وبینکم۔ اللہ کی گواہی سے اس سیاق میں مراد یہ ہے کہ وہ خوب دیکھ رہا ہے کہ اثبات نبوت محمدی وحقانیت قرآن پر کتنے دلائل واضح جمع ہیں لیکن تم اہل عناد اپنی ضد وجہل سے

مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ

مقابلے نہ پائیں گے ۱۴۰؎ اور ہم قیامت کے دن انھیں انکے منہ کے بل چلائیں گے اندھا اور گونگا اور بہرا کرکے۔ ۱۴۱؎

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ

ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب وہ (آگ) ذرا بھی دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے ان کیلئے اور بھڑکا دیں گے ۱۴۲؎ یہ سزا

بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا

ہے ان کی اس سبب سے کہ انھوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا تھا اور کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں اور بالکل ریزہ

لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

ریزہ ہو جائیں گے تو بھلا کیا اس وقت ہم از سر نو پیدا کئے جائیں گے ۱۴۳؎

انکار کئے چلے جا رہے ہو، اور اللہ کی شہادت فعلی یہ تھی کہ ہر طرح کی بے سرو سامانی کے باوجود نصرت الٰہی علانیہ داعی اسلام علیہ السلام ہی کا ساتھ دے رہی تھی۔

۱۴۰؎ یعنی مدد اگر ممکن تھی تو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ممکن تھی لیکن اس کی مدد سے تو ان کا کفر انھیں محروم ہی رکھے گا، پھر ان کے مدد پانے کی اور کیا صورت ہے؟ کوئی نہیں۔

ومن یھدی.... دونہ۔ تکوینی حیثیت سے ہدایت و ضلالت دونوں کے اسباب کا آخری سرا بس اسی کے ہاتھ میں ہے۔

ومن یضلل۔ یعنی جو کوئی اپنے عناد و تعنت کی راہ سے اپنے کو گمراہ ہی رکھتا ہے۔

۱۴۱؎ (جیسا کہ یہاں دنیا میں انھوں نے اپنے کو حق کی طرف سے اندھا اور گونگا اور بہرا کر لیا تھا) جزائے اعمال میں جرم اور سزائے جرم کے درمیان مناسبت ضروری ہے، یعنی ان کے ارادی اندھے پن، گونگے پن اور بہرے پن کا اثر اس وقت ظاہر میں بھی نمایاں ہوگا۔ علی وجوھھم، ملحدوں، کافروں اور منکروں کی مزید ذلت و خواری ہوگی۔

۱۴۲؎ یعنی یہ نہ ہوگا کہ آگ ایک مرتبہ جلنے کے بعد رفتہ رفتہ سرد پڑ جائے گی بلکہ دوزخ کی آگ ایسی خود کار ہوگی کہ اس کی تیزی برابر بڑھتی ہی رہے گی ــــــ عذاب نار کے شدید ترین اور ابدی اور غیر منقطع ہونے پر ایک اور دلیل۔

۱۴۳؎ مذہب مادیت کوئی آج کی نو پیدا شے نہیں۔ یونان قدیم میں بڑے بڑے "روشن خیال عقل پرست" پیدا ہو چکے تھے۔ اور اس کی صدائے بازگشت عرب میں بھی پہنچ چکی تھی ــــــ عرب ظہور اسلام سے قبل جس طرح یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، صابئیت، بت پرستی، ہر مذہب و ملت کا

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى

کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر رکھا ہے وہ اس پر (بھی) قادر ہے کہ ایسوں

اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۚ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ

کو (پھر) پیدا کر دے ۱۴۴ اور اس نے ان کے لئے ایک میعاد متعین کر رکھی ہے کہ اس میں ذرا شک نہیں اور

اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ

اس پر بھی ظالم لوگ بے انکار کئے نہ رہے ۱۴۵ آپ کہہ دیجئے کہ اگر (کہیں) تم میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں

خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ

کے مالک ہوتے تو اس وقت ضرور تم (ہاتھ) روک لیتے (اسکے) خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے۔

نمائندہ تھا۔ مذہب مادیت و روشن خیالی و عقلیت کا نمائندہ بھی تھا ——— تو اس قسم کی کج بحثیاں اسی فریق کے لوگ کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے، اور اپنے زعم میں عقلیت کی کوڑی بہت دور سے لا کر کہتے تھے کہ یہ ممکن کیونکر ہے کہ جب ہڈیاں تک چور چور اور ریزہ ریزہ ہو چکیں گی اور سارے جسم سڑ گل چکیں گے، اس کے بعد از سر نو پیدا کیے جائیں گے!

آج بھی پڑھے لکھوں میں کتنوں کے دل کے اندر حشر و قیامت سے متعلق ایسا ہی استبعاد گھر کئے ہوئے ہے۔ اور اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں یورپ خصوصاً جرمنی، فرانس، برطانیہ اور روس میں کتنے ہی لوگ معقولات اور فلسفہ اور سائنس کا نام لے کر ایسے پیدا ہوتے رہے جو حشر و نشر سے انکار کرتے رہے اور اس کے قائل رہے ہیں کہ موجودات عالم میں جو کچھ حرکت ہے کسی محرک اوّل و فاعل بالارادہ کے دخل و تصرف سے نہیں محض ان موجودات کی خصوصیات طبعی ہی سے ہو رہی ہے۔

۱۴۴ یعنی اتنی موٹی اور سیدھی سی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جس قادر علی الاطلاق نے زمین و آسمان جیسی عظیم الشان ہستیوں کو بلا کسی سابق مادہ کے نیست سے ہست کر دیا، اس کے لئے انسان جیسی نسبتاً حقیر مخلوق کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا کیا مشکل ہے!

اولم یروا۔ کیا یہ لوگ اتنی بات پر غور نہیں کرتے؟

۱۴۵ (باوجود حشر و بعث پر دلائل قوی کے قیام کے)

وجعل لھم اجلا۔ کائنات انسانی کے حشر و بعث کے لئے تو ایک وقت معین و موعود ہے اس لئے یہ سوال ہی بے معنی ہے کہ حشر و بعث اب تک کیوں نہیں ہوا؟

فیہ۔ یعنی اس بعث ثانی میں اس میعاد مقرر کے آجانے پر۔

ع ۱۱

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿١٠٠﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ

اور انسان ہے ہی بڑا تنگ دل۔ ۱۴۶ اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی ہوئی نشانیاں دیں جب کہ وہ

بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ

بنی اسرائیل کے پاس آئے تھے سو آپ اُن سے پوچھ دیکھئے۔ ۱۴۷

۱۴۶ (چنانچہ اس موقع پر بھی انسان بخل و تنگ دلی ہی سے کام لیتا)

لو انتم.... ربی۔ یعنی اگر پروردگار عالم کی رحمتوں کے ذخیرہ کا جو غیر محدود ہے، مالک انسان ہوتا اور ان کی تقسیم اس کے اختیار میں ہوتی۔

خزائن رحمۃ ربی۔ لفظ عام ہے ہر قسم کے کمالات، اور جملہ اقسام نعمت پر شامل لیکن خصوصیت کے ساتھ اشارہ نعمت نبوت کی جانب ہے۔

آیت میں فطرت بشری کا بیان ہے کہ انسان تو حرص و بخل کا مبتلا ہے یہاں تک کہ جو نعمتیں غیر محدود ہیں ان کی بھی تقسیم میں اسے ڈر لگا رہتا ہے کہ یہ کہیں ختم نہ ہو جائیں۔

۱۴۷ (ان کے متدین اہل علم سے اس کی تصدیق و تحقیق کر لیجیے)

فسئل بنی اسرائیل اذ جاء ھم۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے، ولقد اٰتینا موسیٰ تسع اٰیات بینٰت اذ جاء بنی اسرائیل فسئلھم (کبیر۔ بحر)

تسع اٰیات بینٰت۔ بصائر کا لفظ جو اگلی آیت میں آرہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد توریت کے "احکام" عشر نہیں بلکہ مراد وہ خوارق و معجزات ہیں جو حضرت موسیٰؑ کو فرعون اور فرعونیوں کے مقابلہ میں عطا ہوئے تھے سورۃ الاعراف کی دو آیتوں ۱۳۰، ۱۳۳ میں ان کے نام حسب ذیل آئے ہیں۔ طوفان[۱] بہ معنی وبا، موت کثیر۔ (بخاری) (کل حادثۃ تحیط بالانسان راغب) جراد[۲] یعنی ٹڈی دل۔ قمل[۳] یعنی جوں پسو وغیرہ۔ ضفادع[۴] یعنی مینڈک۔ دم[۵] یعنی دریا کا خون بن جانا۔ سنین[۶] یعنی قحط۔ نقص[۷] من الثمرات یعنی پھلوں میں کمی۔ ان سات کے علاوہ دو اور معجزے تو مشہور ہی ہیں۔ اور قرآن مجید میں بار بار مذکور ہوئے ہیں یعنی عصا[۸] اور ید بیضا[۹] ——— توریت میں نو کی تعداد یوں گنائی گئی ہے۔ دریا[۱] کا خون بن جانا، مینڈکوں[۲] کی کثرت، جوئیں[۳]، مچھر[۴]، مویشیوں[۵] کی موت، پھوڑوں[۶] کی وبا، ژالہ باری[۷]، ٹڈی[۸] دل، تاریکی[۹]

لیکن امام رازی نے لکھا ہے کہ ان خوارق کی تفصیل میں سات کے عدد تک تو مفسرین میں اتفاق ہے اس کے بعد دو کی تعیین میں خود ان میں سخت اختلاف ہے اور ان میں سے ہر ایک یہ دو معجزے الگ الگ بیان کرتا ہے جن پر کوئی دلیل قطعی تو الگ رہی، دلیل ظنی بھی موجود نہیں۔ اس لئے میں ان روایتوں کو ترک کرکے حدیث نبوی کا اتباع کرتا ہوں جو صفوان بن عسال نے بیان کی

فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ

پھر فرعون نے ان سے کہا میں تو تمہیں اے موسیٰ سحر زدہ سمجھتا ہوں ۱۴۸؎ انھوں نے کہا تو خوب

مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ

جانتا ہے کہ (یہ) عجائب بس آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں۔ اور میں تجھے اے فرعون

یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾

ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں ۱۴۹؎

؎ یعنی آپ نے ایک یہودی کے سوال کے جواب میں ان آیات بینات کی تفسیر ان نو احکام موسوی سے کی:۔
۱۔ شرک نہ کرنا۔ ۲۔ اسراف نہ کرنا۔ ۳۔ زنا نہ کرنا۔ ۴۔ قتل نہ کرنا۔ ۵۔ سحر نہ کرنا۔ ۶۔ سود نہ کھانا۔
۷۔ پاک دامن عورت پر تہمت نہ لگانا ۸۔ جہاد سے نہ بھاگنا۔ ۹۔ میت کی بے حرمتی نہ کرنا۔

۱۴۸؎ (اور اس لئے عقل و ہوش سے عاری)
سحر مصری کا ذکر ضروری تفصیل کے ساتھ پیشتر آچکا ہے۔

۱۴۹؎ یعنی تیری ہلاکت کا وقت آپہنچا، اب زیادہ دیر نہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا یہ جواب قول فرعون انی لاظنك یموسی مسحورا کے عین مقابل ہے۔
مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جواب ترکی بہ ترکی، جبکہ تسامح اور رعایت میں کوئی مصلحت نہ ہو، کرم اور کمال اخلاق کے منافی نہیں۔

قال لقد علمت۔ یعنی اے فرعون تیرا یہ انکار دانستہ اور عمداً ہے۔ تو کسی غلط فہمی کا شکار نہیں، اور میری دعوت میں کسی قسم کا خفا نہیں۔ دل میں تو خوب میری صداقت کو سمجھ گیا ہے۔ زبان انکار ہی کیے چلی جارہی ہے ــــ بائبل کے بیانات سے بھی قرآن ہی کی تائید ہوتی ہے۔

فرعون کا معبود ہونا یا کسی بڑے دیوتا کا اوتار ہونا، یہ تو اس کی قوم کا گڑھا ہوا ایک عقیدہ تھا۔ باقی شخصی طور پر فرعون وقت کو اپنی حقیقت تو خود خوب ہی معلوم تھی ــــ فرقۂ اسمٰعیلی باطنی کے امام ابھی حال میں سر سلطان محمد شاہ آغا خاں ہوئے ہیں ان کی امت لاکھوں کی تعداد میں تھی، اور سب ان کو خدا کا مظہر یا اوتار ہی مانتے تھے اور اپنے آقا کے معاملہ کی بنیاد اسی عقیدہ پر رکھے ہوئے تھے لیکن وہ مرحوم خود اپنے کو ایک عام مسلمان کی طرح سمجھتے اور نماز وغیرہ ایک عام مسلمان ہی کی طرح پڑھتے رہتے۔

رب السمٰوٰت والارض۔ حق تعالیٰ کا نام فرعون کے سامنے اس حیثیت سے لینے میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ مصر میں اصلی حکومت جن دو بڑے دیوی دیوتاؤں کی تھی ان میں سے ایک آسمان تھا، دوسری زمین ــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا

سو اس نے چاہا کہ ان کا قدم (اس) سرزمین سے اکھاڑ دے سو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا ۱۵۰

مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ

اور ہم نے اس کے (غرق ہونے کے) بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ روئے زمین پر رہو سو پھر جب آخرت کا وعدہ

جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿۱۰۴﴾

آجائے گا ہم تم (سب) کو سمیٹ لائیں گے ۱۵۱

بصائر۔ یعنی وہ چیزیں جو نبوت موسوی کی تصدیق کر رہی تھیں۔
ای علامة لنبوتی (ابن عباسؓ)

دلالات یستدل بها علی قدرته ووحدانیته۔ (قرطبی)

ما انزل.... بصائر۔ یعنی یہ بات تو تجھ پر بھی خوب منکشف ہو چکی ہے کہ یہ عجائب و خوارق نہ میرے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں، نہ کسی سحر کا نتیجہ ہیں، نہ کسی دیوی دیوتا کی قوت کے نتائج ہیں، بلکہ تمام تر حق تعالیٰ ہی کے نازل کئے ہوئے معجزات میری نبوت کی تائید میں ہیں۔

لاظنك۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے جواب میں وہی فرعون کا کہا ہوا لفظ دہرا دیا ہے۔ ورنہ یہاں ظن گمان اور شک کے معنی میں نہیں بلکہ یقین و حقیقت کے مفہوم میں ہے۔

الظن هنا بمعنی التحقیق۔ (قرطبی)

۱۵۰ یعنی قبل اس کے کہ وہ خدا پرستوں کو مٹا سکے، وہ خود ہی ملیا میٹ کر دیا گیا۔
فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشیے سورۃ البقرہ میں آیت ۵۰ کے تحت گزر چکے۔

یستفزهم۔ ضمیر بنی اسرائیل کی جانب ہے۔ آیت میں اشارہ فرعون کی اس کوشش کی جانب ہے کہ بنی اسرائیل کو مصر سے ملک بدر کر دے۔

۱۵۱ (ہر طرف سے)

لفیفا۔ آیت میں لفیف کا لفظ اہم ہے۔ اس کے اندر ملے جلے ہوئے یا مخلوط و مختلط کا مفہوم واضح طور پر شامل ہے۔

اللفیف الجماعات من قبائل شتی (کشاف۔ بیضاوی)

اللف القوم المجتمعون اخلاطهم۔ (قاموس۔ تاج)

اللفیف من الناس المجتمعون من قبائل شتی۔ (راغب)

اللفیف ما اجتمع من الناس من قبائل شتی۔ (جوهری)

وقف لازم

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝١٠٥

اور ہم نے اس (کلام) کو حق کے ساتھ نازل کیا اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا اور ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا اور

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ

ڈرانے والا بھیجا ہے۔ ۱۵۲ اور قرآن (تو ہم نے اسے جدا جدا رکھا ہے تاکہ آپ اسے لوگوں کے

اسکنوا الارض۔ یعنی اب تم فرعون مصر کی محکومی و غلامی سے آزاد ہو، جہاں چاہو رہو بسو۔ الارض کا مفہوم عام و وسیع ہے۔ روئے زمین کا کوئی سا بھی حصہ۔

اور خطاب چونکہ خصوصی صرف بنی اسرائیل سے ہے، نہ کہ عام بنی آدم سے۔ اس لئے مراد قدرۃً بنی اسرائیل ہی کی مختلف شاخیں اور قبیلے ہوں گے۔

گویا مراد یہ ہوئی کہ اے اسرائیلیو! اب تم آزاد ہو، روئے زمین پر جہاں چاہے رہو بسو۔ قرب قیامت کے وقت تم کو تمہاری مختلف سکونتوں، مختلف بولیوں، مختلف معاشرتوں، مختلف تہذیبوں کے باوجود اکٹھا کر دیا جائے گا ——— اور یہ اسی کا ظہور ہے جو آج ارض فلسطین اور حکومت اسرائیل میں دکھائی دے رہا ہے۔

من بعدہ۔ یعنی غرقابی فرعون کے بعد۔

ای من بعد غراقہ۔ (قرطبی۔ روح)

اذا جاء وعد الاخرۃ۔ مراد قرب قیامت ہے۔ یعنی جب علامتیں ظہور قیامت کی نظر آنے لگیں مثلاً وقت نزول عیسیٰؑ۔

قال الکلبی یعنی مجیٔ عیسیٰ علیہ السلام من السماء۔ (قرطبی)

لگتے ہوئے اور سب سے زیادہ قابل قبول معنی یہی نظر آئے۔ ورنہ عام مفسرین نے تو اس کو میدان حشر سے متعلق سمجھا ہے۔ اور کہا ہے کہ وہاں مومن و کافر، مطیع و عاصی سب ہی انسان یکجا ہوں گے۔

۱۵۲ (اس لئے آپ پر کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی کوئی ذمہ داری نہیں، اور نہ آپ کو کسی کے ایمان نہ لانے پر زیادہ غم و تردد کی کوئی وجہ ہے)

بالحق۔ یعنی بلا تحریف و ترمیم و تصرف، بعینہٖ اپنی اصلی حالت میں۔

وبالحق انزلنٰہ وبالحق نزل۔ یعنی یہ کلام جس طرح اپنے مرسل کے ہاں سے چلا تھا اسی طرح بلا تغیر و تصرف مرسل الیہ تک پہنچ بھی گیا۔

فھذا الکتاب کتاب تکفل اللہ بحفظ عن تحریف الزائغین وتبدیل الجاھلین

فکان ھذا الکتاب حقا من کل الوجوہ۔ (کبیر)

انزلنٰہ۔ ضمیر قرآن کی طرف ہے۔

عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ

سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے اتارا بھی ہے بتدریج سے۔ ۱۵۳ آپ کہہ دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (بہر صورت)

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

جن لوگوں کو اس سے قبل علم دیا جا چکا ہے جب یہ انکے سامنے پڑھا جاتا ہے

ضمیر الغائب للقران (روح)

والکنایۃ ترجع الی القراٰن (قرطبی)

محققین نے کہا ہے کہ اس آیت کا ربط کئی آیات قبل لئن اجتمعت الانس والجن الخ سے ہے۔

فھو مرتبط بقولہ تعالیٰ لئن اجتمعت الانس والجن) (روح)

اہل عرب کے ادب و انشاء میں یہ طریقہ عام تھا، کہ ایک ذکر میں دوسرا اور پھر تیسرا اور پھر چوتھا ذکر نکالتے چلے آتے اور پھر اسی پہلے ذکر کی طرف رجوع کرتے۔

وھکذا طریقۃ العرب فی کلامھا تاخذ فی شیٔ وتستطرد منہ الی آخر ثم الی آخر ثم الی آخر ثم تعود الی ماذکرتہ اولاً۔ (روح)

۱۵۳ (تاکہ اس کے حفظ اور فہم دونوں میں سہولت رہے)

فرقنٰہ۔ یعنی اسے سورتوں، آیتوں وغیرہ کے ذریعہ سے الگ الگ رکھا گیا ہے۔

ای انزلناہ مفرقاً (راغب)

ای جعلنا نزولہ مفرقاً منجماً۔ (کشاف)

اس کی دوسری تفسیر بیناہ سے بھی آئی ہے یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف بیان کیا ہے، یا یہ کہ اس میں حق کو باطل سے ممتاز کر دیا ہے۔

ای بینا فیہ الاحکام وفصلناہ (راغب)

یعنی فرقناہ بالبیان عن الحق من الباطل (جصاص)

لتقراہ علی الناس علی مکث۔ یعنی تاکہ آپؐ کے اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے لوگ بہ آسانی فہم مطالب واستخراج مسائل کر سکیں۔

یعنی علی تثبت وتوقف لیفھموہ بالتامل ویعلموا ما فیہ بالتفکیر ویتفقھوا باستخراج ماتضمن من الحکم والعلوم الشریفۃ (جصاص)

فانہ ایسر للحفظ واعون فی الفھم۔ (بیضاوی)

علیٰ مکث۔ معنی تثبت وترسّل کے بھی لئے گئے ہیں۔

يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾ وَّيَقُولُونَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ إِنْ كَانَ

وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں ۱۵۴ اور کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا پروردگار بے شک ہمارے

وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ﴿١٠٨﴾

پروردگار کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے ۱۵۵

قال مالك على تثبيت وترسّل۔ (قرطبی)

۱۵۴ (بہ طور ادائے شکر واعتراف حقیقت کے)

مطلب یہ ہوا کہ جو اہل علم قبل نزول سے موجود تھے وہ تو اس کتاب اور آخری نبی کے منتظر ہی تھے، وہ اس کلام کو سن کر اپنی اگلی کتابوں کی پیش گوئیوں اور پیش خبریوں کی تصدیق پاتے ہیں۔ اور قرآن کو پاکر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں۔

یخرون للاذقان۔ سجدہ کی اصلی ہیئت کو محاورۂ عرب کے مطابق "ٹھوڑیوں کے بل سجدہ" سے ادا کیا ہے۔

عن ابن عباسؓ قال للوجوہ (جصاص) عن قتادۃؓ قال للوجوہ (جصاص)

الخرور للذقن ای السقوط على الوجه۔ (کشاف)

العرب تقول اذا خر الرجل فوقع على وجهه خر للذقن (کبیر)

الذین.... قبلہ۔ یعنی حق پسند علماء اہل کتاب۔

قال مجاهد هم ناس من اهل الكتاب (کبیر)

هم العلماء الذین قرؤا الكتب السابقة (بیضاوی)

وهم مومنوا اهل الكتب فی قول ابن جریج وغیرہ۔ (قرطبی)

قبلہ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے اور بعض نے مراد قبل ہجرت لی ہے۔

ای من قبل نزول القرآن (کبیر)

ای من قبل نزول القرآن وخروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (قرطبی)

آمنوا بہ اولا تومنوا بہ۔ مشرکین کی جانب اس میں اشارۂ حقارت ہے یعنی تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ اس سے ہونا کیا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ تمہیں ایمان لانے اور نہ لانے میں حق انتخاب و تخییر دیا جاتا ہے۔

تحقیر للکفار۔ (بحر)

وهذا من الله عز وجل على وجه التبكيت لهم والتهديد لا على وجه التخيير۔ (قرطبی)

۱۵۵ (سو جس کتاب کے نازل کرنے کا وعدہ اس نے جس نبی پر کیا تھا اس کو پورا کر دیا)

سبحٰن ربنا۔ یعنی ہر عیب سے پاک ہے۔ وعدہ خلافی کا اس کے ہاں گزر نہیں۔

وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿١٠٩﴾ السجدة

اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ (قرآن) ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے ۱۵۶

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ ۖ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ

آپ کہئے اللہ (کہہ کر) پکارو یا رحمٰن (کہہ کر) پکارو جس نام سے بھی پکارو اسی کے بہت ہی اچھے نام ہیں ۱۵۷

یقولون سبحٰن ربنا ۔ قرآن مجید نے اس تسبیح سجودی کو محل مدح میں بیان کیا ہے، اور یہیں سے فقہاء نے یہ استدلال کرلیا ہے کہ سجدہ میں ذکر مسنون تسبیح ہی کا ہے۔

فمدحهم بهذا القول عند السجود فدل على ان المسنون فى السجود من الذكر هو التسبيح (جصاص)

دليل على جواز التسبيح فى السجود۔ (قرطبی)

۱۵۶ خشیت حق سے گریہ طاری ہوجانا بہت سے لوگوں کے لئے ایک امر طبعی ہے۔ اس کا محل فضیلت میں بیان ہونا بجائے خود ایک دلیل اس کے محمود و مطلوب ہونے پر ہے۔

فقہاء نے یہاں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نماز میں خوف خدا سے گریہ طاری ہونے سے نماز ٹوٹتی نہیں۔

فيه الدلالة على ان البكاء فى الصلاة من خوف الله لا يقطع الصلاة لان الله تعالى قد مدحهم بالبكاء فى السجود ولم يفرق بين سجود الصلاة وسجود التلاوة وسجدة الشكر (جصاص)

دليل على جواز البكاء فى الصلاة من خوف الله تعالى او على معصيته فى دين الله (قرطبی)

حضرت عمرؓ ایک بار صبح کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے، جب آیۂ کریمہ انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ پر پہنچے تو شدت گریہ سے سسکیاں لینے لگے۔ یہاں تک کہ آخری صف میں آواز پہنچی، نمازیوں میں صحابہ تھے کسی نے انکار نہ کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ فضیلت گریہ اجماعی ہے۔

عن عبد الله بن شداد قال سمعت نشيج عمرؓ وانى لفى آخر الصفوف وقرأ فى صلاة الصبح سورة يوسف حتى اذا بلغ انما اشكوا بثى وحزنى الى الله نشج ولم ينكر عليه احد من الصحابة وقد كانوا خلفه فصار اجماعًا۔ (جصاص)

یزیدهم خشوعًا۔ یعنی یہ قرآن کا سننا ان میں اور خشوع بڑھا دیتا ہے۔ یا یہ مراد ہو کہ ان کا حالت سجدہ میں یہ گریہ و بکا ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے۔ اور اس سے نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ خوفِ خدا سے گریہ کا طاری ہونا عین طاعت و اخلاص کی دلیل ہے۔

يعنى به ان بكاءهم فى حال السجود يزيدهم خشوعًا الى خشوعهم وفيه الدلالة على ان مخافتهم لله تعالى حتى تؤديهم الى البكاء داعية الى طاعة الله واخلاص العبادة۔ (جصاص)

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾

اور آپ (جہری) نمازمیں نہ تو بہت پکار کر پڑھئے اور نہ (بالکل) چپکے ہی چپکے پڑھئے اور ان دونوں کے درمیان ایک (متوسط) طریقہ اختیار کیجئے ۱۵۸

اور احادیث نبوی تو فضائل گریۂ خشیت سے لبریز ہیں۔

وقد جاء فی مدح البکاء من خشیته تعالیٰ اخبار کثیرة (روح)

۱۵۷ا ے (تو اسے جس پاکیزہ نام سے پکارو، مقصود و مطلوب وہی رہے گا)

عرب میں حق تعالیٰ کے لئے اللہ کا لفظ بہ طور اسم ذات شروع سے چلا آرہا تھا یہود کے ہاں اسم الرحمن کا استعمال جاری تھا اسلام نے جو دونوں الفاظ استعمال کرنے شروع کئے تو بعض "دانشمند" مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ توحید کامل کے دعوے کے ساتھ یہ "دو دو خدا کیسے؟ — جواب ملا کہ "دو خدا کیسے؟ یہ تو صرف دو نام ہیں ہستی اور ذات تو ایک ہی ہے۔ اور نام اس کے پاک و پاکیزہ "دو" کیا معنی، اور بھی بہت سے ہیں۔

۱۵۸ا ے (جس سے نہ کوئی ضروری منفعت فوت ہونے پائے، اور نہ کوئی لازمی مضرت مرتب ہونے پائے)

شروع شروع میں نماز جہری میں قرآن مجید کی قرأت بلند سے مشرکین معاندین چڑھتے تھے، اور طرح طرح کے خرافات بکنے لگتے تھے، جس سے ایک طرف تو نمازیوں کے قلب میں تشویش پیدا ہو جاتی تھی، اور دوسری طرف معاندین کے دلوں میں ضد و عداوت کو اور ترقی ہوتی جاتی تھی اس لئے آپ کو ہدایت کی گئی کہ نماز میں جہر صرف اس حد تک رکھئے کہ بس نمازیوں کے کان تک آواز پہنچ جائے اور ان کی تعلیم میں کمی نہ رہ جائے باقی اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔

لیکن جہاں بہت سے مفسرین نے صلوٰۃ سے مراد نماز لی ہے۔ وہیں متعدد تابعین ادھر بھی گئے ہیں کہ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں تو یہ مذہب ام المومنین عائشہ رضی کا بیان ہوا ہے۔

ما رواہ مسلم عن عائشة رض .... قالت انزل هذا فی الدعاء (قرطبی)

یقول ناس انها الصلوٰة ویقول آخرون انها فی الدعاء (ابن جریر)

عن عائشة انها نزلت فی الدعاء وکذا قال مجاهد وسعید بن جبیر وابو عیاض و مکحول وعروة بن الزبیر۔ (ابن کثیر)

وهذا قول عائشة رض وابی هریرة ومجاهد۔ (کبیر)

اور لغت میں بھی صلوٰۃ کے اصل معنی دعا ہی کے ہیں عبادت مخصوصہ یعنی نماز کے معنی اس سے پیدا ہوئے ہیں۔

قال کثیر من اهل اللغة هی الدعا والتبریك والتمجید ...... والصلوٰة التی هی العبادة المخصوصة اصلها الدعاء وسمیت هذه العبادة بها۔ (راغب)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ

اور آپ کہئے کہ ساری حمد اسی اللہ کے لئے ہے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے ۱۵۹ اور نہ حکومت میں کوئی اس کا شریک ہے ۱۶۰

فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲ | ۱۲

اور نہ کوئی کمزوری کی وجہ سے اس کا مددگار ہے ۱۶۱ اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیجئے ۱۶۲

اور یہ بھی واضح رہے کہ آیت مکی ہے اور نماز جماعت کے پورے آداب اور قاعدے تو اس کے بعد مدینہ میں آکر مرتب و مستنبط ہوئے ہیں۔ اور نماز کی دو قسمیں جہری اور سری ہو کر اس آیت کا حکم دائمی ساقط ہو گیا۔ البتہ محققین نے یہ کہا ہے کہ اگر خدانخواستہ کہیں مکی زندگی والے حالات پھر عود کر آئیں گے تو یہی حکم پھر جاری ہو جائے گا۔

آیت سے استنباط ہوتا ہے کہ جہاں کہیں اور جب کبھی یہی صورت حال پیش آجائیگی، یعنی نماز کی قرأت بالجہر سے معاندین کو اشتعال ہونے لگے اور ان کی طرف سے نازیبا جوابی حرکتوں کا اندیشہ ہونے لگے مسلمانوں کو اسی حکم کی پیروی واجب ہو جائے گی — اور جو مباحات بلکہ مستحبات نماز سے کہیں کم درجہ کے ہیں مثلاً نعت رسولؐ یا منقبت صحابہؓ وہاں تو یہ حکم اور زیادہ نافذ ہوگا۔ لکھنؤ میں چند سال ہوئے اہل سنت نے امامیہ کے جوڑ پر جو مدح صحابہؓ اور چار یاری علم کا جلوس نکالنا شروع کیا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کے مخالف فتویٰ میں اسی آیت سے استناد کیا تھا۔

۱۵۹ (جیسا کہ مسیحیوں نے اور بہت سے مشرکوں نے سمجھ رکھا ہے۔)

قرآن مجید اپنے اس قسم کے بیانات میں خصوصاً صفات باری کے ذیل میں، برابر غلط عقیدوں کی تردید کرتا گیا ہے۔

مسیحیوں کا ایک بڑا فرقہ ٹھیک اسی عقیدہ کا ہے جس کو قرآن نے "اتخاذ ولد" (بیٹا بنا لینے) سے تعبیر کیا ہے، اس پر مفصل حاشیہ آیت "وقالوا اتخذ اللہ ولدا سبحانہ"، البقرہ ۱۱۶ کے تحت گزر چکا ہے۔

۱۶۰ (نہ کوئی دیوی نہ دیوتا، جیسا کہ جاہلی مذہبیوں نے قرار دے رکھا ہے۔)

قرآن مجید نے اس طرح کی تردیدیں محض بطور فرض و احتمال کے نہیں کی ہیں واقعۃً باطل مذاہب و ادیان کے عقائد کا رد کیا ہے۔

۱۶۱ (جیسا کہ بعض جاہلی قوموں نے فرض کر رکھا ہے۔)

غرض یہ کہ حق تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے نہ کوئی اس کا شریک سہیم و مساوی ہے اور نہ کوئی اس کا حافظ و ناصر ہے — شرک کی ہر ممکن صورت اس سے منتفی ہے۔

من الذل۔ ذل کے معنی علاوہ ذلت و خواری اور عاجزی و فروتنی کے، بیچارگی و کمزوری کے بھی ہیں، اور یہی مراد ہیں۔

من۔ سببیہ ہے یعنی کمزوری کے باعث۔

ای ینصرہ من اجل الذل ای لم یذل فیحتاج الی ناصر (جلالین)

ای من اجل الذل (عکبری)

باقی 'ولی اللہ'، کوئی مخلوق، کسی اور حیثیت سے ہو جائے، تو اس سے انکار مقصود نہیں ہے۔ آیت جامع ہے رد شرک میں، سورۃ الاخلاص (پ۳۰) کی طرح۔ مسلمان کے گھر میں پیدا ہو جانے والوں کو اس کا اندازہ ہی نہیں کہ شرک کی کیسی کیسی عجیب صورتیں دنیا کے بڑے حصہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

۱۶۲ اسی کے دین توحید کو پھیلائیے اسی کی ذات وصفات کی تبلیغ کرتے رہیے۔ محققین نے کہا ہے کہ عربی زبان میں مفہوم تعظیم و اجلال کے لئے لفظ تکبیر سے بڑھ کر اور جامع تر کوئی لفظ نہیں اور جب اس فعل کا امر مصدر اور پھر صیغۂ نکرہ کے ساتھ موکد ہو کر آئے تو زور اور وسعت کی انتہا ہی نہیں رہ جاتی۔

والتکبیر ابلغ لفظۃ للعرب فی معنی التعظیم والاجلال وفی الامر بذلک بعد ما تقدم موکدا بالمصدر المنکر من غیر تعیین لما یُعظّم بہ تعالٰی اشارۃ الی انہ مما لاتسعہ العبارۃ ولاتفی بہ القوۃ البشریۃ۔ (روح)

ابلغ لفظۃ للعرب فی معنی التعظیم والاجلال اللہ اکبر (قرطبی)

سورۃ الکہف

۱۱۰ ——— آیتیں

(۱۸)

آیاتہا ۱۱۰ — ۱۱۰ آیتیں

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتہا ۱۲ — ۱۲ رکوع

سورۂ کہف مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝۱

ساری خوبی اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے بندہ (خاص) پر کتاب نازل کی اور اس میں (ذرا) کجی نہیں رکھی لہ

قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ

قائم و مستقیم تاکہ عذاب سخت سے ڈرائے (جو) اللہ کے پاس سے ہوگا اور ایمان والوں کو جو نیک کام

يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝۲

کرتے رہتے ہیں خوشخبری سنادے کہ ان کے لئے (بڑا) اچھا اجر ہے ۔ لہ

لہ (نہ لفظی نہ معنوی)

لم یجعل لہ عوجا۔ اس میں ہر قسم اور ہر درجہ کے عیب سے نفی آگئی یعنی ایسی کتاب جو ہر پہلو اور ہر جہت سے کامل و جامع پاکیزہ و اجمل ہے۔ نہ کہیں مبالغہ شاعرانہ، نہ عبارت میں کہیں سے تناقض، نہ عقائد میں کوئی پہلو رمزیت اور پر اسرار ہونے کا۔ ہر بیان مدلل، ہر حکم واضح۔

اس حقیقت پر اپنوں ہی کی نہیں، غیروں کی شہادتیں موجود ہیں کہ دین اسلام کے اندر کسی قسم کا اینچ پینچ، کوئی کجی اور انحراف اور افراط و تفریط نہیں، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

عبدہ۔ بندۂ خاص سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا اور الکتاب سے قرآن کا ہونا، بالکل ظاہر ہے۔

کہنا چاہیئے کہ جس طرح عبد کامل دنیا میں ایک ہی ہوا ہے، اسی طرح کتاب کامل بھی ایک ہی ہوئی ہے۔ عبد اور کتاب پر حاشیے اس سے پہلے کئی بار گزر چکے ہیں۔

انزل علی عبدہ سے محققین صوفیہ نے یہ نکالا ہے کہ مقام عبدیت کے مثل کوئی مقام نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر فائز ہیں۔

مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴿۳﴾ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿۴﴾

جس میں وہ ہمیشہ ٹھہرے رہیں گے ۳؎ اور ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے ۴؎

۲؎ (یعنی دوسروں کی زندگیوں کو قائم و مستقیم رکھنے والی)

قیما۔ "دین قیم" یا کتاب قیم" کے سیاق میں اس کے معنی ہیں، وہ چیز جو نہ صرف خود قائم ہو بلکہ مسائل معاش و معاد کا بھی پورا حل اپنے اندر رکھتی ہو اور بجائے خود ہی کامل و مکمل نہ ہو، بلکہ دوسروں کو بھی تکمیل کرا دینے والی ہو۔

قیما ای ثابتاً مقوماً لامور معاشھم ومعادھم (راغب)

قیما بمصالح العباد فیکون وصفا لہ بالتکمیل بعد وصفہ بالکمال (بیضاوی)

قیماً۔ لم یجعل لہ عوجا۔ کے بعد میں لائے تو مقصود اس سے زور و تاکید کلام ہے۔

فائدتہ التاکید (کشاف)

وقیل المراد منہ ما أرید مما قبلہ وذکر للتاکید۔ (روح)

اور فراء النحوی کا قول ہے کہ سابق آسمانی کتابوں پر محافظ و نگراں۔

وقال الفراء: المراد قیما علی سائر الکتب السماویۃ شاھدا بصحتھا (روح)

لینذر باسا شدیدا۔ یعنی اس غرض سے کہ یہ کتاب کافروں منکروں کو عذاب شدید سے ڈرائے۔ "ڈرائے" کا فاعل کتاب ہے اور مفعول کفار و منکرین۔

یعملون الصّٰلحٰت۔ یہاں ایک بحث یہ چھڑ گئی ہے کہ کون کون سے نیک کام مقصود ہیں؟ اور مختلف حضرات نے اپنے اپنے مذاق و بصیرت کے مطابق ان کی فہرستیں بھی الگ الگ دی ہیں، لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ ہر وہ عمل مراد لیا جائے جس سے مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہو اور جو قواعد شرعی کے مطابق و ماتحت ہو۔

۳؎ انعام بڑا اور بہت بڑا، وہم و گمان سے بھی بڑا، تو بہرحال ہو ہی گا ساتھ ہی اس کے دائمی، ابدی، غیر منقطع بھی ہوگا۔

فیہ۔ ضمیر مقام ثواب یعنی جنت کی طرف ہے۔

فی ثوابھم عند اللہ وھو الجنۃ خالدین فیہ (ابن کثیر)

فی الاجر وھو الجنۃ (مدارک)

ابدا۔ ابد دوام کے مرادف ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ ماکثین خود ہی دائمین کے معنی میں تھا۔ ابدا سے اس کی اور تاکید کر دی۔ دنیا پر قیاس کر کے کوئی اس اجر کو مؤقت اور فانی نہ سمجھے۔

الابد عبارۃ عن مدۃ الزمان الممتد الذی لا یتجزأ کما یتجزأ الزمان (راغب)

مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ

اس (دعوی) پر کوئی دلیل نہ ان کے پاس ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کے پاس تھی۔ بڑی سخت بات ہے

اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُولُونَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى

جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ یہ لوگ بالکل ہی جھوٹ بکتے ہیں ؎۵ سو شاید آپ ان کے (اعراض کئے) پیچھے

اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيثِ اَسَفًا ﴿۶﴾

غم سے اپنی جان دیدیں گے۔ اگر یہ لوگ اس مضمون (قرآنی) پر ایمان نہ لائے ؎۶

خالدین فیہ دائما لازوال لہ ولا انقضاء (ابن کثیر)

من غیر انتہاء لزمان مکثھم (روح)

ای دار الخلود لایموتون فیھا۔ (قرطبی)

؎۴ یعنی مسیحیوں کو، جو مسیح رسول کو خدا کا بیٹا مانتے ہوئے ہیں۔

اتخاذ ولد۔ پر حاشیہ سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۶ قالوا اتخذ اللہ ولدًا سبحانہ کے تحت میں گزر چکا۔

وینذر الذین۔ الخ۔ قرآن مجید کی عام انذاری حیثیت کا ذکر تو ابھی ابھی لینذر بأسًا شدیدًا میں آچکا ہے اب اس پر اس ینذر الذین کے عطف کے معنی یہ ہوئے کہ پہلی تہدید و تنبیہ تو عام تھی سارے منکروں اور ہر قسم کے کافروں کے لئے اور یہ جدید تہدید و تنبیہ خصوصیت کے ساتھ اس عقیدۂ ولدیت والے کافروں یعنی مسیحیوں کے لئے ہے۔

؎۵ (اور ایسا مہمل اور خرافاتی عقیدہ رکھے ہوئے ہیں، جو واقعہ کے خلاف تو ہے ہی، خود عقل کے بھی خلاف ہے۔ اور جس کے صدق کا امکان ہی نہیں، بلکہ وہ عقلاً ممتنع ہے)

عقائد شرکیہ مہمل تو سب کے سب ہی ہیں، لیکن حق تعالی کے لئے بیٹا فرض کرنا اور بھی گستاخانہ اور سب سے بڑھ کر کریہہ اور مکروہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کے اس زجر تاکیدی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

ما لھم بہ من علم۔ یعنی کسی قسم کی بھی دلیل عقلی، اور کوئی بھی سند نقلی تو ان لوگوں کے پاس نہیں ہے۔

علم۔ یہاں سند اور دلیل کے معنی میں ہے۔

من علم۔ من زائد، تاکید نفی کے لئے ہے۔ یعنی کوئی بھی تو دلیل یہ نہیں رکھتے۔

لِاٰباءھم۔ یعنی ان کے وہ احمق اسلاف جو اسقدر لغو، مہمل اور گستاخانہ عقیدہ کے موجد ہوئے ہیں۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ

ہم نے (اس) زمین پر جو کچھ ہے اسے اس کے لئے باعث رونق بنا دیا تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ

عَمَلًا ⑦ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ⑧

ان میں کون بہتر ہے عمل کے لحاظ سے۔ ۷۔ اور ہم اس پر کی تمام چیزوں کو ایک صاف میدان کر دیں گے ۸۔

لفظ اُباء سے عجب نہیں جو ایک لطیف اشارہ مسیحی پادریوں کے لقب آباء (FATHER) کی جانب بھی ہو ـــــ رکوع میں عقائد شرکیہ میں سے سب سے زیادہ پُرزور تردید عقیدۂ ولدیت الٰہی کی ہو رہی ہے۔

کبرت.... افواھھم۔ ان کی زبانیں کیسے شدید گستاخانہ عقیدہ کا تلفظ کر رہی ہیں!

۶۔ (جیسا کہ آپؐ کے شدت حزن اور افراط فکر اصلاح سے ظاہر ہو رہا ہے)

باخع نفسك۔ اپنے کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔

البخع قتل النفس (راغب)

ای مهلك وقاتل (قرطبی)

اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ممانعت ہو رہی ہے کہ افراط شفقت سے اتنا غم ان نالائقوں کی خاطر نہ اٹھائیے کہ خود قریب بہ ہلاکت پہنچ جائیے ـــــ ضمناً اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال شفقت علی الخلق پر بھی روشنی پڑ گئی۔

بھذا الحدیث۔ یعنی قرآن پر۔

ای بالقرآن۔ (کشاف)

علی اثارھم۔ یعنی ان کے اعراض و انکار کے بعد۔

ای من بعد هم یعنی من بعد تولیهم عن الایمان وتباعدهم عنه (روح)

اذا ولّوا عن الایمان (بیضاوی)

علی اثر تولیهم واعراضهم عنك (قرطبی)

۷۔ (اور کون ناقص و قاصر ٹھہرتا ہے)

اور یہی امتحان ہی تو غایت تخلیق و باعث ابداع ہے۔ جیسا کہ آیت لیبلوکم ایکم احسن عملا سورۃ الملک میں اور دوسری آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

یہ گویا آیت سابق ہی کے مضمون کا تکملہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ تو عالم ابتلاء ہے اس میں تو تکوینا ضروری ہے کہ کوئی مبتلائے کفر ہو، اور کوئی مشرف بہ ایمان۔ اس لئے آپ کا غم مفرط بیکار ہے۔

علی الارض زینة لها۔ یہاں اس حکمت تکوینی کی گرہ کھول دی ہے کہ اس زمین پر جو کچھ

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨

کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور کتبہ والے ہماری نشانیوں میں کچھ تعجب کی چیز تھے؟ ۵۹

ہے، اس میں کشش، دلفریبی، رونق، زینت رکھی ہی اس لئے گئی ہے کہ اس کے ذریعہ سے خلق کی آزمائش کا موقع ملے۔ اور یہ مشاہدہ میں آجائے کہ کون اس زمینی ساز و سامان کو توشۂ آخرت بناتا ہے، اور کون اس سے غفلتوں کی ہلاکت میں پڑتا ہے — یہ مراد نہیں کہ کون اس حسن و جمال سے، سرے سے گریزاں و نفور رہتا ہے۔

۵۸ (اور اپنی صنعت ایجاد کے بعد حکمت اعدام کا بھی نمونہ دکھا دیں گے)

یعنی یہی آباد و سرسبز، شاداب و گلزار، بارونق و پُر بہار زمین ایک روز چٹیل میدان ہو جائے گی، اور اس کائنات کی ساری رعنائیوں اور دلفریبیوں پر فنا طاری ہو کر اور قیامت آکر رہے گی۔ اور اس حشر کے بعد سب کی جزا سزا ہر ایک کے مناسب حال واقع ہو گی۔

تخلیق و اہلاک کے سارے اختیارات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ نہیں کہ ایجاد کا دیوتا کوئی اور ہو اور اعدام کا کوئی اور۔

۵۹ قریش نے یہود کے اشارہ سے آنحضورؐ سے جو چند سوالات کئے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اصحاب کہف کون اور کیا تھے؟ قرآن مجید اس کے جواب میں ان کا صحیح قصہ بیان کرتا ہے۔

الکھف۔ کھف کے لفظی معنی وسیع پہاڑی غار کے ہیں۔

الکھف الغار الواسع فی الجبل (کبیر)

الکھف النقب المتسع فی الجبل ومالم یتسع فھو غار۔ (قرطبی)

اصحٰب الکھف۔ کے کھلے ہوئے معنی ہیں، غار والے۔ عام اس سے کہ وہ غار کہیں کا ہو۔

الرقیم۔ رقیم سے مراد کتبہ یا لوح مزار ہے۔ اصحاب کہف کے مزار پر ایک برنجی تختی لگا دی گئی تھی، جن پر ان کے نام، نسب اور مختصر حکایت درج تھی، اور اسی مناسبت سے یہ اصحاب الرقیم بھی کہلائے۔

لوح رصاص نقش فیہ نسبھم واسماؤھم وقصصھم ودینھم وممّ ھربوا نقل ذلك عن الفراء ونقلہ السھیلی ایضًا والجوھری۔ (تاج)

دوسرے معنی اس مقام یا پہاڑ یا وادی کے کئے گئے ہیں، جہاں وہ غار واقع تھا، یا اس شہر کے جہاں سے اصحاب کہف ہجرت کر کے گئے تھے۔

ھی قریۃ اصحٰب الکھف التی خرجوا منھا وفی تفسیر الزجاج کانوا فیھا او جبلھم الذی کان فیہ الکھف او الوادی الذی فیہ الکھف۔ (تاج)

ابن عباس صحابیؓ اور تابعین سے وہی پہلے معنی منقول ہیں۔

الرقیم ھو اللوح من رصاص فیہ اسماء الفتیۃ وقصتھم (ابن عباس)

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ

(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب ان نوجوانوں نے غار میں جاکر پناہ لی ۱؎

عن سعید بن جبیر قال لوح من حجارۃ کتبوا فیہ قصص اصحاب الکھف ثم وضعوہ علی باب الکھف (ابن جریر) وقد قال اھل الاخبار ان ذلک لوح کتب فیہ اسماء اصحاب الکھف۔ (ابن جریر)

وقال الفراء الرقیم لوح من رصاص کتب فیہ اسماؤھم وانسابھم ودینھم وممن ھربوا (قرطبی)

شہر "اِفسوس" (بہ کسرۂ اول) (EPHESUS) جس کے کھنڈر پر موجودہ شہر "ایاسلوک" قائم ہے، سمرنا سے ۴۶ میل اور سمندر سے کل ۶ میل کے فاصلہ پر ایشیائے کوچک میں واقع تھا، اور اسی کا نواح غالباً یہاں مراد ہے۔ مسیحی ادبیات میں اس کا ذکر کثرت سے آتا ہے۔ رومیوں کے عہد میں اس کی اہمیت اس درجہ کی تھی، کہ نئے فرماں روا کے لیے لازم تھا، کہ پہلے اسی شہر میں داخل ہو، زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے۔ ہمارے قدیم جغرافیہ نویسوں نے بھی اس کا ذکر اسی شہر اصحاب الکہف کی حیثیت سے کیا ہے۔

"شہر ہے ثغور طرسوس میں۔ اس کو شہر اصحاب الکہف کہتے ہیں"۔ (مراصد الاطلاع از صفی الدین عبد المومن ترجمہ اردو قلمی)

۱؎ یہ لوگ کون اور کس زمانہ کے تھے؟ قرآن مجید کو بحث اور سروکار چونکہ صرف بصیرتوں، عبرتوں اور اخلاقی اسباق ونتائج سے رہتا ہے، اس لئے وہ تاریخی وجغرافی تفصیلات کو اکثر نظر انداز کر دیتا ہے۔ اور اس خاص باب میں احادیث صحیح بھی تفصیل سے خاموش ہیں۔ مفسرین قدیم وجدید کی اکثریت نے اسے مسیحی دور کی حکایت قرار دیا ہے۔ رومی شہنشاہ ڈی سیس (DECIUS) یا دقیانوس (متوفی ۲۵۱ء) اپنے مذہب بت پرستی میں غلو رکھتا تھا۔ مسیحی مذہب نیا نیا اسی کے زمانہ میں سلطنت روم میں پھیل رہا تھا، اس نے عیسائی موحدین پر سختی شروع کی، اس سے تنگ آکر چند شریف نوجوان شہر سے نکل کھڑے ہوئے، اور قریب کے ایک پہاڑی غار میں جاکر پناہ لی۔ وہاں ان پر ایک غیر طبعی، بلکہ خارق عادت نیند مسلط ہو گئی، اور وہ کچھ اوپر تین سو سال تک سوتے رہے۔ اور جب ایک اعجازی انداز سے جاگے تو خود رومی حکومت کا مذہب اس طویل مدت کے درمیان میں شرک سے مسیحیت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اور اس وقت حکمران شہنشاہ تھیوڈوسیس مسیحی (متوفی ۴۵۰ء) تھا۔

لیکن حافظ ابن کثیر نے اپنا خیال غالب یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ قصہ ظہور مسیحؑ سے قبل، دور یہودیت کا ہے، ورنہ یہود اتنا اس کے کھوج میں نہ رہتے اور اسقدر اعتناء والتفات اس کی جانب نہ کرتے۔

فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾

پھر بولے اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے پاس سے رحمت وفضل عطا کر اور ہمارے لئے ہمارے اس کام میں درستی کا سامان کردے[۱۱]

وقد ذكر انهم كانوا على دين المسيح عيسى بن مريم فالله اعلم والظاهر انهم كانوا قبل ملة النصرانية بالكلية فانهم لو كانوا على دين النصرانية لما اعتنى احبار اليهود بحفظ خبرهم۔ (ابن کثیر)

بعض اور مفسرین نے بھی مبہم اختلافات نقل کئے ہیں۔

وقيل كانوا قبل عيسى والله اعلم (قرطبی)

قبل من دين قبل عيسى (بحر)

والاخبار في تفصيل شانهم مختلفة۔ (روح)

ہمارے زمانے کے بھی بعض مصنفین نے حکایات اسرائیل سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہ قصہ ۱۶۱ ق م کا ہے، جب ملک شام کے ظالم بادشاہ انطوکیس چہارم (ANTIOCHUS IV) نے بیت المقدس کو مسمار کر کے اس کی جگہ زیوس (ZIUS) دیوتا کے مندر کی بنا ڈالی تھی اور بکال خاندان کے پانچ یا سات بہادر نوجوان پہاڑ کے غار میں پناہ گزیں ہو کر راہ حق میں شہید ہو گئے تھے۔

عین جس وقت یہ تحریر نظر ثانی سے گزر رہی تھی (جولائی ۱۹۶۳ء) اخباروں میں یہ خبر ملک ایران کے محکمۂ آثار قدیمہ کے حوالہ سے شائع ہوئی ہے کہ ایک غار شہر عمان سے ۹ کیلومیٹر کے فاصلہ پر کھدائی میں برآمد ہوا ہے، جس کے متعلق خیال کیا جا رہا ہے کہ یہ اصحاب کہف کا غار ہے۔

حق یہ ہے کہ جس قصہ کو حق تعالیٰ نے خود ہی مجمل رکھا ہے، اور رسولؐ نے بھی اس کی تفصیل پر اعتناء کرنا ضروری نہ سمجھا ہو، اس کی تعیین جزم و وثوق کے ساتھ کرنا دشوار ہی ہے۔ اور پھر احکام دین میں سے کسی کا دارومدار اس تفصیل و تعیین پر ہے بھی نہیں۔

فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ خوف فتنہ کے وقت انسان پر لازم ہے کہ اپنا دین سلامت لے کر اس مقام سے چلا جائے اور کلمۂ کفر کے تلفظ سے تقیۃً بھی احتراز کرے۔

فيه الدلالة على ان على الانسان ان يهرب بدينه اذا خاف الفتنة فيه وان عليه ان لا يتعرض لاظهار كلمة الكفر وان كان على وجه التقية (جصاص)

[۱۱] یعنی ہمیں مقصد میں بھی کامیاب کر، اور ہمارے ذرائع اور سامان بھی اپنی مرضیات کے مطابق مہیا کردے۔

فقہاء نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ جب انسان اپنے دین کے لئے خوف فتنہ سے ترک وطن کرے، تو اسی طرح کی دعا حق تعالیٰ سے کرے، کہ حق تعالیٰ نے اس دعا کو تو مدح واستحسان میں پیش کیا ہے۔

يدل على انه اذا اراد الهرب بدينه خوف الفتنة ان يدعوا بالدعاء الذي حكاه الله عنهم

فَضَرَبْنَا عَلَىٰٓ اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪ ثُمَّ

سو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک (نیند) کا پردہ ڈالے رکھا۔ ۱۲ پھر

بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ⑫

ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں کہ (ان) دونوں گروہوں میں کون گروہ (اس حالت میں) رہنے کی مدت سے زیادہ واقف ہے ۱۳

لان اللہ قد رضی ذلک من فعلہم واجاب دعاءھم وحکاہ لنا علی جہۃ الاستحسان (جصاص)

۱۲ یعنی ایسے غافل ہو کر سوئے کہ کوئی آواز بھی ان کے کان میں نہ پہنچتی تھی۔

ای انمناھم انامۃ لاتنبھھم الاصوات۔ (بیضاوی)

ضربنا علی اذانھم۔ ضرب اذان سے عربی محاورہ میں کنایہ ہے ان تک کسی آواز کے نہ پہنچنے سے۔

وتقدیر الکلام انہ تعالیٰ ضرب علی اذانھم حجابا یمنع من ان تصل الی اسماعھم الاصوات الموقظۃ۔ (کبیر)

سنین عددا۔ عدد کا اضافہ یا تو تاکید کے لئے ہے، اور یا کثرت عدد کے اظہار کے لئے ہے۔

ذکر العدد علی سبیل التاکید وقیل ذکرہ یدل علی الکثرۃ (معالم)

القصد بہ العبارۃ عن التکثیر (قرطبی)

فیحتمل ان یرید الکثرۃ۔ (کشاف)

قرطبی نے کہا ہے کہ یہ آیت اہل ادب کے نزدیک قرآن مجید کی بلیغ ترین آیتوں میں سے ہے۔

۱۳ جب وہ لوگ اس خارق عادت نیند سے جاگے، تو ان میں آپس میں یہ بحث شروع ہو گئی، کہ ہمیں سوتے ہوئے کتنی مدت گزری۔

بعثنٰھم۔ یعنی اس گہری طویل نیند سے انہیں بیدار کیا۔

لنعلم۔ یعنی تاکہ ہم مشاہدۃً بھی معلوم کریں۔ ورنہ علم الٰہی تو ظاہر ہے کہ ہمیشہ سے ہے اور کسی تجربہ کا محتاج نہیں

ای علم المشاھدۃ (معالم)

عبارۃ عن خروج ذالک الشیٔ الی الوجود ومشاھدتہ وھذا علی نحو کلام العرب (قرطبی)

الحزبین۔ یہ دو فریقوں سے کیا مراد ہے؟ اس بارہ میں اقوال مختلف و متعدد نقل ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک گروہ خود اہل کہف کا ہو اور دوسرے سے مراد باہر کے لوگ ہوں۔ بہر صورت مختلفین ہی مراد ہیں۔

ای المختلفین فیھم۔ (ابن کثیر)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ

ہم ہی ان کا قصہ آپ سے ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں ۱۴؎ یہ لوگ (چند) نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان

وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا

لائے تھے اور ہم نے انھیں ہدایت میں ترقی دی تھی ۱۵؎ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جب وہ لوگ (پختہ اور) مستعد ہو گئے ۱۶؎

فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ

تو بولے ہمارا پروردگار وہی تو ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم تو اس کے علاوہ کسی معبود کو نہ پکاریں گے ورنہ پھر تو ہم

اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝۱۴ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

بڑی ہی بیجا بات کے مرتکب ہوں گے ۱۷؎ ان لوگوں (یعنی) ہماری قوم والوں نے اللہ کے علاوہ

۱۴؎ (اس افراط و تفریط، مبالغہ بیانی و حاشیہ آرائی سب سے الگ کرکے جو عام طور سے اس قصہ سے متعلق شائع ہو چکی تھی)

روایتیں شروع ہی سے افسانہ بن گئی تھیں اور پھر نزول قرآن کے زمانہ تک آتے آتے ان کی افسانویت بہت ہی بڑھ گئی تھی

۱۵؎ (کہ وہ تثلیث کے بجائے حسب تعلیم مسیحؑ، توحید ہی پر قائم رہے۔)

ان یعبر بالقیام عن انبعاثهم بالعزم الی الهروب الی الله۔ (قرطبی)

اٰمنوا بربهم۔ یعنی اپنے وقت کی باطل پرستیوں کو چھوڑ انھوں نے دین توحید اختیار کیا تھا۔ جو ہر ملک اور ہر زمانہ میں کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا ہے۔

۱۶؎ (اور دین حق سے انھیں نہ کوئی ترغیب اور طمع پھیر سکی اور نہ کوئی دھمکی اور تخویف ہی۔)

(دقیانوس DECIUS) رومی کے زمانہ میں موحد مسیحیوں پر (جو پولوس کی مشرکانہ تعلیم سے متأثر نہیں ہوئے تھے) جو جو مظالم اور جبر و ستم ہوئے تھے وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں ـــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

وربطنا علی قلوبهم۔ یعنی ہم نے ہمت، صبر و ثبات و استقلال دے کر ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے

عبارة عن شدة عزم وقوة صبر۔ (قرطبی)

۱۷؎ ان سب اقوال سے جو بار بار اصحاب کہف کی زبان سے نقل ہوئے ہیں یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ہر طرح کے شرک سے بیزار اور توحید میں کامل و راسخ تھے۔ وہ مسیحی اگر تھے بھی تو صحیح معنی میں، حضرت عیسیٰؑ نبی کے لائے ہوئے دین کے متبع تھے نہ کہ پولوسی تثلیثی نام نہاد مسیحیت کے!

لن ندعوا من دونه الٰها۔ اس انکار و تردید سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اُن سے فرمائش

اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

اور معبود قرار دے رکھے ہیں۔ یہ لوگ ان معبودوں (کے وجود) پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے؟ سو اس سے

افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ⑮ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ

بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے؟ ۱۸؎ پھر جب تم انھیں بھی چھوڑ چکے اور ان کے

اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَی الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ

معبودان غیر اللہ کو بھی تو اب (فلاں) غار میں چل کر پناہ لو تم پر تمہارا پروردگار اپنی رحمت پھیلا دے گا۔

لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ⑯

اور تمہارے کام میں تمہاری کامیابی کا سامان درست کردے گا۔ ۱۹؎

شرک و بت پرستی کی کی جارہی تھی۔

ربنا رب السمٰوٰت والارض۔ قدیم رومی مذہب میں زمین و آسمان کے مستقل دیوتا الگ الگ تھے ——— یہاں اسی کی تردید میں توحید کا اثبات ہو رہا ہے۔

۱۸؎ یعنی اس کی ذات و صفات میں کسی شرکت کا گزر سمجھے۔

لولا یاتون علیھم بسلطان بین۔ یہاں دلیل کا مطالبہ مشرکوں سے کیا ہے کہ تم اپنے دھرم کی حقانیت کے اگر قائل ہو تو لاؤ کوئی دلیل پیش کر کے تو دکھاؤ۔

لولا۔ مشرکوں کے عجز کا اظہار ہے۔

تحضیض بمعنی التعجیز (قرطبی)

تحضیض علی وجه الانکار والتعجیز اذ یستحیل ان یاتوا (روح)

علیھم۔ یعنی ان فرضی معبودوں کی معبودیت یا الوہیت پر۔

بتقدیر مضاف ای علی الوھیتھم۔ (روح)

۱۹؎ یہ سب گفتگو اہل توحید کے آپس میں بہ طور مشورہ ہو رہی ہے۔

اعتزلتموھم۔ میں ضمیر ھم ان ہی مشرک ہم قوموں کی جانب ہے۔

فاؤا الی الکھف۔ فلاں غار میں چل کر پناہ لو، کہ وہاں حکومت کے جور و ستم سے بھی امن ملے گا اور اپنے طور پر ذکر و عبادت بھی بہ اطمینان و فراغت ہو سکے گی۔

ینشر... مرفقا۔ مخلص اہل توحید کا تکیہ و اعتماد اپنے پروردگار کی رحمت و ربوبیت پر اسی طرح ہوتا ہے۔

مرفقا۔ یعنی سامان۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا

اور جب دھوپ نکلتی ہے تو تو اُسے دیکھے گا کہ وہ ان کے غار سے داہنی جانب کو بچی رہتی ہے اور جب وہ

غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ

چھپتی ہے تو وہ ان سے کترا جاتی ہے بائیں جانب، اور وہ اس (غار) کے کشادہ موقع میں تھے ۲۰؎

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ ۲۱؎ جسے اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے۔ اور جسے وہ بے راہ

"مرفقا" وھو ما یرتفق بہ (قرطبی)

۲۰؎ (اس لئے نہ ہوا سے محروم تھے نہ روشنی سے)

کوہستانی غار اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اندر ہی اندر بہت دور تک چلے جاتے ہیں کہیں تنگ اور کہیں کشادہ۔ یہ جگہ جہاں یہ اصحاب کہف اہل توحید مقیم تھے تنگ نہ تھی، خوب کشادہ تھی۔

وترى الشمس اذا طلعت۔ یعنی اے مخاطب تو آفتاب کو اس کے طلوع کے وقت وہاں یوں دیکھتا۔

شہر افسوس کا عرض البلد درجہ ۳۸ شمال ہے ایسے مقام پر جو غار شمال رویہ ہوگا اس کے اندر سورج کی شعاعیں قدرۃً نہ داخل ہو سکیں گی اور اس کے اندر کے رہنے والے اگر شمال ہی کی طرف رخ رکھیں گے تو دھوپ کی تیزی سے برابر امن میں رہیں گے ـــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

تزٰور..... الشمال۔ یعنی دھوپ نہ ان پر چڑھتے وقت پڑتی تھی اور نہ ڈھلتے وقت غار کی وضع و ہیئت ہی ایسی تھی کہ غار نشین دھوپ کی اذیت سے امن میں رہتے۔

ذات الیمین..... ذات الشمال۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ یہ غار کی داہنی اور بائیں جانب یا تو اس میں داخل ہوتے کے اعتبار سے ہے، یا اس سے خارج ہوتے کے، تقدیر اول پر وہ غار شمال رویہ ہوگا اور تقدیر ثانی پر جنوب رویہ ورنہ شرق رویہ یا غرب رویہ ہوتے کی صورت میں دھوپ یا تو ان پر طلوع کے وقت پڑتی اور یا غروب کے وقت۔

۲۱؎ یہ قصہ جو اوپر مع اپنی جزئیات و تفصیلات کے بیان ہوا یہ حق تعالیٰ کی قدرت حکمت و ربوبیت کی نشانیوں میں سے ہے ـــــ قرآن مجید نے غار کے جو اتنے جغرافی جزئیات بیان کئے ہیں، یہ سب خواہ مخواہ اور بے معنی نہیں، یقیناً اس غار کی تحقیق کسی دن ہو کر رہے گی، اور اُس وقت ان جزئیات کا انطباق اس پر حرف بہ حرف ہو کر رہے گا۔

ع ۵ ۱۴

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ

کر دیتا ہے تو آپ اس کے لئے نہ پائیں گے کوئی مددگار، راہ بتانے والا۲۲؎ اور (تو اُن کو دیکھتا تو) تو انکو جاگتا ہوا

وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ

خیال کرتا در آنحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے۲۳؎ ہم ہی انھیں کروٹ دلاتے رہتے ہیں داہنی طرف بھی اور بائیں طرف بھی۔

ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ

اور اُن کا کتّا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے (بیٹھا) تھا۲۴؎

۲۲؎ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ اس طرح کے نشانوں کو دیکھ کر سب ہی توحید کے قائل ہو جاتے لیکن ہدایت وہی پاتا ہے جس کے شامل حال توفیق الٰہی ہوتی ہے اور جسے وہ ان کے پاداش عمل میں اپنے قانونِ تکوینی کے ماتحت گمراہ ہی رکھنا چاہتا ہے ان کی ہدایت یابی کی بھی کوئی صورت نہیں۔

۲۳؎ یعنی اے مخاطب! جس وقت وہ غار میں تھے، اور ہم نے اعجازی رنگ میں ان پر نیند مسلط کر رکھی تھی، تو اگر انھیں کہیں دیکھ پاتا تو ان کے نورانی چہروں کی رونق و تازگی دیکھ کر انھیں جاگتا ہوا ہی سمجھتا ——— نوم ثقیل و غریق کی ظاہری علامت ان میں کوئی تھی ہی نہیں۔

محققین عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح ذاکر بیدار دل حالتِ خواب میں بھی ایسا بے خبر نہیں ہو جاتا، گو سوتے ہوئے کی طرح بے حس نظر آئے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جن کے جسم خلق کے ساتھ مشغول ہیں اور قلب حق تعالیٰ کے ساتھ۔

۲۴؎ (جیسا کہ اس جانور کی عام عادت ہے)

کتّا وہ جانور ہے، جو فقہی حیثیت سے نجس ہونے کے باوجود اپنی وفاداری، آقا پرستی، حفاظت کرنے اور پہرہ دینے کے لئے مشہور ہے۔ ان بزرگوں کے پاس کسی ضرورت سے ہوگا اور ان ہی کے ساتھ خود بھی غار نشین ہو گیا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جنّت میں دو جانور بھی ہوں گے ایک بلعم باعور کا گدھا، اور دوسرا اصحٰبِ کہف کا کتا۔ اس روایت کے صحیح اور غیر صحیح ہونے سے قطع نظر صوفیۂ محققین نے کہا ہے کہ صحبت عجیب اثر رکھتی ہے اور شیرانِ خدا کی برکتیں سگِ دنیا کو بھی، بہ شرط صحبت و رفاقت، شامل ہو جاتی ہیں۔

اور بعض سالکین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ صالحین کی مجالست و قرب ہی بہت غنیمت ہے۔ گو مجالست نہ بھی ہو۔

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

اگر تو ان کو جھانک کر دیکھتا تو تو اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا اور تیرے اندر اُن کا رعب سما جاتا ۲۵؎

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ

اور اسی طرح ہم نے انھیں جگا دیا جس سے کہ وہ آپس میں پوچھ پاچھ کریں ۲۶؎ (چنانچہ) ایک کہنے والے نے ان میں سے کہا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے ہو گے؟

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ

(بعض ان میں سے) بولے کہ ہم دن بھر ٹھہرے ہوں گے یا دن بھر سے کم (بعض اور) بولے کہ جتنی دیر تم ٹھہرے یہ تو تمہارا

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

پروردگار ہی خوب جانتا ہے تو اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو ۲۷؎

اور قرطبی نے کئی سطروں میں اس مضمون کو ادا کیا ہے کہ جب کتے تک کو یہ مرتبہ صحبتِ صالحین کی برکت سے مل سکتا ہے اور قرآن مجید میں اس کا تذکرہ آسکتا ہے تو پھر کلمہ گو مومنین صحبت اولیاء و صالحین کی برکت سے کون سا درجہ نہیں حاصل کر سکتے"!

۲۵؎ ہیبت حق تو ہر اہل حق کا حصہ ہوتی ہے ان سوتے ہوئے حضرات پر عجب نہیں جو اس مصلحت سے اور زیادہ ہیبت طاری کر دی گئی ہو کہ ہر شخص کی ہمت ان کے قریب جانے کی نہ پڑے۔ اور اس طرح ان کے جسم ہر طرح محفوظ رہیں۔

اردو میں "ہیبت" اور "دہشت" دو الگ الگ لفظ دو بالکل مختلف مفہوموں کے لیے ہیں یہاں موقع صرف "ہیبت" کا ہے۔

۲۶؎ (اور اس میں ان پر حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور زیادہ منکشف ہو)

وکذلک بعثنٰھم۔ یعنی جس عجیب و اعجازی رنگ میں ہم نے ان پر نیند مسلط کر دی تھی، اسی اعجازی انداز میں انھیں اس سے جگا بھی دیا۔

بعثنٰھم۔ یعنی انھیں اس نوم طویل و ثقیل سے بیدار کر دیا۔

لیتسآءلوا۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی اس بیداری کا نتیجہ یہ ہوا، یہ مراد نہیں کہ وہ بیدار ہی اس غرض سے کئے گئے تھے۔

واللام فیه لام العاقبة لانهم لم یبعثوا للسوال (معالم)

لام الصیرورة وهی لام العاقبة۔ (قرطبی)

۲۷؎ (کہ خوراک وغیرہ ضرورت کی چیزیں لائے)

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ

سو وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے ۲۸ پھر اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور

وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

خوش تدبیری (سے کام) کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے ۲۹

فابعثوا ۔ ف سے یہ اشارہ نکل آیا کہ اب مدتِ نوم کی بحث میں زیادہ پڑنے سے کوئی نتیجہ نہیں ۔ اب کام کی بات ہونا چاہیئے۔

قال ... بما لبثتم ۔ نیند اتنی غفلت کی اور ایسی بے ہوشی کی تھی کہ ان لوگوں کو اس کی مدت کا کچھ مطلق ادراک نہیں ہوا، اور جب جیتے تو آپس میں پوچھ پاچھ کرنے لگے کہ ہم لوگ کتنی دیر سوئے ہوں گے کسی نے کچھ اندازہ کیا کسی نے کچھ ۔ آخر کسی نے کہا کہ اس تعیین وقت کی بحث کو تو اللہ کے حوالہ کرو اور اب کام کی بات کرو۔

یوماً او بعض یوم ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کنایہ محض وقت قلیل سے ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ جوابات محض اندازے سے دیئے جا رہے تھے۔

جواب مبنی علی غالب الظن (کشاف)

فقہاء نے ان کے اس قول سے جس پر قرآن نے کوئی گرفت نہیں کی، یہ نکالا ہے کہ ظن غالب کی بنا پر اگر اپنے اجتہاد سے کوئی بات کہہ دی جائے تو اگرچہ واقعہ کے خلاف ہو لیکن اس پر کذب کا اطلاق نہ ہوگا۔

فیہ دلیل علی جواز الاجتہاد والقول بالظن الغالب وانہ لایکون کذبا وان جاز ان یکون خطاء (کشاف)

وقول کل مبنی علی غالب الظن علی ما قیل فلا یکون کذبا ۔ (روح)

اور بعض فقہاء مفسرین نے صاف لکھ دیا ہے کہ چونکہ قرآن اس قول کو بلا نکیر نقل کر رہا ہے اس سے جواز اجتہاد و ظن غالب پر مبنی کر کے قول کا نقل ثابت ہوتا ہے۔

جواب مبنی علی غالب الظن وفیہ دلیل علی جواز الاجتہاد والقول بالظن الغالب (مدارک)

بورقکم ھٰذہٖ ۔ روپیہ سے یقیناً وہی سکہ مراد ہے جو دقیانوس رومی کے زمانہ میں چل رہا تھا، اور اس سکہ پر رومی شہنشاہ کی تصویر کندہ رہتی تھی۔ اسی وقت کے کچھ سکے ان کی جیبوں میں پڑے ہوئے تھے۔

قال المفسرون کانت معھم دراھم علیھا صورۃ الملک الذی کان فی زمانھم ۔ (کبیر)

دقیانوس رومی کے زمانہ میں چاندی کا سکہ اچھی طرح رواں ہو چکا تھا ۔ اور تبادلہ اشیاء کا دور عرصہ ہوا ختم ہو چکا تھا۔

محققین نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ سفر اور ہجرت میں زادِ راہ ہمراہ لے کر چلنا توکل کے منافی نہیں۔

وحملھم الورق عند فرارھم دلیل علی ان حمل النفقۃ وما یصلح للمسافر ھو رأی المتوکلین

علی اللہ دون المتکلین علی الانفاقات (مدارک)

وحملھم لہ دلیل علی ان التزود رای المتوکلین۔ (بیضاوی)

وھذہ الایۃ تدل علی ان السعی فی امساک الزاد امر مھم مشروع وانہ لا یبطل التوکل (کبیر)

فقہاء نے آیت سے اس صورت کا جواز نکالا ہے کہ کئی انسان (مثلاً سفر میں) اپنے مشترک سرمایہ سے کھانا خریدیں، اور سب اس میں سے کھائیں، خواہ ایک کے کھانے کی مقدار دوسرے سے زیادہ ہو۔

یدل علی جواز خلط دراھم الجماعۃ والشری بھا والاکل من الطعام الذی بینھم بالشرکۃ وان کان بعضھم قد یاکل اکثر مما یاکل غیرہ وھذا الذی یسمیہ الناس المناھدۃ ویفعلونہ فی الاسفار (جصاص)

ورق۔ اسے حرف ر کے کسرہ اور فتحہ اور سکون تینوں سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کے معنی درہم یا چاندی کے سکہ کے ہیں۔

ای الفضۃ المضروبۃ او غیر مضروبۃ (معالم)

والورق بالکسر الدراھم (راغب)

ای بدراھمکم المضروبۃ کما ھو مشھور بین اللغویین، وقیل الورق الفضۃ مضروبۃ اوغیر مضروبۃ (روح)

سکے ڈھلے ہوئے اس وقت جاری ہو چکے تھے کم سے کم (EPHESUS) علاقوں میں۔

۲۸ اہل توحید کو ہمیشہ غذاؤں میں حلت وحرمت کا خیال رہا ہے۔ اور بتوں کے چڑھاوے وغیرہ سے محترز رہے ہیں ــــ اصحاب کہف تین سو سال قبل جب غار میں جا چھپے تھے تو اس وقت روم پر حکومت مشرکوں کی تھی۔ اہل توحید نے تحقیق کر لینا چاہی کہ غذا کہیں بتوں پر چڑھاوے وغیرہ کی قسم کی نہ ہو۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح اصحاب کہف نے بجائے کسی سے سوال کرنے کے کھانا قیمتہً خریدنا پسند کیا، طالبوں اور سالکوں کو بھی چاہیئے کہ ہمت بلند رکھیں اور خلق سے سوال ترک کر دیں۔

المدینۃ۔ شہر سے مراد شہر افسیوس (EPHESUS) ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

ازکیٰ طعاماً۔ بعض نے اس کی تفسیر لذیذ و نفیس کھانے سے بھی کی ہے۔

قیل انھا اطیب والذ (کبیر)

ای اطیب طعاماً (ابن کثیر)

قال الضحاک اطیب طعاماً (معالم)

اور یہیں سے بعض صوفیہ نے بعض دینی مصلحتوں سے لذیذ و نفیس کھانوں ہی کو پسند کیا ہے۔ اور شریعت میں کوئی بندش لذیذ کھانوں پر ان کی لذت کی بنا پر نہیں۔

فقہائے مفسرین نے اس ایک آیت سے متعدد مسئلے، وکالت، نیابت، شرکت، معاملت وغیرہ

إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ

کہ اگر وہ تمھاری خبر پالیں گے تو تمھیں سنگسار کر ڈالیں گے یا تمھیں اپنے طریقہ میں پھر کرلیں گے اور اگر

وَلَن تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ

ایسا ہوا تو پھر کبھی تمھیں فلاح نہ ہوگی۔ ۳۰ھ اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان پر مطلع کردیا تاکہ

وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ

وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں۔ ۱۳۱ھ

کے استخراج کئے ہیں۔

۲۹ھ (ورنہ حکومت کی طرف سے گرفتاری، تلاشی اور سزایابی یقینی ہے)

ولیتلطف۔ یعنی ایسی خوش تدبیری سے کام لے کہ کسی کو اس پر حکومت کے مجرم یا باغی ہونے کا شبہ نہ ہونے پائے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ سالکین کو معاملت میں ہر ایک کے ساتھ لطف و رفق برتنا چاہیئے۔

۳۰ھ (اور تم شرک و ارتداد کی ملعونیت و نحوست کے چکر میں پڑے رہو گے۔)

انهم۔ یعنی مشرک اہل شہر یا مشرک اہلِ حکومت۔

یرجموکم۔ سزائے سنگساری دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے۔ اور اس پر تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ شہنشاہ ڈی سیس (دقیانوس) کے زمانہ میں جو مشرک مسیحیت اختیار کرلیتے تھے، وہ مرتد سمجھے جاتے، اور شدید ترین عقوبت کے مستحق قرار پاتے۔

او یعید وکم فی ملتهم۔ یعنی یہ بت پرست حکومت ترغیب سے یا ترہیب سے، طمع یا خوف کے پھندے لگا کر تمھیں پھر دین توحید سے بچلا کر دین شرک میں واپس لے لے گی۔

ولن تفلحوا اذا ابدًا۔ یعنی جب ملت کفر میں شریک و شامل ہو گئے تو پھر تو فلاح دنیا و آخرت سے محرومی ہی رہے گی۔

اذا رجعتم الی دینهم لن تسعدوا فی الدنیا ولا فی الآخرۃ۔ (کبیر)

۱۳۱ھ اصحاب کہف کی غار نشینی کو کوئی تین سو سال کی مدت ہوئی تھی کہ دنیائے مسیحیت میں یہ سوال زور شور سے چھڑ گیا کہ عقیدۂ نشر و جزائے جسمانی آیا صحیح ہے بھی؟ وقت کا ایک مشہور پادری تھیوڈر حشر اجساد کا صاف منکر تھا۔ بحث و مباحثہ کے عین شباب کے زمانہ میں اصحاب کہف اپنی نوم طویل سے جاگے اور ان کے عجیب معاملہ کا علم عوام و خواص سب کو ہوا ـــــ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

اِذۡ یَتَنَازَعُوۡنَ بَیۡنَہُمۡ اَمۡرَہُمۡ فَقَالُوا ابۡنُوۡا عَلَیۡہِمۡ بُنۡیَانًا ؕ

(اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب (اس زمانہ کے لوگ) ان کے معاملہ میں باہم جھگڑ رہے تھے۔ سوان لوگوں نے کہا کہ ان کے پاس

رَبُّہُمۡ اَعۡلَمُ بِہِمۡ ؕ قَالَ الَّذِیۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰۤی اَمۡرِہِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ

کوئی عمارت بنوا دو ۳۲؎ ان کا پروردگار ہی (ان کے احوال کو) خوب جانتا تھا۔ جو لوگ اپنے کام پر غالب (و قادر) تھے انھوں نے

عَلَیۡہِمۡ مَّسۡجِدًا ﴿۲۱﴾

کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک معبد بنا دیں گے۔ ۳۳؎

وکذالک اعثرنا علیھم۔ یعنی جس طرح ہم نے اپنی خاص قدرت وحکمت سے ان اصحاب کہف کو سلایا اور جگایا تھا، اسی طرح اپنی خصوصی حکمت وقدرت سے عام خلقت کو ان کے حال پر مطلع بھی کردیا۔

لیعلموا ان وعد اللہ حق۔ ان کے معاصرین کو بھی یقین آجائے کہ حق تعالیٰ کا وعدۂ حشر ونشر کے باب میں سچا ہے ــــ ایک بڑا مانع عقیدۂ حشر ونشر کے قبول میں عام ذہنوں میں اس کا استبعاد ہے۔ واقعہ اصحاب کہف، یعنی ان کی طویل نیند اور بیداری سے اہل مادیت کو واقعۂ بعث وحشر کی ایک سند ونظیر ہاتھ آجاتی ہے، اور ذہن سے استبعاد دور ہوجاتا ہے۔

جو صاحب کھانا خریدنے گئے تھے، ان کی وضع، لباس وغیرہ تین سو سال قبل کا دیکھ کر لوگوں کو یوں ہی بڑی حیرت تھی، پھر جب انھوں نے جیب سے نسلوں قبل کا سکہ نکالا، جب تو لوگوں کی حیرت اور بدگمانی بدرجہا بڑھ گئی، سب نے انھیں گھیر لیا۔ اور انھیں حیران وپریشان ہو کر مجبوراً اپنا پتہ بتانا اور اپنی سرگزشت دہرانی پڑی۔ اور کچھ لوگ ان کے بیان کی تصدیق کے لئے آخر ان کے ساتھ غار کے دہانہ تک آئے۔

۳۲؎ (کہ اس حیرت انگیز وعظیم الشان واقعہ کی یادگار قائم ہوجائے۔)

اھتموا باجلال قدرھم وتشھیر امرھم۔ (روح)

اذ یتنازعون بینھم امرھم۔ یعنی جب لوگوں میں اس امر پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ان بزرگوں کی نعشوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ ہوا یہ کہ جب لوگ ان کی زیارت کو جوق جوق آنے لگے اور غار کے دروازہ پر میلہ سا لگنے لگا۔ تو ان حضرات کو وفات دے دی گئی، اور اب گفتگو یہ ہونے لگی کہ ان مقدس جسموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔

ابنوا علیھم بنیانا۔ علیھم سے مراد ان کے جسم کے اوپر نہیں بلکہ ان کے غار کے اوپر، ان کے غار کے دروازہ پر مقصود ہے۔

ای علی باب کھفھم۔ (مدارک۔ روح)

۳۳؎ (تاکہ اس امر کی علامت قائم رہے کہ یہ لوگ عابد واہل توحید تھے، کوئی انھیں معبود نہ بنا لے۔)

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ

عنقریب (بعض کہنے والے) کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ اور (بعض) کہیں گے کہ

سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ

وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا، اٹکل کے تکے۔ ۳۴ف

یہ غار اصحاب کہف کی جانب منسوب ہے اس کے دہانہ پر ایک مسیحی خانقاہ اب بھی موجود ہے — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

الذین غلبوا علی امرھم۔ یعنی حکام وقت۔

قال قتادۃ ھم الولاۃ (بحر۔ روح)

قیل المراد بہ الملک وقیل روساء البلد۔ (کبیر)

مسجدًا۔ مسجد یہاں معبد یا پرستش گاہ کے عام معنی میں ہے، اسلامی مسجد کے اصطلاحی معنی میں نہیں۔

لا یصح ان یراد بالمسجد ھنا ما یطلق علیہ الیوم من مصلی المحمد یین بل المراد بہ معبد المومنین من تلک الامۃ۔ (روح)

اور اس سے اہل بدعت کو قطعًا کوئی سند اس کی نہیں مل پاتی، کہ قبور صالحین پر مسجدیں بنا بنا کر ان میں نماز پڑھا کریں۔

واستدل بالآیۃ علی جواز البناء علی قبور الصلحاء واتخاذ مسجد علیھا وجواز الصلوٰۃ فی ذلک وھو قول باطل عاطل فاسد کاسد (روح)

لنتخذن علیھم مسجدًا۔ مفسر تھانویؒ اور دوسرے فقہاء ومفسرین نے لکھا ہے کہ اگر کسی زمانہ میں مسجد کے بنانے سے بجائے مصالح کے مفاسد کا ظہور ہونے لگے تو مسجد بنانا جائز نہ رہے گا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس مسجد سے وہ قصد نہ تھا، جو جاہلوں کا قبور کے پاس مسجد بنانے سے ہوتا ہے اس لئے قبر پرستوں کو کوئی حجت ونظیر اس سے نہیں مل سکتی۔

۳۴ف یعنی بغیر کسی علم صحیح کے محض ظن وتخمین سے۔ رجما بالغیب کے لفظی معنی بغیر دیکھے بھالے تیر پھینکنے کے ہیں۔ محاورۂ عرب میں اس سے مراد وہی ہوتی ہے جو اردو میں "اٹکل کے تکے" چلانے سے۔ اور یہ شرعًا ممنوع بھی ہے — محض اٹکل اور ظن وگمان سے بغیر کسی سند عقلی یا شرعی کے کام لینا اور چیز ہے اور دلیل شرعی سے حسب قواعد استخراج نتائج کرنا بالکل اور چیز۔ اول الذکر لغو اور ممنوع۔ ثانی الذکر جائز ہی نہیں، محمود ومستحسن، بلکہ بعض اوقات ضروری وواجب۔

سیقولون۔ یعنی آپ جس وقت یہ صحیح قصہ بیان کریں گے آپ کے معاصرین یہ رائے زنی شروع کردیں گے۔ سیقولون میں س مستقبل کا ہے۔

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ

اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتّا تھا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ہی ان کا شمار خوب جانتا ہے ۳۵

مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيلٌ ۥ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪

ان (کے شمار) کو کوئی نہیں جانتا بجز قلیل کے۔ پس آپ ان کے باب میں (زیادہ) بحث نہ کیجئے بجز سرسری بحث کے ۳۶

۳ ع ۵ ۱۵ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾

اور آپ ان کے باب میں ان لوگوں سے کسی سے بھی نہ پوچھئے ۳۷

الضمیر فیہ کما اختارہ ابن عطیۃ وبعض المحققین للیہود المعاصرین لہ صلی اللہ علیہ وسلم الخائضین فی قصۃ اصحاب الکہف۔ (روح)

یہود کے علاوہ نصرانی بھی مراد لئے گئے ہیں، اور مومنین بھی۔ اور بہتر یہ ہے کہ مفہوم کو عام رکھا جائے، یعنی کہنے والے (وہ کوئی بھی ہوں) عنقریب کہیں گے۔

۳۵ (اور اس نے قرآن سے کوئی فیصلہ کیا نہیں ہے۔)

البتہ حضرت ابن عباسؓ اور بعض مفسرین اپنے ظن و تخمین سے اسی آخری عدد کے قائل ہوئے ہیں۔ اور مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ آیت میں بھی اشارۃً اس کی صحت مفہوم ہوتی ہے، کیونکہ اس اخیر قول کو نقل کرکے اسے رد نہیں فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

قال اکثر المفسرین ہذا الاخیر ھو الحق ویدل علیہ وجوہ۔ (کبیر)

۳۶ (کیونکہ ضروری کی تعلیم تو وحی سے ہو چکی، اس کے علاوہ جو کچھ ہے، غیر ضروری ہے)

فلا تمار ... ظاہرا۔ یعنی آپ وحی کے مطابق نفس قصّہ تو بیان کردیجئے باقی اس کے آگے بحث و مباحثوں میں نہ پڑیئے ___ آیت سے یہ بھی ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی، جن بحثوں سے نہ کسی اصول و قواعد دین کا تعلق ہو، اور نہ جن کے اوپر عقائد، اعمال، اخلاق میں سے کسی شے کا دار مدار ہو، ان میں زیادہ الجھنا اور برابر ان کے درپے رہنا، وقت کا ضائع کرنا ہے۔

ما یعلمہم الا قلیل۔ اور عبداللہ بن عباسؓ صحابی و ترجمان القرآن سے منقول ہے کہ ان ہی قلیل اشخاص میں وہ بھی ہیں۔

وکان ابن عباس یقول انا من اولئک العدد القلیل (کبیر)

قال قتادۃ قال ابن عباس انا من القلیل الذی استثنی اللہ عزوجل۔ (ابن کثیر)

ایسے اشخاص کی تعداد سات نقل ہوئی ہے۔

وقال ابن جریر حدثنا ... عن ابن عباس انا من القلیل کانوا سبعۃ فہذہ اسانید

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ز

اور آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہا کیجیے کہ میں اسے کل کر دوں گا سوا اس (صورت) کے کہ اللہ بھی چاہے ۳۸ھ

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ

اور اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کیجیے جب آپ بھول جائیے اور آپ کہہ دیجیے کہ عجب نہیں جو میرا پروردگار مجھے

مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

بہ اعتبار رہنمائی کے اس سے بھی قریب تر (بات) بتا ئے ۳۹ھ

صحیحۃ الی ابن عباس انهم کانوا سبعۃ۔ (ابن کثیر)

۳۷ھ منهم۔ ضمیر هم اہلِ کتاب کی جانب سمجھی گئی ہے۔

من اهل الکتاب۔ (معالم)

وقیل الضمائر لنصاری نجران۔ (روح)

فیهم۔ یعنی ان اصحاب کہف سے متعلق، ان کے عدد وغیرہ کی تحقیق سے متعلق۔

آیت سے ایک عام اصول بھی، اہلِ کتاب سے مسائل کی تحقیق سے باز رہنے کا ہاتھ آجاتا ہے۔

وفی هذا دلیل علی منع المسلمین من مراجعۃ اهل الکتاب فی شیء من العلم۔ (قرطبی)

۳۸ھ یعنی آپ سے جب کوئی شخص کوئی بات جواب طلب دریافت کرے اور آپ اس سے آئندہ جواب کا وعدہ کریں، تو لفظ ان شاء اللہ تعالیٰ یا کوئی اور لفظ اس کے مرادف ضرور کہہ دیا کریں۔ اور ایک وعدہ ہی کی تخصیص نہیں، اس کا لحاظ ہر امر میں رکھیں۔

آیت کی شانِ نزول یا آج کل کی اصطلاح میں پس منظر یہ ہے کہ ایک بار منکرین نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات بہ طور امتحان دریافت کیے، ایک یہ کہ ماہیت روح کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ اصحاب کہف کون تھے؟ تیسرے یہ کہ ذوالقرنین کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے وحی الٰہی کے بھروسہ پر وعدہ کر لیا کہ کل جواب دوں گا۔ اتفاق سے وحی ۱۵ دن تک نہ آئی آپ کو قدرۃً غم و صدمہ رہا۔ اس کے بعد وحی سے سوالات کے جوابات بھی ملے اور یہ حکم بھی۔

لشیء۔ شیء تنوین کے ساتھ نکرہ ہے، مفہوم عموم اور استغراق کے لیے، گویا یہ بتا دیا کہ اپنے چھوٹے بڑے ہر ارادہ کو ارادۂ الٰہی پر معلق اور اس سے وابستہ رکھیے۔

اس چھوٹی سی تعلیم سے ایک طرف تو رد نکل آیا معتزلہ کا جو بندہ کو بعض افعال کا خالق و موجد قرار دیتے ہیں، اور دوسری طرف جبریہ کا جو بندہ کو بے اختیار اور مجبور محض مانتے ہیں۔

صحیح مسلکِ اہلِ سنت کا یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال پر قادر تو ہے لیکن مشیت الٰہی کے بعد اور اسکے ماتحت۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴿۲۵﴾

اور وہ (لوگ) اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اور رہے۔ ۵۴۰

غداً ۔ غد سے مراد مطلق زمانۂ مستقبل ہے، نہ کہ متعین ومخصوص کل ہی کا دن۔

ای فیما یستقبل من الزمان ولم یرد الغد خاصۃ (کشاف)

(ای فی ما یستقبل من الزمان مطلقاً (روح)

ولم یرد الغد خاصۃ (مدارک)

الا ان یشاء اللہ ۔ اِلّا حرفِ استثناء ہے تقدیرِ کلام یوں ہے الا ان تقول ان شاء اللہ۔ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ یہاں قول کے لئے زبانی تلفظ شرط نہیں، اس لئے کہ مسئلہ اعتقادیات سے متعلق ہے، اور اعتقادیات میں محض تصدیقِ قلبی کافی ہے۔

۵۳۹ یعنی میری نبوت پر دلیل بننے کے اعتبار سے کوئی بات اس سے بھی بڑھ کر بتلائے۔ منکروں نے یہ قصۂ اصحابِ کہف سے متعلق سوال کرکے اپنے نزدیک کوئی بہت بڑا امتحان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا لے ڈالا تھا۔ آپ کو یہ کہنے کی ہدایت ہورہی ہے، کہ میں تو اپنی نبوت پر دلائل خدا کے فضل سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر رکھتا ہوں۔

معناہ لعل اللہ یوتینی من البینات والدلائل علی صحۃ انی نبی ما ھو اعظم فی الدلالۃ واقرب رشداً من نباء اصحاب الکھف (کبیر)

ای اظھر دلالۃ علی انی نبی من نبأ اصحاب الکھف ۔ (بیضاوی)

واذکر ربک ۔ یعنی جیسے ہی خیال آجائے اور تنبہ ہوجائے مشیت الٰہی کا استحضار کرلیا کیجئے۔

واذکر ربک ای مشیئۃ ربک (مدارک)

۵۴۰ یعنی حسابِ شمسی مسیحی رکھو تو پورے ۳۰۰ سال، اور حسابِ قمری اسلامی رکھو تو ۳۰۹ سال۔ اکابر سلف سے بھی یہی سہل تفسیر مروی ہے، بلکہ ایک روایت میں خود حضرت علیؓ سے۔

حکی النقاش انھا ثلثمائۃ شمسیۃ ولما کان الخطاب للعرب زیدت التسع اذ حساب العرب ھو بالقمر لاتفاق الحسابین (بحر)

روی عن علیؓ انہ قال عند اھل الکتاب انھم لبثوا ثلثمائۃ شمسیۃ واللہ تعالیٰ ذکر ثلثمائۃ قمریۃ (معالم)

کان مقدارہ ثلثمائۃ سنۃ تزید تسع سنین بالھلالیۃ وھی ثلثمائۃ سنۃ بالشمسیۃ فان تفاوت مابین کل مائۃ سنۃ بالقمریۃ الی الشمسیۃ ثلاث سنین (ابن کثیر)

فالثلاثمائۃ الشمسیۃ ثلاثمائۃ وتسع قمریۃ ۔ (جلالین)

قیل ھو الاشارۃ الی انھا ثلثمائۃ بحساب اھل الکتاب واعتبار السنۃ الشمسیۃ

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کتنا رہے اسی کے لئے (علم) غیب آسمانوں اور زمین کا ہے ۵۴۱

وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ؗ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ

وہ کیسا کچھ دیکھنے والا ہے اور کیسا کچھ سننے والا! ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی کارساز نہیں اور وہ نہ اپنے حکم میں کسی کو

اَحَدًا (۲۶) وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ؕ لَا مُبَدِّلَ

شریک کرتا ہے۔ ۵۴۲ اور آپ پڑھ دیا کیجئے جو کچھ وحی آپ پر آپ کے پروردگار کی کتاب کے ذریعہ سے آئی ہے۔

لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا (۲۷)

کوئی بدل اس کی باتوں کا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ آپ اس کے سوا کوئی پناہ ہی پائیں گے ۵۴۳

و ثلثمائة وتسع بحساب العرب واعتبار السنة القمرية وقد نقله بعضهم عن علی (روح)

قدیم مسیحی روایتوں اور نوشتوں میں یہ مدت ۳۰۷ سال درج ہے۔ اور بعض نسخوں میں ۳۵۳ سال۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

غار نشینی کا زمانہ اگر (قول اکثر کے مطابق) ۲۴۹ء فرض کیا جائے تو اس پر ۳۰۰ سال شمسی اضافہ کرنے سے ۵۴۹ء برآمد ہوتے ہیں یعنی میلاد رسول ﷺ (۵۷۰ء) سے ۲۱ سال اور ہجرت نبوی (۶۲۲ء) سے تقریباً ۷۳ سال قبل۔

لبثوا فی کھفھم۔ سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ ظالموں سے فرار کر جانا جائز ہے، بلکہ اولیاء وانبیاء کے معمولات میں سے ہے۔

فیہ جواز الفرار من الظالم وھی سنة الانبیاء والاولیاء (ابن العربی)

۵۴۱ یعنی مخلوق کے اعتبار سے جو کچھ بھی غیب ہے سب کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے ـــــ ایک اسی واقعۂ مدت خواب اصحاب کہف پر کیا موقوف ہے اُس پر تو ہر چھوٹا بڑا واقعہ روشن ہے۔

اللہ اعلم۔ صحیح علم اللہ ہی کو، اور جب اس نے یہ مدت قطعی طور سے بتا دی تو اب کسی چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں۔

۵۴۲ (کہ وہ شریک مشورہ ہی ہو کر کسی کی نفع رسانی یا ضرر رسانی کی رائے دے سکے۔)

خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ کا نہ کوئی مزاحم ہو سکتا ہے، نہ کوئی شریک کار ـــــ شرک کی جڑ ہر طرح کٹ کر رہتی ہے۔

ابصر بہ واسمع۔ کلمۂ حیرت ہے یعنی وہ کیسا کچھ ان لوگوں اور ان کے حالات کا دیکھنے والا ہے

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

اور آپ اپنے کو مقید رکھا کیجئے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں صبح و شام محض اسکی

يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ

رضا جوئی کے لئے ۴۴ھ اور آپ کی دونوں آنکھیں ان سے نہ ہٹنے پائیں، دنیوی زندگی کی رونق کے خیال

جاننے والا ہے!

ما ابصرہ واعلمہ بہم وشانہم (ابن عباس)

ھذہ کلمۃ تذکر فی التعجب والمعنی ما ابصرہ واسمعہ۔ (کبیر)

مالھم۔ میں ضمیر ھم اہل السماوات والارض کی جانب ہے۔

ای لاھل السمٰوٰت والارض المدلول علیہ بذکرھما۔ (روح)

۴۳ھ (اگر بفرض محال مخالفین کی آپؐ نے ایسی دلجوئی کرنا چاہی کہ احکام الٰہی ہی ترک ہوگئے) حاصل یہ کہ رؤساء کفار کی طرف سے آپ پورا استغناء برتئے۔

واتل.... ربك۔ یعنی وحی الٰہی کی تبلیغ تو آپؐ پر فرض ہے لیکن اس سے آگے بڑھ کر اس فکر اور وہم میں نہ پڑیئے کہ مخالفین کی دلجوئی اگر نہ کی گئی، تو دین کی اشاعت و ترقی کیونکر ہوگی۔

امام رازیؒ نے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ آپؐ وحی کی تعلیم اور اس پر عمل میں لگے رہئے، اور منکروں معاندوں کے طنز و تشنیع کی طرف التفات ہی نہ کیجئے۔

جعل الاصل فی ھذا الباب شیئا واحدا وھو ان یواظب علی تلاوۃ الکتاب الذی اوحاہ اللّٰہ الیہ وعلی العمل بہ وان لایلتفت الی اقتراح المقترحین وتعنت المتعنتین (کبیر)

لامبدل لکلماتہ۔ اور اسی لئے کسی مخالف معاند کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ اللہ نے جو وعدے کر رکھے ہیں، انھیں وہ پورے ہونے سے روک دے۔

کلمات۔ کے تحت میں اللہ کے وعدے شامل ہیں۔

قیل لامغیر لما وعد بکلماتہ۔ (معالم)

ملتحدا۔ کے معنی جائے پناہ کے ہیں۔

اتفقوا علی ان الملتحد ھو الملجاء (کبیر)

ملجاء وقیل موئلا۔ (قرطبی)

۴۴ھ (نہ کہ کسی دنیوی غرض باطل سے)

وجھہ۔ وجہ یہاں طاعت و رضا کے معنی میں ہے۔

ای طاعتہ (قرطبی) ای رضاہ۔ (روح)

الدُّنْیَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

سے۔ اور اس شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور وہ اپنی خواہش

وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے[۴۵]

وصف ان مومنین کے اخلاص کامل کا بیان ہو رہا ہے۔

بالغدٰوۃ والعشی۔ یعنی علی الدوام۔ دو وقتوں میں حصر مقصود نہیں۔

المراد کونھم مواظبین علی ھذا العمل فی کل الاوقات۔ (کبیر)

شاع استعمال مثل ھذہ العبارۃ للدوام۔ (روح)

۴۵ (خواہش نفس کی پیروی میں۔ اور وہ بدنصیب بندہ جو راہ اعتدال و توازن کو چھوڑ کر افراط یا تفریط کا شکار رہتا ہے۔)

ولا تعد عینٰك عنھم۔ محاورہ میں اس سے مراد بے توجہی، بے اعتنائی کرتے سے ہے۔

ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوش وانہماک تبلیغ میں قدرۃً اس کی فکر زیادہ رہا کرتی تھی کہ رؤسائے قریش میں سے کوئی ایمان لے آئے تو اُمّت کے جمال و کمال میں نمایاں اضافہ ہو جائے۔ آیت میں اشارہ اس جانب ہے کہ اُمّت کا جمال و کمال اس ظاہری ساز و سامان دنیوی اور مال و جاہ مادی سے نہیں، بلکہ وہ اخلاص و اطاعت کاملہ سے ہے، خواہ ان کے وجود کا تحقق فقراء و غرباء عوام الناس ہی میں ہو۔

ولا تطع۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے، اس لئے اتباع فسّاق حرام ہے۔

ھواہ۔ چاہئے تو یہ تھا طلب کرنا رضائے الٰہی کو، اس کے بجائے یہ بدنصیب خواہش نفس کی پیروی کرنے لگا۔

رسول اللہ کی طرف تو اس کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ آپؐ کی آنکھیں مال و منال کی طرف جائیں گی۔ ہو سکتا ہے بر بنائے احتیاط بہ مفروضہ اسی قسم کا ہو، جیسے آپؐ کو شرک تک سے روکا گیا ہے۔

لئن اشرکت لیحبطن عملك (سورہ زمر-۶۵)

من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا۔ عناد ارادی کا وبال یہ پڑتا ہے کہ حق کے لئے قلب میں کوئی طلب باقی نہیں رہ جاتی اور اسی سزا کو تکوینی طور پر اپنی جانب بہ حیثیت مسبب الاسباب کے منسوب فرما دیا گیا ہے ——— آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اطمینان فکر اور ذکر الٰہی کا محل قلب ہے۔

اہل طریق نے آیت کے اس ٹکڑے سے یہ استنباط کیا ہے کہ مشائخ کو نہ چاہئے کہ دنیا کے طلبگار مریدوں سے زیادہ خلا ملا رکھیں یا ان کی طرف زیادہ التفات کریں، ورنہ ان کی صحبت کے اثر سے اندیشہ

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ

اور آپ کہہ دیجئے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ سو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے ۴۶

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا

ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے اس کی قناتیں ان کو گھیرے ہوں گی، اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی

يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ

فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، چہروں کو بھون ڈالے گا کیسا بُرا ہوگا وہ پانی۔

وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

اور کیسی بُری ہوگی وہ جگہ! ۴۷

ہے کہ خود اپنے مقام سے نیچے گر جائیں۔

تریدُ زینۃ الحیٰوۃ الدنیا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اغنیاء کی طرف ایسا میل و تواضع جس کی بنیاد ان کا غنا ہو، آیت اس کی مذمت میں ہے۔

آیت آج کل کے بہت سے "مصلحین" کے لئے قابلِ غور ہے۔ آج ہر "اصلاح" پر زور (خواہ وہ عقائد سے متعلق ہو یا اعمال سے) سب سے زیادہ اسی پہلو سے دیا جاتا ہے کہ اس سے مسلمانوں کی مالی و معاشی حیثیت چمک جائے گی، یا اس سے مسلمان سیاسی اقتدار حاصل کرلیں گے وقس علیٰ ہٰذا۔ غرض مقصود و مطلوب ہر "اصلاح" سے کسی نہ کسی پہلو اور اعتبار سے یہی دنیا اور اس کی سربلندیاں ہی رکھی جاتی ہیں ـــــ تعلیم قرآنی اس ذوق فاسد سے کس درجہ اِبا کرتی ہے۔ یہاں تو حکم یہ مل رہا ہے کہ جن لوگوں کے پیش نظر یہی دنیوی زندگی اور اس کی چمک دمک ہے اور جن کے قلب و دماغ یادِ الٰہی اور ذکرِ آخرت سے خالی ہیں، اور اپنی ہی خواہش نفس، اپنی ہی اسکیمیں اور منصوبہ بندیاں ان کے پیش نظر رہتی ہیں۔ غرض یہ کہ جن کے دل و دماغ کے کاروبار کا سارا دھندا اسی مادی زندگی کے فروغ کے بل پر رہتا ہے، اور جن کا محورِ فکر، محورِ عمل یہی دنیوی زندگی ہے، ایسوں کی طرف کسی مسلمان کو رُخ ہی نہ کرنا چاہیئے۔ قرآن مجید پڑھنے والے اور اس پر ایمان رکھنے والے سارے لوگ سوچ لیں کہ یہ اشارے آج دنیا کی کن قوموں کی جانب ہیں؟ خواہ وہ یورپ کی ہوں یا امریکا کی، افریقہ کی ہوں یا ایشیا کی، کون اس "ترقی پسندی" کی شکار ہونے سے بچی ہوئی ہیں۔

۴۶ بندہ ہی کے اختیار میں ہدایت بھی ہے اور کفر کی ذمہ داری بھی بندہ ہی پر ہے۔ حق تعالیٰ مجبور کسی کو بھی نہیں کر رہا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کئے سو ہم اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جو عمل

عَمَلًا ﴿٣٠﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ

اچھے طور پر کرے ۴۸؎ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے ہمیشگی کے باغ ہیں ان کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ

ان کو اس میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز

سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ

پہنیں گے اس میں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے کیسا اچھا صلہ ہے

وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾ ع ۴ ۱۶

اور کیسی بہتر جگہ ہے۔ ۴۹؎

الحق من ربکم۔ یعنی حق تو اپنی ساری تابانی و وضاحت کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے آہی چکا ہے اور راہ ہدایت خوب اچھی طرح روشن ہو چکی ہے۔

فمن شاء۔ ومن شاء۔ ان صیغوں سے تخییر مراد نہیں، تہدید و وعید مراد ہے۔

نقل عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہ قال ھذہ الصیغۃ تھدید ووعید ولیست بتخییر۔ (کبیر)

وفیہ من التھدید واظھار الاستغناء عن متابعتھم التی وعد وھا فی طرد المؤمنین وعدم المبالاۃ بھم و بایمانھم وجودا وعدما مالا یخفی۔ (روح)

لیس ھذا بترخیص وتخییر بین الایمان والکفر وانما ھو وعید وتھدید۔ (قرطبی)

۴۷؎ حق کی تمام و کمال وضاحتوں کے بعد بھی جو ایمان نہ لائے گا اور کفر پر مصر رہے گا، وہ خود ہی اپنا خرابہ بلائے گا۔

للظلمین۔ ظلمین سے مراد سیاق میں کٹّے کافر ہیں۔

(ای للکافرین الجاحدین۔ (قرطبی)

احاط بھم سرادقھا۔ یعنی خود وہ قناتیں بھی آگ ہی کی ہوں گی۔

وان یستغیثوا۔ یہ فریاد شدّت تشنگی سے ہوگی۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ

اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے ۵۰؎ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ انگور کے دے رکھے تھے۔

وَّحَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ وَّجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعًا ﴿۳۲﴾ كِلۡتَا الۡجَـنَّتَيۡنِ

اور انہیں کھجور (کے درختوں) سے گھیر رکھا تھا اور ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی لگا رکھی تھی ۵۱؎ دونوں

اٰتَتۡ اُكُلَهَا وَلَمۡ تَظۡلِمۡ مِّنۡهُ شَيۡـئًا ۙ وَّفَجَّرۡنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾

باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے۔ اور کسی کی پیداوار میں ذرا کمی نہ رہتی، اور ہم نے ان دونوں کے درمیان

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ

ایک ندی جاری کر رکھی تھی اور اس (شخص) کے پاس (اور بھی) تمول تھا ۵۲؎

بماء کالمھل یشوی الوجوہ۔ کالمھل میں اس پانی کی صورت کی کراہت کا اور یشوی الوجوہ میں اس کے مزے کی تیزی اور گرمی کا بیان آگیا۔

۴۸؎ ہر انذاری اور تخویفی ذکر کے بعد ہی تبشیر اور تسلی کا بیان معمولات قرآنی میں سے ہے۔
امنوا اور عملوا الصّٰلحٰت کے درمیان واؤ عطف آنے سے استدلال یہ کیا گیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح دو چیزیں الگ الگ ہیں۔
یدل علی ان العمل الصالح مغایر للایمان لأن العطف یوجب المغایرۃ۔ (کبیر)
إنا۔۔۔عملا۔ مسلک اہل سنت میں یہ اللہ کی طرف سے وعدہ جزائے حسن عمل کا ہے۔
عند اصحابنا ذلك الاستیجاب حصل بحکم الوعد (کبیر)

۴۹؎ اہل دوزخ کی سختیوں اور ہولناکیوں کے مقابلہ میں اہل جنت کی عیش سامانیوں کا بیان ہو رہا ہے
اساور من ذھب۔ جنت میں جو دار العمل نہیں تمام تر دار الجزاء ہے، نہی شرعی اٹھ جانے کے بعد بہت سے دوسرے ممنوعات کی طرح زیور پوشی بھی رجال جنت کے لئے جائز ہو جائے گی۔ بالکل اس کا شمار اسباب زینت میں سے ہونے لگے گا۔ اور یہ زیور دیکھنے میں بہت بھلے معلوم ہوں گے۔ جیسا کہ آج بھی ان کا شمار اسباب زینت میں ہے، جہاں جہاں یہ عرف رائج ہیں۔
ثیابا خضرا۔ یہ رنگ لباس کی بہتری یہاں صرف بطور مثال بیان فرمائی گئی ہے حصر مقصود نہیں۔ چنانچہ قرآن ہی میں مطلق صورت میں بھی تو وعدہ موجود ہے کہ اہل جنت جو کچھ چاہیں گے پالیں گے۔
والظاھر ان لباسھم غیر منحصر فی ما ذکر اذ لھم فیھا ما تشتھی الأنفس وتلذ الأعین۔ (روح)

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا (۳۴)

سو اس نے اپنے (اسی) ساتھی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع میں بھی غالب ۵۳ ۔

یحلون ۔ یلبسون ۔ امام رازیؒ نے یہاں یہ سوال پیدا کیا ہے کہ ایک ہی آیت کے اندر یُحَلّون صیغۂ مجہول اور یلبسون صیغۂ معروف کیوں ہے؟ اور جواب یہ دیا ہے کہ یلبسون میں اشارہ اہل جنت کے اجر واجب کی طرف ہے اور یُحَلّون اس اجر واجب سے زائد یعنی اللہ کے فضل محض کو بتا رہا ہے۔

یحتمل ان یکون اللبس اشارۃ الی ما استوجبوہ بعملھم وان یکون الحلی اشارۃ الی ما تفضل اللہ علیھم ابتداء من زوائد الکرم۔ (کبیر)

۵۰ (دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی مقصودیت ظاہر کرنے کو)

رجلین ۔ ان دو شخصوں میں سے ایک ملحد بے دین تھا اور دوسرا موحد و دیندار۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۵۱ (لیکن یہ شخص تھا بدعقیدہ و بد دین)

انگور کا باغ ایک تو بجائے خود قیمتی، پھر ایک ہی نہیں، دو دو، اور پھر ان کے گرداگرد خرموں کی باڑ لگی ہوئی، اس سب پر مستزاد یہ کہ باغوں کے درمیان کی جگہ بیکار اور خالی پڑی ہوئی نہیں، بلکہ سرسبز و شاداب کھیتی سے لدی ہوئی ــــ عرب کے نقطۂ نظر سے آسودگی اور مرفہ حالی کا کامل و مکمل مرقع!۔

۵۲ باغ بھی ایسے کہ پوری پوری فصل دینے والے کسی میں کوئی نقصان اور کمی نہیں، اور پڑوس میں دریا، کھیتی کی سرسبزی اور باغ کی شادابی کے سامان ہر طرح کے بہ افراط ــــ اور عام دولتمندی اس پر مستزاد، مادی فراغت و خوش نصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔

ثمر ۔ ثمر کے معنی علاوہ اپنے مشہور معنی کے، دولت کے بھی ہیں۔

ویکنیٰ بہ عن المال المستفاد (راغب)

ومن المجاز الثمر انواع المال۔ (تاج)

اور یہی معنی یہاں مراد ہیں۔

ای انواع من المال من ثمر مالہ اذا کثرہ (کشاف)

عن مجاھد الذھب والفضۃ ای کان لہ مع الجنتین اشیاء من النقود (کبیر عن مجاھد)

یراد بھا الذھب والفضۃ خاصۃ (بحر عن مجاھد)

انواع المال کما فی القاموس وغیرہ (روح) فھو جمع الجمع ومعناہ اموال کثیرۃ من الذھب والفضۃ والحیوان وغیرھا۔ (روح)

ولم تظلم منہ شیئا ۔ اور اس کی پیداوار میں ذرا بھی کمی نہ رہتی۔

ای لم تنقص۔ (قرطبی)

۵۳ (درآنحالیکہ تو توحید کا قائل ہے اور اپنے کو اہلِ حق میں سے قرار دیتا ہے)

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ

اور وہ اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا ۵۴ (اور) بولا کہ میرا تو یہ خیال نہیں کہ

هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ

یہ (باغ) کبھی بھی برباد ہو ۵۵ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت (کبھی) آئے گی۔ اور اگر میں اپنے

اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ

پروردگار کے پاس پہنچایا گیا (بھی)

کہنے والے کا مطلب یہ ہے کہ میرا طریقہ اگر خلاف حق اور اللہ کے یہاں ناپسندیدہ ہوتا تو آج میں اس مرفہ حالی میں کیوں ہوتا؟ بلکہ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میرا مسلک صحیح اور تیرا مذہب غلط ہے۔

نفرا۔ یعنی جتھے اور مجمع کے لحاظ سے بھی۔

یعنی انصارًا وحشمًا وقیل اولادًا ذکورًا (کشاف)

النفر الرھط وھو ما دون العشرۃ واراد ھھنا الاتباع والخدم والولد۔ (قرطبی)

لصاحبہ۔ اس ملحد کا یہ رفیق موحد و دیندار تھا ــــ اس عالم ناسوت میں ملحد و مومن، فاسق و متقی، بہت جگہ ملے جلے ہی رہتے ہیں۔ ایک ہی بستی میں، ایک ہی محلہ میں یہاں تک کہ ایک ہی مکان میں۔

۵۴ (مع اپنے اسی دیندار ساتھی کے)

وھو ظالم لنفسہ۔ یعنی اپنے اوپر جرم کفر قائم کرتا ہوا۔

ای بکفرہ (قرطبی)

۵۵ غیر خدا پرست مادہ پرست کی نظر بس قریب کے اسباب طبیعی و مادی ہی تک محدود رہتی ہے۔ بقا، نشو و نما و ترقی کے ان ہی مادی و قریبی اسباب پر نظر کر کے بولا کہ اس جائداد کے اجڑنے اور ویران ہونے کے تو قطعاً آثار نہیں ــــ آج کی اونچی مہذب و متمدن قومیں سب اپنے تمدن و اقبال مندی سے متعلق اپنی جگہ یہی خوش خیالی قائم کئے ہوئے ہیں کہ یہ نہیں مٹ سکتے۔

بہ قول ایک فاضل محقق کے اس شخص نے توحید کے مسئلہ میں کلام کیا کہ تو جو صانع عالم کا اور اس کی قدرت وغیرہ کا قائل ہے، تو میں تو نہیں سمجھتا کہ اسباب طبیعیہ کو کوئی معطل کر سکے۔ اور اس باغ وغیرہ کا کارخانہ جس کی آبادی کے سارے اسباب جمع ہیں کہ نہر بھی ہے، کارکن بھی ہیں، خرچ کرنے کو مال بھی، اس مال کی حفاظت کا سامان بھی ہے کس طرح مختل و ویرانی کا ہو۔

تبید۔ بید کے معنی ہلاک ہونے کے ہیں۔

البید ودۃ الھلاک (بحر)

خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ

تو میں یقیناً اس (باغ) سے (بھی) بہتر جگہ پاؤں گا۵۶ (اس پر) اُس کا وہ ساتھی بولا اُس سے گفتگو کرتے

اَكَفَرْتَ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ

ہوئے کہ ارے! کیا تو کفر اس (ذات) کے ساتھ کرتا ہے۵۷ جس نے تجھے (پہلے) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے (تجھکو بنایا) پھر

رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّىْٓ اَحَدًا ﴿٣٨﴾

تجھے صحیح وسالم آدمی بنایا۵۸ لیکن میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ

اور تو جب اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ جو چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اور (کسی میں) کوئی قوت نہیں بجز اللہ

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ

(کی مدد) کے۵۹ (اور) اگر تو مجھے مال و اولاد میں کمتر دیکھتا ہے تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تیرے

۵۶ یعنی اول تو میں قائل ہی قیامت کا نہیں، یہ سب ڈھکوسلے ہیں، لیکن بالفرض اگر تیرے عقیدہ کے مطابق حشر ونشر برحق نکلا تو میں جس عیش وعشرت کی زندگی یہاں بسر کر رہا ہوں اس سے زیادہ چین و آرام میں وہاں رہوں گا۔

۵۷ (جیسا کہ تیری تقریر عقیدۂ توحید وقیامت کا انکار ظاہر کر رہی ہے۔)

صاحبہ۔ یعنی اس کا وہی دیندار موحد رفیق۔

یہ تقریر کر کے موحد نے دوستی، رفاقت وہواخواہی کا حق ادا کر دیا۔

۵۸ یعنی تیرے سب اعضاء اور قویٰ درست کئے، اور تجھے ترکیب صحیح کے ساتھ انسان بنا کر نمودار کیا ——— اس موحد نے اسباب طبعی ومادی سے کہیں بڑھ کر زور مسبب الاسباب پر دیا، اور اُسی کو اپنا تکیہ اور سہارا بنایا۔

خلقک من تراب۔ ہر انسان کا مادۂ بعید خاک ہی ہے، بہ واسطۂ آدم علیہ السلام۔

ثم من نطفۃ۔ ہر انسان کا مادۂ قریب نطفۂ پدری ہے، بہ واسطۂ رحم مادر۔

۵۹ (کہ جس کسی مخلوق میں کچھ بھی قوت ہے اسی کے سہارے ہے)

باللہ۔ ب باء الاستعانۃ ہے۔

ای لا قوۃ لاحد علی امر من الامور الا باعانۃ اللہ۔ (کبیر)

يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ

باغ سے بہتر دے دے ۔ ۶۰ اور اس پر آسمان سے کوئی تقدیری مصیبت اتارے ۔

فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾

جس سے صبح (باغ) ایک چٹیل میدان ہو کر رہ جائے ۔ ۶۱

ھو اللّٰہ ربی ۔ ضمیر ھو سے اشارہ اللہ کی جانب ہے ۔

بمعنی لکن الامر ھو اللّٰہ ربی ۔ (قرطبی عن الکسائی) ھو ضمیر القصۃ والشان والامر ۔ (قرطبی)

موحد کی تقریر کا پہلا حصہ نفس توحید پر تھا ۔ اور اب اس کلیہ کی ایک فرع پر گفتگو ہے ــــــ اسباب ظاہری و مادی میں بجائے خود ذرا بھی قوت نہیں ۔ ان سے جو کچھ ظہور میں آتا ہے محض فاعل حقیقی کی قوت واثر ہے ۔

ولو .... شاء اللّٰہ ۔ یعنی تیرے یا میرے یا کسی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے ۔ اللہ ہی جب تک چاہے گا یہ باغ بھی قائم رہے گا ۔ اور جب وہی چاہے گا تو یہ ویران ہو جائے گا ، اسباب طبعی سارے کے سارے اس کی مشیت کے ماتحت ہیں نہ کہ اس سے آزاد و مستغنی ۔

لا قوۃ الا باللّٰہ ۔ چنانچہ یہ باغ بھی اسی کی بخشی ہوئی قوت سے تیار ہوا ہے نہ کہ کسی اور کے زور و قوت سے ۔

(ای ھذا بقوۃ اللّٰہ لا بقوتی ۔ (ابن عباسؓ)

متکلمین نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ نے جو کچھ چاہا وہ واقع ہو گیا اور جو کچھ اس نے نہ چاہا وہ واقع نہ ہوا ۔

واحتج اصحابنا بھذا علی ان کل ما اراد اللّٰہ وقع وکل ما لم یردہ لم یقع ۔ (کبیر)

۶۰ (خواہ اسی دنیا میں خواہ آخرت میں)

خیرًا ۔ خیر کے اندر ہر قسم کا سامان عیش و راحت آ گیا ۔

ان .... ولدًا ۔ یہ فقرہ ملحد کی جس تقریر کے جواب میں ہے وہ دو آیتیں قبل ابھی اوپر گزر چکی ۔ انا اکثر منک مالا واعز نفرًا ۔

۶۱ یعنی بالکل اجڑ جائے ۔

علیھا ۔ یعنی تیرے اسی باغ پر ۔

ای علی جنتک ۔ (قرطبی)

حسبانًا ۔ حسبان یعنی ایسی مصیبت جو حکم غیبی سے بلا توسط اسباب طبعی ہو ، مصیبت تقدیری ۔

بمعنی الحساب ای مقدرًا قدرہ اللّٰہ (کشاف ۔ کبیر)

ای عذابا کما اخرجہ ابن جریر عن ابن عباس (روح)

اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَ اُحِیْطَ

یا اس سے اس کا پانی بالکل اندر اتر جائے، پھر تو اس کی کوشش بھی نہ کرسکے ۶۲ اور اس (بددین) کی

بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِیْهَا وَ هِیَ خَاوِیَةٌ

دولت کو (آفت نے) گھیر لیا پس وہ اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر کہ جو کچھ اس نے اس (باغ) پر خرچ کیا تھا

عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

اور وہ (باغ) اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا، اور وہ (بددین) کہنے لگا کاش میں اپنے پروردگار کیساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔ ۶۳

اور مقصود اس سے جزائے افعال و پاداش اعمال ہو۔

وانما هو فی الحقیقة ما یحاسب علیه فیجازی بحسبه (راغب)

وذالك الحسبان حساب ما كسبت یداك۔ (جمل عن الزجاج)

۶۲ (چہ جائیکہ اسے حاصل کرسکے)

یعنی پڑوس کی جس ندی پر تجھے بڑا ناز ہے خود اسی کا پانی بالکل خشک ہوجائے اور باغ و کاشت سب کا ستیاناس ہوجائے۔ ـــــ اسباب طبعی و مادی جتنے بھی ہوتے ہیں سب ایسے ہی ناپائیدار و ناقابل اعتبار ہوتے ہیں۔

۶۳ یہ قول ندامت ضرور محسوس و مادی کی بنا پر تھا۔ اس سے عقیدۂ کفر پر ندامت لازم نہیں آتی۔ اور اس حسرت و ندامت سے بھی مقصود تمام تر دنیا ہی تھی اس لیے یہ قول نجات کے لئے کافی نہیں ہوا۔

انما رغب فی التوحید والردع عن الشرك لاجل طلب الدنیا فلهذا السبب ما صار توحیده مقبولا عند الله۔ (کبیر)

واحیط بثمره۔ یعنی اس کے سارے مال و دولت کو آفت نے گھیر لیا۔

ای اهلك ماله كله۔ (قرطبی)

عبارة عن اهلاكه۔ (کشاف)

یقلب كفیه۔ محاورہ میں تقلب کفین سے مراد حسرت و ندامت ہوتی ہے۔

تقلیب الكفین كنایة عن الندم والتحسر (کشاف)

وهو كنایة عن الندم والحسرة (کبیر)

لم اشرك بربی احدا۔ یعنی میری حماقت کہ میں نصرت و نفع رسانی پر خدائے واحد کے سوا بھی کسی قادر سمجھتا رہا!

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ

اور کوئی جتھا اس کے ساتھ نہ ہوا کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ (ہم سے) بدلہ

مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا

لے سکا ۶۴ ایسے موقعوں پر کارسازی اللہ برحق ہی کا کام ہے۔ اسی کا ثواب سب سے

۱۷ع ۱۳ ۵

وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ ع

بہتر اور (اسی کا) نتیجہ سب سے بہتر ۶۵

۶۴ اپنے جس مجمع اور جتھے پر اسے ناز تھا، اور وہ فخر کے ساتھ کہتا تھا۔ انا اکثر منک مالا و اعز نفرا۔ اس کی حقیقت وبساط اس نے یہیں اسی دنیا میں دیکھ لی! رب العالمین کی مشیت و ارادہ کے راہ میں کوئی بھی حائل نہ ہو سکا۔

ینصرونہ۔ منتصرا۔ منتصر کے معنی بچا لینے والے کے بھی ہیں۔ اور ینصرونہ سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اُسے بچا لیتے۔

ینصرونہ ای یمنعونہ من عذاب اللہ وما کان منتصرا ای ممتنعا من عذاب اللہ (ابن جریر عن قتادۃ)

مطلب یہ ہوا کہ بجز اللہ کے کوئی بھی نصرت پر قادر نہیں ہے نصرت صرف اسی کی ہے۔

ای ھو اللہ تعالیٰ وحدہ القادر علی نصرتہ ولا یقدر احد غیرہ ان ینصرہ (کبیر)

۶۵ یعنی اللہ ہی کی مدد دنیا و عقبیٰ دونوں جگہ کام آتی ہے۔ اور اس کے مقبولوں کا کوئی ظاہری نقصان ہونا بھی ہے تو اس کا ثمرہ نیک مل کر رہتا ہے۔

الولایۃ۔ وَلایۃ۔ (بالفتح) کے معنی کارسازی و انصرام امور کے ہیں اور وِلایۃ (بالکسر) کے معنی مدد و نصرت کے۔

الوِلایۃ النصرۃ والوَلایۃ تولی الامر۔ (راغب)

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کارسازی کے معنی میں مرادف ہیں۔

قیل الولایۃ والولایۃ وحقیقتہ تولی الامر۔ (راغب)

ابن جریر نے کہا ہے کہ بصرہ اور کوفہ و مدینہ کے بعض قاریوں کی زبان پر وَلایۃ (بالفتح) ہے جس کے معنی دوستی یا مدد کے ہیں اور کوفہ کے عام قاریوں کی قرأۃ وِلایۃ (بالکسر) ہے جس کے معنی حکومت یا غلبہ کے ہیں۔

ھو ... عقبا۔ انجام بدغیر اولیاء اللہ ہی کا ہوتا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان کیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ

برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہو۔ ۶۶ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ ہوا

اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ

سے اُڑائے اُڑائے پھرے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ۶۷ مال اور اولاد دنیوی زندگی کی ایک

الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ

رونق ہیں اور باقی رہ جانے والے اعمال صالحہ آپ کے پروردگار کے ہاں ثواب کے اعتبار سے بھی کہیں

اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ

بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی کہیں بہتر۔ ۶۸ اور وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہم پہاڑوں کو ہٹا دیں گے

ای عاقبة لأولیائه (روح)

ای لأولیائه۔ (کشاف)

۶۶ (اور خوب سرسبز و شاداب)
دنیا کے مال و جاہ کے حقیر، فانی اور بے حقیقت ہونے پر ایک تمثیل ابھی اوپر گزر چکی، مذاق و فہم عرب کے خاص طور پر موافق، اور دوسری تمثیل اب بیان ہو رہی ہے۔

کماء۔ ک حرف تشبیہ ہے اس کا تعلق محض لفظ ماء سے نہیں، بلکہ آگے کی پوری عبارت سے ہے۔

۶۷ ایجاد و اعدام، ابقاء و افناء سب پر یکساں قادر۔ جب اور جیسے چاہے ہست سے نیست کردے۔ اور نیستی سے ہستی میں لے آئے۔

کماء۔۔۔۔ الریح۔ سو یہی حال دنیا کا بھی ہے ابھی ہری بھری نظر آرہی ہے اور ابھی ہلاک و برباد ہو کر رہے گی۔

۶۸ نفس اعمال تو ظاہر ہے کہ آنی و فانی بلکہ سریع الفنا چیزیں ہیں لیکن ہر عمل خیر و شر سے جو اثر انسان پر مرتب ہوتا ہے اس کا نام ثواب و عذاب ہے، اور وہ ایک دائمی اور ثابت و قائم رہ جانے والی حقیقت ہے اور چونکہ ثواب و عذاب کا رشتہ اعمال کے ساتھ غیر منفک ہے اس لئے مجازاً اعمال صالحہ ہی کو باقیات ارشاد فرما دیا گیا ہے۔

وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾

اور تو زمین کو دیکھے گا کہ کھلا میدان ہے ۶۹ اور ہم ان (سب) کو جمع کر دیں گے اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔ ۷۰

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ

اور وہ تیرے پروردگار کے روبرو برابر کھڑے کر کے پیش کئے جائیں گے۔ آخر تم ہمارے ہی پاس آئے جیسا کہ

لما کانت الاعمال اسبابا فی الثواب والعقاب وکان الثواب والعقاب دائمین لاینقطعان ویاقیین لایفنیان وصفت الاعمال بالبقاء حملا مجازیا علیها (ابن العربی)

زینۃ۔ زینۃ۔ خود تو مصدر ہے، یہاں مراد ہے سامان زینت۔ زور و تاکید کے ساتھ اسے صیغۂ مصدر میں لایا گیا ہے۔

والزینۃ مصدر اطلق علی مایتزین بہ للمبالغۃ۔ (روح)

الباقیات الصّٰلحٰت۔ محققین نے کہا کہ ہر وہ عمل یا قول جو معرفت الٰہی یا محبت الٰہی یا طاعت الٰہی کی طرف لے جانے والا ہو، وہ اسی باقیات صالحات کی فہرست میں داخل ہے۔

کل عمل وقول دعاک الی الاشتغال بمعرفۃ اللہ وبمحبۃ وخدمتہ فھو الباقیات الصالحات (کبیر)

عن قتادۃ کل ما ارید بہ وجہ اللہ۔ (بحر)

زینۃ الحیوۃ الدنیا۔ یعنی مال و اولاد اسی دنیوی زندگی کی بہار اور اس کا ایک ضمیمہ ہیں تو جب دنیا ہی کو ثبات نہیں، تو اس کے تابع و ضمیمہ کی بے ثباتی تو اور بڑھ کر ہوگی۔

یہ مال و اولاد کو تحقیراً محض زینت حیات دنیوی کہنا خود ان کے مال و اولاد ہونے کے اعتبار سے ہے لیکن اگر انھیں امانت الٰہی سمجھ کر ان ہی کو خدا پرستی اور دین طلبی کا ذریعہ بنا لیا جائے اور ان سے طاعت الٰہی و خدمت دین کا کام لیا جانے لگے۔ تو یہی مال و اولاد مقصود و مطلوب بن جاتے ہیں۔ اور ان کا شمار بھی عین باقیات صالحات میں ہونے لگتا ہے۔

محققین عارفین نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ چونکہ خود باقی اور قائم اور لایزال ہے اس کی رضا و طاعت کے لئے جو کام بھی کیا جاتا ہے، وہ خود بھی حیات ابدی حاصل کر لیتا ہے۔ اور مخلوق چونکہ خود فانی ہے اس لئے رضائے مخلوق والے سارے کام خود بھی زود فنا ہوتے ہیں۔

۶۹ یعنی پہاڑ، دریا، ٹیلے، عمارتیں، درخت سب ناپید ہو چکے ہوں گے ـــــ منظر کشی حشر کی ہو رہی ہے۔ نفخۂ ثانی کے بعد کی۔

۷۰ یعنی سارے کے سارے انسان بلا استثناء، قبروں سے اٹھا اٹھا کر میدان حشر میں لا جمع کئے جائیں گے۔ وہی حشر کی منظر کشی دوسرے پہلو سے۔

مَرَّةٍۢ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ

ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا لیکن تم تو یہ خیال کرتے رہے کہ ہم تمہارے لئے وقت موعود نہ لائیں گے! ۷۱ اور نامۂ عمل

فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ

رکھ دیا جائے گا، سو تو مجرموں کو دیکھے گا کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہے اس سے ڈر رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری

هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَ

کمبختی یہ نامۂ اعمال کیسا (عجیب) ہے کہ اس نے (کوئی گناہ) نہ چھوٹا چھوڑا نہ بڑا بلغیر اس کو درج کئے ہوئے ۷۲

وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع ۶ ۱۸

اور انہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا اُسے وہ (لکھا ہوا) موجود پائیں گے اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ ۷۳

ھم سے مراد آیت میں دونوں جگہ نوع انسانی ای الناس ہے۔

۷۱ (اور تم باوجود اپنی خلق اول کے علم ویقین کے اپنی خلق ثانی کے معتقد وقائل نہ ہوئے) یہ سب کچھ منکروں، ملحدوں سے خطاب کرکے ارشاد ہوگا۔

والخطاب للكفار المنكرين البعث على سبيل تقريعهم وتوبيخهم۔ (بحر)

لقد.... مرة۔ یعنی آئے بھی تو مال، جاہ، اولاد اور اپنی ہر اس چیز سے خالی ہاتھ ہو کر جس پر دنیا میں فخر وناز کیا کرتے تھے۔

بل۔ کا ترجمہ "بلکہ" اور "لیکن" دونوں سے ہو سکتا ہے۔

بل للاضراب بمعنى الانتقال من خبر الى خبر (بحر)

۷۲ منکروں کے حق میں منظر حشر کی یہ کس درجہ مؤثر و پرحسرت تصویر ہے!

صغيرة ولا كبيرة۔ یعنی کوئی بھی معصیت چھوٹی سی چھوٹی یا بڑی سی بڑی ایسی نہیں جو اس میں درج نہ ہو۔

اى لا يترك شيئا من المعاصى سواء كانت صغيرة او كبيرة الا وهى مذكورة فى هذا الكتاب (کبیر)

۷۳ (کہ کسی کی ادنی سی نیکی بھی لکھنے سے رہ جائے، یا حقیر سی بدی بھی کسی کے نامۂ اعمال میں بڑھا دی جائے۔)

ووجدوا ما عملوا حاضرا۔ بعض اہل کشف نے لکھا ہے کہ یہ اعمال صرف لکھی ہوئی صورت میں نہیں، بلکہ اپنی اصلی صورت میں پیش ہوں گے یعنی ہر عامل اپنے کو بعینہ وہی عمل کرتا ہوا پائے گا،

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ ۵۷۴

اور (وہ دن یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے لئے جھکو، سو وہ جھکے البتہ ابلیس۔ (نہ جھکا)

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ

وہ جنات میں سے تھا سو اپنے پروردگار کے حکم سے نافرمانی کر بیٹھا۵۷۵

جو اس نے دنیا میں کیا تھا ــــ اصل حقیقت یہ ہو یا نہ ہو بہر حال اس میں استبعاد ذرا سا بھی نہیں۔ اکبر الٰہ آبادی جو ایک عظیم شاعر ہونے کے ساتھ ہی اپنے وقت کے عارف بھی تھے، فرماتے تھے کہ جب حشر میں ماضی کے اعادہ کا حکم ہوگا، تو وقت ماضی جب از سرِ نو آئے گا، تو اپنے کو مظروفات سے خالی کر کے کیسے آئے گا۔ جو کچھ بھی واقعات گزرے ہیں وقت وزمان کے ظرف ہی میں تو گزرے ہیں۔ وقت جب واپس آئے گا تو اپنے سارے مظروفات کو اپنے جلو میں ساتھ لئے ہی آئے گا۔

یٰویلتنا۔ ویل جب واویلتاہ کی صورت میں آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ ہائے ہماری کیسی رسوائی ہوئی!

اذا قال الفاعل واویلتاہ فانما یعنی وافضیحتاہ۔ (لسان)

۵۷۴ الملٰئکۃ۔ اسجدوا لآدم۔ ابلیس۔ اور سارے واقعۂ آدمؑ وابلیس پر حاشیے سورۂ بقرہ آیت ۳۴ اور سورۂ اعراف آیت ۱۱ دونوں میں گزر چکے۔

۵۷۵ (جیسا کہ ایک جنّی سے مستبعد بھی نہیں)

کان من الجن۔ اس میں صراحت کے ساتھ تردید ہے اس یہودی اور نصرانی عقیدہ کی کہ ابلیس کا شمار فرشتوں میں تھا ــــ اور حیرت ہے کہ قرآن مجید کی اتنی واضح تصریح کے بعد بھی ہزاروں پڑھے لکھے مسلمان اب تک ابلیس کو فرشتہ ہی سمجھے جا رہے ہیں!! اور ہمارے شاعران کرام جو حقائق دین کے مبادی سے بھی جاہل ہیں اس جہالت کو اور ہوا دیتے چلے آ رہے ہیں۔

فیہ بیان انہ لیس من الملائکۃ لانہ اخبر انہ من الجن ...... فھو جنس غیر جنس الملائکۃ (جصاص)

والظاھر من ھذہ الآیۃ انہ لیس من الملائکۃ وانما ھو من الجن (بحر)

ابلیس کے جنّی ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ایک ناری مخلوق تھا۔ اس لئے سرکشی تو اس کے عنصر غالب کا عین مقتضا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنی قوت ارادہ واختیار سے صحیح کام لیتا تو اپنے مقتضائے طبعی کو بآسانی روک سکتا تھا۔ اس لئے اسے معذور سمجھنا قطعی غلط ہے۔

ففسق۔ میں ف فاء سببیہ ہے یعنی جن ہونے ہی کی بنا پر تو اس نے سرکشی کی، فرشتہ ہوتا تو اس سے عصیان ممکن ہی کیونکر تھا۔

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ

سو کیا تم اسے اور اس کی نسل کو میرے مقابلہ میں دوست بناتے ہو درآنحالیکہ وہ تمہارے دشمن

عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۵۰

ہیں ۷۶ ظالموں کے لئے بہت برا بدل ہے ۷۷

والفاء للسبب وفیہ دلیل علی ان الملك لا یعصی البتۃ وانما عصیٰ ابلیس لانہ کان جنیا فی اصلہ (بیضاوی)

والفاء للتسبیب ایضا جعل کونہ من الجن سببا فی فسقہ یعنی انہ لوکان ملکا کسائر من سجد لادم لم یفسق عن امراللہ لأن الملائکۃ معصومون البتۃ۔ (بحر)

فسق۔ فسق اب جس معنی میں چل گیا ہے یعنی سرکشی اور طاعت حق سے نافرمانی، یہ زبان عرب میں تمام تر قرآن مجید کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ نزول قرآن سے قبل یہ معنی شائع ورائج نہ تھے۔

وقال ابوعبیدۃ لم نسمع ذلك فی شیٔ من اشعار الجاھلیۃ ولا احادیثھا وانما تکلم بہ العرب بعد نزول القرآن ووافقہ المبرد علی ذلك (روح)

قال ابن الاعرابی لم یسمع الفاسق فی وصف الانسان فی کلام العرب۔ (راغب)

۷۶ (جن کا کام ہی تمہیں بھڑکانا، ضرر پہنچانا ہے۔)

اولیاء من دونی۔ یعنی میرے مقابلہ پر، شیطان اور شیطان زادوں کو اپنا دوست اور کارساز وچارہ ساز سمجھتے ہو۔

ذریتہ۔ ذریۃ کے معنی نسل یا اولاد کے ہیں۔ اور سلسلۂ نسل جس طرح انسانوں میں چل رہا ہے، جنات میں بھی قائم ہے۔ ابلیس کے فرشتہ نہ ہونے پر محققین نے اس لفظ ذریۃ سے استشہاد مزید کیا ہے کہ سلسلۂ نسل تو جنات ہی میں قائم ہے نہ کہ فرشتوں میں۔

واستدل نافی ملکیتہ بظاھر الآیۃ حیث افادت انہ لہ ذریۃ والملائکۃ لیس لھم ذالك۔ (روح)

أفتتخذونہ۔ میں حرف ھمزہ انکار و حیرت کے لئے ہے جیسے اردو میں کہیں کہ ارے یہ غضب کرتے ہو!

الھمزۃ للانکار والتعجب (کشاف۔ بیضاوی)

الھمزۃ للتوبیخ والانکار والتعجب (بحر)

۷۷ بدلا۔ بدل کے معنی اگر عوض کے لئے جائیں، جب تو ظاہر ہی ہے کہ ظالموں یعنی کافروں اور منکروں کو معاوضے کیسے برے برے ملیں گے، لیکن فقرہ کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ظالم خداناشناس کیسے احمق ہیں کہ دوست اور کارساز سمجھنا تو چاہئے تھا خدا تعالیٰ کو، اور یہ بجائے اس کے

مَآ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ اَنۡفُسِهِمۡ

میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت بلایا اور نہ ان ہی کی پیدائش کے وقت۔

وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّيۡنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوۡمَ يَقُوۡلُ نَادُوۡا

اور میں گمراہ کرنے والوں کو (اپنا) دست و بازو بنانے والا ہی نہ تھا۔۷۸ اور (یاد رکھو) وہ دن جب (اللہ)

شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ

فرمائے گا (اب) پکارو میرے شریکوں کو جنھیں تم مانا کرتے تھے۔۷۹ پس وہ انھیں پکاریں گے لیکن وہ

وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّوۡبِقًا ﴿۵۲﴾

انھیں جواب ہی نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ کر دیں گے۔۸۰

دوست اور کارساز ابلیس و ذریات ابلیس کو بنائے ہوئے ہیں!

الظالمین۔ یعنی مشرکین جو شیطانوں کے ساتھ تعلق کتنا غلط اور بیجا قائم کئے ہوئے ہیں۔

صیغۂ مخاطب سے آیت میں دفعۃً صیغۂ غائب کی طرف التفات میں اشارہ کمال ناگواری کا ہے۔

۷۸ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حق تعالیٰ ان گمراہ کن شیطانوں کو کسی معاملہ میں کسی حد تک بھی، اپنا معین یا مشیر بناتا۔

ما اشھدتم خلق السمٰوٰت والارض۔ یعنی آفرینش کائنات کے وقت ان کا وجود ہی سرے سے کہاں تھا؟ یہ تو بہت بعد کی مخلوق ہیں پھر اس کارخانۂ ایجاد و تکوین کے کسی شعبہ میں بھی ان کی شرکت، مشورہ کی حد تک بھی کیونکر ممکن تھی۔

ولا خلق انفسھم۔ یعنی جن "معبودوں" کو تم شریک خدائی ٹھہرائے ہو کیسی اور معاملہ میں مشیر و شریک تو کیا ہوتے خود اپنے ہی وجود کے باب میں کب کوئی سا بھی مشورہ دے سکتے تھے؟

وما کنت.... عضدا۔ بعض فقہاء مفسرین نے اس جزء سے یہ نکالا ہے کہ کافروں سے امور دین میں مدد لینا ناجائز ہے۔

واستدل بھا علی انہ لا ینبغی الاستعانۃ بالکافر وھو فی امور الدین کجھاد الکفار وقتال اھل البغی، واما الاستعانۃ بھم فی امور الدنیا فالذی یظھر انہ لا باس بھا۔ (روح)

۷۹ یعنی اپنی امداد و اعانت کے لئے بلاؤ۔

شرکاءی۔ یعنی وہ جو تمہارے زعم و پندار کے مطابق میرے شریک خدائی تھے۔

۸۰ (جس سے بالکل ہی مایوسی ہو جائے گی۔)

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا

اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے اور یقین کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی

عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ

رکوع ۷ ۱۹

راہ بچنے کی نہ پائیں گے۔۸۱ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے (عمدہ) مضمون طرح طرح

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ

سے بیان کئے ہیں۔ اور انسان جھگڑے میں سب سے بڑھ کر ہے۔۸۲ اور لوگوں کو

النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ

بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی تھی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگنے سے کوئی امر مانع نہیں رہا

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

تھا، بجز اس کے کہ (انکو اس کا انتظار ہو کہ) انھیں بھی اگلوں کا سا معاملہ پیش آئے یا یہ کہ عذاب درعذاب ان پر نازل ہو۔۸۳

بینھم۔ یعنی مشرک انسانوں اور ان کے معبود شیطانوں کے درمیان۔

۸۱ اور اس وقت کی شدّت یاس! معاذ اللہ!

فظنوا ظن یہاں یقین کے معنی میں ہے۔

(ای ایقنوا (بیضاوی)

قال ابن عطیۃ اطلق الناس ان الظن ھنا بمعنی التیقن (بحر)

۸۲ یعنی ہر ایسی مخلوق سے بڑھ کر جو ذمہ داری کا احساس رکھتی ہے۔

یعنی ان جدل الانسان اکثر من جدل کل شیٔ۔ (بحر)

وکان الانسان۔ کان یہاں ماضی کے لئے نہیں بلکہ مداومت کے معنی میں ہے یعنی انسان کی جبلّت ہی ایسی رکھی گئی ہے۔

الانسان۔ یعنی سرکش و نافرمان انسان۔

محاورۂ قرآنی میں الانسان اکثر موقع ذم ہی پر آیا ہے۔

وکثیرا ما یذکر الانسان فی معرض الذم۔ (بحر)

۸۳ مطلب یہ ہے کہ جب صاف صاف ہدایت آچکی، اور تبلیغ کے سارے مراتب پورے ہو چکے تو اب بھی جو یہ کافر ایمان نہیں لاتے، تو کیا یہ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ یہ بھی وہی اگلوں کی طرح ہلاک کئے

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ

اور ہم رسولوں کو تو صرف خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا کرتے ہیں ۸۴؎ اور کافر لوگ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا

ناحق جھگڑے نکالتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے حق کو بچلا دیں اور انھوں نے میری نشانیوں کو اور

اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

اس کو جس سے انھیں ڈرایا گیا ہے، دل لگی بنا رکھا ہے ۸۵؎

جائیں، یا یہ کہ یہ زندہ تو رہیں، لیکن عذاب در عذاب کے چکر میں ڈال دیئے جائیں۔

الھدی۔ یعنی رسول اور قرآن مع دلائل و شواہد کے۔

وھوالرسول الداعی والقرآن المبین۔ (بیضاوی)

سنۃ الاولین۔ جو کچھ اگلی قوموں کو مسلسل نافرمانی کی پاداش میں پیش آچکا تھا، یعنی عذاب ہلاکت و استیصال۔

وھوالعذاب الاستئصال۔ (کبیر)

قبلاً۔ جمع ہے قبیل کی اور اس کے معنی جھنڈ جھنڈ کے، یا متواتر و مسلسل انواع عذاب کے ہیں۔

قال مجاھد جماعۃ جماعۃ فیکون جمع قبیل (راغب)

وھو جمع قبیل بمعنی ضروب من العذاب تتواصل مع کونھم احیاء (کبیر)

ارادوا بہ اصناف العذاب کلہ۔ (قرطبی عن الکسائی وغیرہ)

۸۴؎ (اور جتنے دلائل و شواہد اس منصب کے لئے ضروری ہوتے ہیں وہ انھیں دے دیتے ہیں۔)

آیت سے دو مسئلوں پر روشنی پڑتی ہے۔

ایک یہ کہ ہر پیمبر کی حیثیت محض مُبَشِّر و منذر کی ہوتی ہے اس کا کام محض تبشیر و انذار رہے۔ نتائج کی ذمہ داری اس پر ذرا سی بھی نہیں۔

دوسرے یہ کہ پیمبر سے خواہ مخواہ معجزات و خوارق کی فرمائشیں کرتے رہنا ایک بیہودہ لت ہے۔ معجزات تو محض ضرورت کے وقت مصلحت تکوینی کے ماتحت قدرت الٰہی سے دکھائے جاتے ہیں۔

۸۵؎ یعنی تذکیر عذاب کا مقتضا تو یہ تھا کہ ان کے قلوب لرز جاتے لیکن اس کے برعکس سنگدل منکروں نے الٹا اسی کو ہدف تمسخر بنا لیا! کیا حد ہے ان کی ذہنیت کی مسخ شدہ کیفیت کی!

وما انذروا۔ یعنی میرے عذاب کو۔

ویجادل .... الحق۔ یعنی طرح طرح کی کٹھ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کو ڈگمگا دیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے پروردگار کی نشانیوں کے ذریعہ سے نصیحت کی جائے سو وہ

مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ

اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ اپنے ہاتھوں سمیٹ رہا ہے اُسے بھلا دے ۵۸۶ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں

وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا

اس کے سمجھنے سے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے ۵۸۷ اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں تو یہ

اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ

ایسی حالت میں ہرگز راہ پر نہ آئیں ۔ ۵۸۸ اور آپ کا پروردگار بڑا مغفرت کرنے والا ، بڑا رحمت والا ہے ۵۸۹

یجادل کے باب مفاعلہ سے ایک فرع یہ نکالی گئی ہے کہ حضرات انبیاء بھی ان سے بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے۔

وھذا یدل علی ان الانبیاء کانوا یجادلونھم لما بینا ان المجادلۃ انما تحصل من الجانبین۔ (کبیر)

۵۸۶ ما قدمت یداہ ۔ یعنی اپنی عصیان کاری کو۔

نسی ۔ نسیان سے یہاں مراد غیر ارادی سہو نہیں، بلکہ ارادی تغافل مراد ہے۔

المراد من النسیان التشاغل والتغافل من کفرہ المتقدم (کبیر)

النسیان ھنا بمعنی الترک۔ (قرطبی)

۵۸۷ (اس کے سننے سے)

یفقھوہ ۔ میں ضمیر ہ، الحق کی طرف ہے۔ جو ایک آیت قبل لیدحضوا بہ الحق میں گزر چکا ہے۔

علی قلوبھم اکنۃ ۔ فی اذانھم وقرا ۔ دلوں پر پردہ کرنے اور کانوں میں ڈاٹ دے رکھنے پر حاشیے سورہ انعام آیت ۲۵ حاشیہ ۳۷ اور سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۶ حاشیہ ۶۸ کے تحت گزر چکے۔

بندہ جب اپنے قصد و اختیار سے کام لے کر حق کی مخالفت عرصہ تک کرتا رہتا ہے تو نتیجہ کے طور پر اس سے توفیق ہی حق کے سمجھنے اور سننے کی سلب ہوجاتی ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ فعل ابتداءً نہیں ہوتا۔

قلوب اور آذان ۔ دونوں کے غیر متاثر رہنے کے معنی یہ ہوئے کہ یہ ایمان نہ تحقیق کی راہ سے لائیں گے۔ اور نہ تقلید ہی کی راہ سے۔

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَلْ لَّهُمْ

اور اگر وہ ان پر دار و گیر ان کے اعمال کی بنا پر کرنے لگتا تو ان پر عذاب فوراً ہی واقع کر دیتا لیکن ان کے

مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى

ان کے واسطے ایک متعین وقت ٹھہرا رکھا ہے اس کے اوپر یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتے ۹۰ اور یہ بستیاں وہ ہیں

اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع

جنھیں ہم نے ہلاک کر ڈالا جب انھوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک وقت معین رکھا تھا ۹۱

۸۸ (سو آپ کا ان پر زیادہ غم کرنا بھی بے فائدہ ہی ہے)

اذًا۔ یعنی جبکہ ان کے دل اور ان کے کان، ان کی ارادی بے توجہی اور عناد کی بنا پر قبول حق کی استعداد ہی زائل کر چکے ہیں۔

۸۹ چنانچہ اس غفور نے اس صفت غفر کے تقاضہ سے، اب بھی باوجود اس ہجوم عصیان و کفر کے اگر راہ راست پر آجائیں تو ان کے لئے قبول توبہ کی گنجائش رکھ دی ہے جس سے انھیں مغفرت حاصل ہو سکتی ہے، اور اس رحیم نے صفت رحمۃ کے تقاضہ سے انھیں اتنی مہلت دے رکھی ہے۔

۹۰ اس حقیقت کو ایک بار پھر دُہرا دیا گیا ہے کہ عذاب الٰہی فوراً نہیں آتا۔ بلکہ بڑے سے بڑے مجرموں کو بھی مہلت ضرور ملتی رہتی ہے۔

من دونه۔ ضمیر ہ موعد کی طرف ہے۔ یعنی اس یوم موعود کے ادھر یا قبل یہ کوئی پناہ گاہ نہیں پا سکتے ہیں کہ پیشتر سے اس میں چھپ چھپا کر اپنے کو محفوظ کر لیں۔

والضمیر المجرور عائد علی الموعد کما ھو الظاھر۔ (روح)

یہ بھی جائز ہے کہ رب کی طرف سمجھی جائے۔

قیل یعود علی اللہ تعالٰی وھو مخالف للظاھر۔ (روح)

۹۱ (چنانچہ وہ اپنے اسی وقت معین و مقرر پر ہلاک ہوئیں)

تلك القرٰی۔ یعنی ان بستیوں کے باشندے۔

والکلام علی تقدیر مضاف ای اھل القری۔ (روح)

لمّا ظلموا۔ جب انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ یعنی اللہ سے نافرمانی اور پیمبروں سے انکار کیا۔

اشارہ ان سرکش و نافرمان پُر قوت قوموں کی جانب ہے، جن کی ہلاکت کا بیان قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے۔ اور جو ہر قرآن خواں کے لئے معلوم و معروف ہیں۔

ای قری عاد وثمود وقوم لوط واشباھھم۔ (روح)

ع ۸ / ۲۰

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں برابر چلتا رہوں گا تاآنکہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں ۹۲

اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

یا (یوں ہی) سالہا سال تک چلا کروں ۹۳

۹۲ (جہاں کا پتہ مجھے ایک برگزیدہ بندۂ حق سے ملاقات کا بتایا گیا ہے)
توریت میں حضرت موسیٰؑ کے اس سفر کا کوئی ذکر نہیں ـــــ اور اسی سے ظاہر ہے کہ توریت موجودہ و مروجہ بہ حیثیت تاریخ و تذکرہ کے بھی نامکمل و ناقص ہے۔
لفتٰہ۔ فتیٰ کے لفظی معنی نوجوان کے ہیں۔ اور مجازی معنی غلام یا خادم کے۔

(الفتی الطری من الشباب والانثی فتاة ویکنی بهما عن العبد والامة (راغب)
والعرب تسمی الخادم فتی لان الخدام اکثر ما یکونون فی سن الفتوة (روح)
قیل للخادم فتی علی جهة حسن الادب۔ (بحر)

مراد حضرت یوشع بن نون سے ہے۔ حدیث بخاری میں بہ تصریح موجود ہے۔ اور مفسرین بھی تقریباً سب اس پر متفق ہیں حضرت یوشعؑ حضرت موسیٰؑ کے عزیز خاص و خادم خاص تھے۔ بعد کو خود بھی نبوت سے مشرف ہوئے۔

وانطلق معه بفتاه یوشع بن نون۔ (بخاری کتاب التفسیر)

توریت میں ان کا ذکر متعدد مقامات پر حضرت موسیٰؑ کے خادم کی حیثیت سے ملتا ہے۔
"موسیٰ کے خادم نون کے بیٹے یشوع نے جو اس کے برگزیدوں میں سے تھا، موسیٰ سے کہا" (گنتی ۱۱=۲۸)
"اور موسیٰ اور اس کا خادم یشوع اٹھے" (خروج ۲۴ = ۱۳)
"اور وہ لشکر گاہ کو پھرا پر اس کا خادم نوجوان یشوع بن نون خیمے میں سے نہ نکلا" (خروج ۳۳=۱۱)
حسب روایت توریت ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔
"اور ایسا ہوا کہ بعد ان باتوں کے نون کا بیٹا یشوع خداوند کا بندہ جو ایک سو دس برس کا بوڑھا تھا رحلت کر گیا" (یشوع ۲۴ : ۲۹)
مجمع البحرین۔ اس مقام کی تعیین جزم کے ساتھ مشکل ہے۔ یہ سفر اگر حضرت موسیٰؑ کے دوران قیام مصر میں پیش آیا تھا تو دریائے نیل کی دونوں شاخوں (البحر الازرق اور البحر الابیض) کے ملنے کی جگہ مراد ہوسکتی ہے یعنی موجودہ شہر خرطوم کے قریب۔ اور اگر جیسا کہ اغلب ہے سفر جزیرہ نمائے سینا کے دوران قیام میں پیش آیا۔ تو عجب نہیں جو بحر قلزم کے شمالی دو شاخہ کے اتصال کی جگہ مراد ہو یعنی خلیج عقبہ یا خلیج سوئز۔
کہیں کسی نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ مجمع البحرین سے مراد مجاز ہے اور کوئی جغرافی حقیقت نہیں۔ یعنی علم کے بحر اعظم موسیٰؑ بھی تھے اور خضرؑ بھی۔ لیکن یہ تفسیر نہیں، تفسیر کے ساتھ تمسخر ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ ایسی

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهٗ

پھر جب دونوں دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے ۹۴ سو اس نے سرنگ

فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ز

بناتے ہوئے دریا میں اپنی راہ پکڑی ۹۵ پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے تو اپنے خادم سے بولے کہ ہمارا ناشتہ

لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

تو لاؤ ہمیں اس (آج کے) سفر سے بڑی تکلیف پہنچی ہے ۹۶

تفسیر تو باطنیہ اور غالی صوفیہ کی ہی ہے۔

هذا شبيه بتفسير الباطنية وغلاة الصوفية۔ (بحر)

بعض مشائخ صوفیہ نے آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مریدوں یا شاگردوں سے کام لینا اور انھیں سفر میں رفیق رکھنا سنت انبیاء میں سے ہے۔

۹۳ (تاآنکہ منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اور مقصد سفر حاصل ہو جائے)

محققین نے کہا ہے کہ اس سے طلب علم میں ہر قسم کے صعوبات برداشت کرنے کی فضیلت نکلتی ہے۔

ذلك تنبيه على ان المتعلم لو سافر من المشرق الى المغرب لطلب مسئلة واحدة لحق له ذلك (كبير)

حقبًا۔ حقب کے معنی ہوتے ہیں زمانہ غیر محدود کے۔

مدة من الزمان مبهمة (راغب)

الذي يعرفه اهل اللغة أن الحقب والحقبة زمان من الدهر مبهم غير محدود۔ (قرطبي عن النحاس)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شیخ کامل کی طلب میں سعی بلیغ چاہیے، جب تک کہ اس سے کوئی واجب نہ فوت ہونے لگے۔

۹۴ یعنی اس مچھلی کو جو بطور ناشتہ ان کے ساتھ ناشتہ دان میں رکھی ہوئی تھی۔

فاخذ حوتا فجعله في مكتل ثم انطلق۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

نسیا حوتھما۔ یعنی اس مچھلی کا انھیں خیال ہی نہ آیا جس برگزیدہ بندہ سے ملنے کو حضرت موسیٰ نکلے تھے، اسی کے ملنے کی جگہ کا پتہ یہ بتایا گیا تھا کہ طویل سنگم پر جس مقام پر وہ ساتھ والی مچھلی پھر سے پانی میں چلی جائے گی وہی جگہ ان بزرگ کی ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ وہ مچھلی تلی ہوئی تھی اور بہ طور خارق عادت زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی۔

نسیا حوتھما۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ زاد راہ کا جو کہ اسباب میں سے ہے سفر میں ساتھ رکھنا

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ز وَمَآ

وہ بولا کہ لیجئے! ہم لوگ جب اس چٹان کے قریب ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کو بھول ہی گیا، اور مجھے

اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ج وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى

بس شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا ذکر کرتا۔ اور اس نے تو دریا میں عجیب

الْبَحْرِ ﷺ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ﷺ فَارْتَدَّا عَلٰٓى

طرح اپنی راہ لی۔ ف۹۷ (موسیٰ نے) کہا وہی تو (وہ مقام) تھا جسکی ہم کو تلاش تھی۔ ف۹۸ پھر دونوں

اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

اپنے قدموں کے نشان پر الٹے چلے۔

توکل کے منافی نہیں۔

ف۹۵ سربا۔ یعنی سرنگ کی طرح راستہ بنالیا۔

السرب الذھاب فی حدور (راغب)

یا محض راستہ پکڑلیا۔ امام بخاریؒ سے یہ معنی مروی ہیں ۔ سربا ای مذھبا۔ یسرب ای یسلك

ف۹۶ یعنی آج خوب تھک گئے ہیں ـــــ ممکن ہے اس منزل میں چلنا زیادہ پڑگیا ہو۔

فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا ذکر بالکل جائز ہے بلکہ منافی کمال بھی نہیں، البتہ بے صبری و شکوہ و شکایت ممنوع ہے۔

یدل علی اباحۃ اظہار مثل ھذا القول عندما یلحق الانسان نصب او تعب فی سعی من قربۃ وان ذلك لیس بشکایۃ مکروھۃ۔ (جصاص)

آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ پیمبر بھوکے بھی ہوتے ہیں، زادراہ بھی ساتھ رکھتے ہیں، تھکن بھی محسوس کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی شے کمال ولایت کیا معنی، کمال نبوت کے بھی منافی نہیں ـــ آیت میں بڑا سبق ہے ان خوش عقیدہ مریدوں اور معتقدوں کے لئے، جو بزرگوں کی جانب بھوک، پیاس یا اور بشری ضرورتوں کا انتساب تمام تر بے ادبی سمجھتے ہیں۔

فلما جاوزا۔ یعنی جس مقام کی نشاندہی انھیں کی گئی تھی، اس سے دور نکل آئے۔

ف۹۷ "عجیب طرح" یوں کہ زندہ ہو کر خشکی سے دریا تک راہ پاگئی۔

اوپر غداءنا میں اشارہ آگیا ہے کہ مچھلی پکی ہوئی بطور ناشتہ ساتھ تھی۔ غداء کے معنی ہی اس "کھانے" کے ہیں جو صبح کو اور ناشتہ میں کھایا جائے۔ زندہ مچھلی کا اس لفظ سے کوئی قرینہ نہیں نکلتا۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

تو انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا، جس کو ہم نے اپنا ایک خاص فضل مرحمت

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

کیا تھا اور ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک (خاص) علم سکھایا تھا ۹۹ہ

ارءیت۔ کلمۂ تعجب ہے، اُردو محاورہ میں ایسے موقع پر بولتے ہیں "ارے" "ایا یہ دیکھیے!" یا "یہ ملاحظہ ہو"!

نسیت الحوت۔ یعنی مچھلی کے عجیب قصہ کا ذکر کرنا بھی بھول گیا۔

وما انسنیہ الا الشیطان۔ مذہب کی زبان میں ہر بری بات کا انتساب شیطان ہی کی جانب کیا جاتا ہے جس کی ذات مرکز ساری برائیوں کی ہے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے اس امر پر کہ شیطان کے اثر سے وسوسہ و نسیان کا پیش آجانا ولایت بلکہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔

۹۸ہ یعنی وہی مقام تو ہماری منزل مقصود تھا۔ وہیں کا پتا تو ہمیں بتایا گیا تھا۔

ذلك۔ یعنی مچھلی کی گم شدگی۔ ہمیں تو پتا یہیں بتایا گیا تھا۔

أي الذي ذكرت من أمرت الحوت۔ (روح)

۹۹ہ حدیث بخاری اور دیگر احادیث میں ان عبد مقرب اور مقبول کا نام خضر آیا ہے۔

رحمة من عندنا۔ اس خصوصی رحمة سے مراد مقبولیت کا ہونا تو ظاہر ہے لیکن یہ ہرگز لازمی نہیں کہ یہ نبوت ہی کی شکل میں ہو۔ چنانچہ حضرت خضر کی نبوت صرف ایک ضعیف مذہب ہے۔

وذهب كثيرون الى انه لم يكن نبيًا بل كان وليًا (ابن کثیر)

قيل هو ولي وعليه القشيري وجماعة (روح)

ولم يكن الخضر نبيًا عند أكثر أهل العلم۔ (معالم، خازن)

لدن۔ مرادف ہے عند کے۔ لیکن لغت میں اس سے خاص تر ہے۔

لدن اخص من عند (راغب)

أنه اقرب مكانا من عند واخص منه۔ (لسان)

گویا اُردو میں اس فقرہ کو یوں کہا جائے گا "ہم نے اسے ایک علم خاص الخاص اپنے پاس سے دیا تھا"۔ علم لدنی وہ ہے جو بلا واسطہ اور براہ راست بطور الہام بندہ کو اللہ سے حاصل ہو۔ اگر یہ بندہ نبی ہوتا تو اس رابطہ علم کا نام بہ صراحت "وحی" کہہ دیا جاتا۔

والعلم اللدني ما يحصل للعبد بغير واسطة بل بالهام من الله تعالى (تاج)

علمنہ من لدنا علما۔ یہ علم بلا واسطۂ اسباب اکتساب و تعلم براہ راست حضرت حق

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا

موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں کہ جو علم (مفید) آپ کو سکھلایا گیا ہے اس میں سے

عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾

آپ مجھے بھی سکھا دیں۔ ۱۰۰ انھوں نے کہا، آپ سے میرے ساتھ نباہ نہ ہو سکے گا۔ ۱۰۱

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾

اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں ایسے امر پر جو آپ کے احاطۂ واقفیت میں نہیں ہے۔ ۱۰۲

سے عطا ہوا تھا۔ اور یہ علم اسرار کونیہ کا تھا۔ محققین نے کہا ہے کہ جس علم میں قرب الٰہی مرتب ہوتا ہے، وہ علم اسرار کونیہ نہیں، علم اسرار الٰہیہ یا شرعیہ ہے۔

خضر کی عمر جاوید کی شہرت روایات و حکایات میں بکثرت آئی ہے لیکن محققین کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ سب غیر صحیح و غیر مستند ہیں۔

وذکروا فی ذلک حکایات واٰثارا عن السلف وغیرھم وجاء ذکرہ فی بعض الاحادیث ولا یصح شیٔ من ذلک۔ (ابن کثیر)

والجمھور علی انہ مات۔ (بحر)

ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ کسی کی نبوت محض قول احاد سے ثابت نہیں ہوتی اور نبوت خضر کے شواہد اخبار احاد میں سے ہیں۔

قال بعض العلماء ولا یجوز ان یقال کان نبیا لان اثبات النبوۃ لا یجوز باخبار الاحاد (قرطبی)

اس پر بھی اظہار حیرت کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ تو خود ایک پیمبر جلیل القدر اور اس لئے لازمی طور پر اپنے وقت کے اعلم الناس تھے، انھیں کسی اور کے پاس کیسے تعلم کے لئے بھیجا گیا۔ لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے ارشاد فرمایا ہے، یہ بآسانی ممکن ہے کہ ایک شخص بہت سے علوم میں اعلم ہو پھر بھی بعض علوم سے ناواقف ہو اور ان کے سیکھنے کے لئے وہ کہیں اور بھیج دیا جائے۔

لا یبعد ان العالم الکامل فی اکثر العلوم یجھل بعض الاشیاء فیحتاج فی تعلمھا الی من دونہ وھذا امر متعارف معلوم۔ (کبیر)

عبداً من عبادنا۔ وہ بزرگ یا ں مرتبۂ کمال بہرحال اللہ کے ایک بندہ ہی تھے، بندہ سے ذرہ بھر بھی زائد نہ تھے، اور بندہ بھی کیسے؟ حق تعالیٰ کے بہت سے بندوں میں سے ایک! ——— اللہ اللہ! قرآن مجید کو کس درجہ اہتمام تحفظ توحید کا اور شائبۂ شرک سے احتراز و احتیاط کا ہے!

من عبادنا۔ حق تعالیٰ کا ایسے بندہ کی اضافت اپنی جانب کرنا اس کے اکرام و تخصیص کے لئے ہے۔

قَالَ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرًا وَلَآ أَعۡصِي لَكَ أَمۡرًا ﴿٦٩﴾

(موسیٰ نے) کہا آپ ان شاء اللہ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کے خلاف نہ کروں گا۔ ۱۰۳ف

قَالَ فَإِنِ ٱتَّبَعۡتَنِي فَلَا تَسۡـَٔلۡنِي عَن شَيۡءٍ حَتَّىٰٓ أُحۡدِثَ لَكَ

(وہ) بولے کہ اچھا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کی نسبت پوچھ گچھ نہ کیجئے گا جب تک کہ

مِنۡهُ ذِكۡرًا ﴿٧٠﴾ فَٱنطَلَقَا حَتَّىٰٓ إِذَا رَكِبَا فِي ٱلسَّفِينَةِ خَرَقَهَا

میں خود ہی اس کے ذکر کی ابتدا نہ کردوں ۱۰۴ف پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے ۱۰۵ف

ھذہ اضافۃ تشریف واختصاص۔ (بحر)

۱۰۰ف حضرت موسیٰؑ باایں جلالت مرتبہ و درجۂ نبوت ان بزرگ سے درخواست کررہے ہیں کہ اجازت ہو تو آپ کے ساتھ رہوں۔ اور آپ کے علم خصوصی سے کچھ میں بھی کسب و اکتساب کروں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ حضرت خضرؑ کے ساتھ اپنی گفتگو میں کس قدر تواضع و ادب اور لطف کی رعایتیں جمع کررہے ہیں۔

۱۰۱ف (بلکہ آپ میرے بعض افعال کو ظاہر شریعت کے خلاف پاکر ان پر روک ٹوک ضرور کریں گے)

حضرت خضرؑ حضرت موسیٰؑ جیسے پیمبر جلیل القدر کے ایمان کا پورا اندازہ رکھتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ آپ احکام شریعت کی خلاف ورزی پر (خواہ وہ محض ظاہری ہی ہو) ہرگز تحمل نہ کرسکیں گے۔

حضرت خضرؑ خود نبی ہوں یا نہ ہوں، بہرحال نبوت کے مرتبہ شناس تو تھے ہی، اور اس کا یقین رکھتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ ہوں یا کوئی اور پیمبر معصیت شرعی پر ٹوکے بغیر رہ نہیں سکتے۔

۱۰۲ف یعنی وہ افعال بہ ظاہر خلاف شریعت ہوں گے اور آپ کو جب ان کے منشائے صحیح کی اطلاع نہیں تو آپ ان منکرات پر بغیر روک ٹوک کئے کیسے رہ سکتے ہیں؟ —— یہ گویا حضرت موسیٰؑ کی طرف سے عذر خواہی بھی خود ہی کردی ہے۔ اور آپؑ کو داروگیر پر معذور قرار دے دیا ہے۔

۱۰۳ف یعنی نہ آپ کی نافرمانی کروں گا۔ اور نہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ پر کوئی روک ٹوک کروں گا۔

صابر۔ کا مفہوم یہاں ہے، ضبط کرجانے والا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی، کہ ایسے مقبول بزرگ کوئی حرکت خلاف شریعت کریں گے۔ اسی لئے انھوں نے مطیع رہنے کی ہامی بھر لی، گوحالاں کہ ان کا وعدہ یہ تھا کہ امور مباح میں آپ کا ساتھ دیتا رہوں گا اس پر بھی اتنی احتیاط رکھی کہ لفظ ان شاء اللہ ملالیا۔ جس سے اقرار عہد و پیمان نہیں ہونے پایا۔ اور اس لئے ان دونوں باتوں کی بنا پر آئندہ آپؑ کے لئے نقض عہد کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ﴿۷۱﴾

تو (ان بزرگ نے) اس میں سوراخ کر دیا (موسیٰ نے) کہا کیا آپ نے اس لئے سوراخ کر دیا کہ نتیجہ یہ ہو کہ آپ اس پر بیٹھنے والوں کو غرق کر دیں یقیناً

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ

آپ نے بہت بری بات کر ڈالی ۱۰۶ وہ بولے کیا میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نباہ نہ کرسکیں گے ۱۰۵ (موسیٰ نے) کہا میری

بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور میرے (اس) معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالئے ۱۰۴

آیت سے استنباط کیا گیا ہے کہ متعلم کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ استاد کے احکام کی اطاعت اور اس پر ترک اعتراض و مخالفت کی عادت اختیار کرے، اور اپنی طرف سے انتہائی فروتنی و تذلل برتے۔

هذا يدل ان المتعلم يجب عليه في اول الامر التسليم وترك المنازعة والاعتراض (كبير) وقول موسى له تواضع شديد واظهارا للتحمل التام والتواضع الشديد وكل ذلك يدل على ان الواجب على المتعلم اظهار التواضع باقصى الغايات۔ (كبير)

۱۰۴ یہ شرط حضرت خضرؑ کی طرف سے زائد ہے، حضرت موسیٰؑ کا وعدہ اس حد تک کے لئے نہ تھا، نہ آپ کی زبان سے اب بھی اس کا اقرار منقول ہے۔

۱۰۵ کوئی ایسا مقام سفر میں آگیا تھا جس کے آگے کشتی کی ضرورت پڑ جاتی تھی اور اب سفر بحری شروع ہوا، سمندر یا دریا کے کنارے کنارے ناؤ بھی چل رہے تھے۔

۱۰۶ (جس پر سکوت کرنا میرے حد عہد سے خارج ہے)

اِمْرًا۔ کہتے ہیں ایسی بات کو جو انوکھی اور معیوب ہو۔

امرا معناه عجيبا وقيل منكرا۔ (قرطبی)

اور مجاہد تابعی سے اس کی تفسیر مُنکَر سے آئی ہے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر)

لتغرق۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ایسا فعل جس کا نتیجہ یہی مرتب ہو۔

لام المآل (قرطبی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے دو امر ثابت ہوئے، ایک یہ کہ اکابر سے بھی ایسے امور صادر ہو سکتے ہیں جن کا ظاہر خلاف شریعت ہو (گو حقیقت یہ نہ ہو) دوسرے یہ کہ اولیاء میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو بہ اذن حق تکوینیات میں تصرف کرتے رہتے ہیں، صوفیہ کی زبان میں ان ہی کو قطب التکوین یا صاحب خدمت کہتے ہیں۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً ۢ

(اس کے بعد) پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں ایک لڑکے سے ملے تو (ان بزرگ نے) اسے مار ڈالا

بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

(موسیٰ نے) کہا آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا بغیر کسی جان (کے بدلہ) میں یقیناً آپ نے بڑی بیجا حرکت کی ۱۰۹

۱۰۷ (سو دیکھئے وہی بات آگے آئی)

اس نباہ نہ کر سکنے سے جس کا مبنی و منشا تمام تر غیرت دینی و جوش ایمانی تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منقصت نہیں، بلکہ اور مدح و منقبت ہی نکلتی ہے۔

۱۰۸ حضرت موسیٰؑ ایک ایسے عمل کو دیکھ کر جو ظاہراً یکسر معصیت تھا، قدرۃً اتنا متاثر ہوئے کہ آپؑ کو حضرت خضرؑ کی ہدایت کا بھی پاس و لحاظ نہ رہا۔ ذہن سے ان کی ہدایت نکل گئی اور آپ ٹوک بیٹھے، عدم مخالفت کا وعدہ بھی آپؑ نے وفور شوق ہی میں کیا تھا، لیکن اب جن افعال کو خلاف رضائے محبوب (کہ اسی کا دوسرا نام حکم شریعت ہے) پاتے تھے، بلا تامل اور بے دھڑک ٹوک بیٹھتے تھے، سکوت محض کا اول تو آپؑ کی طرف سے وعدہ بھی نہ تھا (وعدہ صرف عدم مخالفت کا تھا) اور بالفرض ہوتا بھی تو خلاف شریعت معاہدہ کی پابندی ہی روا نہیں۔

لا تؤاخذنی بما نسیت۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ سہو و نسیان پر مواخذہ نہیں۔

ذکر ان النسیان لا یقتضی المواخذۃ وھذا یدل علی ما قد مناہ من انہ لا یدخل تحت التکلیف۔ (ابن العربی)

۱۰۹ (کانوں پر ہاتھ رکھنے کے قابل)

نکراً۔ کے معنی ہیں امر عظیم کے۔ ایسا امر جس سے سب کانوں پر ہاتھ رکھیں۔

نکراً۔ ای داھیۃ (بخاری)

قال ابو عبیدۃ نکراً ای عظیماً (فتح الباری)

النکر الدھاء والامر الصعب الذی لا یعرف (راغب)

قال اللیث الدھاء والنکر نعت للامر الشدید (تاج)

نکر۔ کا درجہ قبح میں امر سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

النکر اعظم من الامر فی القبح (کبیر) وقیل النکر ما انکرتہ العقول ونفرت عنہ النفوس فھو ابلغ فی تقبیح الشیء من الامر۔ (کبیر)

لیکن بعض اہل لغت نے امراً اور نکراً کے درمیان باریک فرق یہ بتایا ہے کہ اِمر وہ عمل

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ

(بزرگ نے) کہا میں نے آپ سے کہدیا تھا کہ آپ سے میرے ساتھ نباہ

صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ

نہ ہو سکے گا ۱۱۱ (موسیٰ نے) کہا (اچھا) اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز سے متعلق پوچھوں تو آپ مجھکو اپنے ساتھ

قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ

نہ رکھئے۔ بے شک آپ میرے بارے میں حد عذر کو پہنچ چکے ۱۱۲ پھر دونوں چلے ۱۱۳ یہاں تک کہ جب ایک گاؤں

قَرْيَةِ ۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا

والوں پر گزر ہوا تو وہاں والوں سے کھانے کو مانگا ۱۱۴

ہے جس سے اندیشہ یہ ہو کہ اس کے نتائج بڑے ہولناک ہوں گے۔ اور نُکر وہ عمل ہے جو خود اور براہ راست بڑا ہولناک ہو۔

قال ابن عطیۃ إمرًا فظع واهول من حيث هو متوقع عظيم ونكرا بين في الفساد لأن مكروهه قد وقع۔ (قرطبی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو مامور ہی تھے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر۔ ایکی آپؑ کے ٹوکنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی پہلی ہی حرکت کیا کم تھی کہ ابکی تو آپ اس سے بھی کہیں بڑھکر بیجا حرکت کر گزرے۔ کشتی کے نقصان کا تدارک تو بہرحال ممکن بھی تھا، یہ تو جان کا معاملہ ہے اس کی تلافی کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔

ای انکر من الاول لان ذلك كان خرقا يمكن تداركه بالسد وهذا لا سبيل الى تداركه۔ (کشاف)

اقتلت ۔۔۔ نفس ۔ یعنی ایک تو وہ لڑکا یوں ہی نابالغ، قابلِ قصاص نہیں چہ جائیکہ بالکل بے قصور قتل ہو!

۱۱۱ (اور اب اس کا ظہور پوری طرح ہونے لگا ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلا سوال تو غالبًا بے خیالی سے کر گزرے تھے، جیسا کہ ان کے عذر لا تواخذنی بما نسیت سے نمایاں ہو رہا ہے، لیکن یہ دوسرا سوال عمدًا تھا چنانچہ ابکی وہ اپنے سہو و نسیان کا عذر بالکل نہیں پیش کرتے احکامِ شریعت کی خلاف ورزی پر تحمل جب عام صالحین سے نہیں ہو سکتا تو موسیٰ علیہ السلام تو ظاہر ہے پیمبر برحق تھے، اور آپؑ کا کام ہی ہر قسم کی بدی کو روکنا اور نیکی کو پھیلانا تھا۔

فَاَبَوۡا اَنۡ یُّضَیِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِیۡهَا جِدَارًا یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّنۡقَضَّ

سو انھوں نے اُن کی مہمانی سے انکار کر دیا ۱۱۴ پھر دونوں کو اس (بستی) میں ایک دیوار ملی جو گرا چاہتی تھی (الغرض)

فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَیۡهِ اَجۡرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ

اسے سیدھا کر دیا (موسیٰ نے) کہا آپ چاہتے تو اس (کام) پر اجرت ہی لے لیتے ۱۱۵ (وہ) بولے (بس)

بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنِكَ ۚ

یہ (وقت) میری آپ کی علیٰحدگی کا ہے ۱۱۶

موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کر کے پھر جو اعتراض فرمایا تو وجہ یہ کہ وہ وعدہ معنًی مقید تھا، عدمِ مخالفت شریعت کے ساتھ گو صورۃً مطلق تھا، پس اس کو خلف لازم نہیں آتا۔ (تھانوی)

۱۱۱ حضرت موسیٰؑ گویا یہ فرما رہے تھے کہ اچھا ابھی اور درگزر سے کام لیجئے۔ لیکن آپ بھی شرائط کی خلاف ورزی کو کہاں تک برداشت کر سکتے ہیں، آپ بھی عذر کی حد کو پہنچ گئے۔ اب اگر میں آپ سے کوئی اور سوال کروں تو آپ بے شک معذور ہیں اور مجھے فوراً اپنے ساتھ سے الگ کر سکتے ہیں۔

"بعض کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ پیر اگر خلاف شرع کوئی کام کرے تو اس پر انکار نہ کرے، چنانچہ اس قصہ میں حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر صبر کرتے تو خوب ہوتا، جواب یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کا کمال نص سے معلوم تھا، اس لیے سکوت جائز تھا، دوسرے کا ان پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔" (تھانوی)

عن شیءٍ۔ یعنی ان چیزوں کے متعلق جو آپ سے بسلسلۂ عجائب و خوارق سرزد ہوئی ہیں۔

ای عن شیءٍ تفعلہ من الاعاجیب۔ (روح)

۱۱۲ (اور حضرت خضرؑ نے وہ بات رفت و گزشت ہو جانے دی)

۱۱۳ (کہ ہم اس اجنبی شہر میں مہمان ہیں)

قدیم زمانہ میں جبکہ نہ قدم قدم پر مہمان سراؤں کا رواج تھا، نہ ہوٹلوں اور کھانا پکانے کی دکانوں کا، مسافر اور نووارد اپنا حق سمجھتے تھے کہ بستی والوں سے کھانا پانی طلب کریں۔ اور بستی والے ان کی مہمانداری اپنا فرض سمجھتے تھے اور عموماً اسے بڑی خوش دلی سے بجا لاتے تھے۔

قرآن مجید سے اشارۃً یہ بات بھی نکل آئی کہ میزبانی اور مہمانی کے یہی جذبات صحیح بھی تھے۔

فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ کھانے کے لئے سوال کرنا بالکل جائز ہے، بلکہ اگر زیادہ بھوک لگی ہو جب تو واجب ہو جاتا ہے۔ اور کھانے کے لئے مطلق سوال کو جو بعض صوفیہ نے حرام قرار دیا ہے تو یہ اُن کی جہالت ہے۔

فی ھذہ الآیۃ دلیل علی سؤال القوت وان من جاع وجب علیہ ان یطلب مایرد جوعہ

سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾ أَمَّا السَّفِينَةُ

اب میں ان چیزوں کی حقیقت پر آپ کو مطلع کئے دیتا ہوں جن کے بارے میں آپ ضبط نہ کر سکے ۱۱۷۔ وہ جو کشتی تھی

فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ

سو وہ (چند) غریبوں کی تھی کہ وہ دریا میں کام کرتے تھے ۱۱۸

خلافا لجهال المتصوفة۔ (قرطبی)

استطعما۔ یعنی کھانے کو مانگا، مہمانی کے لئے سوال کیا۔

الاستطعام سؤال الطعام والمراد به هنا سؤال الضيافة۔ (قرطبی)

۱۱۴ (جو اس قدیم تہذیب میں ایک بہت ہی قبیح معاشرتی ومجلسی جرم تھا)

موجودہ ہوٹلوں کی دنیا پر اس قدیم دنیا کو قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا جس میں مہمان نوازی گویا فریضۂ انسانیت تھی، اور لوازم شرافت میں درجہ اول پر تھی۔

۱۱۵ (کہ ہم لوگوں کا کام بھی چل جاتا اور اُن لوگوں کی تادیب بھی کسی قدر ہو جاتی)

کام کر کے اس پر اُجرت لے لینا بالکل جائز ہے بلکہ انبیاء و اولیاء کی عین سنّت بھی ہے۔ اور سورہ قصص آیت ۲۶ (یابت استاجرہ الخ) میں اس کا بیان ذرا تفصیل سے ملے گا۔

فيه دليل على صحة جواز الاجارة، وهى سنة الانبياء والاولياء۔ (قرطبی)

يريد ان ينقض۔ ارادہ یہاں مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی قرب وقوع کو ارادۂ وقوع سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

والمراد من ارادة السقوط قربه من ذلك على سبيل المجاز المرسل۔ (روح)

استعيرت الارادة للمداناة والمشارفة (کشاف)

زمخشری صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ عربی میں متعدد افعال ارادی کا انتساب مجازاً جمادات لایعقل کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً ہم، عزم، قول، نطق، صدق، سکوت، تمرد وغیرہا اور کلام عرب سے ان کی سندیں بھی پیش کی ہیں۔

مرشد تھانوی نے آیت سے یہ نکالا کہ کسب معیشت اور اس کے اسباب کا اختیار کرنا منافی کمال نہیں۔

۱۱۶ (جیسا کہ آپ تو دہی طے کر چکے ہیں)

مرشد تھانوی نے اس سے استنباط کیا کہ جب مرید سے خلاف ونزاع بار بار ظاہر ہونے لگے اور مرشد کو امید اس سے مناسبت وموافقت کی نہ باقی رہ جائے تو اسے جدا کرنا درست ہے۔

۱۱۷ "اس قصہ سے بعض کو دھوکہ ہو گیا ہے کہ علم باطن علم شریعت سے افضل ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ علم باطن کے دو شعبے ہیں علم مرضیات الٰہی جو متعلق بالنفس ہیں اور علم اسرار کونیہ سو پہلا تو

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ

سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب پیدا کردوں اور ان سے آگے کی طرف ایک بادشاہ تھا ۱۱۱ جو ہر (بے عیب) کشتی کو

شریعت کا ایک جزو ہے اور جزو کبھی کل سے افضل نہیں ہو سکتا اور دوسرا چونکہ قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں رکھتا اس لیے افضلیت کا احتمال ہی نہیں دوسرا دھوکہ یہ ہے کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں جواب یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کو علم باطن کا دوسرا شعبہ حاصل ہونا اس قصہ سے ثابت ہے اور ابھی سن لیا ہے کہ وہ علم شریعت سے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا افضل نہیں۔" (تھانوی)

بتاویل ۔ تاویل سے یہاں مراد غایت مصلحت یا مصلحت تکوینی ہے۔

التاویل رد الشئ الی مآله والمراد به هنا المآل والعاقبة (روح)

تاویل الشئ مآله ای قال له انی اخبرك لم فعلت ما فعلت (قرطبی)

اردو میں لفظ "تاویل" ایک بالکل دوسرے مفہوم میں چل گیا ہے۔ عربی کے "تاویل" میں اس سے دھوکا ہرگز نہ ہونا چاہیے۔

۱۱۰ (اس کے ذریعہ سے اور محنت مزدوری کر کے کچھ کما لیتے تھے اور اس پیشے کے باوجود غریب ہی تھے) فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ آلات حرفہ و تجارت پر زکوٰۃ نہیں۔ چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان غلاموں کو باوجود کشتی کے مالک ہونے کے مسکین ہی کہا۔ فقہاء مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ مسکین کا اطلاق ہر اس شخص پر جائز ہے، جو اگرچہ مال رکھتا ہو لیکن وہ اس کی ضرورت کے لیے کافی نہ ہو۔

وهو دليل على ان المسكين يطلق على من يملك شيئا اذا لم يكفه ۔ (بیضاوی)

وفيه دليل على ان المسكين وان كان يملك شيئا فلا يزول عنه اسم المسكنة اذا لم يقم مايملك بكفايته ۔ (معالم)

۱۱۱ وراء یہاں بمعنی امام (سامنے) کے ہے۔

ويقال لما كان قدامه ۔ (راغب)

ولاخلاف عند اهل اللغة في مجيئ وراء بمعنى امام (روح)

تابعین سے بھی یہی معنی منقول ہیں۔

قال قتادة امامهم (ابن جریر)

وهو قول قتادة وابى عبيد وابن السكيت والزجاج (روح)

والاكثر على ان معنى وراءهنا امام ۔ (قرطبی)

بلکہ حضرت ابن عباسؓ کی تو قرأۃ ہی بجائے وراءھم کے امامھم کی ہے۔

وكان ابن عباس يقرأ وكان امامهم ملك ۔ (فتح القدیر)

مراد یہ ہے کہ وہ کشتی جدھر جا رہی تھی، آس پاس آگے بڑھ کر ایک ایسے ظالم و غاصب بادشاہ کی

غَصۡبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الۡغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰهُ مُؤۡمِنَيۡنِ فَخَشِيۡنَاۤ اَنۡ

زبردستی پکڑ لیتا تھا۔ ۱۲۰؎ اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ ایمان والے تھے ۱۲۱؎ سو ہم کو معلوم ہوا کہ

يُّرۡهِقَهُمَا طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ يُّبۡدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيۡرًا

وہ ان دونوں پر بھی سرکشی اور کفر کا اثر ڈال دے گا ۱۲۲؎ سو ہم نے چاہا کہ اس کے عوض میں ان کا پروردگار انھیں

مِّنۡهُ زَكٰوةً وَّاَقۡرَبَ رُحۡمًا ﴿۸۱﴾

ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو ۱۲۳؎

عملداری شروع ہونے والی ہے۔

۱۲۰؎ اور اگر میں اس کشتی میں سوراخ نہ کر دیتا تو وہ بادشاہ اسے بھی پکڑ لیتا اور ان غریبوں کے ہاتھ سے ذریعۂ معاش جاتا رہتا۔ اب یہ ہے کہ اس کی مرمت وہ لوگ کرالیں گے۔ اور اس نقصانِ عظیم سے بچ جائیں گے۔

۱۲۱؎ (اور مجھے کشفِ تکوینی سے یہ علم ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر کافر ہوگا۔)

یہ علم مکاشفہ وہی ہے جس کا ذکر اوپر علمناہ من لدنا کے تحت میں موقع مدح پر آچکا ہے۔ ملاحظہ ہو اسی سورت کی آیت ۶۵ حاشیہ ۹۹

۱۲۲؎ (اور وہ دونوں اپنی طبعی محبت سے اس کا ساتھ دینے میں دینے لگیں گے)

خشینا۔ خشیۃ یہاں خوف و اندیشہ کے معنی میں نہیں ظن کے معنی میں ہے۔

الخشیۃ والخوف توجههما العرب الی معنی الظنّ، وتوجه هذه الحروف الی معنی العلم بالشئ الذی یدرك من غیر جهۃ الحس والعیان (ابن جریر)

قال الطبری: معناه فعلمنا، کذا قال ابن عباس (قرطبی)

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خشیۃ اپنے اصل معنی پر ہو، اور حق تعالیٰ نے جب خضرؑ کو پوری اطلاع اس لڑکے کی صلاحیتوں سے متعلق دیدی تو آپ نے خود ہی آئندہ کے خوف سے اسے قتل کر دیا۔

وانما خشی الخضر منه ذلك لان اللّٰه تعالیٰ اعلمه بحاله واطلعه علی سر أمره ایاه بقتله۔ (کشاف)

فقہاء نے یہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اولاد کے گناہ میں والدین بھی تغافل، رضا، عدم منع کی صورت میں ماخوذ ہوں گے۔

۱۲۳؎ (اور اس لڑکے کا ہم کام ہی تمام کر دیں۔)

زکوٰۃ۔ پاکیزگی میں یعنی دین و اخلاق میں۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا

اور رہی وہ دیوار سو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس (دیوار) کے نیچے اُن کا دفینہ تھا ۱۲۴

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا

اور اُن کا باپ ایک مردِ صالح تھا ۱۲۵ سو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی پختگی کو پہنچ جائیں

ای طهارة من الذنوب والاخلاق الردية۔ (بیضاوی)

زکوٰة۔ یعنی صالح اور دین دار ہوتے ہیں۔

ای دیناً و صلاحًا۔ (قرطبی)

رُحْمًا۔ محبت کرنے میں یعنی ماں باپ سے محبت کرتے ہیں۔

رُحم۔ رُحم سے ہے، اور معنی میں زور و قوت رحمۃ سے زیادہ رکھتا ہے۔

رحما من الرحمة وهی اشد مبالغة من الرحمة۔ (بخاری)

ابو عبیدہ لغوی کا قول ہے کہ رُحم رحم سے ہے جس کے معنی قرابت کے ہیں، اور رحمت سے زیادہ زوردار ہے، جس کے معنی محض رقتِ قلب کے ہیں۔

وحاصل کلامه ان رُحما من الرحم التی هی القرابة وهی ابلغ من الرحمة التی هی رقة القلب (فتح القدیر)۔

اقرب رحما ای ابر بوالدیه۔ (ابن جریر عن قتادة)

خشینا۔ اردنا۔ بعض محققین نے یہاں یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی نکیر چونکہ اس واقعہ قتل سے متعلق بہت شدید تھی اس لئے جواب میں حضرت خضرؑ نے بھی اپنے ارادہ کی قوت ظاہر کرنے کو صیغۂ جمع متکلم تعظیمی استعمال کیا۔

۱۲۴ (جو اُن کے باپ سے اُن کو میراث میں پہنچا ہے)

کنزٌ۔ یہاں اصطلاحی معنی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے عام لغوی معنی میں خزانہ یا مالِ عُظیم کے مرادف ہے۔

المدینة۔ وہی شہر ہے جس کا ذکر ابھی قریۃ کے نام سے اوپر آچکا ہے گویا قرآن مجید نے دونوں لفظ کو مرادف قرار دیا ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ وہاں ذکر موقع ہجو و مذمت پر تھا (بہ سلسلۂ بخل اہل قریۃ) اس لئے لفظ بھی ہلکا لایا گیا۔ اور یہاں محل مدح و تحسین کا ہے (بہ سلسلۂ صالحیت یتیمین) اس لیے لفظ بھی اونچا لایا گیا۔

۱۲۵ (سو اس کی برکت سے اللہ نے اس کے مال کو اس کی اولاد کے لیے محفوظ رکھنا چاہا۔)

صالحًا۔ یہاں محل تعلیل میں آیا ہے۔ یعنی مال کے غیبی تحفظ میں دخل والدین کی صالحیت کو بھی تھا۔ اس سے علماء محققین نے یہ نتیجہ نکالا کہ والدین کی صالحیت اولاد کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ بشرطیکہ اولاد بھی صالح ہو اور پسر نوحؑ جیسی نہ ہو۔

وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ

اور اپنا دفینہ نکال لیں ۱۲۶ (یہ سب) آپ کے پروردگار کی مہربانی سے ہوا اور یہ (کوئی کام) میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ ۱۲۷

فیہ دلالۃ علی ان اللہ یحفظ الاولاد لصلاح الآباء (جصاص)

فیہ دلیل علی ان الرجل الصالح یحفظ فی ذریتہ وتشمل برکۃ عبادتہ لھم فی الدنیا والاٰخرۃ (ابن کثیر)

یدل علی ان صلاح الآباء یفید العنایۃ باحوال الابناء (کبیر)

ابوالبقاء لغوی ونحوی نے اپنے کلیات میں بحث ضمائر میں فصل ض میں ص۲۳۰ پر کہا ہے کہ خضرؑ نے یہاں اپنے مکالمہ میں ارادۂ فعل تین بار منسوب کیا۔ اور تینوں جگہ ضمیر کا استعمال حسب موقع الگ الگ کیا ہے۔ اردت، اردنا اور اراد ربک پہلی جگہ کشتی میں عیب کرنے کا ذکر ہے، وہاں اپنی جانب اسے منسوب کرکے اردتُ سے تعبیر کیا ہے۔ دوسری جگہ جہاں ذکر رحمت الٰہی کا ہے وہاں اراد ربّک کہا ہے۔ اور تیسری جگہ جہاں الزام قتل سے اپنی صفائی پیش کی ہے، وہاں اپنی ذاتی اہمیت بحیثیت ایک عارف وحکیم کے بتائی ہے۔

۱۲۶ (تو میں نے دیوار کو درست کرکے دفینہ کو محفوظ کر دیا، ورنہ دیوار گر جانے سے لوگ اس مال کو لوٹ لے جاتے) بعض فاضلوں نے لکھا ہے کہ دیوار کی بلا اجرت مرمت پر چونکہ حضرت موسیٰؑ کا اعتراض بہت ہلکا تھا اس لئے حضرت خضرؑ نے جواب بھی بہت ہلکے انداز میں دیا۔ اور ارادۂ فعل میں اپنے نفس کی آمیزش بالکل نہیں آنے دی۔

۱۲۷ (بلکہ سارے کام بہ الہام الٰہی سرانجام دیئے)

مطلب یہ کہ ان افعال خلاف شریعت ظاہر میں سے کوئی سا کام بھی میری ذاتی رائے یا اجتہاد کا نتیجہ نہیں، سب الہامات الٰہی ہی کے تابع ہوئے ہیں۔

ما فعلت ما رایت عن اجتہادی ورائی وانما فعلتہ بامر اللہ (کشاف)

نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے سے بڑا صاحب باطن بھی خلاف احکام شریعتِ ظاہری نہیں جاسکتا تا وقتیکہ الہام صریح اپنی تائید میں نہ رکھتا ہو۔ لیکن خود الہام صریح ہی پر اب بعد ختم نبوّت کیا دلیل قائم ہوسکتی ہے؟ "بعض کو دھوکہ ہوا ہے کہ الہام پر خلاف شرع عمل جائز ہے جواب یہ ہے کہ یا تو وہ نبی ہوں گے اور یا یہ کہ شریعت سابقہ ہوگی مگر اس شرع میں یہ جائز نہیں" (تھانوی)

مشائخ صوفیہ نے لکھا ہے کہ جس طرح انبیاء امر نبوّت میں اپنے دل سے کچھ نہیں کرتے، اولیاء اہلِ خدمت بھی مدارج خدمت میں تابع حکم رہتے ہیں۔

ابوالبقاء لغوی ونحوی نے کہا ہے کہ یہاں خضر نے اپنی گفتگو میں تین افعال کا استعمال کیا ہے اور ضمیر ہر جگہ الگ الگ لائے ہیں۔ جہاں ایک عیب اپنی جانب منسوب کیا ہے وہاں اردت لائے ہیں۔ اور جہاں رحمت الٰہی کو بیان کیا ہے وہاں اراد ربک لائے ہیں۔ اور جہاں قتل انسانی کا ذکر کیا ہے وہاں فعل کی عظمت کے

ع ۱۰ ۱۲ ۱

ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ

یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔ ۱۲۸ف اور آپ سے (لوگ)

ذِي الْقَرْنَيْنِ

ذوالقرنین کے بارہ میں سوال کرتے ہیں ۱۲۹ف

دکھانے کو اپنے لیے ادنا صیغہ جمع متکلّم لائے ہیں۔

انظر الی اختلاف الضمائر فی کلمات الخضر اردت واردنا واراد ربّک فانہ لما ذکر العیب اضافہ الی نفسہ والرحمۃ الی اللہ وعند القتل عظم نفسہ۔

مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کا احتجاج ساقط ہوگیا جو کاملین کے لئے امور خلاف شرع فی الواقع کا صدور جائز رکھتے ہیں، وجہ سقوط ظاہر ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے یہ سب افعال بالکل مامور بہ من اللہ تھے، اور یہی مامور بہ شرع ہے، اگر وہ نبی تھے تب تو یہ افعال شرع جزئی کی طرف مستند ہیں، اور اگر نبی نہیں تھے تو شرع کلی کی طرف کسی اصل غامض سے استنباط کے ذریعہ سے جس پر موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے اطلاع نہیں ہوئی کہ ان پر وہ مصالح خاصہ منکشف نہیں ہوئے اس لئے وہ استنباط نہ کرسکے۔

۱۲۸ف عجب نہیں کہ ان اسرار کا بتلانا اس درخواست کا پورا کرنا بھی ہو جو موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی۔ تعلّمن مما علّمت۔ گو نمونہ ہی کے طور پر سہی، اور زیادہ ساتھ رہنے میں غالباً وہ مناسب موقع پر خود ہی بتلاتے۔ اور ہر واقعہ پر بتلانے تو یہ علم زیادہ حاصل ہوتا اور گو یہ علم موسوی کے برابر مفید عام نہ ہو کیونکہ قابل اتباع نہیں تاہم اس معنی کر مفید خاص ضرور ہے کہ بعض حکمتیں مفصلاً منکشف ہوتی ہیں گو اجمالی عقیدہ کہ ہر واقعہ مشتمل حکمتوں پر ہوتا ہے قرب کے لئے کافی ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں یہ نہ کہا کہ تم خلاف شرع کرتے ہو وجہ یہ کہ بعد غصہّ فرو ہو جانے کے اجمالاً سمجھ گئے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس بھیجا ہے تو اُن کا فعل موافق ہوگا۔ (تھانوی ؒ)

سارے قصہّ سے ظاہر ہے کہ پیمبر کے لئے شرط علوم متعلقہ نبوّت سے اطلاع ہے نہ کہ تمام علوم سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس علم سے جس کے لئے اتنا بڑا سفر کیا تھا، اور جس کے سیکھنے کے لئے اس شوق سے آئے تھے، دست برداری گوارا کرلی، مگر یہ گوارا نہ کیا کہ خلاف منصب نبوّت ایسے منکر افعال پر (اُن کا منشائے باطن کچھ بھی سہی) سکوت گوارا کرلیں۔ اسی لئے محققین کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ کوئی شغل اور کوئی کسب اپنے آثار روحانی ولطائف نورانی کے لحاظ سے کیسا ہی مزکّی نفس ومجلّی قلب ہو اگر احکام شریعت ظاہری کے خلاف ہوگا، ہرگز جائز وحلال نہیں۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ایسے مغیبات پر مطلع ہو جانا اور ان کا منکشف ہو جانا مقاصد میں سے نہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام باوجودیکہ خضر علیہ السلام سے بوجہ اس کے کہ قطعی نبی اور اولی العزم واہل شرع مستقل

سے ہیں اکمل تھے پھر بھی ان واقعات سے متجنب رہے۔

۱۲۹ یہ سوال کرنے والے مشرکین تھے بہ اشارۂ یہود۔ بعض روایتوں میں صرف مشرکوں کا ذکر آتا ہے اور بعض میں صرف یہود کا۔ لیکن قول مشہور و محقق یہی ہے۔

السائلون فی المشہور قریش بتلقین الیہود (روح)

المشہورات السائلین قریش حین دستہا الیہود۔ (بحر)

ذو القرنین ۔ طرز سوال سے خود ہی یہ نکل آیا کہ ذو القرنین کا لقب قرآن کا دیا ہوا نہیں، بلکہ یہ کوئی ایسی شخصیت تھی، جس سے یہود خوب واقف تھے، اور عرب میں یہ نام چلا ہوا تھا۔ چنانچہ راغب کے لغت مفردات القرآن میں اتنا ہی لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ ذو القرنین معروف"۔

عرب کا خیال یہ تھا کہ دنیا میں چار بادشاہ آفاق گیر ہوئے ہیں، اور ان ہی میں ایک ذو القرنین تھا۔

وقال ابن الکلبی ملک الارض اربعۃ نفر۔۔۔۔۔ سلیمان بن داؤد وذو القرنین ۔۔۔۔ ونمرود وبخت نصر۔ (المحبر ۳۹۳)

قرن کے لفظی معنی سینگ یا شاخ کے ہیں۔ اس لئے ذو القرنین کے لفظی معنی ہوئے "دو سینگوں والا"، اور ایک معنی قوت کے بھی لئے گئے ہیں۔

قیل القرن القوۃ۔ (نہایہ۔ لسان)

اور مجازی معنی اور بھی متعدد آئے ہیں، جو تاج العروس میں بہ تفصیل درج ہیں۔

محاورۂ یہود میں قرن یا سینگ، علامت شوکت و اقتدار کے تھے۔ چنانچہ روایات یہود میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کوہ طور سے توریت لے کر واپس ہوئے ہیں، تو آپ کے سر پر دو سینگ بھی نمودار تھے۔ بلکہ آپؑ کی جو قدیم قلمی شبیہیں ملی ہیں، ان میں سے بعض اسی صورت سے ہیں۔ اور توریت کے متعدد مقامات پر اس مجاز کو بہ طور حقیقت کے بیان کیا ہے۔ مثلاً:

"اور یوسف کے حق میں کہا کہ اس کی سرزمین خداوند کے حضور متبرک ہووے۔۔۔۔۔ اس کی شانداری ایسی ہے جیسے اس کے بیل کے پلوٹھے کی اور اس کے دو سینگ گینڈے کے سے سینگ (استثناء۔ ۳۳: ۱۳و ۱۷)

"میرا دل خداوند سے خوش ہے، خداوند سے میرا سینگ اونچا ہوا، میرا منہ میرے دشمنوں کے سامنے کھولا گیا۔" (سموئیل۔ ۲: ۱)

"اس دن میں ایسا کروں گا کہ اسرائیل کے خاندان کا سینگ پھوٹے گا اور تجھے ان کے درمیان منھ کی کشادگی عطا کروں گا۔" (حزقی ایل۔ ۲۹: ۲۱)

ذو القرنین کا یہ لقب کیوں پڑا، اور اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے، اس کے جواب میں کثرت سے اقوال و روایات نقل ہوئے ہیں۔ ایک مشہور توجیہ، جس کی بنیاد حدیث مرفوع پر بنائی جاتی ہے، یہ ہے کہ ذو القرنین مشرق و مغرب کی سیر کئے ہوئے تھا۔

انہ طاف قرنی الدنیا ای شرقہا وغربہا وروی ذلک مرفوعًا۔ (روح)

لانّہٗ بلغ قطری الارض مشرقہا ومغربہا نقلہ السمعانی۔ (تاج)

سمی بذٰلک لانّہ ملک الشرق والغرب۔ (نہایہ)

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہ ذوالقرنین تھا کون؟ ظاہر ہے کہ جس شخصیت کی تصریح سے قرآن بھی قاصر ہو اور حدیث صحیح بھی اور تاریخ میں بھی کوئی واضح و متعین جواب نہ ملتا ہو اس کے متعلق صرف کچھ قرائن وقیاسات ہی قائم کر سکتے ہیں، کسی قطعی وحتمی تحقیق کی کوئی صورت ہی نہیں۔

ا۔ لوک حمیر یمن میں سے ایک پُرقوت بادشاہ الصعب بن قرین بن الہمال گزرا ہے۔ عرب اس کو ذوالقرنین کہتے تھے، اور ان کے مورخوں کا خیال یہ تھا کہ یہی قرآنی ذوالقرنین ہے۔

ویقال ھو ذوالقرنین الذی ذکرہ اللّٰہ فی کتابہ واللّٰہ اعلم (المحبّر ۳۶۵ھ)

جزم طائفۃ بانّہ من الاذواء من التبابعۃ من ملوک الیمن واسمہ الصعب بن الحرث الرائش۔ (تاج)

اور ابن حبیب نے شاعر لبید کا یہ شعر بھی اسی کے متعلق نقل کیا ہے ؎

والصّعب ذوالقرنین اصبح ثاویاً ۔۔۔ بالحنو فی جدث امیم مقیم

۲۔ ملک حیرہ (سرحد ایران وعرب) کے خاندان لخمیہ کا فرماں روا منذر ابن امرئ القیس جو منذر الاکبر بھی کہلاتا ہے، وہ بھی اسی لقب کا حامل ہے۔ اس لئے کہ اس کی پیشانی کے دونوں طرف گھونگھر والے کاکل تھے۔ اس کی مدت سلطنت ۴۹ سال رہی، اور اس کی ماں کا نام ماء السماء تھا۔

کان یقال للمنذر بن ماء السماء وھو الاکبر جدّ نعمان بن المنذر سمی بہ لضفیرتین کانتا فی قرنی راسہ کان یرسلہما۔ (جوھری۔ تاج)

ثم ملک المنذر بن امرئ القیس وھو ذوالقرنین وامہ ماء السماء (المحبّر ۳۵۹ھ)

سمّی ذوالقرنین الملک وھو المنذر الاکبر جد نعمان بن منذر۔ (جمھرۃ اللغۃ)

بلکہ قدیم ومشہور لغوی ابن درید (صاحب الجمھرۃ) نے امرئ القیس کا یہ شعر بھی اسی کی شان میں نقل کیا ہے۔

؎ اصدّ نشاص ذی القرنین حتی ۔۔۔ تولّی عارض الملک الھمام

ابن دُرید نے ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا ہے کہ یہ ذوالقرنین قرآنی نہیں ہے۔ اور یہی لسان نے بھی نقل کر دیا ہے۔

لیس بالمذکور فی التنزیل۔ (جمھرۃ اللغۃ)

وذوالقرنین المنذر الاکبر۔۔۔۔ لیس ھُو الموصوف فی التنزیل (لسان)

۳۔ مفسرین کا بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ قرآنی ذوالقرنین، یونان کا مشہور کشور کشا اسکندر مقدونوی (۳۵۶ھ ق۔م تا ۳۲۳ھ ق۔م) ہوا ہے۔

یعنی اسکندر الرومی۔ (بیضاوی)

اسمہ اسکندر (جلالین)

الاسکندر الذی ملک الدنیا (مدارک)

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اس کا ذکر میں ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں ۱۳۰

قیل اسمہ اسکندر بن فیلقوس (معالم)

و ذوالقرنین ھوالاسکندر الیونانی ذکرہ ابن اسحق (بحر)

بلکہ امام رازی نے تو یہ حکم قطعیت کے ساتھ لگا دیا ہے۔

وجب القطع بان المراد بذی القرنین ھوالاسکندر بن فیلبوس الیونانی۔ (کبیر)

اور اہل لغت نے یہ تشریح بطور ایک مسلمہ کے نقل کر دی ہے۔

لقب اسکندر الرومی (جوھری)

وذوالقرنین المذکور فی التنزیل ھوالاسکندر الرومی (قاموس۔ تاج)

و ذوالقرنین الموصوف فی التنزیل لقب لاسکندر الرومی (لسان)

ذی القرنین ھوالاسکندر (نہایہ)

اور یہی راہ تاریخ و سیر کے بعض مشاہیر نے بھی اختیار کی ہے۔

اسمہ الاسکندر وھوالذی بنی الاسکندریۃ فنسبت إلیہ (ابن ھشام۔ اسلام حمزہؓ بن عبدالمطّلب)

وقال الطبری فی الاسکندر ھواسکندروس بن فیلقوس (الروض الانف للسھیلی)

۴۔ مفسرین ہی کے ایک گروہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسکندر سے مراد یہ مشہور سکندر مقدونوی نہیں بلکہ ایک قدیم تر سکندر ہے جو موحّد تھا، اور حضرت ابراہیمؑ کا ہمعصر یعنی سکندر مقدونوی سے دو ہزار سال قبل۔

فاما الاول المذکور فی القران فکان فی زمن الخلیل کما ذکرہ الازرقی و غیرہ و أنہ طاف مع الخلیل علیہ السلام بالبیت العتیق۔ (ابن کثیر)

لیکن تاریخ اس سکندر کے ذکر سے خاموش ہے۔

۵۔ لقب ذوالقرنین کا پانچواں مصداق ایران کے بادشاہ عظیم فورس کو مانا گیا ہے جس کے نام کے تلفظ مختلف زبانوں میں سایرس، گوروش اور کیخسرو ہیں، اس کی وفات ۵۲۹ ق م میں ہوئی ہے۔ یہ فارس اور میڈیا دو ملکوں کا متفقہ بادشاہ تھا، اور اپنے زمانہ کا بڑا مشہور فاتح و کشور کشا ہوا ہے۔

موافق و مخالف بحثوں پر نظر کرنے کے بعد ان سطور کے راقم آثم کو مفسرین کے سواد اعظم کی رائے قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے، جس نے ذوالقرنین کا مصداق سکندر یونانی کو قرار دیا ہے۔ البتہ تذبذب اس بنا پر ہے کہ سکندر کے موحد و صاحب ایمان ہونے کی کوئی واضح شہادت نہیں ملتی۔ اور یہ ذرا مستبعد ہی ہے کہ قرآن مجید محل مدح پر ذکر ایسے بادشاہ کا کرے، جو نعمت توحید سے محروم ہو۔ تاریخی روایتیں جو اس کے حق میں ملتی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ وہ وقت کے دین توحید (یہودیت) کا ہمدرد تھا اور

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾

ہم نے اسے زمین پر حکومت دی تھی، اور اسے ہر طرح کا سامان دیا تھا ۱۳۱ل

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾

پھر وہ ایک راہ پر ہو لیا۔ ۱۳۲ل

معبد یہود کی عظمت کرتا تھا مشرک بادشاہوں کے عام طریقہ کے برخلاف۔

باقی دلائل و شواہد کے لحاظ سے گنجائش اس فریق کے حق میں بھی ہے جو ذوالقرنین فورس اعظم ایرانی کو قرار دیتا ہے۔ (واللہ اعلم)

۱۳۰ل (حسب وحی الٰہی)

منہ میں مضاف خبر محذوف ہے۔

منہ ای من خبرہ (ابن عباسؓ)

بعض نے ضمیر ذوالقرنین کی جانب بھی سمجھی ہے۔

ای من حالہ (جلالین)

والہاء لذی القرنین (روح)

اور من تبعیضیہ بھی مانی گئی ہے۔

ومن تبعیضیۃ والمراد من أنبائه وقصصه (روح)

۱۳۱ل (جس سے وہ اپنے بلند منصوبوں اور شاہی ارادوں کی تکمیل کر سکے)

کلّ شیءٍ سے مراد اس سیاق میں وہی ساری چیزیں ہیں جن کی ضرورت بادشاہوں کو فتوح ملکی وغیرہ میں پڑتی ہے۔

ای من اسباب کل شیءٍ ارادۃ من اغراضہ ومقاصدہ فی ملکہ (کشاف)

من کل شیءٍ یستعین بہ الملوک من فتح المدائن وقہر الاعداء (قرطبی)

ارادہ من مہمات ملکہ ومقاصدہ المعلقۃ بسلطانہ۔ (روح)

من بیانیہ ہے۔ من بیانیۃ (روح)

مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک بہت بڑا بادشاہ اور جلیل القدر فرمانروا تھا۔

سببًا۔ سبب کے معنی ہیں ذریعہ، واسطہ یا سامان، جس سے مقصد پورا ہو سکے۔

کل ما یتوصل بہ الی شیءٍ (راغب)

ما یتوصل بہ الی المقصود من علم او قدرۃ او آلۃ (کشاف)

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ مال بلکہ خزائن و جاہ یہاں تک کہ سلطنت کا حاصل ہو جانا بھی منافیٔ کمال نہیں۔

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِیۡ عَیۡنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ

یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کے موقع پر پہنچا تو اُسے ایک سیاہ چشمہ میں ڈوبتے ہوئے محسوس کیا ۱۳۳ اور

عِنۡدَهَا قَوۡمًا ؕ

اس کے قریب ایک قوم کو (بھی) پایا ۱۳۴

۱۳۲ (اور جانب مغرب بہ ارادۂ لشکر کشی بڑھا)۔
سبب کے معنی جس طرح ساز و سامان کے ہیں، اسی طرح راہ، منزل و طریق کے بھی ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔
یعنی بالسبب المنزل (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) سببًا ای منزلاً و طریقًا (ابن جریر۔ عن مجاهد) ای منازل الارض ومعالمها (ابن جریر۔ عن قتادة)
سکندر اعظم کی ابتدائی جنگی مہمات شمال و مغرب ہی کی جانب تھیں، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۳۳ (جیسا کہ سمندر کے کنارے کھڑے ہوئے ہر شخص کو سورج سمندر ہی میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا ہے)
مغرب الشّمس۔ یعنی سمت مغرب میں منتہائے خشکی پر۔
ای منتهی الارض من جهة المغرب (روح)
الغرب والمغرب دونوں سے مراد پچھم کی سمت ہی ہوتی ہے۔
وجدھا۔ وجد کے دو مختلف مفہوم لغت عرب میں ہیں۔ ایک معنی تو ہیں پایا، معلوم کیا، دریافت کیا۔ گویا اس معنی میں واقعیت یا واقعہ کے ساتھ مطابقت کا پہلو بھی شامل ہے۔ اور دوسرے معنی ہیں محسوس کیا یا مشاہدہ کیا۔ گویا اس کا تعلق محض وجدان سے ہے، واقعہ سے مطابقت ہرگز ضروری نہیں، اور یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔
والمراد وجدها فی نظر العین (روح)
فوجدها فی رای العین تغرب فی عین حمئة (قرطبی)
بعض نے صاف لکھدیا ہے کہ محض رویتِ وجدانی مراد ہے، ورنہ یہ ممکن کیونکر ہے کہ آفتاب کا سا جرم عظیم ایک زمینی چشمہ کے اندر سما جائے۔
وغروبها فی العین فی رای العین والا فهی اعظم من الدنیا۔ (جلالین)
عین حمئة۔ یعنی گندلے سیاہ کیچڑ میں۔
ای فی طین اسود (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) ذات حمأة (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ)
الحمئة الحمأة السوداء۔ (ابن جریر۔ عن قتادة)
اب تاریخ و جغرافیہ کی شہادت یہ ہے کہ سکندر کی ابتدائی فتوحات کی سمت (یعنی سمت مغرب میں) ایک بڑی جھیل آکریڈا (OCHRIDA) کے نام سے جنوبی سربیا (موجودہ یوگوسلاویا) میں واقع ہے مناسبتا

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ

ہم نے کہا اے ذوالقرنین (تمہیں اختیار ہے) خواہ انھیں سزا دو اور خواہ اُن کے ساتھ نرمی اختیار

حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ

کرو۔۱۳۵ (ذوالقرنین نے) کہا کہ اچھا مگر جو کافر رہے گا سو ہم اسے عنقریب سزا دیں گے پھر وہ اپنے پروردگار

فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ

کے پاس پہنچا یا جائے گا تو وہ اسے بڑا سخت عذاب دے گا۔۱۳۶ اور جو ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا سو اس کے

جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾

لئے اچھا معاوضہ ہے اور ہم بھی اپنے برتاؤ میں اس کے ساتھ نرم بات کہیں گے۔۱۳۷

سے کوئی ۵۰ میل جانب مغرب، اس کا پانی جن زیر زمین دو ز چشموں سے آتا ہے، وہ بڑے گندلے ہیں یا سیاہی مائل یہاں تک کہ جو دریا اس جھیل سے نکلا ہے اس کا نام بھی دریائے سیاہ (BLACK DRIN) ہے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۳۴ (جو کافر تھی جیسا کہ آگے آیت میں آرہا ہے۔)

كفارًا (ابن عباسؓ)

الذى عليه الجمهور انهم كانوا كفارا۔ (روح)

وجد یہاں اپنے پہلے معنی میں ہے، ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۳۳ یعنی اس گندلے چشمہ کے کنارہ ایک قوم آباد تھی۔

۱۳۵ یعنی سزا دو تو اُن کے کفر سابق کی بنا پر وہ بھی ٹھیک ہے اور انھیں نرمی سے دعوت ایمان دو تو وہ بھی اُن کی توقع ایمان کی بنا پر مناسب ہے۔ ـــــــ اس کا فیصلہ ذوالقرنین ہی پر چھوڑ دیا گیا ہے جیسا کہ ہر ایسے موقع پر امام مسلمین یا امیر مؤمنین پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

هذا التخيير على معنى الاجتهاد فى اصلح الامرين (كبير)

قلنا۔ یہ ارشاد خداوندی الہاماً ہی ہوا ہو گا، جبکہ ذوالقرنین نبی نہ تھے۔

قال القشيرى ابو نصر ان كان نبيا فهو وحى وان لم يكن نبيا فهو الهام (قرطبى)

قول خداوندی کے اس طرز استعمال کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے ملتی ہیں۔

۱۳۶ (آخرت میں)

ذوالقرنین نے کہا کہ اچھا تو میں ابھی نرمی کا طریقہ اختیار کرتا ہوں اور پہلے ان لوگوں کو دعوت ایمان ہی دیتا ہوں۔

من ظلم۔ ظلم یہاں ایمان کے مقابل اور اس لئے کفر کے معنی میں ہے اور ظالم کافر کے معنی میں۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ

پھر وہ ایک (اور) راہ پر ہو لئے ۱۳۸ یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب کے موقع پر پہنچے تو اسے ایک ایسی قوم پر

عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا

طلوع ہوتے دیکھا جن کے لئے ہم نے اس کے اوپر کوئی آڑ نہیں رکھی تھی ۱۳۹ یہ اسی طرح ہے اور جو کچھ ان کے

بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾

پاس تھا اس کی ہم کو پوری خبر ہے۔ ۱۴۰ پھر وہ ایک (اور) راہ پر ہو لئے ۱۴۱

ظلم ای کفر باللہ (ابن عباسؓ)

الظلم العظیم الذی ھو الشرک (روح)

یعنی آپ نے فرمایا کہ جو میری دعوت ایمان کے بعد بھی کافر رہے گا۔

ای استمر علی کفرہ وشرکہ بربہ (ابن کثیر)

ای اقام علی الکفر منکم (قرطبی)

نعذبہ۔ اس عذاب کے تحت میں قتل وغیرہ سب کچھ آگیا۔

نکرا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۰۹

۱۳۷ یعنی فعلی سختی تو کیا قولی سختی بھی مومنین کے ساتھ روا نہ رکھی جائے گی۔

فلہ الجزاء الحسنیٰ۔ یعنی آخرت میں اس کے لئے عیش ہی عیش ہے۔

۱۳۸ یعنی سمت مشرق میں۔

سکندر کی فوجی مہمات بعد کو مشرق ہی کی سمت ہوئیں ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۳۹ یعنی وہ وحشی اور غالباً خانہ بدوش قوم مکان ولباس وغیرہ کی صنعتوں سے ناآشنا تھی۔ دھوپ سے بچنے کو نہ مکان تھا نہ کپڑا۔

مطلع الشمس۔ یعنی سمت مشرق میں منتہائے آبادی پر۔

ای غایۃ الارض المعمورۃ من جھۃ المشرق۔ (روح)

وجدھا۔ وجد کے معنی یہاں بھی وہی معلوم کرنے، محسوس کرنے کے ہیں۔

ستراً۔ ستر کے لفظی معنی ہیں وہ چیز جو ڈھانکے۔

ھو ما یستربہ۔ (تاج)

یہاں مراد ہر ایسی چیز ہے، جو ابر و باد سے بچانے اور محفوظ رکھنے کا کام دے سکے، اور اس میں مکان ولباس دونوں آگئے۔

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا یَکَادُوۡنَ

یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو اُن کے اوپر ایک قوم کو پایا جو گویا کوئی بات ہی

یَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ

نہیں سمجھتے تھے۔ ۱۴۲ ان لوگوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین (قوم) یاجوج و ماجوج (اس) سرزمین میں

فِی الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَکَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَهُمۡ سَدًّا ﴿۹۴﴾

بڑا فساد مچاتے ہیں۔ تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ سرمایہ جمع کر دیں جس سے آپ ہمارے اور اُن کے درمیان کوئی روک بنا دیں ۱۴۳

لم یبنوا فیھا بناء قط ولم یبن علیھم فیھا بناء قط (ابن جریر عن قتادۃ)

الستر الذی جعلنا لکم من الجبال والحصون والابنیۃ والاکنان من کل جنس والثیاب من کل صنف (کشاف)

المراد لاشیء لھم یسترھم من اللباس والبناء (روح)

معناہ لاثیاب لھم ویکونون کسائر الحیوانات عراۃ ابدًا۔ (کبیر)

۱۴۰ کذلک۔ تحقیق وتاکید کے لئے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں اصل حقیقت اور واقعہ ہے، اور ہم کو ذوالقرنین اور اس کے سازوسامان کی پوری اطلاع ہے۔

۱۴۱ (اور اب کی بھی سمت مشرق ہی تھی)

قرآن مجید میں اس سمت کی بابت کوئی اشارہ نہیں۔ قدیم مفسرین نے اپنے وقت کی جغرافی معلومات پر اعتماد کر کے لکھ دیا ہے کہ سمت شمال مراد ہے لیکن اس پر کوئی دلیل نقلی یا عقلی قائم نہیں کی ہے۔ ان کے قیاس کی بنیاد تمام تر یہ ہے کہ قدیم جغرافیہ میں انسانی آبادی عموماً شمال ہی کے سمت دکھائی گئی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس تیسرے جنگی سفر کی سمت بھی مشرق ہی تھی اور چونکہ سمت مشرق کا ذکر ابھی اوپر آچکا ہے اس لئے کسی مزید تصریح وتعیین کی ضرورت نہ تھی۔

۱۴۲ یعنی ذوالقرنین اور اس کے لشکریوں کی زبان ان کے لئے بالکل اجنبی تھی۔

ماکانوا یفھمون اللسان الذی یتکلم بہ ذوالقرنین۔ (کبیر)

عجب نہیں جو یہ ترکستانی قبائل ہوں جن کی زبان، تلفظ، لب ولہجہ سب یونانیوں کے لئے اجنبی تھا۔

بین السدین۔ سد کے اصلی معنی دو چیزوں کے درمیان اوٹ یا رکاوٹ کے ہیں۔

الحاجز بین الشیئین۔ (ابن جریر)

اور اس کے عموم میں پہاڑ، دیوار وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہاں مراد پہاڑ لی گئی ہے۔

السدین الجبلین (ابن عباس)

یعنی بین جبلین ۔ (ابن جریر عن الضحاک) وھما جبلان (ابن جریر عن قتادۃ)

۱۴۳ (تاکہ وہ پھر ہمارے ملک میں نہ آنے پائیں۔)

یاجوج وماجوج ۔ بہ ظاہر یہ وہ منگولی قبیلے معلوم ہوتے ہیں، جو پہاڑوں کی دوسری طرف آباد تھے، اور کبھی کبھی موقع پاکر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔

یاجوج اور ماجوج کا اشتقاق اہل لغت نے مادہ اُجّ سے کیا ہے، جس کے معنی آگ کے شعلہ مارنے اور پانی کے تموج و تلاطم کے ہیں، ان کے یہ نام ان کی شدت شورش کی بنا پر پڑے۔

شبھوا بالنار المضطرمه والمیاہ المتموجه لکثرۃ اضطرابھم (راغب)

بعض نے انھیں اسماء عجمی بھی کہا ہے۔

اسمان اعجمیان بدلیل منع الصرف (کشاف)

عہد عتیق کے صحیفۂ حزقی ایل کے باب ۳۸ و ۳۹ میں یاجوج وماجوج کا ذکر بار بار آیا ہے، اور پیشین گوئیاں بھی درج ہیں، لیکن کچھ تفصیلات بیان نہیں ہوئی ہیں۔ بائیبل کے شارحین بھی آج تک اُن کی تعیین میں مضطرب ہیں۔ کوئی یاجوج وماجوج کو دو قومیں قرار دیتا ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ یاجوج قوم کا نہیں مقام کا نام ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یاجوج یافث بن نوحؑ کی نسل سے ہے۔ عام طور پر اُن لوگوں کی سکونت ایشیاء کوچک اور آرمینیا میں سمجھی گئی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ وہی قومیں ہیں جو سیتھین (SAYTHINS) یا تورانی کہلاتی ہیں۔ بہرحال بائیبل اور اس کی شروح سے قرآنی یاجوج وماجوج پر کچھ زیادہ روشنی نہیں پڑتی۔

قرآنی اشاروں سے تو بس پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی شوریدہ پشت وشورش پسند پہاڑی قبیلے تھے۔ اور جو آبادیاں ان کی تاخت کی زد میں تھیں انھوں نے ذوالقرنین سے عرض کیا کہ ہم ان سے سخت پریشان ہیں، کہئے تو ہم چندہ فراہم کردیں، اور آپ ہمارے ان کے درمیان ایسی حد فاصل قرار دیں جسے توڑ کر یہ حملہ آور نہ ہوسکیں۔

فقہاء مفسرین نے آیت سے استدلال کیا ہے محبس کے بنانے کا، اور مجرموں مفسدوں کو ان قید خانوں میں بند رکھنے کا۔

فی ھذہ الآیة دلیل علی اتخاذ السجون وحبس اھل الفساد فیھا ومنعھم من التصرف لما یریدونه ۔ (قرطبی)

سدًّا ۔ یعنی روک۔

ای حاجزا یمنعھم من الوصول الینا ۔ (روح)

ای ردما والردم ما جعل بعضه علی بعض حتی یتصل ۔ (قرطبی)

اور مفسر بیضاوی نے اپنی فارسی کتاب نظام التواریخ (مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۳۰ء) میں سدّ یاجوج ماجوج کو اصلاً منسوب اسی سکندر یونانی کی طرف کیا ہے، گو آگے چل کر یہ قول بھی نقل کردیا

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ

(ذوالقرنین نے) کہا کہ میرے پروردگار نے مجھے جو کچھ دے رکھا ہے وہ بہت کچھ ہے سو تم میری مدد محنت سے کرو۱۴۴ء میں

وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾

تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دوں ۱۴۵ء

ہے کہ یہ سکندر وہ نہ تھا جو ذوالقرنین کہلاتا ہے "سکندر الملقب بذی القرنین" کے تحت میں ہے:۔

"سیزدہ سال در جملہ جہان بگردید وتمامت معمورۂ زمین در تحت امور خود آورد، چند شہر بنا کرد از آن جملہ آن شہرستان مرو وہراۃ واصفہان واسکندریہ وسد یاجوج وماجوج گویند این اسکندر غیر از ذوالقرنین بودہ است" (ص۱۹)

یاجوج وماجوج کے سلسلہ میں بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہوگا کہ ان کی بڑی بڑی دیو ہیکل مورتیاں شہر لندن میں شہر کی مرکزی نیم سرکاری مشہور عمارت گلڈہال کے عین صدر پھاٹک پر بہ طور محافظ ودربان کے مدت دراز سے نصب چلی آرہی تھیں اور ابھی مارچ ۱۹۵۳ء کی بات ہے کہ یہ مورتیاں ہٹا دی گئیں ـــــــ بعض اہل قلم نے بڑا لطیف استدلال ان دیو پیکر مورتیوں کے وجود سے مغربی قوموں اور یاجوج ماجوج کی باہمی مماثلت ومناسبت پر کیا ہے۔

۱۴۴ء ذوالقرنین نے ان لوگوں کی درخواست کے جواب میں کہا کہ مال وخزانہ تو میرے پاس خدا کا دیا ہوا خود ہی بہت کافی ہے مجھے تمہاری مالی امداد کی ضرورت نہیں البتہ تم ہاتھ پیر سے میری مدد کرو۔ مجھے ضرورت مزدوروں، کاریگروں (LABOUR) کی ہے۔

ما جعلنی فیہ مکینا من المال والملک خیر مما تبذلون من الخراج ولا حاجۃ لی الیہ (بیضاوی)

ای ما بسط اللہ لی من القدرۃ والملک خیر من خرجکم (بحر)

فقہاء نے یہاں دو مسئلے مستنبط کئے ہیں ایک یہ کہ بادشاہ کو جائز ہے کہ رعایا کی درخواست پر اس کی رفاہ عام اور تحفظ کے سامان کو بہ معاوضہ واجرت درست کرائے۔ دوسرے یہ کہ معاوضہ واجرت جس طرح مال سے صحیح ہے محنت یا کام سے بھی صحیح ہے چنانچہ ذوالقرنین نے کہا ہے کہ کام تم کرو، دیوار میں بنوائے دیتا ہوں۔ اس میں معاوضہ کی صورت کام سے بھی آگئی اور مال سے بھی۔

۱۴۵ء (جس سے وہ پھر آ ہی نہ سکیں)

ردما۔ ردم کہتے ہیں بہت پختہ اور سنگین ومضبوط قسم کے حجاب کو۔

سد الثلمۃ بالحجر۔ (راغب)

حاجزا حصینا موثقا۔ (کشاف)

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ

تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ ۱۴۶ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے سِروں کے درمیان کو برابر کر دیا تو

حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ ﴿۹۶﴾

کہا دھونکو۔ یہاں تک کہ جب اُسے آگ بنا دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تو میں اس پر ڈال دوں ۱۴۷

اور محاورہ میں ردم، سد۔ سے کہیں بڑے حجاب کو کہتے ہیں۔

والردم اکبر من السد (کشاف)

قیل الردم ابلغ من السد۔ (قرطبی)

۱۴۶ (اور سب سامان جمع کرو)

چنانچہ سامان جمع ہو گیا اور کام شروع ہو گیا ـــــ قرآن مجید (جیسا کہ ہر بلیغ ادب و انشاء کا دستور ہے) ایسے صریح و واضح مقامات پر صراحت کو حشو سمجھ کر حذف کر جاتا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بنیادیں وغیرہ تو پتھر سے بھری گئی ہوں گی اور اوپر سے اس درہ کو لوہے کی چادروں کے دروازہ سے بند کیا گیا ہوگا۔

نزول قرآن کے صدیوں بعد سیاحوں کے مشاہدہ میں ایک آہنی دیوار مقام 'دربند' میں آئی۔ اور اس کا نام 'سدِ سکندری' ہی مشہور تھا اور وہ پھاٹک باب الحدید ہی کہلاتا تھا۔ یہ 'دربند' وہ نہیں جو بحر قزوین کے مشرقی ساحل پر علاقہ قفقاز میں واقع ہے جیسا کہ بعض مفسرین جدید کو دھوکا ہوا ہے۔ بلکہ یہ وہ 'دربند' ہے جو علاقہ وسط ایشیا کے مشرقی حصہ میں ضلع حصار میں واقع ہے۔ اس کا ذکر مشہور یورپین سیاح مارکو پولو نے اپنے سفرنامہ میں بھی کیا ہے۔ نیز انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم جلد ۱۳ صفحہ ۵۲۶ پر ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۴۷ (مزید استحکام کے لئے)

ظاہر ہے کہ یہ سارے کام آلات جر ثقیل وغیرہ اعلیٰ درجہ کی مشینوں کی مدد سے انجام پائے ہوں گے، اور ذوالقرنین کے تحت میں بڑے بڑے ماہرین فن انجینیر اور مہندس ہوں گے۔

ساوٰی بین الصدفین۔ یعنی جو خلا دونوں پہاڑوں کے سِروں کے درمیان رہ گیا تھا اُسے پہاڑوں کے برابر کر دیا۔

الصدفان۔ ای جانبا الجبلین (کشاف)

قال ابو عبیدۃ ھما جانبا الجبل۔ (قرطبی)

جعلہ نارًا۔ یعنی خوب لال انگارہ کر دیا جیسا کہ لوہا خوب تپنے کے بعد ہو جاتا ہے

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ

سو وہ (قوم یاجوج وماجوج) نہ اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب ہی لگا سکتے تھے ۱۴۸ (تو ذوالقرنین نے) کہا کہ

مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾ ط

یہ (بھی) میرے پروردگار کی ایک رحمت ہی ہے ۱۴۹ پھر جب میرے پروردگار کا وعدہ آپہنچے گا تو وہ اسے ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے پروردگار کا

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ

ہر وعدہ برحق ہے ۱۵۰ اور ہم اس روز انہیں چھوڑ دیں گے ایک دوسرے کے درمیان موجیں مارتے ہوئے ۱۵۱ اور صور پھونکا

۱۴۸ (اور اس دیوار کی بلندی واستحکام کے باعث ان وحشی وجنگجو قوموں کی تاخت وتاراج سے امن ہوگیا)
ان یظھروہ۔ کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اس پر غالب نہ آسکے۔ اور دیوار پر غالب آنے سے مراد یہاں اس پر چڑھ سکنا ہے۔

ای ان یعلوہ (کشاف)

ان یعلوہ ویصعد وافیہ (قرطبی)

۱۴۹ (کہ میرے ہاتھ سے ایسا مہتم بالشان کام انجام دلا دیا)
ذوالقرنین نے یہ بات بہ طور شکر وتحدیث نعمت کے کہی جو شیوہ ہے اہل حق کا۔
ھذا۔ میں اشارہ ہے اس سدّ کی تعمیر کی جانب یا اس تعمیر پر قدرت وقوت کی جانب۔

اشارۃ الی السدّ ... أو ھذا الاقدار والتمکین من تسویتہ۔ (کشاف)

۱۵۰ (جو بہر نوع وبہر صورت پورا ہو کر ہی رہتا ہے)
ذوالقرنین کے قول کا مطلب یہ ہے کہ سردست تو میں نے ان موذیوں کے شر سے تم کو محفوظ کر دیا ہے، باقی جب اس کے فنا کا وقت آئیگا تو یہ دیوار سنگ وآہن بھی باوجود اس استحکام کے زمین دوز ہو کر نیست ونابود ہو جائے گی، اور جس طرح ہر شے فانی ہے، یہ بھی اپنے وقت پر فنا ہو کر رہے گی۔

وعد ربیّ۔ ای وقت وعدہ تعالیٰ۔ (روح)

وعد ربیّ۔ پروردگار کا وعدہ یعنی اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت۔

۱۵۱ یہ کس روز؟ یومئذ سے کس روز کی طرف اشارہ ہے؟ بظاہر مراد اس دیوار کے ہدم کے دن سے ہے، یا اس وقت کے قرب سے ہے۔

الاقرب ان المراد الوقت الذی جعل اللہ ذلک السد دکا۔ (کبیر)

أی یوم إذ جاء الوعد بمجیٔ بعض مبادیہ (روح)

ای یوم یدکّ ھذا السد (ابن کثیر)

فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾

جائیگا پھر ہم سب کو جمع کرلیں گے۔ ۱۵۲

قیل ھٰذا اعند فتح السد (معالم)

لیکن بعض نے اس سے یوم قیامت مراد لیا ہے، اور یہ مفہوم بھی سیاق قرآنی سے کچھ زیادہ بعید نہیں، اس صورت میں بعضھم میں ضمیر ھم بجائے یاجوج وماجوج کے خلق کی جانب ہوجائے گی۔

بعضھم ای بعض الخلق (کشاف)

یومئذ کی جو دوتوں تفسیریں نقل ہوئیں ان میں باہم کوئی منافات نہیں، ہدم دیوار کا وقوع عین قرب قیامت ہی میں تو ہوگا۔

ترکنا۔ یہاں جعلنا کے مرادف ہے۔ (کشاف وبیضاوی)

ترك الشئ رفضہ قصدًا او اختیارًا او قھرًا و اضطرارًا فمن الاول وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض (راغب)

یموج فی بعض۔ کا صحیح ترجمہ لہریں مارنا ہی ہے ـــــ مراد یہ ہے کہ یہ قومیں سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھی ہوئی، ایک دوسرے پر پلی پڑتی ہوئی، نکل پڑیں گی۔

ماج ای اضطرب اضطراب الموج۔ (راغب)

موج سے تشبیہ اس لحاظ سے بھی ہوسکتی ہے کہ ایک قوم دوسرے سے ڈرتی ہوئی سہمتی ہوئی اس سے چمٹ جائے گی۔ قدیم مفسرین اس پہلو سے یکسر ناآشنا نہیں ـــــ اور آج کی فرنگی قوموں پر تو یہ پوری طرح صادق ہے۔

واستعارۃ الموج لھم عبارۃ عن الحیرۃ وتردد بعضھم فی بعض کالمولھین من ھم وخوف (قرطبی)

والموج مجاز عن الاضطراب ای یضطربون اضطراب البحر۔ (روح)

آج کل جو انگریزی اصطلاح (INFILTRATION) (ایک دوسرے میں سرایت کرجانے پیوست ہوجانے) کی جو چل پڑی ہے عجب نہیں کہ اس جانب بھی اشارہ اس لفظ میں ہو۔

بعضھم۔ یہ ضمیر ھم کس کی طرف ہے؟ اور اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ کھلی ہوئی بات ہے کہ قوم یاجوج وماجوج کی جانب۔

الاظھر کون الضمیر لیاجوج وماجوج ای ترکنا بعض یاجوج وماجوج یموج فی بعض آخر منھم (بحر)

یجوزان یکون الضمیر لیاجوج وماجوج وانھم یموجون حین یخرجون مما وراء السد (کشاف۔ مدارک)

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ

اور اس روز ہم دوزخ کو کافروں کے سامنے پیش کر دیں گے جن کی آنکھوں پر میری یاد سے

١١ ع ١٩ ٢

فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ اَفَحَسِبَ

پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ سن ہی نہیں سکتے تھے ١٥٣ کیا پھر بھی کافروں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ

کا خیال ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو (انبیا) کارساز قرار دے لیں؟ ١٥٤

وجعلنا بعض یاجوج وماجوج حین یخرجون مما وراء السد یموجون فی بعض۔ (بیضاوی)

قال ذالک حین یخرجون علی الناس (ابن کثیر)

بعضھم یموج فی بعض۔ ان لفظوں میں قرآن مجید نے ان یاجوجی و ماجوجی قوموں کے ہمہ وقتی اضطراب کی بے مثل تصویر کھینچ دی ہے۔ ہر دم یہ قومیں ایک تموجی اضطراب ہی میں مبتلا رہتی ہیں کہیں آپس میں میل جول کرتی ہوئی ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتی ہوئی، اور کہیں مخالفانہ و معاندانہ ایک دوسرے کے اندر گھستی ہوئی۔

١٥٢ اب بیان قیامت کا شروع ہو گیا ـــــ ہر اہم دنیوی واقعہ و حادثہ میں آخرت کی یاد دلا دینا عین اسلوب قرآنی کے مطابق ہے۔

١٥٣ (اُس بغض و عناد کی بنا پر جو انھیں اسلام و رسول اسلام سے تھا۔)

یہ ذکر دنیا کا ہے کہ جب کافر دنیا میں تھے تو نہ دینِ حق کو دیکھتے تھے، نہ دعوتِ حق کو سنتے تھے۔

ذکری۔ کے لفظی معنی تو "میری یاد" کے ہیں مراد اللہ کی توحید اور اللہ کی کتاب سے لی گئی ہے۔

ای عن توحیدی وکتابی (ابن عباسؓ)

یعنی عن الایمان والقرآن وقیل عن رویۃ الدلائل (معالم)

کانوا لا یستطیعون سمعًا۔ اس عدم استطاعت سے مراد کوئی اضطرار یا معذوری نہیں، بلکہ کافروں کے عناد ارادی ہی کی جانب اشارہ ہے۔

قال القاضی المراد من نفرتھم عن سماع ذلک الکلام واستثقالھم إیاہ (کبیر)

ای سمع القبول والایمان لغلبۃ الشقاوۃ علیھم۔ (معالم)

اس طرزِ بیان کی مثالیں قرآن مجید میں اور بھی ملتی ہیں۔

١٥٤ اور جو ہر طرح میرے مملوک و محکوم ہیں انھیں معبود و حاجت روا سمجھنے لگیں۔

عبادی۔ یعنی ان لوگوں کو جو ہر طرح میرے ہی مملوک، محتاج و مخلوق ہیں۔

ای الذین ھم تحت ملکی وسلطانی۔ (روح)

إِنَّآ أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَٰفِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِٱلْأَخْسَرِينَ

بے شک ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں ان لوگوں (کا پتہ)

أَعْمَٰلًا ﴿١٠٣﴾ ٱلَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ

بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے بالکل ہی گھاٹے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوشش دنیا ہی کی زندگی میں صرف و غارت

أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾

ہو کر رہی وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ کوئی بڑے اچھے کام کر رہے ہیں ۱۵۵

۱ے ف یعنی جب کفر انتہی شدید وعید کا مستحق بنا دیتا ہے۔ استفہام بطور زجر و ملامت کے ہے۔
وھو استفھام علی سبیل التوبیخ۔ (کبیر)

اولیاء۔ کا لفظ بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے، اور اسی کے اظہار کے لیے یہاں آلھۃ کے بجائے اولیاء لایا گیا ہے، تجارت میں، زراعت میں، بارش لانے میں، صحت بخشنے میں، اولاد بخشنے میں، مقدمات میں کامیاب کرنے میں، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں بھی جب اصلی تکیہ بندوں پر اور بندوں کی بنائی ہوئی تدبیروں پر کیا جانے لگے تو یہ سب غیر اللہ کو کارساز ہی ٹھہرالینا ہے۔

۱۵۵ے (جو ان کی مستقل فلاح کے لئے کافی ہو جائیں گے۔)

الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا۔ یعنی ایسے لوگ جن کی ساری جدوجہد تگ و دو، کاوش و کوشش کا مدعا اولاً بھی اور آخراً بھی بس دنیا اور اس کے محظوظات رہتے ہیں! اسی دنیا اور اس کی رنگا رنگ دلچسپیوں کو انھوں نے عین مطلوب بلکہ مقصود بنا رکھا ہے۔ بینک کے بڑے بڑے کھاتے، اونچے اونچے عہدے اور خطابات، اونچی اونچی کوٹھیاں، نام و نمود، شہرت و اعزاز، علمی ترقیاں، معاشی فلاح یابیاں، غرض ان ہی چکروں میں شروع سے آخر تک پڑے رہتے ہیں اور رضائے الٰہی و فلاح آخرت کا خیال بھی کبھی نہیں آتا۔

ضلّ۔ کا لفظ بہت قابلِ غور ہے۔ ایسے لوگوں کی ساری کوششیں بس اسی دنیا کے پیچھے ختم ہو جاتی، غارت جاتی ہیں!

یحسبون۔ یعنی محض اپنے پندار باطل اور ہوائے نفس کے موافق بغیر کسی دلیل شرعی کے اپنے مسلک اور روش کو بہتر سمجھے بیٹھے ہیں!

پورا رکوع اگر ذرا بھی غور کر کے پڑھا جائے تو مومن کے دل کو تھرّا دینے اور لرزا دینے کے لئے کافی ہے۔ آہ، کہ آج ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جن کی صبح و شام رات اور دوپہر سب اسی دنیا کی ادھیڑ بن میں رضائے مولیٰ سے بالکل منھ موڑے ہوئے گزر رہی ہے، اور اپنے زعم و پندار میں اپنے کو محقق و مصلح، شاعر

أُولَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِـَٔايَـٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهِۦ فَحَبِطَتْ أَعْمَـٰلُهُمْ

یہ تو وہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں اور اس کے دیدار کی طرف سے کفر کئے ہوئے ہیں سو ان کے (سارے)

فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾

کام غارت گئے تو ہم قیامت کے دن اُن (کے اعمال) کا ذرا بھی وزن نہ قائم رکھیں گے ۱۵۶

وادیب، رومانس نگار و فنکار اور آرٹسٹ اور خدا معلوم ”روشن خیالی“ کے ایجاد کئے ہوئے کیسے کیسے خوشنما القاب سے اپنے کو آراستہ سمجھتے رہتے ہیں۔ تا آنکہ جب موت آجاتی ہے اس وقت آنکھیں کھلتی ہیں کہ ارے، ہم کس دھوکے میں پڑے رہے۔ یہاں تو پرسش اُن ”علوم وفنون وصنائع“ میں سے کسی کی بھی نہیں! اللھم احفظنا۔

الذین ضل سعیھم۔ متعدد صحابیوںؓ اور تابعین کا خیال ہے کہ الفاظ سے اشارہ قصہ میں اہل کتاب کی جانب ہے۔

المراد بھم اھل الکتابین وروی ذلک عن ابن عباس وسعد بن ابی وقاص ومجاھد۔ (روح)

اور بعض اقوال میں تصریح اہل صومعہ یعنی مسیحیوں کی آگئی ہے۔

یقال اصحاب الصوامع (ابن عباسؓ)

ہندوستان اور پاکستان اور عالم اسلامی پر عموماً اس وقت جو دنیا پرستی کی وبا چھائی ہوئی ہے یہ سب فیض ان ہی فرنگی قوموں کا ہے، جو زبان سے اپنے کو اہلِ کلیسا ہی میں شمار کر رہی ہیں۔

آیت منکرین آخرت کی ڈانٹ پھٹکار میں ہے۔

الآیۃ معناھا التوبیخ۔ (قرطبی)

۱۵۶ یعنی اَعراض جو اس عالم ناسوت میں مجردات سے منفک ہیں آخرت کے بدلے ہوئے ماحول میں متشکل و مرئی ہو جائیں گے۔ اعمال خود وہاں مادی پیکر اختیار کر لیں گے، اور اعمال کے ساتھ، علاوہ دوسرے اعراض وصفات کے، اُن کا وزن بھی مادی ہو کر محسوس و مدرک ہونے لگے گا۔ لیکن جو عمل فی نفسہ کوئی وزن رکھتا ہی نہیں، وہ وہاں کے ماحول میں جو سرتاسر آئینۂ حقیقت ہو گا تمامتر بے وزن ہی رہے گا۔

اولئک ...... لقائہ۔ بدبختی کی اصلی اور قطعی علامتیں یہی ہیں کہ حق تعالیٰ کی شریعت، اس کے انبیاء اور وقوع آخرت سے انکار کر دیا جائے۔

بایٰت ربھم۔ یعنی حق تعالیٰ کے احکام اس کے انبیاء، اس کی کتابوں سے ـــــ اُن کے سارے نظامات، نظام تعلیم، نظام سیاست، نظام معاشرت، نظام معیشت بھی ”بے خدا“، ہوتے ہیں،

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ

یہ تو وہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں اور اس کے دیدار کی طرف سے کفر کئے ہوئے ہیں سو ان کے (سارے)

فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾

کام غارت گئے تو ہم قیامت کے دن اُن (کے اعمال) کا ذرا بھی وزن نہ قائم کریں گے ۱۵۶

وادیب، رومانس نگار و فنکار اور آرٹسٹ اور خدا معلوم 'روشن خیالی' کے ایجاد کئے ہوئے کیسے کیسے خوشنما القاب سے اپنے کو آراستہ سمجھتے رہتے ہیں۔ تا آنکہ جب موت آجاتی ہے اس وقت آنکھیں کھلتی ہیں کہ ارے، ہم کس دھوکے میں پڑے رہے۔ یہاں تو پرسش اُن "علوم وفنون وصنائع" میں سے کسی کی بھی نہیں! اللّٰھمّ احفظنا۔

الذین ضلّ سعیھم۔ متعدد صحابیوںؓ اور تابعین کا خیال ہے کہ الفاظ سے اشارہ قصہ میں اہلِ کتاب کی جانب ہے۔

المراد بھم اھل الکتابین وروی ذلک عن ابن عباس وسعد بن ابی وقاص ومجاھد۔ (روح)

اور بعض اقوال میں تصریح اہلِ صومعہ یعنی مسیحیوں کی آگئی ہے۔

یقال اصحاب الصوامع (ابن عباسؓ)

ہندوستان اور پاکستان اور عالمِ اسلامی پر عموماً اس وقت جو دنیا پرستی کی وبا چھائی ہوئی ہے یہ سب فیض ان ہی فرنگی قوموں کا ہے، جو زبان سے اپنے کو اہلِ کلیسا ہی میں شمار کر رہی ہیں۔

آیت منکرین آخرت کی ڈانٹ پھٹکار میں ہے۔

الآیۃ معناھا التوبیخ۔ (قرطبی)

۱۵۶ یعنی اَعراض جو اس عالم ناسوت میں مجردات سے منفک ہیں آخرت کے بدلے ہوئے ماحول میں متشکل و مرئی ہو جائیں گے۔ اعمال خود وہاں مادی پیکر اختیار کر لیں گے، اور اعمال کے ساتھ، علاوہ دوسرے اعراض وصفات کے، اُن کا وزن بھی مادی ہو کر محسوس ومدرک ہونے لگے گا۔ لیکن جو عمل فی نفسہٖ کوئی وزن رکھتا ہی نہیں، وہ وہاں کے ماحول میں جو سرتاسر آئینۂ حقیقت ہوگا تمام تر بے وزن ہی رہے گا۔

اولٰئک...... لقائہ۔ بدبختی کی اصلی اور قطعی علامتیں یہی ہیں کہ حق تعالیٰ کی شریعت، اس کے انبیاء اور وقوع آخرت سے انکار کر دیا جائے۔

بآیٰت ربّھم۔ یعنی حق تعالیٰ کے احکام اس کے انبیاء، اس کی کتابوں سے ـــــ اُن کے سارے نظامات، نظام تعلیم، نظام سیاست، نظام معاشرت، نظام معیشت کبھی "بے خدا" ہوتے ہیں،

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ

آپ کہہ دیجئے کہ اگر سمندر (سارے کے سارے) روشنائی ہو جائیں میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے تو سمندر ختم ہو جائے

كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾

اور میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوسکیں گی، اور اگرچہ ہم ایسا ہی جیسا (اور سمندر) ان کی مدد کے لئے لے آئیں ۱۵۹ الف

الی العربیۃ نقلہ الزجاج وابن سیدہ او سریانیۃ نقلہ الزجاج ایضاً (تاج)

یہ اقوال تو ہمارے اہل لغت کے ہیں، لیکن انگریزی لغات میں لفظ (PARADISE) کو خود فارسی و عربی کے لفظ فردوس سے مشتق بتایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو آکسفرڈ انگلش ڈکشنری۔ غرض یہ لفظ ہے مشترک کئی زبانوں میں، اور فیصلہ مشکل ہے کہ کس میں کس سے آیا ہے؟

بہر حال اب عربی میں اس کے معنی چمن و گلشن کے ہیں۔

قال الزجاج حقیقۃ الفردوس أنہ البستان الذی یجمع کل ما یکون فی البساتین قال وکذالک ھو عند کل اھل لغۃ۔ (تاج)

اور اصطلاح شریعت میں یہ جنت کے اشرف و افضل مقام کا نام ہے۔

الذین امنوا وعملوا الصلحت ۔ یعنی ان کا علم بھی صحیح ہوگا اور اس کے تقاضا سے عمل بھی صحیح۔

لا یبغون عنھا حولا ۔ جنت اپنی ان گنت نعمتوں، راحتوں، لذتوں کے ساتھ ان کے لیے ہر لمحہ اور ہر آن ایک نئی کشش رکھے گی، اس لیے اہل جنت اپنی تبدیلی چاہیں گے بھی تو آخر کیوں ؟

ہر لحظہ جمال خود نوع دگر آرائی
شور دگر انگیزی شوق دگر افزائی

وہ عالم کل یوم ھو فی شان کے ظہور کامل کا ہوگا، لامحدود حسن و جمال والا مظاہر اپنے اسی لامحدود حسن و جمال کا کر رہا ہوگا بس اس نا متناہی غیر منقطع نت نئی لذتوں اور راحتوں سے کسی کے گھبرانے اکتانے کا کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوگا۔

۱۵۹ الف مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوق مل کر بھی کلمات الٰہی کا احاطہ کرنا چاہے تو بھی ممکن نہیں، سارا سامان تسوید ختم ہو جائے گا اور نامتناہی کسی طرح متناہیوں کی گرفت میں نہ آسکے گا سمندر لاکھ وسیع ہو بہر حال محدود ہی ہے۔ صفات نامتناہی و غیر محدود کو کوئی محدود و متناہی ہستی اپنی گرفت میں لا ہی کیونکر سکتی ہے۔

البحر ۔ مراد کوئی متعین سمندر نہیں۔ جنس بحر سے سارے سمندر مراد ہیں۔

والمراد بالبحر الجنس (کشاف)

ای جنس البحر (روح)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس تمہارا ہی جیسا بشر ہوں، میرے پاس تو بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے ۱۶۰

كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ

سو جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ نیک کام کرتا رہے، اور اپنے

رَبِّهٖٓ اَحَدًا ؑ ۱۱۰ ۱۲ ع ۹ ۲

پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے ۱۶۱

قبل ان تنفد کلمت ربی۔ قبل سے یہاں مراد "بغیر" ہے۔ یعنی دوسرا واقعہ پیش آئے بغیر پہلا واقعہ پیش آجائے گا۔ یہ مراد نہیں کہ پہلے جو دوسرا واقعہ پیش آئے گا جب پہلا واقع ہوگا۔ ملاحظہ ہو سورہ اعراف آیت نمبر ۱۲۳ حاشیہ نمبر ۱۵۹

۱۶۰ یعنی امتیازی چیز میرے پاس صرف یہ ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں آتی میں صرف وصف رسالت میں دوسروں سے ممتاز ہوں ——— اور ظاہر ہے کہ جو اوصاف وکمالات وحی کے لوازم و متضمنات میں سے ہیں، مثلاً معصومیت وہ بھی سب اس کے اندر آگئے۔

انما۔ اول تو کلمہ حصر ہے، پھر مثلکم میں اس کی مزید تصریح کہ میں بشر ہی نہیں ہوں بلکہ تم ہی جیسا بشر ہوں صفات بشری میں تم سے ذرا الگ نہیں ہوں ——— اور بشر (یعنی جسم بشر) مٹی سے بنا ہے۔ انی خالق بشرا من طین۔ نفخ روح اس کے بعد اور اس پر مستزاد ہوا ہے۔ سو صفات بشری میں مثلیت کے معنی ہیں صفات جسمانی میں رسول کا امت کے ساتھ مشترک و یکساں ہونا مثلاً بھوک پیاس، نیند، جسم کا تھکنا، زخمی ہونا وغیرہا۔

انما.... واحد۔ میرا پیام تو پیام توحید ہی ہے کہ تمہارا معبود ذات، عدد، صفات، ہر لحاظ سے یکتا، یگانہ و فرد ہی ہے۔

۱۶۱ اور شرک کے اندر شرک خفی اور شرک کی ساری صورتیں آگئیں۔

فلیعمل عملا صالحا۔ اور عمل کے صالح ہونے کا معیار یہ ہے کہ عمل شریعت اسلامی کے مطابق ہو۔

ولا یشرک بعبادۃ ربه احدا۔ یعنی عمل کا کم از کم نقطۂ آغاز تو صحیح ہو۔ ایمانیات کا جو اقل قلیل مطالبہ ہے وہ تو بہر حال موجود ہو۔

آیت میں امیدوار مغفرت کو ایک مختصر و جامع دستور العمل بتا دیا گیا۔ یعنی اسے چاہیئے کہ:۔

(۱)۔ توحید پر قائم رہے۔

(۲)۔ اور عمل صالح میں لگا رہے۔

(۱۹)

سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ

آیاتُہا ۹۸ — ۹۸ آیتیں

رکوعاتُہا ۶ — ۶ رکوع

سورۂ مریم مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾

کاف۔ ہا۔ یا۔ عین۔ صاد[۱] (یہ) تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی رحمت (فرمانے) کا اپنے بندہ زکریا[۲] پر

[۱] حروف مقطعات پر حاشیہ سورہ بقرہ کے بالکل شروع میں گزر چکا۔

یہاں کھیعص کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ کافٍ، ہادٍ، عالمٍ صادقٍ کا مخفف ہے (ابن عباسؓ) ایک اور روایت میں حضرت ابن عباسؓ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ ک مخفف ہے کریم کا۔ ہ مخفف ہے ہادکا۔ ی مخفف ہے حکیم کا۔ ع مخفف علیم کا اور ص مخفف صادق کا۔ (روح)

کلبی تابعی سے یہ معنی مروی ہیں کہ کاف لخلقہ ھاد لعبادہ یدہ فوق ایدیھم عالم ببریتہ صادق فی وعدہ۔ (معالم)

دارمی، ابن ماجہ، ابن جریر میں فاطمہ بنت علیؓ سے یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ حضرت علیؓ اپنی دعاؤں میں یاکھیعص اغفرلی کہا کرتے تھے (روح) جس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت اسی مضمون کی مروی ہے۔

قال ابن عباسؓ وھو من اسماء اللّٰہ تعالیٰ۔ (ابن کثیر)

[۲] زکریا۔ پر حاشیہ سورہ آل عمران آیت ۳۷ حاشیہ ۹۶ میں گزر چکا، یہ خیال رہے کہ آپ کی رسالت کا اثبات صرف قرآن مجید کرتا ہے، یہود اور نصرانی دونوں ان کی رسالت کے منکر ہیں۔ نصرانیوں کے یہاں ان کی حیثیت ہیکل بیت المقدس کے ایک بزرگ مجاور و خادم کی ہے یہود کے ہاں شاید اتنی بھی نہیں۔

عبدہ۔ یعنی اس کا مقبول و معزز بندہ۔ اضافت، اضافت تشریفی ہے ـــــ جب بندہ کا تعلق اللہ کے ساتھ خاص تقرب و شرف کا دکھانا ہوتا ہے تو محاورۂ قرآنی میں عموماً ایسے موقع پر ذکر عبد اللہ یا عبدنا یا عبدہ کر کے کیا جاتا ہے۔

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّى وَهَنَ ٱلْعَظْمُ مِنِّى

(قابلِ ذکر ہے) وہ وقت جب انھوں نے اپنے پروردگار کو خفیہ طور پر پکارا۔ ۳؎ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں

وَٱشْتَعَلَ ٱلرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾

اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیلی پڑی ہے اور تجھ کو پکار کر اے میرے پروردگار میں (کبھی) نامراد نہیں رہا ہوں ۴؎

۳؎ اولاد کے لئے دعا یوں ہی عام طور پر چپکے ہی چپکے کی جاتی ہے، اور پھر یہاں تو غالباً دوسروں سے اخفاء مقصود ہی تھا۔

اسرہ واخفاہ من قومہ۔ (ابن عباسؓ)

اناجیل موجودہ میں ذکر اس دعا کا نہیں صرف جواب دعا وقبول دعا کا ہے۔

خفیًّا۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ دعا میں اخفاء کو افضلیت حاصل ہے۔

تمدحہ باخفاء الدعاء وفیہ دلیل علی ان اخفاءہ افضل من الجھر بہ۔ (جصاص)

وقد تقدم ان المستحب فی الدعاء الاخفاء وھذہ الآیۃ نص فی ذلک (قرطبی)

اور امام رازی نے تو یہ نفسیاتی توجیہ بھی کی ہے کہ آواز کی بلندی سے تو اپنی قوت ہی کا اظہار ہوتا ہے اور آواز کی پستی سے اپنے عجز و مذلت کا۔

لأن ھو رفع الصوت مشیر للقوۃ والجلادۃ واخفا الصوت مشیر للعجز (کبیر)

۴؎ (تو پھر تیرے اس لطف مستقل اور فضل مستمر پر نظر کرکے بعید سے بعید مقصود کے لئے بھی تجھ سے دعا کیوں نہ کروں)

اپنی جسمانی کمزوریوں کا اظہار اب دعا میں کیفیت خضوع پیدا کرنے کے لئے ہے۔

اظہار للخضوع۔ (قرطبی)

شقیًّا۔ شقی یہاں محروم وناکام کے معنی میں ہے۔

ای خائبا (ابن عباسؓ)

دعا کرتے ہوئے بھی اپنی سابق دعائیں قبول ہونے کو اپنا ذریعہ بنایا۔

توسل الی اللہ بما سلف لہ معہ من الاستجابۃ۔ (کشاف)

اور یہ معنی عین محاورۂ عرب کے مطابق ہیں۔

اعلم ان العرب تقول سعد فلانٌ بحاجتہ اذا ظفر بھا وشقی بھا اذا خاب ولم ینلھا (کبیر)

یقال شقی بکذا ای تعب فیہ ولم یحصل مقصودہ۔ (قرطبی)

رب انی ...... شیبًا۔ یعنی گویا اسباب ظاہری کے لحاظ سے اب اولاد کا ہونا بہت مستبعد ہے اور میرا اس کے لئے دعا کرنا بھی بظاہر بے محل ہے۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ

اور میں اپنے بعد (اپنے) رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ رکھتا ہوں ۵ اور میری بیوی بانجھ ہے ۶ سو تو ہی مجھے

مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ﴿۵﴾ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ

اپنی جناب سے وارث دے جو میرا بھی وارث بنے اور اولاد یعقوب کا بھی وارث بنے ۷

انجیل میں حضرت زکریاؑ اور آپ کی زوجۂ محترمہ الیشبع کا ذکر کر کے ہے۔
"اور ان کے اولاد نہ تھی، کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے"۔ (لوقا۔ ۱: ۷)
آیت میں اس کی بھی تعلیم ملتی ہے کہ کبرسنی کے طبعی اثرات سے حضرات انبیاءؑ تک کو مفر نہیں — ہم سب ناتوانوں، کم ہمتوں کمزوروں کیلئے پیرانہ سالی کے آلام و عوارض میں اس سے کتنی بڑی تسکین و تسلی کا سبق ملتا ہے۔
مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دعا میں الحاح ولجاجت کی افضلیت آیت سے نکلتی ہے۔
بعض بزرگوں نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ ضعف پیری اور موئے سفید بھی قبول سائل کی طرح کشش ترحم میں معین ہیں۔

۵ (کہ وہ میرے بعد اس مرکز توحید کی خدمات دینی اور علوم عالی کو سنبھال نہ سکیں گے)
المَوالی۔ مراد وہ عزیز ہیں جو اولاد نہ ہونے کی صورت میں وارث وجانشین ہوتے۔
الموالی یعنی الورثۃ۔ (ابن عباسؓ)
الموالی ھنا الاقارب وبنو العم والعصبۃ الذی یلونہ فی النسب والعرب تسمّی بنی العم الموالی (قرطبی)
انی خفت الموالی۔ آپ کو اپنے ان عزیزوں کی طرف سے اندیشہ یہی تھا کہ یہ بدمذہب، بدعمل لوگ ہیں ہیکل کی خدمت میں قاصر رہیں گے۔ یہ مراد نہیں کہ میری ملک وجائداد ان کے قبضے میں چلی جائیگی۔
خافھم علی الدین لانھم کانوا شرار بنی اسرائیل (جصاص)
اراد وراثۃ العلم والنبوۃ لا وراثۃ المال۔ (قرطبی)
من وراءی۔ یعنی میری موت کے بعد۔
ای من بعد موتی (معالم، کشاف)

۶ (اس لئے اس کے بطن سے اولاد کا ہونا بہت مستبعد ہے)۔
مرشد تھانویؒ نے یہاں سے دو نکتے اخذ کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اولاد صالح کی طلب رکھنا زہد کے منافی نہیں، دوسرے یہ کہ کسی ایسی چیز کا طلب کرنا جو اسباب بعیدہ ہی سے پیدا ہو سکے ادب دعا کے منافی نہیں۔

۷ (علوم نبوت و معارف ولایت میں اپنے اجداد اسرائیل کی طرح)
یرثنی ویرث اٰل یعقوب۔ وراثت سے یہاں مراد مال و دولت کی وراثت نہیں تھانوی علیہ

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ

اور اے پروردگار تو اسے پسندیدہ بنا۔ ۵ اے زکریا ہم تم کو بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی نام اس کا یحیی

نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾

ہوگا۔ ہم نے اس کے قبل کسی کو (اس کا) ہم نام نہیں بنایا۔ ۹

اور اخلاق فاضلہ کی میراث ہے۔

یعنی وراثۃ النبوۃ والعلم والفضیلۃ دون المال۔ (راغب)

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اول تو حضرت زکریا نجاری سے کسب معیشت کرتے تھے، اور ایسے اہل حرفہ عموماً صاحب جائداد نہیں ہوتے پھر آپ تو پیمبر بھی تھے، مال دنیوی سے بے تعلقی رکھتے تھے۔

لم یذکر انہ کان ذا مال بل کان نجاراً یأکل من کسب یدیہ ومثل ھذا لا یجمع مالاً ولا سیما الانبیاء فانھم کانوا أزھد شئ فی الدنیا۔ (ابن کثیر)

اور انبیاء سے مال وجائداد کی وراثت تو چلتی بھی نہیں، جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد بھی ہو چکا ہے۔

صحابیوں، تابعین، اکابر مفسرین سب سے ارث کی تفسیر علوم نبوت وشریعت منقول ہے، اور لفظ ارث کا اطلاق نبوت پر بالکل جائز ہے۔

قال ابن عباس ویرث من اٰل یعقوب النبوۃ فقد اجاز اطلاق اسم المیراث علی النبوۃ فکذلک یجوز ان یعنی بقولہ یرثنی یرث علمی (جصاص)

انما اراد ارث النبوۃ وعلیھا خاف ان تخرج عن عقبہ (ابن العربی)

یرثنی العلم ویرث من اٰل یعقوب النبوۃ وھو مروی عن مجاھد (کبیر)

المراد بالارث ارث الشرع والعلم لان الانبیاء لا تورث المال (کشاف)

کان وراثتہ علماً (ابن کثیر)

والمعنی انہ خاف تضیع بنی عمہ دین اللہ وتفسیر احکامہ علی ما کان شاھدین بنی اسرائیل من تبدیل الدین وقتل الانبیاء (معالم)

ولیاً۔ ولی تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ یہاں ولد صلبی کے مفہوم میں ہے۔

ای ابنا یکون من اولیائک (راغب)

ای ابنا (معالم)

والاکثرون علی انہ طلب الولد (کبیر)

من لدنک۔ یعنی بلا اسباب عادی وظاہری کے نعمتیں جو بھی آتی ہیں سب اللہ ہی کے پاس سے آتی ہیں یہاں من لدنک کی تصریح لانے سے مراد یہی ہے کہ بلا واسطہ اسباب عادی محض اپنی قدرت سے عطا کر۔

اعطني من محض فضلك الواسع وقدرتك الباهرة بطريق الاختراع ۔ (روح)

۸ھ (اپنی نظر میں)

یعنی وہ لڑکا علوم کا عامل بھی ہو اور ان پر عامل بھی۔

اى مرضيا عندك قولا وفعلا (روح)

اى مرضيا فى اخلاقه وافعاله (قرطبى)

اولاد کی طلب وتمنا انسان کے لئے ایک طبعی تقاضا ہے۔ اور یوں بھی کسی ولی بلکہ نبی کے لیے ممنوع نہیں ہے چہ جائیکہ جب اس اولاد کی طلب بھی اس شرط کے ساتھ ہو کہ لڑکا اللہ کا رضا جو اور دین کا خادم ہو۔

عارفوں نے یہاں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ طلب اولاد مستحب ہے اور اولاد کے حق میں دعائے خیر وصلاح سنت انبیاء ہے۔

۹ھ (تمہاری ذات برادری میں)

یہ وہ جواب ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریاؑ کو فرشتوں کے واسطہ سے ملا۔

انجیل میں حضرت یحییٰؑ کی ولادت اور نام رکھے جانے کا ذکر ذرا تفصیل سے ہے۔

"اور الیشبع کے جننے کا وقت آ پہنچا اور وہ بیٹا جنی۔ اور اس کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں نے یہ سُن کر کہ خداوند نے اس پر بڑی رحمت کی اس کے ساتھ خوشی منائی اور آٹھویں دن ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کا ختنہ کرنے آئے اور اس کا نام اس کے باپ کے نام پر زکریاہ رکھنے لگے۔ مگر اس کی ماں نے کہا کہ نہیں بلکہ اس کا نام یوحنا رکھا جائے۔ انھوں نے اس سے کہا کہ تیرے کنبہ میں کسی کا یہ نام نہیں۔ اور انھوں نے اس کے باپ کو اشارہ کیا کہ تو اس کا نام کیا رکھنا چاہتا ہے؟ اس نے تختی منگا کے یہ لکھا کہ اس کا نام یوحنا ہے"۔ (لوقا ۱ : ۵۷ ـ ۶۲)

بغلم۔ غلام کے معنی لڑکے کے علاوہ فرزند کے بھی ہیں اور یہی یہاں مراد ہے۔

الغلام الولد الذكر (روح)

بغلام اى بولد ۔ (ابن عباسؓ)

سمیا۔ سمی کے ایک معنی تو یہی ہم نام کے ہیں، چنانچہ بعض ائمہ تفسیر نے یہاں یہی مراد لی ہے۔

لم يسم احد يحيي قبله (كشاف ۔ بيضاوى)

وقال ابن عباسؓ وقتادة والسدى وابن اسلم لم نسم قبله احد يحيي ۔ (بحر)

اور انجیل کی روایت بھی اس کے موافق ہے۔

لیکن لغت ہی میں ایک دوسرے معنی "ہم صفت"، مثل، شبیہ ونظیر کا بھی پتہ چلتا ہے اور بعض اکابر لغت واکابر تفسیر کے نزدیک وہی معنی یہاں ثابت ہیں۔

قال مجاهد وغيره سميا اى مثلا ونظيرا (بحر قرطبى)

والمراد بالسمى النظير كما فى قوله هل تعلم له سميا (كبير)

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ

زکریا بولے اے میرے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوگا درآنحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی

مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ

انتہا کو پہنچا ہوا ہوں ۔ ۱۰ (اللہ نے) فرمایا (نہیں بلکہ) اسی طرح ۱۱ (اے زکریا) تمہارے پروردگار کا قول

وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾

ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے، اور میں ہی تو تم کو پیدا کیا، درآنحالیکہ تم کچھ نہ تھے ۔ ۱۲

عن مجاھد ان سمیًا بمعنی شبیھا وروی عن عطاء وابن جبیر مثلہ ای لم نجعل لہ شبیھا۔ (روح)

۱۰ حضرت زکریا کا یہ سوال بطور اعتراض نہیں محض تفصیلی استفسار حال کے لئے ہے۔ یعنی اسباب عادی جب سرتاسر ناموافق ہیں تو اب صورت حال ہوگی کیا؟ آیا ہم لوگ از سر نو جوان کئے جائیں گے؟ یا میں دوسرا نکاح کروں گا؟ یا اور کچھ ہوگا؟

انّٰی کے لفظی معنی متعدد ہیں لیکن یہاں کیف کے مرادف ہے۔

انّٰی بمعنی کیف او من این (روح)

عِتِیًّا عتی کے معنی ہیں بہت ہی بوڑھا، بوڑھا پھوس۔

والعتی المبالغۃ فی الکبر (بحر)

یعنی النھایۃ فی الکبر والیبس (قرطبی)

۱۱ جواب ملا کہ نہیں کوئی سی بھی نئی اور انوکھی بات نہ ہوگی۔ موجودہ حالات بدستور رہیں گے، پھر بھی اولاد ہوگی۔

ای علی ھذہ الحال (بحر)

ھذا کما قلت لک۔ (ابن عباسؓ)

۱۲ یعنی خود اپنی پیدائش پر غور کرو۔ تم خود آخر کیا تھے؟ معدوم محض تھے۔ عدم محض کا موجود کر دینا کب اسباب عادی کے ماتحت، اور کس مشاہدہ و تجربہ کے موافق ہے؟ محض ہماری قدرت و کارسازی کا کرشمہ ہے۔ یہ تخلیق تو تمامتر بلاواسطہ اسباب ہوتی رہتی ہے پھر بڑھاپے میں اولاد دینا یعنی باوجود سبب ضعف کے نتیجہ برآمد کر دینا تو اس سے کہیں کم مستبعد اور اس سے کہیں آسان تر ہے۔ یہ سب ارشاد آپ کی امید کو اور قوی کر دینے کے لئے تھا، نہ کہ کسی رفع شبہ کے لئے۔ اس لئے کہ زکریا علیہ السلام کو کوئی شبہ تھا ہی نہیں

ھو یعنی یہ عمل تخلیق عام اس سے کہ بہ اسباب معمولہ ہو یا بلا اسباب۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ

(زکریا نے) کہا اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کردیجئے ۱۳؎ (اللہ نے) فرمایا تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ

لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩

تم لوگوں سے تین راتیں نہ بول سکو گے درآنحالیکہ تم تندرست ہو گے ۱۴؎

۱۳؎ (جس سے میں سمجھ جاؤں کہ اب ظہور وعدہ کا وقت قریب آپہنچا اور میں بالکل مطمئن ہو جاؤں کہ تیرے فرشتہ نے مجھے جو بشارت پہنچائی ہے، وہ تیری ہی طرف سے ہے)

گویا آپ یہ عرض کر رہے ہیں کہ نفس بشارت تو مل چکی۔ لیکن یہ بھی مجھے کسی غیبی اشارہ سے معلوم ہو جاتا تو اچھا تھا کہ اب حمل قرار پاچکا اور بشارت کا تحقق ایک درجہ میں ہو چکا۔

ربّ اجعل لی علما ودلیلا علی ما بشرتنی به ملائکتك من هذا الغلام عن أمرك ورسالتك لیطمئنّ الی ذلك قلبی۔ (ابن جریر)

ای علامة تدلنی علی تحقق المسئول ووقوع الخبر (روح)

علامة اذا حبلت امرأتی (ابن عباسؓ)

لتستقر نفسی ویطمئن قلبی بما وعدتنی کما قال ابراهیم علیه السلام ربّ ارنی کیف الخ (ابن کثیر)

یہ مفہوم بھی لیا جانا ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل کی طرح حضرت زکریاؑ بھی اپنے مزید اطمینانِ قلب کے لئے کوئی خاص غیبی نشان طلب کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک قول اس مضمون کا حضرت ابن عباسؓ کی جانب منسوب ملتا بھی ہے لیکن محققین متاخرین نے اس روایت کی صحت ہی کو تسلیم نہیں کیا ہے اور صراحت کردی ہے کہ سوال کا تعلق صرف تعیین وقت و زمانہ سے ہے۔

۱۴؎ سویًّا کے معنی ہیں، سالم، صحیح، غیر ناقص کے۔ یعنی آپ جو تین دن لوگوں سے گفتگو پر قادر نہ ہوں گے، یہ آپ کے حسب درخواست محض علامت غیبی ہوگی ظہور فرزندگی۔ اور گویا بالواسطہ آپ کی مقبولیت کی شہادت نہ یہ کہ یہ کوئی مرض یا عذاب لاحق ہوگا۔

رجل سوی۔ کہتے ہیں اس مرد کو جو اپنی خلقت میں ہر عیب، نقص، افراط، تفریط سے پاک ہو۔

رجلٌ سویٌّ استوت اخلاقه وخلقته عن الافراط والتفریط۔ (راغب)

اور آیت میں یہی معنی اہلِ لغت و ائمہ تفسیر دونوں نے لئے ہیں۔

قال الزجاج ای تُمنع الکلام وانت سَوِیٌّ لا اَخرسُ فتعلم بذلك أنّ الله قد وهب لك الوَلَدَ (لسان)

قال ابن عباس اعتقل لسانه من غیر مرض (ابن جریر)

صحیحًا بلا خرس ولا مرض (ابن عباس)

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا

پھر وہ اپنی قوم کے روبرو حجرہ میں سے برآمد ہوئے ۱۵ اور ان سے اشارہ کیا کہ (اللہ کی) پاکی صبح و شام

بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾

بیان کیا کرو۔ ۱۶

یقول من غیر خرس (ابن جریر عن ابن عباس) قال صحیحًا لا یمنعک من الکلام مرض (ابن جریر عن مجاھد)

قال علامتک ان تمنع الکلام فلا تطیقہ وانت سلیم الجوارح سوی الخلق ما بک خرس ولا بکم (کشاف)

اور ایسے ہی اقوال عکرمہ و قتادہ اور ابن زید اور وہب بن منبہ اور سدی سے بھی منقول ہیں۔

اور خود ابن جریر لکھتے ہیں۔ یقول جل ثناؤہ علامتک لذٰلک ود لیلک علیہ أن لا تکلم الناس ثلاث لیال و أنت سوی صحیح لا علۃ بک من خرس ولا مرض یمنعک من الکلام،

اور یہی مسلک جمہور کا ہے۔

ھذا ما علیہ الجمھور۔ (روح)

اس ایک لفظ کے اضافہ سے قرآن مجید کا مقصد انجیل کی اس غلط بیانی کا ازالہ ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ بطور عتاب عارضی طور پر گونگے کر دیئے گئے تھے، ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران آیت ۴۱ حاشیہ ۱۰۹ اور اسی لیے اس لفظ پر اتنے طویل حاشیہ کی بھی ضرورت پڑی۔

لیکن آیت کی ایک دوسری ترکیب بھی صحیح ہوسکتی ہے، اور بعض بزرگ اسی طرف گئے ہیں یعنی سویًّا کو بجائے ضمیر مخاطب سے متعلق کرنے کے تین راتوں کی صفت قرار دیا جائے اور اس صورت میں سویا مراد ف ہوگا متتابعات کے "یعنی تم لوگوں سے بول نہ سکو گے تین راتیں متواتر" چنانچہ ابن جریر ہی میں ایک قول حضرت ابن عباسؓ سے اس معنی میں بھی منقول ہے۔

۱۵ (جہاں وہ عبادت کرتے رہتے تھے)

محراب۔ پر حاشیہ سورۂ آل عمران آیت ۳۶ کے تحت میں گزر چکا مراد حجرۂ عبادت ہے۔

ومحرابہ موضع مصلاہ (بحر)

قیل ان المحراب الغرفۃ (جصاص)

۱۶ صبح و شام سے مراد یا تو دوام عبادت ہے کہ دن رات برابر عبادت میں لگے رہو۔ کسی وقت غافل نہ ہو۔ اور یا ان کی شریعت میں یہی دو خاص وقت نماز کے ہوں گے، ان کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا

اے یحییٰ کتاب کو مضبوط پکڑے رہو ۱۷؎ اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں سمجھ دیدی تھی۔ اور خاص اپنے پاس سے

وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾

رقت قلب اور پاکیزگی ۱۸؎ اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔

اوحٰی۔ وحی کے عام لغوی معنی تو اشارہ کے ہیں لیکن بعض نے یہاں اسے امر کے مرادف قرار دیا ہے۔ اور اوحی الیھم کی تفسیر امرھم سے کی ہے، چنانچہ ابن زید سے یہی منقول ہے، اور ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ آپ نے انہیں لکھ کر دیدیا، اور یہ معنی مجاہد و سدی کی جانب منسوب ہیں۔ وحی کے ایک معنی تحریر کے بھی آتے ہیں۔

والوحی فی کلام العرب الکتابۃ۔ (بحر)

۱۷؎ یعنی کتاب کے احکام و مضامین کو۔ اس پر خوب مضبوطی سے قائم رہو اور اس راہ میں جو کچھ بھی مشکلات پیش آئیں ان کا مقابلہ صبر و استقامت سے کرو۔

ای بجد واجتھاد قالہ مجاھد۔ (قرطبی)

الکتاب۔ سے مراد اس زمانہ کی کتاب شریعت الٰہی ہے یعنی توریت۔

یہ ارشاد حضرت یحییٰؑ کو اس وقت ہوا جب آپ سن تمیز کو پہنچ چکے تھے۔

۱۸؎ ملاحظہ ہوں حواشی سورۂ آل عمران زیر آیت ۳۹

الحکم کے معنی نبوت بھی ہو سکتے ہیں، اور حکمت، شریعت، عقل، فہم بھی۔

الحکم النبوۃ أو حکم الکتب أو الحکمۃ أو اللب وھو العقل۔ (بحر)

اعلم ان فی الحکم اقوالا۔ الاول: انہ الحکمۃ، والثانی: انہ عقل، الثالث: انہ النبوۃ (کبیر)

الحکم الفھم والعلم (ابن عباسؓ)

الحکمۃ وھو فھم التوراۃ والفقہ فی الدین (مدارک)

بہرحال حکم کے تحت میں علمی و ذہنی کمالات آگئے اور حنانا، زکوۃ کے تحت میں عملی و اخلاقی، گویا آپ کی ذات جامع تھی علمی و عملی، ذہنی و اخلاقی کمالات و اوصاف کی۔

حنانا۔ یعنی آپؑ میں ہر طرح رحمت، شفقت و مروّت رکھ دی گئی تھی۔ زاہد ہونے کے باوجود آپ خشک و بے مروت نہ تھے۔

وقال جمھور المفسرین الحنان الشفقۃ والرحمۃ والمحبۃ (قرطبی)

زکوۃ سے مراد اصطلاح فقہ والی زکوۃ مال نہیں بلکہ عام حسن عمل و پاکیزگی ہے۔

ای عملا صالحا زکیا (کبیر عن ابن عباس وقتادۃ والضحاک وابن جریج)

التطھیر والبرکۃ والتنمیۃ فی وجوہ الخیر والبر (قرطبی)

وَّبَرًّام بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ

اور نیکی کرنے والے تھے اپنے والدین کے ساتھ اور سرکش و نافرمان نہ تھے ۱۹؎ اور انھیں سلام (پہنچے) جس دن کہ

وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ

وقف لازم ع ۱۵

وہ پیدا ہوئے۔ اور جس دن کہ وہ وفات پائیں گے اور جس دن کہ زندہ ہوکر اٹھائے جائیں گے ۲۰؎ اور (اس) کتاب میں مریم کا ذکر

اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾

کیجئے، جب وہ اپنے والدین سے الگ ہو کر ایک شرقی مکان میں گئیں ۲۱؎

الحکم۔ فقیہ جلیل ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ حکم کے یہاں تین معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک وحی، دوسرے نبوت، تیسرے اس کی معرفت اور اس پر عمل۔ اور یہ تینوں معنی درست ہو سکتے ہیں صغر سنی میں نزول وحی اور مکاشفہ ملائکہ جائز ہیں۔ (احکام القرآن)

واٰتینہ الحکم صبیا۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ یہ اصل اور دلیل ہے اس قول کی جو اکثر لوگوں کی زبان پر جاری رہتا ہے کہ فلاں شخص مادرزاد ولی ہے۔

۱۹؎ (جیسا کہ ہیرود والیٔ فلسطین کے زمانہ میں یہود نے آپ پر تہمت لگائی اور آپ کو باغی، سرکش اور شورش پسند مشہور کرنا چاہا تھا)

تقیا۔ میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ حقوق اللہ کے ادا کرنے والے تھے۔

ای مطیعا للہ تعالیٰ۔ (قرطبی)

اور برًّا بوالدیه۔ میں یہ کہ وہ حقوق العباد کے پورے ادا کرنے والے تھے۔

البر بمعنی البار وھو الکثیر البر۔ (قرطبی)

جبارًا۔ کا تعلق خلق سے ہے یعنی وہ مخلوقات کے ساتھ سختی اور سرکشی سے پیش آنے والے نہ تھے۔ اور عصیًّا کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے، یعنی وہ اللہ کے قانون کو توڑنا نہ جانتے تھے۔

حضرت یحییٰؑ کو آپ کے معاصر یہود نے خاص طور پر بدنام کر دیا تھا اور عجب عجب اخلاقی عیوب آپ کی جانب منسوب کر دیئے تھے۔ جن کی کچھ جھلک موجودہ انجیلوں میں بھی نظر آتی ہے۔ قرآن مجید کو اس ضرورت سے آپ کی صفائی اس تفصیل سے پیش کرنا پڑی۔ جتنے عنوان قرآن مجید نے آپ کی صفائی کے لیے اختیار فرمائے ہیں اب ان کی قیمت معلوم ہوتی ہے۔

۲۰؎ سلام یہاں اپنے وسیع معنی میں امن و حفظ کے مرادف ہے۔

اور اللہ کی طرف سے ان پر سلامتی ان کی پیدائش کے وقت بھی رہی اور ان کی موت اور بعث کے وقت بھی رہے گی۔ اس سے اس کی بھی تصدیق ہو گئی کہ آپ پوری زندگی اللہ کے سایۂ رحمت میں رہے اور کوئی دور آپؑ

پر ایسا نہیں گزرا کہ آپؑ اس سے دور ہوئے ہوں۔

قال الطبری وغیرہ: معناہ امان۔ (قرطبی)

قرطبی نے ابن عطیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سلام کا مفہوم امان سے کہیں زیادہ معزز ہے اور خود بھی اس کی تائید کی ہے۔ (قرطبی)

الأمان، وھذا قول حسن۔ (قرطبی)

۲۱ھ (غسل کے لئے یا نماز کے لئے یا کسی اور ضرورت سے)

یہ مریم بنت عمران بن ماثان بنی اسرائیل کے ایک شریف ترین گھرانے میں ہیکل سلیمانی کے مجاوروں کے ہاں پیدا ہوئیں۔ والدہ ماجدہ کا نام حنہؓ تھا جن کی ایک بہن کے فرزند یحییٰ ابن زکریاؑ پیمبر تھے۔ مریمؑ اپنے والدین کی ضعیفی کی اولاد تھیں، بڑی تمناؤں کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ ماں نے نذر یہ مانی تھی کہ اولاد کو خدمت ہیکل کے لئے وقف کردوں گی، جب بجائے فرزند کے دختر کی ولادت ہوئی تو انہیں بڑی مایوسی ہوئی، اس لئے کہ لڑکیوں سے خدمت ہیکل لینے کا دستور نہ تھا لیکن یہ خلاف دستور لے لی گئیں اور ان کی تربیت حضرت زکریاؑ کے سپرد رہی رشد، سعادت و صالحیت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے، عصمت و عفت میں اپنی نظیر آپ تھیں، مسیحی روایتوں کے بموجب شادی قصبۂ ناصرہ کے یوسف نجار کے ساتھ ہوئی لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ ولادت عیسیٰؑ مسیح کی ایک اعجازی طور پر ہوگئی۔ اس کے بعد اور بھی اولادیں آپ کے بطن سے ہوئیں، عہد جدید میں بار بار ذکر یسوع کے بھائیوں کا آیا ہے (متی ۱۲: ۴۶ ر ۱۳: ۵۵ وغیرہ) اور بعض روایتوں میں تصریح چار بھائیوں اور دو بہنوں کی ہے، بھائیوں کے نام بھی۔ (متی ۱۳: ۵۵ میں) یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہوداہ دیئے ہیں۔ یہ بھی روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت مریمؑ حضرت مسیحؑ کی مصلوبی کے وقت موجود تھیں۔ تفسیری روایتوں (قرطبی وغیرہ) میں ہے کہ آپ کی عمر تقریباً ۵۰ سال کی ہوئی، مسیحی روایتوں سے اتنا بھی پتا نہیں چلتا۔ مسیحی دنیا کے ایک بڑے (مشرقی کلیسا اور رومن کیتھولک کلیسا) کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ بعد وفات آسمان پر اٹھالی گئیں ۔۔۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ شہر افیسوس میں یا یروشلم میں کوہ زیتون کے دامن میں دفن ہیں۔

مکاناً شرقیاً۔ اس کی تعبیر دو طرح سے ممکن ہے ۔۔۔ اور اصل حقیقت کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے ۔۔۔ ایک یہ کہ آپؑ اپنے والوں سے آڑ تلاش کر کے ہیکل سے اپنے مکان کے مشرقی حصہ میں چلی گئیں، غالباً تخلیہ میں عبادت کے لئے۔ دوسرے یہ کہ آپ اپنے میکے کے گھر بار کو چھوڑ کر سمت مشرق میں اپنی سسرال چلی گئیں۔ آپ کے منگیتر یوسف نجار ناصرہ سلاقۂ ارض گلیل میں رہتے تھے جو بیت اللحم شمال و مشرق میں واقع ہے۔

انتبذت من اھلھا۔ مفسرین نے اس انتباذ یا اعتزال کے تحت میں مختلف وجوہ و اسباب گنائے ہیں، لیکن چونکہ ایسی تفسیریں جو محض ظن و تخمین پر مبنی ہوں ان میں سے کسی ایک متعین شق پر زور دینا اور اسے جزم و وثوق سے بیان کرنا خود ایک غلطی ہے اور امام رازی نے یہاں ایک ایسا جامع اصول بیان کر دیا ہے جو ہر ایسے موقع کے لئے حاوی ہے۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ

پھر ان لوگوں کے سامنے سے انھوں نے پردہ کر لیا ۲۲ پھر ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتۂ خاص کو بھیجا سو وہ

لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ

ان کے سامنے بھلا چنگا انسان بن کر ظاہر ہوا ۲۳ وہ بولیں میں تجھ سے (خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو

تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ

خدا ترس ہے ۲۴ (فرشتہ نے) کہا میں تو بس تمہارے پروردگار کا ایک ایلچی ہوں ۲۵

واعلم ان کل ھذہ الوجوہ محتمل ولیس فی اللفظ ھنا یدل علی ترجیح واحد منھا (کبیر)

ذکر رحمت ربک عبدہ زکریا۔ واذکر فی الکتب مریم۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دونوں قصوں کے مجموعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سوال وطلب سے بھی دیتا ہے۔ جیسے زکریا علیہ السلام کو دیا۔ اور بلا سوال وطلب بھی دیتا ہے۔ جیسے حضرت مریمؑ کو دیا۔ اور اسی سے یہ بات نکلی کہ اللہ کا معاملہ ہر شخص کے ساتھ جدا جدا ہے۔

۲۲ (کہ ان کی نگاہوں سے آڑ میں ہو جائیں)

دونھم۔ ھم ضمیر جمع ہے، مراد آپ کے گھر والے ہیں جن کا ذکر اھلھا میں موجود ہے

اگر پہلی آیت میں سفر ناصرہ مراد لی جائے تو اس جزو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اپنے گھر والوں سے آپ الگ ہو گئیں۔

۲۳ یعنی ایک فرشتۂ خاص کو اس خلوت میں ان کے پاس انسان کی شکل میں بھیجا۔

روحنا۔ قرآن مجید نے ملائکہ مقربین وخواص کو روح ہی سے تعبیر کیا ہے۔

وسمی اشراف الملائکۃ ارواحًا۔ (راغب)

اور فراء لغوی نے کہا ہے کہ یہاں روح کی اضافت اللہ کی طرف ایسی ہی ہے جیسے اللہ کی زمین، اللہ کا آسمان بولا جاتا ہے۔

اضاف الروح المرسل الی مریم الی نفسہ کما نقول ارض اللہ وسماءہ (لسان)

اضیف الروح الی اللہ تعالیٰ تخصیصًا وکرامۃً (قرطبی)

والاضافۃ للتشریف کبیت اللہ (روح)

بہر حال یہاں مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

قال الاکثرون انہ جبرئیل علیہ السلام (کبیر)

جبرئیل علیہ السلام کما قالہ الاکثر (روح)

لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ

تا کہ تمھیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں ۲۶ وہ بولیں میرے لڑکا کیسے ہو جائے گا درآنحالیکہ نہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ

بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ

لگایا ہے اور نہ میں بدچلن ہی ہوں ۲۷ (فرشتہ نے) کہا (یہ) یوں ہی ہوگا ۲۸ تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے ۲۹

انجیل میں بھی ان ہی کے نام کی تصریح ہے۔
چھٹے مہینے جبرئیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا، اور اس کنواری کا نام مریم تھا" (لوقا ۱: ۲۶، ۲۷)
سویًّا یعنی بھلا چنگا، پورا پورا، صحیح وسالم۔
سوی الخلق کامل البنیۃ (روح)

ای مستوی الخلقۃ (قرطبی)
فتمثل۔ مفسر تھانوی نے لکھا ہے کہ تمثل سے حقیقت ملکیہ کا معدوم ہو جانا لازم نہیں آتا، یہ اشباح اس حقیقت کے اعتبار سے ایسے ہیں، جیسے ہمارے اعتبار سے مختلف لباس۔
۲۴ یعنی اگر تو کچھ بھی خوف خدا رکھتا ہے تو میں تجھ سے خدا ہی کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ تیرا یہاں کیا کام۔ یہ آپ نے اس طرح گھبرا کر فرمایا جیسے ہر شریف خاتون کسی اجنبی مرد کو اپنے خلوت خانہ میں آنے پر قدرۃً کہے گی۔
۲۵ یعنی مجھ سے ڈریئے اور گھبرایئے نہیں، میں تو انسان نہیں ہوں، اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں ——
تشویش دور کرنے اطمینان دلانے کا اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا تھا اور فرشتہ نے معًا اسی کو اختیار کیا۔
۲۶ (اللہ کی طرف سے واسطہ بن کر)
یعنی تم پر دم کر دوں، اور اس سے بہ اذن حق تعالیٰ تمھارے حمل رہ جائے۔
ای لاکون سببًا فی ھبتہ با لنفخ فی الدرع۔ (روح)
اس معنی میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ایک دوسری تشریح یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ قول بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اور یہاں حکایۃً نقل ہوا ہے۔ تقدیر کلام اس صورت میں یوں ہوگی۔ ربك الذی قال ارسلت ھذا الملك لاھب لك (روح) اور نافع کی ایک قراۃ میں بجائے لاھب کے لیھب آیا ہے چنانچہ حبر الامۃ ترجمان القرآن عبداللہ بن عباسؓ نے اسی قراۃ کو اختیار کیا ہے، اور تفسیر میں تقدیر کلام یہ رکھی ہے۔ لکی یھب اللہ لك۔ اس سے بات اور زیادہ صاف اور واضح ہو گئی۔
زکیًّا۔ اس میں اشارہ ادھر آگیا کہ وہ لڑکا ہر طرح صالح و پاکیزہ ہی ہوگا۔
۲۷ غرض یہ کہ مرد کی مقاربت سے، جو حمل کے لئے شرط عادی ہے، میں ناجائز و جائز ہر طرح دور ہوں۔
لم یمسسنی بشر۔ یعنی بطریق نکاح۔ حاشیہ سورۂ آل عمران کی آیت ۴۷ کے تحت گزر چکا۔

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

اور یہ (اس لئے بھی) تاکہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشان بنا دیں ۳۰ اور اپنی طرف سے سبب رحمت ۳۱ اور یہ ایک یا طے شدہ ہے ۳۲

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

پھر ان کے حمل قرار پا گیا۔ پھر وہ اسے لئے ہوئے ایک دور جگہ چلی گئیں ۳۳

حضرت مریمؑ کو جب یقین ہو گیا کہ ان کا مخاطب انسان نہیں فرشتہ ہے تو اب ان کا یہ قول بطور انکار نہیں بلکہ محض اظہار تعجب کے لئے ہے۔

لم اك بغيا۔ اس فقرہ سے تردید بھی مقصود ہے، یہود مردود کی جو آپ کو ایک رومی سپاہی کے ساتھ متہم کر رہے تھے ـــــ اور حضرت مریمؑ نے اپنی تقریر میں لم یمسسنی بشر کے بعد اسے زور و تاکید کے موقع پر کہا۔

۲۸ (بلا مس بشر) اور بغیر واسطہ عادی۔

انجیل میں یہ قصہ یوں درج ہے۔

"اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا، چپکے سے اُسے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتے نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا اے یوسف بن داؤد اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے وہ بیٹا جنے گی اور تو اس کا نام یسوع رکھنا (متی ۱:۱۸۔۲۲)

قرآن مجید کی توحید خالص اور انجیل کے شرک آمیز انداز بیان کا فرق اسی سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں اس واقعہ کو ہر جگہ قدرت پروردگاری کا کرشمہ قرار دیا ہے، بخلاف اس کے انجیل میں ایک نہیں دو دو جگہ اسے روح القدس کی قدرت کی جانب منسوب کیا ہے۔

۲۹ خدائے تعالیٰ تو کہتے ہی اس ہستی کو ہیں، جو سارے اسباب سے بالاتر اور مسبب الاسباب ہے۔ سلسلۂ اسباب کا خالق و فاطر۔ اسباب اس کے پابند و محکوم، وہ اسباب کا پابند و محکوم نہیں۔ اور اگر کسی برتر ہستی کو اسباب کا محکوم و پابند ہی تسلیم کرنا ہے تو وہ اور جو کچھ بھی ہو بہر حال خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کسی خدا پرست کی زبان کا کسی خدائی فعل سے متعلق اس بنا پر انکار پر کھلنا، کہ "وہ خارق عادت ہے"، دلیل عقل کی نہیں، عین بے عقلی کی ہے ـــــ اب رہا خدا کا منکر، تو اس سے گفتگو اصولاً نفس وجود باری پر کی جائے گی، نہ کہ ان جزئیات پر۔

ھو۔ یعنی یہ تخلیق بلا اسباب عادی۔

۳۰ (اپنی قوت و قدرت کا۔ اور یہ دکھا دیں کہ ہم تخلیق کائنات پر ہر طرح قادر ہیں، بہ توسط اسباب عادی بھی، اور بلا توسط اسباب عادی بھی۔)

۳۱ (ان کے حق میں جو ہمارے اس نشان قدرت پر ایمان لائیں اور اس سے ہدایت حاصل کریں)

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ

سو انھیں دردِ زہ ایک کھجور کے درخت کی طرف لے گیا ۳۴ (اور) وہ بولیں کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی

هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾

ہوتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی ۳۵

یہاں قرآن کے اسلوب پر غور کرتے جائیے، کتنا زور خدائی قدرت و حکمت کے کرشموں پر ہے۔

۳۲ (جو پوری ہو کر رہے گی)

یہ سارا زور اور ساری تاکیدیں کس امر کی دلیل ہیں؟ اس امر کی، کہ کوئی بات معمولِ عام کے خلاف واقع ہونے کو جا رہی تھی۔ اور وہ یہی ولادت بلا واسطۂ والد تھی۔ ورنہ اگر محض عام و طبعی ولادت کا ذکر مقصود تھا تو اس شد و مد اور اتنے اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید حضرت مسیحؑ کی بن باپ کی ولادت کا قائل نہیں وہ ذرا قرآن کے بین السطور پر بھی غور فرمالیں، صراحت اگر نہیں تو کیا اسے تقریباً صراحت بھی نہ کہیں گے؟

۳۳ حضرت مریمؑ قصبہ ناصرہ (علاقہ گلیل ملک شام) میں رہا کرتی تھیں۔ مگر زمانہ حمل میں آپ اپنے منگیتر سمیت مقام بیت لحم کو آگئیں، جو ناصرہ سے ۷۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور مکانا قصبا کا اطلاق اسی پر پوری طرح ہو سکتا ہے۔

انجیل میں ہے۔

"ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اوگوستس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔ یہ پہلی اسم نویسی سوریہ کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی، اور سب لوگ نام لکھوانے کے لئے اپنے اپنے شہر کو گئے، پس یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرۃ سے داؤد کے شہر بیت لحم کو گیا جو یہودیہ میں ہے، اس لئے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا، تاکہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے، جب وہ وہاں تھے تو ایسا ہوا کہ اس کے جننے کا وقت آپہنچا۔" (لوقا-۲ : ۱-۶)

بعض مسیحی علماء نے حضرت مسیحؑ کا مولد ایک دوسرے بیت لحم کو تسلیم کیا ہے۔ جو ناصرہ سے شمال و مغرب میں واقع ہے۔

۳۴ (کہ اس کے سہارے اٹھیں بیٹھیں)

طلبًا لسهو لة الولادة للتثبت بها۔ (کبیر)

فَاَجَاءَهَا۔ لفظ میں اشارہ اس کا ہو گیا کہ درد کی شدت آپ کو یہاں لے آئی۔

ای اضطرها وهو تعدية جاء (قرطبی)

ای الجأها۔ (کشاف)

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

پھر (فرشتہ نے) انھیں ان کے پائیں سے پکارا کہ کچھ رنج مت کرو ۳۶ تمہارے پروردگار نے تو تمہارے پائینتی ہی ایک ندی پیدا کردی ہے

وَهُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾

اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ اس سے تم پر تر و تازہ خرمے گریں گے۔ ۳۷

دوسرے احتمالات بھی ممکن ہیں۔

یحتمل للتقویۃ والاستناد الیہا۔ (کبیر) ویحتمل للتستر بہا۔ (کبیر)

لتستند الیہ عند الولادۃ کما روی عن ابن عباس و مجاہد و قتادۃ والسدی۔ (روح)

کھجور، شام و فلسطین میں اب بھی پیدا ہوتا ہے، لیکن قدیم زمانہ میں تو بڑی کثرت سے ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ درخت اسی وقت بہ طور خارق عادت اگا دیا گیا تھا لیکن اس قول پر کوئی دلیل نہیں، اور غالب احتمال یہی ہے کہ پہلے سے موجود ہوگا۔

والظاہر ان النخلۃ کانت موجودۃ قبل مجیٔ مریم الیہا۔ (بحر روح)

خوارق و معجزات کی تعداد بلا وجہ آخر بڑھائی کیوں جائے۔

۳۵ یعنی کسی کو میری یہ بدنامی یاد ہی نہ رہ گئی ہوتی کہ فلاں بے شوہر کی عورت کے اولاد ہوئی تھی۔ یہ کلمات آپ کی زبان پر فرط غیرت سے اور بدنامی کے خوف سے بے ساختہ آگئے تھے ــــــ محققین نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ موت کی تمنا کسی دینی محرک و داعیہ کے باعث جائز ہے۔

مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ تمنائے موت اگر غم دنیا سے تھی، جب تو غلبۂ حال کو اس کا عذر قرار دیا جائے گا جس میں انسان من کل الوجوہ مکلف نہیں رہتا، اور اگر غم دین سے تھا کہ لوگ بدنام کریں گے اور میں شاید صبر نہ کرسکوں اور بے صبری کی معصیت میں مبتلا ہو جاؤں، موت آجاتی تو اس معصیت سے حفاظت رہتی۔ تو ایسی تمنا ممنوع نہیں ہے۔

الّا بمعنی ان مفسرہ ای کے مرادف ہے۔

ان مفسرۃ بمعنی ای (قرطبی)

۳۶ (اپنی بدنامی یا اپنی بے سروسامانی کے خیال سے۔

یہ پکار کر کہنے والے جبرئیل ہی تھے۔

قال ابن عباسؓ وقتادۃ والضحاک والسدی جبرئیل۔ (جصاص)

اور ابن عباسؓ کی قرأت ہی لفظ ملک کے ساتھ تھی۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۙ فَقُولِي

اور کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو ۳۸ؔ اور اگر کسی بشر کو دیکھنا تو کہہ دینا ۳۹ؔ کہ میں نے

إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا

تو خدائے رحمٰن کے لئے روزہ کی نذر مان رکھی ہے

وقرأ ابن عباس قتادۃ فناداھا ملک من تحتھا (قرطبی)

من تحتھا۔ یعنی جہاں وہ تھیں اس مقام کے پائنتی سے۔

من اسفل الوادی (ابن کثیر)

من مکان اسفل منہا۔ (روح)

۳۷ؔ یہ تر و تازہ خرموں کا گرنا اگر بطریق اعجاز و خرق عادت نہ تھا، تو ظاہر ہے کہ مریم علیہا السلام کا وضع حمل ایسے ہی موسم میں ہوا ہوگا، جو ملک شام میں کھجوروں کے تیار ہونے کا زمانہ ہوتا ہے ـــــ ولادت مسیحؑ کا زمانہ تقریبی و تخمینی طور پر تو اس سے بہ آسانی متعین ہو سکتا ہے۔

یونانی اطباء نے تازہ خرموں کو زچہ خانہ کے لئے بہترین غذا تسلیم کیا ہے۔

سریًّا۔ بہتی ہوئی ندی۔

ای نھرًا یسری (راغب)

اتفق المفسرون الا الحسن وعبد الرحمٰن بن زید ان السری ھی النھر (کبیر)

عن ابن عباسؓ السریّ النھر وبہ قال عمرو بن میمون نھر تشرب منہ (ابن کثیر) وقال السدی ھو النھر واختار ھذا القول ابن جریر وقد ورد فی ذلک حدیث مرفوع (ابن کثیر)

بجذع۔ ب یہاں زائد ہے تاکید کے لئے۔

والباء زائدۃ مؤکدۃ۔ (قرطبی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں اشارہ اس طرف ہے کہ تحصیل رزق میں فی الجملہ سعی کرنا مطلوب ہے اور توکل کے منافی نہیں۔

۳۸ؔ یعنی یہ مفید و پُر تغذیہ طبی پھل جو ملا ہے، اسے کھاؤ۔ اور اس چشمہ کا پانی پیو۔ اور بچہ کو دیکھ کر قلبی راحت حاصل کرو۔

آیت سے صاف اشارہ تلاش رزق کا نکل رہا ہے، جو ہرگز توکل کے منافی نہیں۔

الأمر بتکلیف الکسب فی الرزق سنۃ اللہ تعالیٰ فی عبادہ وان ذلک لایقدح فی التوکل (قرطبی)

اور بعضوں نے آیت میں اس سے بھی زیادہ معنی تلاش کر لئے ہیں۔

استدل بعض الناس من ھذہ الآیۃ علی ان الرزق وان کان محتوما فان اللہ تعالیٰ قد وکل

فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ؕ

سو میں تو آج کسی انسان سے بولوں گی نہیں ۴۰ پھر وہ انھیں (گود میں) اٹھائے ہوئے اپنی قوم والوں کے پاس آئیں ۴۱

قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾

وہ لوگ بولے اے مریم تو نے تو بڑے غضب کی حرکت کی ۴۲

ابن ادم الی سعی ما فیه لأنه أمر مریم بهز النخلة لتری آیة وکانت الآیة تکون بألا تهز (قرطبی)

کلی واشربی وغیرہ جو صیغے امر کے ہیں ان میں بھی گفتگو ہوئی ہے بعض نے کہا کہ یہ وجوب و استحباب کے لئے ہیں، اور بعض نے کہا کہ محض اباحت وجواز کے لئے۔

والامر قیل یحتمل الوجوب والندب وذلك باعتبار حالها وقیل هو للاباحة (روح)

۳۹ (اشارہ سے)

آنے والا جو آئے گا، وہ اغلب احوال ہیں، بچہ کی پیدائش کو حیرت واعتراض ہی کی نظر سے دیکھے گا۔ اسی موقع کے لئے حضرت مریمؑ کو ہدایت ہوتی ہے کہ تم سوال وجواب میں نہ پڑنا، بلکہ یہ کہہ کر کہ میں تو آج صوم سکوت کی نذر مانے ہوئے ہوں چپ ہو جانا۔

فقولی۔ کے تحت میں بعض مفسرین نے بڑھایا ہے کہ یہ بات بھی اشارہ سے کہنا، ورنہ عدم سکوت سے تناقض لازم آتا ہے۔ لیکن اتنا تکلف غیر ضروری ہے، یہ آسانی ممکن ہے کہ یہ اطلاعی فقرہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی ہوں۔

وقالت فرقة معنی فقولی ای بالاشارة لا بالکلام والافکان التناقض ینافی قولها انسی ولا تناقض لان المعنی فلن اکلم الیوم انسیًّا بعد قولی هذا (بحر)

۴۰ گویا حکم یہ ملا کہ تم روزہ کی نذر مان لو، اور جب کوئی تم پر اعتراض کرنے لگے، تو تم اس پر بھی ظاہر کر دینا اور خود سوال وجواب میں نہ پڑنا۔

فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا۔ روزہ بہت سی اگلی شریعتوں میں سکوت کے ساتھ ہوتا تھا شریعت اسلامی میں صوم سکوت جائز نہیں۔ ایک شریف خاتون کے لئے، جب خود اس کی عصمت زیر بحث آنے لگے، اپنی بریت وصفائی میں بھی تقریر کرنا جتنا دشوار ہوتا ہے، اس کا اندازہ ہر صاحب فہم وصاحب تجربہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے حضرت مریمؑ کی نزاکت جذبات کا لحاظ فرما کر کتنا اچھا نسخہ انھیں بتا دیا کہ تم اس سوال وجواب ہی میں نہ پڑنا، بلکہ جواب اپنے اس بچہ ہی سے دلوانا، (جیسا آگے آ رہا ہے) ہم اسے بہ طور خارق عادت تمہاری صفائی میں گویا کر دیں گے۔

۴۱ اب وہ وقت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہو چکی ہے اور آپ انھیں گود میں لئے ہوئے شہر میں آتی ہیں۔

۴۲ یعنی (نعوذ باللہ) یہ بدکاری کا ثمر لے کر آئیں۔

يَٰٓأُخۡتَ هَٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ ٱمۡرَأَ سَوۡءٖ وَمَا كَانَتۡ أُمُّكِ بَغِيّٗا ۝٢٨

اے ہارون کی بہن! نہ تمہارے والد ہی بُرے آدمی تھے اور نہ تمہاری ماں ہی آوارہ تھیں۔ ۵۴۳

یہ اس لئے کہا کہ حضرت مریمؑ کی ابھی شادی ہوئی نہیں تھی، اگرچہ منگنی قرار پا جانے کے اقوال ملتے ہیں۔ غرض یہود بجز معصیت شدید کی بدگمانی کے اور کوئی دوسرا قیاس قائم نہ کرسکے۔

"حمل و تولد بلا توسط مرد کے خارق عادت ہے اور خوارق میں کتنا ہی استبعاد ہو مضائقہ نہیں لیکن اس میں اس وجہ سے زیادہ استبعاد بھی نہیں کہ حسب تصریح کتب طب عورت کی منی میں قوت منعقدہ کے ساتھ قوت عاقدہ بھی ہے اسی لئے مرض رجاء میں کچھ ناتمام صورت بھی بن جاتی ہے" کما صرح فی القانون" پس اگر یہی قوت عاقدہ اور بڑھ جاوے تو زیادہ مستبعد نہیں ہے"۔ (تھانوی)

جِئۡتِ۔ یہاں بہ معنی فعلت ہے۔ (روح)

فَرِيّٗا۔ فری کہتے ہیں گڑھی ہوئی چیز کو، چنانچہ افترا بھی اسی مادہ سے ہے، یہاں تفسیر عظیم، اور عجیب اور مصنوعی چیز سے کی گئی ہے۔

قیل معناہ عظیما وقیل عجیبا وقیل مصنوعا (راغب)

شیئا عظیما منکرا (کبیر)

قال مجاھد والسدی الفری العظیم الشنیع۔ (بحر)

۵۴۳ (تو یہ بھی تو نہیں کہا جاسکتا کہ والدین کی بُرائی کا اثر تم میں آگیا۔ ایسے نیک اور خوش چلن شریف خاندان میں ہوکر اور یہ حرکت! کتنی شرم کی بات ہے۔)

غیرت دلانے اور شرمندہ کرنے کا اس سے زیادہ مؤثر اور زوردار طریق اور ہو کیا سکتا تھا۔

مَا كَانَ ..... بَغِيّٗا۔ یہ پورا قول اس کی دلیل ہے کہ حضرت مریمؑ کے والدین کا شمار اعلیٰ درجہ کے خوش چلن لوگوں میں تھا، اور ان کی پارسائی اور عصمت آبائی ایک مسلّم و مشاہد حقیقت تھی۔ یہ برادری والے اس پر گواہی دے رہے ہیں۔

يَٰٓأُخۡتَ هَٰرُونَ۔ اخت صیغہ مؤنث اخ کا ہے اور جس طرح اخ کا مفہوم نہایت وسیع ہے اور وطنی، دینی، صناعتی ہر قسم کے اشتراک و تشابہ پر حاوی ہے، اسی طرح اُخت کا اطلاق بھی نسب پر محدود نہیں بلکہ ہر قسم کے اشتراک کے لئے عام ہے۔ یہاں بھی مفہوم اسی مثلیت کا ہے، گویا وہ لوگ کہہ یہ رہے ہیں کہ اے ہارون جیسی خاتون، اے تقویٰ و پاکیزگی میں ہارون کی ہم سطح خاتون۔

فنسبت إلیه بمعنی التشبیه لا بمعنی النسبة (کبیر)

والمراد بالأخت انها واحدة منهم کما یقال أخا العرب وهو المروی عن السدی (روح)

شبهوها به علی معنی انا ظننا انك مثله فی الصلاح ولیس المراد الاخوة فی النسب (معالم)

فَاَشَارَتۡ اِلَیۡہِ ؕ قَالُوۡا کَیۡفَ نُکَلِّمُ مَنۡ کَانَ فِی الۡمَہۡدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾

اس پر مریم نے اس (بچہ) کی طرف اشارہ کیا۴۴ وہ بولے ہم اس سے کیسے بات چیت کریں یہ ابھی گہوارہ میں (پڑا ہوا) بچہ ہی ہے۴۵

قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ

(وہ بچہ) بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں۴۶

خود قرآن میں بھی اخت مشابہ کے معنی میں آیا ہے۔ وما نریھم من اٰیۃ الاھی اکبر من اختھا۔ (سورہ زخرف: ۴۸)

هَارُوۡنَ۔ یہ ہارون کون تھے؟ اغلب تو یہی ہے کہ وہی نبی ہارونؑ مراد ہوں جو اپنے تقوی و پاکیزگی کے لئے اسرائیلیوں میں ضرب المثل تھے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی اور ہارون مریمؑ کے معاصر ہوں، جن کا تقویٰ اس عہد کے لوگوں میں معروف و مسلم ہو۔ اور اگر کوئی صالح شخص حضرت مریمؑ کے بھائی ہی ہوں تو اس میں بھی کوئی تاریخی استبعاد نہیں، جبکہ والدین مریمؑ کی اولاد کی تفصیل کہیں محفوظ نہیں۔

۴۴ (جو کچھ کہنا سننا ہے اسی بچہ سے کہو سنو)

۴۵ یہود اسے حضرت مریمؑ کی زبان سے طنز و تمسخر سمجھ کر اور زیادہ جھنجھلائے، اور بولے کہ کیا باتیں کرتی ہو! ہم مخاطب اس ناسمجھ بے زبان بچہ سے ہوں جو ابھی گہوارہ میں پڑا ہوا ہے۔

لما اشارت الیہ غضبوا غضبًا شدیدًا۔ (کبیر عن السدی)

کان۔ ابو عبیدہ لغوی کا قول ہے کہ یہاں زائدہ ہے (بحر) اور یہ تو بہرحال لازمی نہیں کہ اس کے معنی ماضی کے لئے جائیں، یعنی اس زمانہ کے جو مکالمہ کے وقت منقطع ہو چکا ہے، اور خود قرآن مجید میں متعدد نظیریں کان کے اس استعمال کی ہیں، مثلاً ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃً (سورہ بنی اسرائیل: ۳۲) کے یہ معنی آج تک کوئی بھی نہیں سمجھا ہے کہ زنا کسی زمانہ گزشتہ میں فعل بد تھا ـــــ چنانچہ یہاں بھی محققین نے تصریح کر دی ہے کہ کان سے مراد کوئی ایسا زمانہ نہیں جو اس وقت منقطع ہو چکا ہے۔

لا یدل ذلک علی الانقطاع (بحر)

قال ابو عبیدۃ کان زائدۃ لمجرد التاکید من غیر دلالۃ علی الزمان (روح)

کان ھنا لیس یراد بھا الماضی، وانما ھی فی معنی ھو الآن۔ (قرطبی)

۴۶ نہ خدا۔ نہ فرزند خدا، نہ مثیل خدا، نہ بروز خدا، نہ خدا کا منہ بولا بیٹا بلکہ محض بندۂ خدا ـــــ گفتگو چونکہ ردِ نصرانیت میں چل رہی ہے اس لیے تردید ان تمام صورتوں کی ہو رہی ہے جن سے شرک نصرانیت میں کوئی بھی صورت پیدا ہو۔

قال۔ یہود کی مخاطبت کا انتظار کئے بغیر آپ بہ اذن الٰہی خود ہی بول اٹھے۔

اس خرق عادت کا ظہور خود یہود کے مسلمات کے لحاظ سے آپ کی اعلیٰ مقبولیت کا ثبوت تھا۔ اور

اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ

اس نے مجھے کتاب دی اور اس نے مجھے نبی بنایا ۴۷ اور (اس نے) مجھے بابرکت بنایا میں جہاں کہیں بھی رہوں ۴۸

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ

اور (اس نے) مجھے نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔ ۴۹ اور مجھے میری والدہ سے نیکی کرنے والا بنایا ۵۰

وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾

اور مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔ ۵۱

فسادِ نسب اس مقبولیت عظمیٰ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، اس لئے اس سن میں آپ کا تکلم یہود کی بدگمانی رفع کرنے کے لئے بجائے خود کافی ہوجانا چاہیئے تھا۔

امام رازی نے اسی پہلو کی جانب اشارہ کیا ہے۔

۴۷ اور اللہ تعالیٰ کا بندہ بھی کیسا؟ مقرب و برگزیدہ۔ اس کی عنایت لے غایت یہ ہوئی کہ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے کی اور اس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے —— یہ بھی عجب لطیفہ ہے کہ قرآن کو تو عیسیٰ مسیح کے صاحب کتاب ہونے پر اصرار ہے اور مسیحیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کتاب سے محروم تھے، البتہ چار مختلف شخصوں نے آپ کے کچھ زمانہ کے بعد مختلف مقامات میں چار کتابیں آپؑ سے تعلق بنا کر دے دیں!

مستقبل کے واقعات کو جبکہ ان کا وقوع بالکل یقینی اور غیر مشتبہ ہو بصیغۂ ماضی بیان کرعادت قرآنی کے عین مطابق ہے۔

المراد بان حکم وقضی بانہ سیبعثنی من بعد (کبیر عن ابن عباسؓ)

بعض اقوال یہ بھی نقل ہوئے ہیں کہ حضرت کا یہ قول اس وقت کا نہیں بہت بعد کا ہے پہلا قول عبد اللہ ؓ کا ختم ہوگیا۔

۴۸ یعنی خلق کو میرے ذریعہ سے دین کا نفع پہنچے گا۔ مبارک کے معنی معلّم خیر کے بھی کئے گئے ہیں۔

قال مجاھد معلما للخیر وقال غیرہ جعلنی نفّاعًا (جصاص)

۴۹ مجھے احکام شریعت دے کر بھیجا گیا ہے، اور میرے اوپر بھی زندگی بھر دین اور احکام شریعت کی پیروی فرض ہے۔

انجیل برنابا میں جو حضرت مسیح کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے، اور جسے مسیحی اپنے اغراض و عقائد کے مخالف پاکر جعلی قرار دیتے ہیں، اس میں اس مفہوم کی آیت موجود ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۵۰ اس میں تردید ہے انجیل مروجہ کی پیدا کی ہوئی اس غلط فہمی کی کہ آپ کا برتاؤ اپنی والدہ کے ساتھ زیادہ اچھا نہ تھا، اور آپ ان سے بے رخی، بے التفاتی، بے اعتنائی برت جاتے۔

(ملاحظہ ہو متی ۱۲: ۴۶-۵۰ مرقس ۳: ۳۱-۳۵ لوقا ۸: ۱۹-۲۱)

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَیَوۡمَ اَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

اور میرے اوپر سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا ۵۲ے

ذٰلِکَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِیۡ فِیۡہِ یَمۡتَرُوۡنَ ﴿۳۴﴾

یہ ہیں عیسیٰ بن مریم۔ (یہ ہے وہ) سچی بات جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں ۵۳ے

اس حسنِ سلوک کے موقع پر بجائے والدین کے صرف والدہ کا نام لانا خود اس امر کا قرینہ ہے کہ آپ کی پیدائش، والد کے توسط کے بغیر ہوئی تھی۔

۵۱ے (کہ میں خلق یا خالق کسی کے بھی ادائے حقوق میں کمی کروں۔ یا اعمال کے ترک سے بدبختی خریدوں) انجیل میں آپ کی زبان سے ہے:- "میں حلیم ہوں اور دل کا فروتن" (متی ۱۱-۲۹) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ انسان کا اپنی زبان سے اپنے اوصاف کمال کا ظاہر کرنا بالکل جائز ہے بشرطیکہ مقصود تعارف ہو، نازو افتخار نہ ہو۔

یدل انہ یجوز للانسان ان یصف نفسہ بصفات الحمد والخیر اذا اراد تعریفھا الی غیرہ لا علی جھۃ الافتخار (جصاص)

۵۲ے سلام یہاں وسیع معنی میں ہے، یعنی اللہ کے حفظ و امن کے مرادف ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۰

یَوۡمَ وُلِدۡتُّ - یعنی زندگی بھر اور اس دنیا میں۔

یعنی فی الدنیا - (قرطبی)

یَوۡمَ اَمُوۡتُ - یعنی عالم برزخ و قبر میں۔

یعنی فی القبر - (قرطبی)

یَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا - یعنی حشر میں۔

یعنی فی الاٰخرۃ - (قرطبی)

ضمناً مسیح پرستی کا بھی رد نکل آیا۔ آیت نے کھل کر کہہ دیا کہ عیسیٰ ابن مریم پر ہر انسان کی طرح یہ تین دور طاری ہوں گے۔ وہ زندہ رہیں گے، پھر وفات پا جائیں گے اور پھر قیامت میں محشور ہوں گے۔ ہر حال اور ہر عالم میں اللہ کے لطف و کرم سے سرفراز۔ ان میں وصف معبودیت کا کوئی شائبہ ہی موجود نہیں۔

۵۳ے یہ ہے ان کی صحیح کیفیت۔ یہ ہے ان کے نبی اور بندۂ مقبول و مقرب ہونے کا صحیح اور سچا بیان۔ نہ وہ خدا، نہ فرزندِ خدا، نہ مظہر خدا، جیسا کہ عیسائیوں نے گڑھ رکھا ہے، اور نہ وہ بندۂ نامقبول اور مردود و مخذول جیسا کہ یہود نے طرح طرح انھیں متہم کر رکھا ہے۔

الذی فیہ یمترون۔ ان کے باب میں جھگڑا کرتے والی یہی افراط و تفریط میں مبتلا اور غلو کرنے والی قومیں ہیں۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا

اور اللہ کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔ وہ بالکل پاک ہے ۵۴ وہ تو جب کسی امر کا تہیہ کر لیتا ہے تو

يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ

بس اس سے صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے ۵۵ اور بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

پروردگار ہے۔ سو اس کی عبادت کرو۔ یہی (دین کا) سیدھا راستہ ہے ۵۶

ذٰلِكَ۔ اشارہ اوپر کے قول انی عبد اللہ الخ کی جانب ہے یعنی عیسیٰ ابن مریمؑ وہی ہیں جو ان صفات سے موصوف ہیں۔

الاشارۃ الی ماتقدم وھو قولہ انی عبد اللہ اتانی الکتٰب ای ذٰلک الموصوف بھذہ الصفات ھو عیسیٰ ابن مریمؑ۔ (کبیر)

قول الحق۔ یعنی اصل حقیقت یہ ہے نہ کہ وہ داستانیں جو اہل باطل نے گڑھ لی ہیں۔

علی معنی أنہ ثابت لایجوز ان یبطل (کبیر)

ھذا الکلام قول الحق۔ (قرطبی)

لیکن بعض نے قول الحق کو حضرت عیسیٰؑ کا لقب بھی سمجھا ہے۔ کلمۃ اللہ کی طرح کا۔

قال الکسائی نعت لعیسیٰ ای ذٰلک عیسیٰ ابن مریم وسمی قول الحق کما سمی کلمۃ اللہ۔ (قرطبی)

۵۴ اس کی جانب اولاد کا انتساب معمولی، فرعی غلطی نہیں ہے، بنیادی، مرکزی اور ایک اہم ترین ضلالت ہے۔

"اتخاذ ولد" پر حاشیہ سورہ بقرہ آیت ۱۱۶ وقالوا اتخذ اللہ ولدا سبحنہ کے تحت میں گزر چکا۔

من ولد میں من تاکید نفی کے لئے ہے۔

جئی بمن لتاکید النفی۔ (مدارک)

ما کان للہ۔ یہ اس طرح کا فقرہ ہے، جیسے دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے۔ ما کان للہ فھو یصل الی شرکآئھم۔ انعام: ۱۳۶

ای لایلیق ذٰلک بحکمتہ وکمال الٰھیتہ۔ (کبیر)

۵۵ (ایسے قوت واقتدار مطلق رکھنے والے کو اولاد کی حاجت کیا، اور ایسے کمال والے کے لئے اولاد کا

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ

پھر (مختلف) گروہوں نے باہم اختلاف ڈال لیا ۵۷ سو کافروں کے حق میں بڑی آفت (آنے والی) ہے

یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ

بڑے دن کی آمد پر ۵۸ یہ کیسے کچھ سننے والے اور دیکھنے والے ہوجائیں گے جس روز ہمارے پاس آئیں گے

الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾

لیکن آج تو یہ ظالم کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہیں ۵۹

ثابت کرنا عقلاً اس کے لئے کمال نہیں نقص کا اثبات کرنا ہے)

کن فیکون۔ ملاحظہ ہوں سورۃ بقرہ آیت ۱۱۷، آل عمران ۴۷ اور ۵۹، نحل ۴۰ کے حاشیے۔

لہ۔ اس سے یعنی اسی امر سے جو اپنے وقوع میں آنے سے پیشتر ہی علم الٰہی میں موجود رہتا ہے۔

۵۶ ان اللہ الخ۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مل رہا ہے کہ آپ اپنی طرف سے کہہ دیجئے۔

التقدیر فقل یا محمد ان اللہ ربی وربکم الخ (کبیر)

ھٰذا۔ مراد ان امور سے ہے جن کا ذکر ابھی اوپر آچکا ہے یعنی حق تعالیٰ کی توحید اور شرک سے تبری کا۔

ای ما ذکر من التوحید۔ (روح)

۵۷ یہاں اختلاف سے مراد وہ اختلاف نہیں جو حضرت مسیحؑ کے باب میں اہل حق اور اہل باطل کے درمیان ہے، بلکہ وہ اختلاف مراد ہے جو خود اہل باطل یا غالی مسیحیوں ہی کے مختلف فرقوں کے درمیان ہے جن کے جھگڑوں سے تاریخ کلیسا بھری پڑی ہے۔

الاحزاب۔ مراد وہ فرقے ہیں جو حضرت مسیحؑ کے باب میں مسیحیوں کے درمیان بہت بڑی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں، اور خود یہود اور مسیحیوں کا اختلاف اس پر مستزاد۔

المراد فرق النصاری علی ما بینا اقسامھم۔ (کبیر) المراد النصاری والیھود۔ (کبیر)

۵۸ یوم عظیم سے مراد ظاہر ہے کہ روز قیامت ہے، جو بہ اعتبار امتداد بھی بہت بڑا ہوگا، اور بہ اعتبار اشتداد بھی۔

مشھد سے مراد نفس شہود بھی ہو سکتا ہے اور مکان شہود بھی اور زمان شہود بھی۔

فیحتمل ان یکون المراد من المشھد نفس شھودھم ھول الحساب والجزاء فی القیامۃ اومکان الشھود فیہ وھو الموقف او وقت الشھود (کبیر)

الذین کفروا۔ کا اعلان ہر کافر گروہ کے لئے عام ہے لیکن یہاں اشارۂ خاص اُن ہی قوموں کی جانب

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِىَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ

اور آپ انھیں اس حسرت کے روز سے ڈرا دیجئے جبکہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور یہ لوگ بے پروائی میں (پڑے ہیں)

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٤٠﴾

اور ایمان نہیں لاتے ہیں ۶۰ ہم ہی زمین کے اور اس پر رہنے والوں کے وارث رہ جائیں گے اور ہماری ہی طرف (سب) لوٹائے

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾

جائیں گے ۶۱ اور آپ (اس) کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے ۶۲ وہ بڑے راستی والے نبی تھے ۶۳

ہے، جو حضرت عیسیٰ سے متعلق گمراہ ہوئی ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ مع اپنے تمام ذیلی وضمنی فرقوں کے۔

ای تحزبوا فی عیسیٰ۔ (ابن عباسؓ)

۵۹ یعنی حشر میں تو انکشاف حقائق ان کافروں کو بھی کامل ہو کر رہے گا، لیکن آج دنیا میں تو یہ سر تا سر ظلمت ضلالت میں غرق ہیں۔

اسمع بهم وابصر۔ محاورہ میں کمال تعجب کے موقع پر آتا ہے۔ یعنی آج تو یوں اندھے بہرے ہیں، کل قیامت میں سب کمال حیرت سے دیکھیں گے کہ آنکھیں خوب روشن اور کان خوب تیز ہو گئے ہیں۔

قال ابو العباس العرب تقول هذا فی موضع التعجب (قرطبی)

والجمهور علی ان لفظه امر ومعناه التعجب (مدارک)

ضلال مبین سے اشارہ ان لوگوں کی ارادی گمراہی و کج روی کی جانب ہے یعنی باوجود جتلانے کے بھی یہ ادھر توجہ ہی نہیں کرتے، اور اپنے کان اور آنکھ بند کیے ہوئے ہیں۔

المراد اغفال النظر والاستماع۔ (کشاف)

۶۰ (اور چونکہ حقائق ایمانی پر پوری توجہ ہی کبھی نہیں کرتے، اس لئے ان کی یہ غفلت یا بے پروائی بھی اختیاری ہی ہے اور یہ اس میں معذور ذرا بھی نہیں)

یوم الحسرة۔ حسرتیں تو کافروں کے نصیب ہی میں تھیں۔ یوم حشر میں ان حسرتوں کا شمار و عدد اور کیفیت و کمیت کے ہر اعتبار سے شدید ترین و قوی ترین ہونا ظاہر ہے۔

اذ قضی الامر۔ یعنی جنت و دوزخ دونوں کا بھی فیصلہ کر دیا جائے گا، اور اہل جنت و اہل جہنم دونوں کو خلود کا حکم سنا کر موت کو ان کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا — حدیث میں یہی تفسیر آئی ہے (بخاری کتاب التفسیر)

اور جس کسی نے عالم آخرت میں موت کے متشکل ہو کر آنے اور اس کے ذبح کئے جانے پر استعجاب کیا وہ بیچارہ عالم آخرت کے قویٰ اور مدرکات کو سرے سے سمجھا ہی نہیں اور وہ اسے تمام تر اسی مادی ناسوتی

اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا یَسۡمَعُ وَ لَا یُبۡصِرُ وَ لَا یُغۡنِیۡ

(وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب انھوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ اے میرے باپ آپ کیوں ایسی چیز کی پرستش

عَنۡكَ شَیۡـًٔا ﴿۴۲﴾ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ قَدۡ جَآءَنِیۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ یَاۡتِكَ

کرتے ہیں جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ آپ کے کچھ بھی کام آسکے ۱۶۲ اے میرے باپ میرے پاس وہ علم آچکا ہے جو آپ کے پاس

عالم اجسام پر قیاس کر رہا ہے!

۱۶۰ ذات حق جس طرح سب کا مبدا ہے، سب کا مرجع بھی ہے، یہ نہیں کہ مخلوق میں سے کسی ایک کی بھی واپسی کسی دیوی دیوتا کسی پیر پیغمبر کی جانب ہو۔

نرث الارض یعنی جب زمین کی ساری جاندار مخلوق فنا ہو جائے گی تو بس ہم ہی اس کے وارث یا مالک رہ جائیں گے۔

۱۶۱ (اے ہمارے پیغمبر)

یعنی آپ اس کتاب سے ابراہیم کا تذکرہ پڑھ کر اپنی قوم کو سنائیے ورنہ کتاب میں ذکر لانے والا تو ظاہر کہ خود حق تعالیٰ ہی ہے۔

والمراد اتل علیھم نبأ ابراھیم وذاکرہ ومورده فی التنزیل ھو اللہ تعالیٰ۔ (بحر)

ای اتل علی الناس قصته۔ (روح)

حضرت ابراہیمؑ (۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق م) پر حاشیہ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۲۴ میں گزر چکا ہے۔

۱۶۳ (اور اس لئے سب کے لئے ایک سند اور سب کے لئے قابل اتباع)

صدیق۔ صدوق کا صیغہ مبالغہ ہے، اور لفظی معنی بہت بڑے سچے کے ہیں۔ اصطلاح میں ولی کامل کے مرادف ہے اور بعد نبی کے سب سے اونچا مرتبہ صدیق ہی کا ہوتا ہے۔

الصدیقون ھم قوم دوین الانبیاء فی الفضیلة۔ (راغب)

توریت میں کذب کو دو جگہ حضرت کی طرف منسوب کیا گیا ہے (پیدائش ۱۲: ۱۳ اور ۲۰: ۲) قرآنی لفظ صدیق اسی کی تردید میں ہے۔ قرآن مجید کوئی لفظ بھی بیکار نہیں لاتا۔

ای ملازم الصدق لم یکذب قط (روح)

الصدیق من کثر منه الصدق وقیل بل یقال لمن لا یکذب قط۔ (راغب)

ھو الذی یکون عادته الصدق (کبیر)

المراد فرط صدقه وکثرة ما صدق به من غیوب اللہ (مدارک)

الصدیق الکثیر الصدق القائم علیه (معالم)

یہود اور نصرانیوں کے ہاں نبی کا صدیق ہونا ہرگز لازمی نہیں، نبوت ان کے ہاں ایک طرح کی کہانت

فَاتَّبِعْنِیْٓ اَھْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾

نہیں تھا سو آپ میری پیروی کیجئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتا دوں گا ۶۵؎

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَبَتِ

اے میرے باپ آپ شیطان کی پرستش نہ کیجئے۔ شیطان بے شک خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے ۶۶؎ اے میرے باپ

ہے جو اشرافیت وبیش خبری اور بڑی سی بڑی برائی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔

۶۴؎ (عقل سے سوچئے تو بت پرستی کی لاحاصلی آپ پر بالکل روشن ہو جائے)

لم تعبد الخ ظاہر ہے کہ مراد بتوں اور مورتیوں کی پرستش سے ہے، عراق قدیم یا کلدانیہ کا شرک بدترین قسم کا شرک تھا۔ دیوی دیوتاؤں کے نام ۵ ہزار کی تعداد میں اب تک کتبوں میں مل چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن انگریزی۔

مالا یسمع .... شیئا۔ مطلب یہ ہے کہ جو ہستی واجب الوجود نہیں وہ لائق عبادت تو کسی حال میں بھی نہیں۔ چہ جائیکہ ایسی ہستیاں جو سماعت و بصارت وغیرہ سے بھی عاری ہوں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے طریق دعوت و تبلیغ میں حسن خلق و ادب کو ملحوظ رکھا، تاکہ مخاطب فساد و مکابرہ پر آمادہ نہ ہو جائے۔

۶۵؎ (جو توحید، ایمان اور نجات کا راستہ ہے)

العلم۔ یعنی علم بالوحی جس میں غلطی کا احتمال ہی نہیں۔

فقہاء نے یہاں سے مسائل ذیل کا استنباط کیا ہے۔

۱۔ بے علموں پر علماء کی اتباع واقتداء لازم ہے۔

۲۔ باپ کو بیٹے سے استفادہ وتلمذ جائز ہے۔

۳۔ فضل نسب فضل علم وکمال کا ہم سطح نہیں۔

۶۶؎ شیطان کے کہے میں آکر بت پرستی اور شرک میں مبتلا ہو جانا، یہ خود شیطان پرستی ہے۔

ای لا تطعه فی عبادتك هذه الاصنام فانه هو الداعی الی ذلك والراضی به (ابن کثیر)

المراد الطاعة لانهم ما كانوا يعبدون الشيطن فوجب حمله على الطاعة. (کبیر)

لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا۔ صفت رحمانیت کو نمایاں کرنے سے مقصود مخاطب کو اور زیادہ عبرت دلانا ہے کہ شیطان کا یہ کفر اور ناسپاسی بھی کیسے مالک کے مقابلہ میں ہے؟ ایسے کے جو سرتاسر رحمت ہے۔

کان۔ یہاں صار کے معنی میں لیا گیا ہے، یعنی نافرمان ہو گیا۔

قیل بمعنی صار (قرطبی)

حال کے مفہوم میں بھی لیا گیا ہے یعنی نافرمان ہے۔

اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ﴿۴۵﴾

میں اندیشہ کرتا ہوں کہ آپ پر خدائے رحمٰن کی طرف سے عذاب آپڑے تو آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں ۶۷

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ

(آزر نے) کہا تو کیا اے ابراہیم تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر ڈالوں گا ۶۸

وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ

اور مجھے تو ایک مدت کے لئے چھوڑ ہی دو ۶۹ (ابراہیم) بولے آپ میرا سلام لیں ۷۰ اب میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت کی درخواست کروں گا ۷۱

قیل بمعنی انعال ای ھو للرحمٰن (قرطبی)

یٰٓاَبَتِ ۔ یہ یا ابت کی تکرار بار بار کرنا اور اسی طرح آیت ماقبل میں ہدایت کا انتساب بجائے حق تعالیٰ کے اپنی جانب کرنا، یہ سب اس لئے ہے کہ مخاطب کو بجائے بُعد و بیگانگی کے اُنس و یگانگت پیدا ہو۔

۶۷ (دوزخ اور عذاب آخرت میں)

عذاب من الرحمٰن ۔ یہاں یہ جتلا دیا کہ گو وہ رحمٰن ہے مگر سزا دینے میں مانع اس کو نہ عدم قدرت ہو سکتی ہے اور نہ عدم ارادہ۔

۶۸ سنگساری کی سزا قدیم قوموں میں عام تھی، اور کلدانیہ کے قانون میں تو لڑکا عمر بھر باپ کا غلام ہی سمجھا جاتا تھا۔ باپ کی زندگی بھر اسے خود مختاری کسی طرح حاصل نہیں ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن انگریزی۔ آزر کی تقریر میں پہلے جملہ کو زور دے کر پڑھئے جس سے غصہ اور حیرت دونوں کا اظہار ہوتا ہے۔ غضب ہے کہ اے ابراہیم تم اس دین سے الگ ہو رہے ہو جس پر میں قائم ہوں۔ اور جس کو تمھارا باپ اپنائے اسی سے انکار کر رہے ہو!

لئن لم تنتہ ۔ یعنی اگر اپنے اس انوکھے عقیدہ اور تعلیم سے باز نہ آئے۔

۶۹ یعنی میرا سامنا کرنا تو بہر حال چھوڑ ہی دو۔

ملیًّا ملی کے معنی زمانہ طویل کے ہیں اور یہی معنی یہاں اکابر سے منقول ہیں۔

قیل للمدۃ الطویلۃ (راغب)

زمانًا طویلًا (ابن جریر۔ عن الحسن) حینا طویلا و دھرًا (ابن جریر)

روی عن الحسن ومجاھد وسعید بن جبیر والسدی قالوا دھرا طویلا۔ (جصاص)

۷۰ (اور میری اور آپ کی راہیں آج سے جدا ہیں)

حضرت نے جب دیکھا کہ تبلیغ و نصیحت کا اثر الٹا ہو رہا ہے تو کہا، بہتر ہے میرا آخری سلام قبول ہو۔ میں اب رخصت ہوتا ہوں۔

اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا

بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے [۷۱] میں کنارہ کرتا ہوں تم لوگوں سے اور اُن سے بھی جنھیں تم لوگ خدا کے سوا پکارتے ہو [۷۳] اور میں تو

رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ

اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا یقین ہے کہ اپنے پروردگار کو پکار کر میں محروم نہ رہوں گا [۷۴] پھر جب وہ کنارہ کش ہو گئے

یہ سلام، وداع اور رخصتی کا ہے۔ کہ میری راہ الگ ہے، آپ کی راہ الگ۔ اس سے اس فقہی مسئلہ کو کہ کافر کو سلام جائز ہے یا نہیں، نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق ہی نہیں۔

توادع ومتارکۃ (کبیر)

قال الجمھور ھذا بمعنی المسالمۃ لا بمعنی التحیۃ (بحر)

ھذا السلام للمتارکۃ بقرینۃ المقام فلامس لمسئلۃ السلام علی الکافر جوازاو منعا بھذا المقام (تھانوی)

لیکن بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ سلام رفق و آشتی و مسالمت کا ہے، اور اس میں اس کی تعلیم ہے کہ سفیہ کو حلیم کی زبان سے ایسا ہی جواب ملنا چاہئے، اور اس میں حقِ ابویت کا احترام بھی ہے۔

قیل سلام بر ولطف وھو جواب الحلیم للسفیہ (معالم)

یعنی اما انا فلا ینالک منی مکروہ ولا اذی وذلک لحرمۃ الابوۃ (ابن کثیر)

مقابلۃ للسیئۃ بالحسنۃ ای لا اصیبک بمکروہ (بیضاوی)

[۷۱] (اس طرح کہ آپ کو جیتے جی ہدایت نصیب ہو جائے کہ اسی پر مغفرت مرتب ہوتی ہے۔)

معناہ سأسئل اللہ تعالٰی لک توبۃ تنال بھا المغفرۃ (معالم)

انما استغفر لابیہ لانہ کان یرجو منہ الایمان (کبیر)

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ یہ سند ہے کافر کے لئے دعائے ہدایت کے جواز کی۔

[۷۲] (اس لئے مجھے امید ہے کہ وہ میری دعا قبول بھی کرے گا بشرطیکہ وہ کسی حکمت تکوینی کے معارض نہ ہوئی)

[۷۳] یعنی قلباً و اعتقاداً تو میں پہلے ہی سے علیحدہ تھا۔ اب سکونت بھی یہاں کی چھوڑے دیتا ہوں ـــــ چنانچہ اس کے بعد آپ اپنے وطن عراق سے ملک شام کو ہجرت فرما گئے۔

قرآن کے مخاطبین اول، مشرکین عرب کے لئے اس قصہ ابراہیمی میں خصوصیت کے ساتھ سبق ہدایت موجود ہے۔ وہ بھی نسل ابراہیمی سے تھے، اور اپنے کو پیرو بھی ان ہی کے دین کا ظاہر کرتے تھے۔

واعتزلکم۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اس میں معاند سے یکسو ہو جانے کی تعلیم ہے۔

[۷۴] (بخلاف مشرکوں کے۔ جو اپنے معبودوں کو پکار کر محروم ہی رہتے ہیں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام پیمبر ہیں۔ اور پیمبر بھی کیسے جلیل القدر، اللہ کے خلیل۔ اس پر بھی دعویٰ

وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ

ان لوگوں سے اور ان سے بھی جن کی وہ لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، تو ہم نے انھیں اسحٰق اور یعقوب کو عطا کیا ۵۷۵

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ

اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔ اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت عطا کی ۵۷۶ اور ہم نے ان سب کا

لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ ع

نام نیک اور بلند کیا۔ ۵۷۷

کے ساتھ یہ نہیں کہنے کہ میری دعا قبول ہو ہی جائے گی۔

۵۷۵ یعنی جب آپ اپنے شہر حرّان (ملک کلدانیہ) سے ہجرت کر کے ملک شام میں آبسے تو اس ترک وطن واہلِ وطن سے آپ دنیوی و مادی اعتبار سے بھی گھاٹے میں نہ رہے۔ دوسرا وطن آپ کو مل گیا۔ صاحب اولاد آپ ہوئے۔ اولاد در اولاد تک پیمبر ہوئی، ساری خوشیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

آپ کی اس ہجرت اور ترک وطن کا ذکر توریت موجودہ میں ان الفاظ میں ہے :-

"اور خداوند نے ابرام کو کہا تھا کہ تو اپنے ملک اور اپنے قرابتیوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اس ملک میں جو میں تجھے دکھلاؤں گا نکل چل، اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا، اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا، اور تو ایک برکت ہوگا (پیدائش ۱۲: ۱-۲) سو وہ ملک کنعان میں آئے (پیدائش ۱۲: ۵) اور ابرام رفتہ رفتہ دکھن کی طرف گیا" (پیدائش - ۱۲: ۹)

اسحٰق و یعقوب۔ اسحٰقؑ بہ طور بیٹے کے اور یعقوبؑ بہ طور پوتے کے۔ دونوں کی پیدائش حضرت ابراہیمؑ کی زندگی ہی میں ہوئی۔ دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے۔

۵۷۶ (اور انھیں ہر طرح کی دنیوی نعمتوں اور روحانی کمالات سے سرفراز کیا)

حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، ایک طرف انبیاء مرسلین اور خاصان خدا میں سے تھے، اور دوسری طرف ہر طرح کی دنیوی نعمتوں مثلاً قبیلہ کی سرداری، کثرتِ اولاد وغیرہ سے بھی بہرہ ور ہوئے۔

قال الكلبي المال والولد وهو قول الاكثرين۔ (معالم)

حضرت اسحٰقؑ و حضرت یعقوبؑ کی نبوت کے بار بار اثبات میں عجب نہیں کہ قرآن مجید کے پیش نظر یہ تعلیم بھی ہو کہ بنی اسمٰعیل کہیں بنی اسرائیل کی ضد میں آکر اور ان کے جواب میں ان پیمبرانِ برحق سے انکار نہ کر بیٹھیں، جیسا کہ بنی اسرائیل ایک اسمٰعیلی نبی (ہمارے رسولؐ) اور خود حضرت اسمٰعیلؑ کی نبوت کے منکر تھے۔

۵۷۷ (آئندہ نسلوں میں)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ۚ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اور آپ اس کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کیجئے ۵۷۸ بے شک وہ (اللہ کے) خاص کئے ہوئے (بندہ) تھے اور وہ رسول تھے اور نبی تھے ۵۷۹

چنانچہ آج تک ان نبیوں کے نام دنیا کی تین بڑی قومیں مسلمان، مسیحی، یہودی، تعظیم، تکریم و عقیدت ہی کے ساتھ لیتی ہیں۔ اور ان حضرات کے حق میں جعلنا لھم لسان صدق علیًا کی تفسیر اس سے بڑھ کر روشن اور جلی اور کیا ہوگی کہ مسلمان کی کوئی نماز تک مکمل نہیں ہو پاتی جب تک ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کا نام لے کر ان پر درود نہ بھیج لیا جائے۔

۵۷۸ یعنی آپ لوگوں کو اس کتاب میں سے پڑھ کر سنائیے، ورنہ ذکر کرنے والا تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے ملاحظہ ہو حاشیہ ۶۲

موسیٰ۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ آیت ۵۱ کے تحت گزر چکا ہے۔

۵۷۹ رسول اور نبی کی تفسیر میں اقوال متعدد ہیں، تتبع آیات مختلفہ سے جو بات احقر کے نزدیک محقق ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مفہوم میں عموم و خصوص من وجہ ہے، رسول وہ ہے جو مخاطبین کو شریعت جدیدہ پہنچاوے، خواہ وہ شریعت اس رسول کے اعتبار سے بھی جدید ہو، جیسے توراۃ وغیرہ۔ یا صرف مرسل الیہم کے اعتبار سے جدید ہو، جیسے اسمٰعیل علیہ السلام کی شریعت کہ وہی شریعت ابراہیمیہ تھی لیکن قوم جرہم کو اس کا علم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے حاصل ہوا، اور خواہ وہ رسول نبی ہو یا نبی نہ ہو، جیسے ملائکہ کہ ان پر رسل کا اطلاق کیا گیا ہے اور وہ انبیاء نہیں ہیں، یا جیسے انبیاء کے فرستادے اصحاب جیسا سورۂ یٰسین میں ہے، اذجاءھا المرسلون۔ اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو، خواہ شریعت جدیدہ کی تبلیغ کرے یا شریعت قدیمہ کی، جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل کہ شریعت موسویہ کی تبلیغ کرتے تھے پس من وجہ وہ عام ہے، من وجہ یہ عام ہے، پس جن آیتوں میں دونوں مجتمع ہیں، اس میں تو کوئی اشکال نہیں کہ عام و خاص کا جمع ہونا صحیح ہے، اور جس موقع پر دونوں میں تقابل ہوا ہے، جیسے ما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الخ چونکہ عام و خاص متقابل ہوتے نہیں اس لیے وہاں نبی کو عام نہ لیں گے بلکہ خاص کر لیں گے مبلغ شریعت سابقہ کے ساتھ پس معنی یہ ہوں گے ما ارسلنا من قبلك من صاحب شرع جدید ولا صاحب شرع غیر جدید الخ لیکن چونکہ اب متبادر لفظ رسول سے صاحب نبوت ہوتا ہے، اس لئے غیر نبی پر اطلاق اس کا بوجہ ایہام کے درست نہیں۔“ (تھانوی)

اس کم فہم کی سمجھ میں دو باتیں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ رسول میں نمایاں پہلو کسی امت کی طرف مبعوث ہونے کا ہے۔ بہ خلاف اس کے نبی بجائے خود ایک اعزازی مرتبہ یا منصب ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ رسول کا اطلاق لفظی معنی میں تو ہر ”فرستادہ“ پر ہو سکتا ہے، خواہ وہ فرشتہ ہو خواہ نائب رسول، یا کوئی اور، لیکن رسول جب اصطلاح شرعی میں آئے تو اس سے مراد نبی صاحب شریعت ہی سے ہو گی۔ اصطلاحی حیثیت سے رسول کا مرتبہ نبی سے اخص ہے۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾

اور ہم نے انھیں طور کی داہنی جانب سے آواز دی، اور ہم نے ان کو مقرب بنایا راز کی گفتگو کے لئے۔ ۸۰

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ

اور ہم نے اپنی رحمت سے انھیں ان کے بھائی ہارون کو نبی کی حیثیت سے عطا کیا۔ ۸۱ اور آپ (اس) کتاب میں

اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ

اسمٰعیل کا (بھی) ذکر کیجئے ۸۲ بے شک وہ وعدہ کے (بڑے ہی) سچے تھے اور رسول تھے، نبی تھے ۸۳ اور وہ اپنے

مخلصا۔ مُخلَص وہ ہے جسے اللہ نے اپنا خاص کرلیا۔ اور اعتقاد و عمل کی غلطیوں سے محفوظ کردیا۔

ای معصوما من الکفر والشرک والفواحش (ابن عباسؓ)

فحقیقۃ الاخلاص التبری عن کل مادون اللہ تعالیٰ (راغب)

ای الذی اخلصہ اللہ (کشاف)

۸۰ یہ گفتگو راز کی یا سرگوشی کی اس معنی میں تھی کہ اس مکالمت کے وقت اس کے سننے میں کوئی اور شریک نہ تھا۔

الطور۔ طور پر حاشیہ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۶۳ میں گزر چکا۔

من جانب الطور الایمن۔ داہنی جانب سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داہنی جانب ہے۔

والمراد بہ یمین موسیٰ علیہ السلام (روح)

وکانت الشجرۃ فی جانب الجبل عن یمین موسیٰ حین اقبل من مدین الی مصر قالہ الطبری وغیرہ۔ (قرطبی)

ای من ناحیتہ الیمنیٰ (کشاف)

۸۱ یعنی حضرت ہارونؑ کو جو عمر میں بڑے تھے، حضرت موسیٰؑ کی اعانت و تقویت کے لئے ان کے منصبِ نبوت میں شریک کردینا سرتاسر ہمارا فضل و کرم ہی تھا۔

من رحمتنا۔ یعنی ہماری جو مہربانی موسیٰؑ پر تھی، اس کے اقتضاء سے ہم نے ان کے بھائی کو بھی پیمبری میں ان کا شریک کردیا۔

۸۲ یعنی اسمٰعیلؑ (۲۰۷۴ تا ۱۹۳۷ ق۔م) بن ابراہیم علیہ السلام جو اپنے والد ماجد کی چھوٹی بیوی صاحبہ حضرت ہاجرہ شہزادی مصر کے بطن سے تھے۔ مصر اس وقت مرکزِ تمدن تھا، وہاں کی شہزادی قدرۃً تہذیب و تمدن کے لوازم سے آراستہ تھیں۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

۸۳ آپ قوم جرہم کی جانب نبی مرسل تھے۔ جو اصلاً و ابتداءً یمن کے باشندے تھے۔ مگر اب

يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾

گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے رہتے تھے۔ اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے ۵۸۴

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيسَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾

اور آپ (اس) کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کیجئے بے شک وہ بڑے راستی والے تھے اور نبی تھے ۵۸۵

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾

اور ہم نے انھیں بلند مرتبہ تک پہنچایا ۵۸۶

وادی مکہ میں آباد ہوگئے تھے، اور خالص عرب تھے۔

صادق الوعد یعنی یہ صفت، علاوہ دوسری صفات حسنہ کے آپ پر خصوصیت سے غالب تھی۔ اس کوتاہ علم کی نظر وہاں تک نہ پہنچ سکی، لیکن قرآن مجید کے عام اسلوب بلاغت کے لحاظ سے اپنی جگہ یقین ہے کہ ضرور اہل کتاب نے آپ کی شان میں کوئی تہمت وعدہ خلافی کی لگائی ہوگی جب ہی قرآن مجید کو آپ کی برأت میں یہ لفظ لانا پڑا۔

رسولاً نبیاً۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۴۹ یہ خیال رہے کہ قرآن مجید نے حضرت اسمٰعیلؑ کو رسول اور نبی دونوں بیان کیا ہے، بخلاف اس کے حضرت اسحٰقؑ کے لئے صرف نبی کا لفظ آیا ہے۔

۵۸۴ یعنی آپ اللہ کے مقبول و برگزیدہ بندہ تھے۔ نہ کہ خدانخواستہ مردود و غیر مقبول، جیسا کہ یہود اور نصرانیوں نے گڑھ لیا ہے۔ اللہ کے یہاں پسندیدہ تو وہی ہو سکتا ہے، جو ادائے طاعات و عبادات میں درجہ کمال پر ہو۔

وھو فی نہایۃ المدح لان المرضی عند اللہ ھو الفائز فی کل طاعاتہ باعلی الدرجات (کبیر)

اھلہ۔ آپ کی بیوی صاحبہ بھی مصری کی ایک خاتون تھیں۔ توریت میں ہے۔

"اور وہ فاران کے بیابان میں رہا، اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت اس سے بیاہنے کو لی۔" (پیدائش ۲۱ : ۲۱)

اھل۔ سے مراد گھر والوں کا ہونا ہو تو ظاہر ہی ہے۔ گویا مراد یہ ہے کہ آپ نے تبلیغ اپنے گھر والوں سے شروع کی۔

قیل کان یبدأ باھلہ فی الامر بالصلاح والعبادۃ لیجعلھم قدوۃ لمن سواھم (کبیر)

عام امت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

قال الحسن یعنی امتہ (قرطبی)

وقیل اھلہ امتہ (کشاف)

یامر ... الزکوٰۃ۔ یہ وصف ایک پیمبر کے سلسلۂ فضائل میں بیان ہو رہا ہے اس سے ظاہر

ہے کہ اپنے اعزہ واقارب واحباب کو عبادات بدنی ومالی کی ترغیب دلاتے رہنا کتنی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے جامع لفظوں میں ساری ہی بدنی ومالی طاعتیں وعبادتیں، ریاضتیں آگئیں جو تزکیۂ نفس وتطہیر قلب کا کام دے سکیں۔

۵۸۵ صدیق کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ۶۳ء

اسرائیلی روایتوں میں آپؑ کے متعلق بھی بہت کچھ ہتک آمیز بیانات ملتے ہیں، اس لئے قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ آپؑ کی صدیقیت ونبوت دونوں کا اثبات کیا۔

ادریس۔ اغلب یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں، جن کا نام توریت میں حنوک آیا ہے۔ یہ حضرت آدمؑ سے ساتویں پشت میں یارد بن محلل ایل کے بیٹے تھے (پیدائش ۵: ۱۸) اور حضرت نوحؑ کے پردادا۔ توریت میں ان کے مزید حالات یہ ملتے ہیں۔

"اور حنوک پینسٹھ برس کا ہوا تو اس سے متوسلح پیدا ہوا، اور متوسلح کی پیدائش کے بعد حنوک تین سو برس خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور اس سے بیٹے بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اور حنوک کی ساری عمر تین سو پینسٹھ برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا"

(پیدائش ۵: ۲۱-۲۳)

قدیم انگریز مترجم وشارح قرآن جارج سیل نے اس آیت پر جو حاشیہ دیا ہے اس میں یہود کے قدیم نوشتوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان ہی حنوک (ENOCH) کا دوسرا نام ادریس تھا۔

بعض مورخین نے ان کا زمانہ (۳۳۸۲ تا ۳۰۱۷ ق م) متعین کیا ہے۔ واللہ اعلم

۵۸۶ (کمالات ودرجات روحانی کے لحاظ سے)

یہودی اور مسیحی عقیدہ کے لحاظ سے حضرت ادریسؑ یا حنوک آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے ہیں، چنانچہ توریت میں ہے:۔

"اور حنوک کی ساری عمر تین سو پینسٹھ برس کی ہوئی اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا، اور غائب ہو گیا اس لئے کہ خدا نے اسے لے لیا (پیدائش ۵: ۲۴)

اور انجیل میں ہے:۔

"حنوک اٹھا لیا گیا تاکہ موت کو نہ دیکھے، اور چونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا تھا اس لئے اس کا پتہ نہ ملا"

(عبرانیون ۱۱-۵)

قرآن مجید اس باب میں کوئی تصریح نہیں کرتا۔ اور نہ کوئی حدیث صحیح آپ کے رفع جسمانی کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے اسرائیلیات سے اس قصۂ رفع جسمانی کو نقل کیا ہے لیکن محققین کا قول یہی ہے کہ یہ رفعت اور مکان اور علو سب معنوی ہیں۔ ان سے مراد محض شرف نبوت اور تقرب عنداللہ ہے جو ہر نبی کو حاصل ہے۔ جسمانی علو ورفعت اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور روایت جو اس باب میں نقل ہوئی ہے، خود اس کے اندر کمزوری موجود ہے۔

المکان العلی شرف النبوۃ والزلفی عند اللہ (کشاف)

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَ

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، منجملہ (دیگر) انبیاء کے جو نسل آدم سے (تھے) ۵۸۷ اور

مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْرَٰٓءِيلَ

بعض ان کی (نسل) سے تھے جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، اور بعض ابراہیم اور اسرائیل کے ۵۸۸

وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَآ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَٰتُ الرَّحْمَٰنِ

اور (یہ سب) ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت دی اور ہم نے ان کو مقبول بنایا، اور جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتیں پڑھی

خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ (۵۸) فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَوٰةَ

جاتی تھیں تو (زمین پر) گر پڑتے تھے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے ۵۸۹ پھر ان کے بعد (بعض ایسے) ناخلف جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا

یعنی شرف النبوۃ والزلفی عند اللہ (بیضاوی)

ھذا من اخبار کعب الاحبار الاسرائیلیات وفی بعضہ نکارۃ واللہ اعلم (ابن کثیر)

وھذا رفع لاقتضائہ علو الشان ورفعۃ القدر (روح)

رفعت اور مکان اور علو سب معنوی ہیں اور جو قصہ علو حسی کا مشہور ہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی تفسیر کا موقوف علیہ بنانے کی ضرورت نہیں (تھانوی)

ای رفعنا قدرہ وشرفناہ بالمناجاۃ. (کبیر)

اسرائیلی روایات میں آتا ہے کہ آپ ہی علم نجوم اور علم حساب کے اور فن تحریر وکتابت کے اور خیاطی کے موجد ہوئے ہیں۔

۵۸۷ یعنی یہ سب کے سب آدمی ہی تھے، کوئی ان میں سے فوق البشر، یا اولاد آدم سے باہر نہ تھا، نہ کوئی جن تھا نہ کوئی فرشتہ، نہ دیوی دیوتا۔

اولٰئک یعنی یہ سارے لوگ جن کا ذکر زکریا علیہ السلام سے لے کر ادریس علیہ السلام تک اب تک اس سورۃ میں آچکا ہے۔

۵۸۸ مثلاً حضرت زکریاؑ، اور حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کہ یہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ دونوں کی اولاد میں تھے، اور حضرت اسحٰقؑ و حضرت اسمٰعیلؑ اور خود حضرت اسرائیلؑ کہ تنہا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے۔

۵۸۹ (اپنی اطاعت وعبودیت کے اظہار کے لئے)

اللہ کے ہاں مقبولیت کمال عبدیت وعبودیت سے الگ نہیں، اسی کا دوسرا نام ہے۔

وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ

اور خواہشات کی پیروی کی، سو وہ عنقریب خرابی سے دوچار ہوں گے ۹۰؎ البتہ جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا

وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿٦٠﴾ جَنّٰتِ

اور نیک کام کرنے لگا، سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے ۹۱؎ اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا ۹۲؎ وہ

عَدْنِ الَّتِىْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾

(جنت) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کا وعدہ غائبانہ خدائے رحمٰن نے اپنے بندوں سے کر رکھا ہے بے شک اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے ۹۳؎

آیت میں انبیاء کے دو قسم کے اوصاف بیان ہوئے ہیں، ایک ان کا مقبول اور صاحب کمال ہونا. دوسرے ان کا خشوع و خشیت یا کمال عبدیت۔

۹۰؎ (آخرت میں)

خَلْفٌ (بہ سکون لام) کے معنی ہیں بری اولاد، جیسے ہمارے محاورہ میں ناخلف بھی کہتے ہیں.

یعبر عن الردیٔ بخلفٍ (راغب)

قیل فی عقب الخیر خلف بالفتح و فی عقب السوء خلف بالسکون (کشاف)

ای اولاد سوء (قرطبی)

اضاعوا الصلوٰۃ۔ اضاعت عام ہے خواہ اعتقادی بھی ہو، خواہ محض عملی۔

الشہوات۔ نفسانی خواہشوں سے ناجائز خواہشیں مراد ہیں ضروری طاعتوں سے غافل کرنے والی.

غیا۔ غی ہر بڑی خرابی پر محیط اور حاوی ہے.

کل شرّ عند العرب غی (کشاف)

الغیّ عند العرب کل شرّ (بحر)

عن قتادۃ ان الغیّ السوء (روح)

قال ابن زید شرًّا و ضلالًا و خیبۃ (قرطبی)

۹۱؎ (بے غل و غش بغیر اس خرابی سے دوچار ہوئے)

من تاب۔ یعنی کفر و معصیت سے توبہ کرے۔

۹۲؎ یعنی یہ نہ ہوگا کہ ان کا کوئی عمل لکھنے سے رہ جائے، یا ان کی توبہ و اصلاح کے بعد ان کے کفر سابق کے جرم ان پر برابر عائد ہوتے رہیں۔

۹۳؎ آیت میں خاص طور پر قابل لحاظ لفظ بالغیب ہے ان صالحین و مومنین نے حق تعالیٰ کی آواز کو براہ راست تو سنا ہے نہیں، ان تک وعدۂ الٰہی واسطہ در واسطہ، فرشتوں اور پیمبروں کی دہری منزلیں

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾

اس (جنت) میں وہ کوئی فضول بات نہ سنیں گے ہاں البتہ سلام (کی آواز سنیں گے) اور انھیں اس میں ان کا کھانا صبح و شام (ملتا رہے گا)۹۴

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

یہ جنت ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں اس کا وارث اس کو بنا دیں گے جو (اللہ سے) ڈرنے والا ہو۹۵

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ

اور ہم (یعنی فرشتے) نازل نہیں ہوتے بجز آپ کے پروردگار کے حکم کے۹۶ اسی کی (ملک) ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ

طے کرتا ہوا پہنچا ہے، اور اسی پر اعتماد کامل کئے ہوئے ہیں۔ اور یہ اعتقاد و ایمان کا درجہ اعلیٰ ہے۔ جنت اور نعمائے جنت سب اسی ایمان بالغیب کا صلہ ہیں۔

عدن۔ عدن کے معنی اقامت کے ہیں۔ بہشت کا اصلی وصف یہ ہوگا کہ وہ فانی نہیں، باقی اور قائم رہنے والا باغ ہے جس کا دنیا کے فانی باغوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔

۹۴ یعنی برابر اور علی الدوام

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا۔ اہل جنت کے کانوں میں کوئی بات بے تکی یا نکمی پڑنے ہی نہ پائے گی۔ جتنی آوازیں بھی آئیں گی سب خوشگوار و دل پسند ہی ہوں گی۔ خواہ یہ آوازیں فرشتوں کی ہوں یا دوسرے جنتیوں کی۔

ای لا یسمعون فیہا الا قولا یسلمون فیہ من العیب والنقیصۃ (مدارک)

بُكْرَةً وَّعَشِيًّا۔ اردو محاورہ میں بھی صبح و شام سے ایک مراد دوام ہوتی ہے، نہ کہ طلوع و غروب آفتاب کے دو متعین وقت۔

(ع "چسکا پڑا ہے جام کا، شغل ہے صبح و شام کا")

عربی محاورہ میں بھی یہی مراد ہے، بلکہ اس سیاق میں تو اس کے سوا کوئی اور مراد ہو ہی نہیں سکتی جنت میں ظلمت ہی سرے سے کہاں ہو گی جس سے یہ متعارف صبح و شام پیدا ہوتے ہیں۔

قیل اراد دوام الرزق ودروره کما تقول انا عند فلان صباحا ومساء وبکرۃ وعشیا یرید الدیمومۃ ولا تقصد الوقتین المعلومین (کشاف)

ای فی قدر ھٰذین الوقتین اذ لا بکرۃ ثم ولا عشیا (قرطبی)

قیل المراد دوام رزقہم والا فلیس فی الجنۃ بکرۃ ولا عشی (روح)

۹۵ (کہ خوف خدا ہی ایمان اور عمل صالح کا مبنیٰ اور منبع ہے۔)

تقیا من الکفر والشرک (ابن عباسؓ)

ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں۔ ۹۷ وہ پروردگار آسمانوں اور زمین کا ہے

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ

اور اس سب کا جو دونوں کے درمیان ہے سو تو اسی کی عبادت کیا کر۔ اور اس کی عبادت پر قائم رہ ۹۸

نورث۔ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ کلمۂ میراث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جنت انعام و تفضل محض ہے، نہ کہ صلۂ عمل جس طرح میراث کے لئے محض صحت نسب کافی ہے، وراثت جنت کے لئے صحت ایمان کافی ہے ۔۔۔ حسن بصری تابعی سے ایسے ہی معنی منقول ہیں۔

۹۶ (ہم کوئی مختار تو ہیں نہیں جو اپنے ارادہ سے آتے جاتے رہیں ہم تو تمام تر امر الہی کے تابع و محکوم ہیں۔) یہ قول حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے ادا کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر محبوب حقیقی کے پیامات کا جو اشتیاق غالب رہتا تھا اس کے تقاضہ سے ایک روز آپ نے جبرئیل سے کہا کہ اور زیادہ کیوں نہیں آتے ہو۔ اس کا جواب یہاں جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے ادا ہو رہا ہے، حدیث صحیح میں یہی تفسیر آئی ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لجبرئیل ما یمنعك ان تزورنا اکثر مما تزورنا فنزلت وما نتنزل الا الخ ۔۔۔ (بخاری عن ابن عباس۔ کتاب التفسیر)

بامر۔ امر کے معنی آیت میں اذن کے بھی لئے گئے ہیں، اور حکم کے بھی۔ اور لغۃً وہ دونوں کے لئے عام ہے۔

معناہ الاذن بدلیل سبب لنزول المذکور ویحتمل الحکم..... ان یکون المراد ما ھو اعم من ذلك۔ (فتح الباری)

۹۷ (جیسا کہ بعض جاہلی مشرک قوموں نے قرار دے رکھا ہے)

لہ..... ذلك۔ مالکیت اسی کے لئے مخصوص ہے ہر مخلوق کی زماناً بھی اور مکاناً بھی۔ ہمارا ارادہ تو تمامتر ارادۂ الہی کا مسخر و محکوم ہے۔ وہی جب اور جہاں چاہے ہمیں بھیجے۔

الغرض ان امرنا موکول الی اللہ تعالیٰ یتصرف فینا بحسب مشیئتہ وارادتہ وحکمتہ۔ (کبیر)

لا ننتقل من مکان الی مکان او لا ننزل فی زمان دون زمان الا بامرہ ومشیئتہ (بیضاوی)

وما کان ربك نسیا۔ اس کے لئے اس کا احتمال بھی نہیں کہ کہیں ہمارا پہنچنا مصلحت ہو۔ اور وہ بھول جائے۔

۹۸ (اگرچہ اس راہ میں مشکلات بھی پیش آئیں)

یہاں خطاب عام ہے محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب نہیں۔

بعض نے خطاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص سمجھا۔ اس صورت میں معنی یہ

۷ ۱۵ ع ۴ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ع وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ

بھلا تو کسی کو اس کا ہم صفت جانتا ہے؟ ف۹۹ اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو بھلا پھر زندہ

اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ

کرکے نکالا جاؤں گا؟ ف۱۰۰ کیا انسان کو یہ یاد نہیں کہ ہم ہی اس کو اس سے قبل خلق کرچکے ہیں درآنحالیکہ وہ

شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ

کچھ بھی نہ تھا ف۱۰۱ تو قسم ہے آپ کے پروردگار کی ہم ان کو (بھی) جمع کریں گے اور شیاطین کو (بھی) پھر ان

جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ج

(سب) کو دوزخ کے گرد لا حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ف۱۰۲

ہوں گے کہ آپ تاخیر وحی سے گھبرایئے نہیں، اور کافروں کے تمسخر کی پروانہ کیجئے بلکہ بدستور عبادت میں لگے رہیئے۔

ای لا تتشوش بابطاء الوحی وھزء الکفرۃ۔ (بیضاوی)

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں مجاہدات طریق کی طرف اشارہ ہے اور اُن پر صبر وثبات کی تعلیم ہے۔

ف۹۹ یعنی ذات کی طرح صفات باری میں بھی کوئی شریک نہیں۔

سمیّا۔ کے معنی محض ہم نام کے نہیں، ہم صفات کے بھی ہیں، ملاحظہ ہو حاشیہ ف۹ اور وہی یہاں مراد ہے۔

ای نظیرا له یستحق اسمه وموصوفا یستحق صفته علی التحقیق (راغب)

ای ھل تعلم للرب مثلا وشبیھا (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ)

قال مجاھد وابن جریر وقتادۃ سمیّا مثلا وشبیھا وروی ذلک عن ابن عباس ایضا (بحر)

ای مثلا کما جاء فی روایة جماعة عن ابن عباس ومجاھد وابن جبیر وقتادۃ (روح)

ھل یہاں لا کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔

ھل بمعنی لا ای لا تعلم (قرطبی)

ف۱۰۰ انسان سے مراد منکر آخرت انسان یا آج کا "روشن خیال" دہری العقیدہ انسان ہے۔

للجنس الکافر المنکر للبعث (بحر)

یقول یعنی وہ یہ استفسار واستفہام کے طور پر نہیں بلکہ اعتراض واستہزاء کے لہجہ میں کہتا ہے۔

ف۱۰۱ (تو جب عدم محض سے وجود میں لاچکے ہیں تو حیات ثانی اس سے کہیں آسان تر ہے)

ولم یک شیئا۔ اس میں رد ان فلاسفۂ جاہلیین اور معقولیین نامعقول کا بھی آگیا جو خلقت انسان سے قبل ہیولی وغیرہ کا مستقل وجود فرض کئے ہوئے ہیں۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

پھر ہم ہر گروہ میں سے ان کو جدا کرلیں گے جو خدائے رحمٰن کی سرکشی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے ۱۰۳

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا

پھر ہم ہی انھیں بھی خوب جانتے ہیں جو اس میں جانے کے زیادہ مستحق ہیں ۱۰۴ اور تم میں سے کوئی بھی

وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ﴿٧١﴾

ایسا نہیں جس کا گزر اس تک نہ ہو، یہ آپ کے پروردگار پر لازم ہے جو پورا ہو کر رہے گا ۱۰۵

۱۰۲ (فرط ہیبت سے)

الشیٰطین۔ یعنی ان لوگوں کو بہکانے والے، گمراہ کرنے والے۔

الذین کانوا یغوونھم (روح)

الذین أغووھم۔ (مدارک)

۱۰۳ یعنی ہر فرقہ، ہر گروہ سے اس کے شریر ترین، سرکش ترین افراد چُن کر الگ کرلئے جائیں گے۔

من کل شیعۃ یعنی جس جس گمراہ گروہ کی طرف وہ اپنے کو منسوب کرتے رہے ہیں۔

المراد بالشیعۃ الطائفۃ التی شاعت ای تبعت غاویا من الغواۃ (کبیر)

۱۰۴ (سو پہلے وہی سرغنہ اور سردار ہی جہنم میں جھونکے جائیں گے، اور عذاب کی شدت والذیت وغیرہ کی ترتیب وہاں بھی ملحوظ رہے گی)

۱۰۵ (اے نوع انسان) خطاب عام نوع انسانی سے ہے۔

ای الناس (ابن جریر) واولی الاقوال فی ذلک بالصواب قول من قال یردھا الجمیع (ابن جریر)

التفات الی الانسان (بیضاوی)

قال الاکثرون انہ فی کل مومن وکافر (کبیر)

یعنی دوزخ سے گزر تو بہر حال سب ہی کا ہوگا یہ اور بات ہے کہ مومنین کو اس سے ضرر ذرا بھی نہ پہنچے، جس طرح خود ملائکہ دوزخ کو دوزخ سے تکلیف مطلق نہ ہوگی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خطاب صرف اہل طغیان سے ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔

یعنی الکفار لایردھا مومن (ابن جریر عن ابن عباسؓ)

قال عکرمۃ الآیۃ فی الکفار (معالم)

قال بعضھم المراد من تقدم ذکرہ من الکفار (کبیر)

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَإِذَا تُتْلٰى

پھر انھیں ہم نجات دیدیں گے جو (اللہ سے) ڈرتے تھے اور ظالموں کو اس میں پڑا رہنے دینگے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ۱۰۶۔ اور جب

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ اٰمَنُوٓا

انھیں ہماری کھلی ہوئی نشانیاں بتائی جاتی ہیں ۱۰۷ تو جو لوگ کافر ہیں وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں

واردھا۔ ورود سے مراد داخلہ نہیں بلکہ محض پہنچنا یا گزرنا ہے۔

قال قوم لیس المراد من الورود الدخول والمراد الحضور والرویۃ (معالم)

قال عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ورود المسلمین المرور علی الجسر بین ظہرا بیہا، وورود المشرکین ان یدخلوھا (ابن کثیر)

قال بعضھم الورود الدنو من جھنم وان یصیروا حولھا۔ (کبیر)

خود قرآن مجید میں بھی فعل ورد دوسرے مقامات پر اس معنی میں آیا ہے۔ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ (سورہ یوسف آیت ۱۹)۔ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ (سورہ قصص آیت ۲۳)

کان..... مقضیا۔ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب کوئی بھی شے نہیں۔ اسکا مطلب صرف اسقدر ہے کہ حق تعالیٰ کے حق میں وجوب بہ معنی اضطرار ولزوم مواخذہ ممتنع ہے (خدا کا فعل بھی اگر اضطراری یا کوئی قابل مواخذہ ہوگیا تو ظاہر ہے کہ وہ خدا کہاں باقی رہا) لیکن یہ وجوب ولزوم اگر بمعنی وقوع کے معنی میں لیا جائے تو ممنوع نہیں۔ اور یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی اللہ کے ارادہ و اختیار سے یہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ یہ لزوم و وجوب اختیاری ہے اور جو ممنوع ہے وہ غیر اختیاری و اضطراری ہے۔

۱۰۶ (اور ان ظالموں سے مراد کافر ہی ہیں)

الَّذِينَ اتَّقَوا۔ اللہ سے ڈرتے تھے اور اسی لئے مومن بھی تھے۔ درجہ ضروری میں متقی تو ہر مؤمن ہوتا ہے اس لئے الذین اتقوا سے مراد مومنین ہی لئے گئے ہیں۔

- ای اتقوا الشرک وھم المومنون (معالم)

- قال ابن عباس المتقی ھو الذی اتقی الشرک بقول لا الہ الا اللہ واعلم ان الذی قالہ ابن عباس ھو الحق الذی یشھد الدلیل بصحتہ (کبیر)

جو مومن کامل ہیں، انھیں تو کسی تکلیف کی ہوا بھی نہ لگنے پائیگی۔ بلکہ دوزخ کی حالت کا معائنہ اور پھر اس سے اپنی محفوظیت کا تقابل تو اور زیادہ ان میں فرح و سرور کی کیفیت پیدا کر دے گا۔

ذلک العذاب صار ذلک سببا لمزید التذاذ ھم بنعیم الجنۃ۔ (کبیر)

البتہ جو مومنین ناقص ہیں انھیں کچھ تکلیف اٹھانے کے بعد ہی نجات ملے گی۔

أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم

کہ (ہم) دونوں فریقوں میں مکان کس کا بہتر ہے اور مجلس کس کی بہتر ہے ۸؎ حالانکہ ہم ان سے قبل کتنے ہی

مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ

گروہ ہلاک کر چکے ہیں، جو ان سے بھی بڑھ چڑھ کر تھے سامان و نمود میں ۹؎ آپ کہہ دیجیے کہ جو لوگ گمراہی میں پڑے ہیں

فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ

خدائے رحمٰن انھیں خوب ڈھیل دیئے جاتا ہے ۱۰؎

آیت میں جو لوگ مخاطبت صرف نافرمانوں سے سمجھتے ہیں انھوں نے الذین اتقوا سے مراد یہ لی ہے کہ ان کے اندر با وجود معاصی' حقیقت ایمان موجود تھی۔ وہ بعد چندے نجات پا جائیں گے۔ اور جو بالکل ظالم یعنی کافر ہی ہیں' وہ اس میں پڑے سڑا کریں گے۔

۷؎ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مومنین کے لئے طرح طرح کی نعمتوں اور راحتوں کے وعدے ہیں، اور منکرین کے لئے طرح طرح کی وعیدیں۔

۸؎ (اور اسی سے ظاہر ہے کہ ہم دونوں میں سے حق پر کون ہے؟)

یہ جاہلی استدلال آج جس زور و شور سے پیش کیا جا رہا ہے، شاید پہلے بھی کبھی نہ ہوا ہو۔ صرف اہل باطل ہی نہیں، بلکہ ان سے مرعوب بہت سے مسلمان بھی مسیحی قوموں، مشرک قوموں، لامذہب قوموں کی مثالیں پیش کر کر کے پکار پکار کر مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ ان کی ترقیاں دیکھو، ان کی دولت، حکومت، عظمت، جاہ و ثروت دیکھو، ان کی اقبال مندی پر نظر کرو، اور تم اگر اپنی ترقی اور رفاہ چاہتے ہو تو ان ہی کے طریقے اختیار کرو، ان ہی کی روش پر چلو، اور یہی کرو جو یہ "ترقی یافتہ" "اقبال مند" قومیں کر رہی ہیں ـــــ "ترقی" و "فلاح" نام ہی ان ہی دنیا پرست و آخرت فراموش قوموں کی اندھا دھند تقلید کا پڑ گیا ہے۔

للذین امنوا۔ میں ل مخاطبت و تبلیغ کا ہے، لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ لام اجل کا ہے یعنی مومنین کے حق میں کہتے ہیں۔

ای قالوا لاجلھم وفی حقھم (روح)

مقاما... وندیا۔ مقام سے مراد مکان و منزل لی گئی ہے اور ندی سے مراد مجلس و مجمع۔

مقاما ای مکانا ومنزلا (روح) ندیا ای مجلسا ومجتمعا (روح)

خیر مقاما ای احسن منازلا وارفع دورا (ابن کثیر) احسن ندیا وھو مجتمع الرجال (ابن کثیر) قال ابن عباس المقام المنزل والندی المجلس۔ (ابن کثیر)

۹؎ جواب مل رہا ہے کہ یہ ظاہری ساز و سامان' یہ دولت و حکومت' یہ زرق برق لباس' تہذیب و تمدن ہی اگر دلیل حقانیت و ثبوت صداقت ہوتا، تو آخر بڑی بڑی پر شوکت' پر قوت' پر ثروت نافرمان

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ

یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جب وہ اس کو دیکھ لیں گے خواہ وہ عذاب ہو خواہ قیامت ہو، سو ابھی

مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا

انھیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ مکان برا کس کا ہے اور حمایتی کمزور کس کے ہیں ۱۱۱ اور اللہ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے

تو میں کیوں غارت ہوگئیں؟ بابل و کلدانیہ کا تمدن کیا ہوگیا؟ اہرام مصر والی عمارتیں کیوں زمین کے برابر ہوگئیں؟ شاہان عجم کا کروفر کیا ہوا؟ یونانیوں کا دم خم کہاں چلا گیا؟ قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت کیوں تاراج ہو کر رہے؟ — اور آج آنکھوں کے سامنے دیکھتے دیکھتے زار روس کی حکومت قاہرہ کا تختہ کیسا الٹ کر رہا، قیصر ولیم اور اس کے آہنی ارادے کیوں خاک میں مل گئے! ہٹلر مع اپنے سارے سامان چنگیزی اور اتنے دم داعیہ کے کیوں فنا کے گھاٹ اتر گیا؟

۱۱۰ یہ اصل قانون تکوینی کا بیان ہے، یعنی کوئی قوم حکومت الٰہی سے متعلق کیسے ہی غلط سلط نظریے قائم کرے، دنیا میں اسے مہلت تو بہر حال ملتی ہی رہتی ہے، اور گرفت اس پر فوراً نہیں ہوتی۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت کے عموم میں اہل باطل کے احوال کا بقا بھی داخل ہے، پس احوال پر (جب کہ وہ اعمال سے خالی ہوں) مغرور نہ ہونا چاہیے۔

۱۱۱ یعنی آج جنھیں اپنی مجلسی قوت پر فخر اور اپنے تمدن پر ناز ہے اور اسی کو وہ دلیل اپنی صداقت و حقانیت کی بنائے ہوئے ہیں، کل کشفِ حقائق کے وقت انھیں خود نظر آجائے گا کہ ان کے حمایتی اور ان کے جتھے والے کیسے بودے اور بے بس تھے!

مکان اور جند اس آیت میں، آیت نمبر ۷۳ کے مقام اور ندی کے معنی میں آئے ہیں۔

جنداً۔ جند کا اطلاق ہر بشری مجمع پر ہوتا ہے۔

يقال لكل مجتمع جندٌ۔ (راغب)

یہاں مراد حمایتوں کا گروہ یا جتھا ہے۔

الجند هم الانصار والاعوان (کشاف)

اضعف جنداً سے یہ مراد نہیں کہ قیامت میں ان کے حمایتیوں کا گروہ ہوگا تو سہی لیکن کمزور۔ جند وہاں والوں کو نہیں بلکہ یہ تو دنیا کے اہل مجلس کو کہا گیا ہے جن کی حمایت و نصرت پر اہلِ دنیا کو ناز و غرہ رہا کرتا ہے۔

العذاب۔ عذاب سے مراد یہاں وہی دنیا کا عذاب لیا گیا ہے۔

۱۱۲ یعنی ایک تو وہ نعمتیں خود ہی اعلیٰ درجہ کی۔ اور پھر باقی اور پائدار اور غیر منقطع۔ گویا آخری حالت اہلِ ایمان ہی کی بہتر ہوگی، بہ لحاظ کیفیت بھی، بہ لحاظ کمیت بھی۔

هُدًى ۖ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾

اور جو نیک کام باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے پروردگار کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ۔ ۱۱۲

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ ؕ

بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری نشانیوں سے کفر کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ مجھے تو مال اور اولاد مل کر رہیں گے ۔ ۱۱۳

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ لا كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ

تو کیا یہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے خدائے رحمٰن سے کوئی عہد لے لیا ہے ؟ ہرگز نہیں (البتہ) ہم اس کا

مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ لا وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ

کہا ہوا بھی لکھے لیتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے ۔ اور اس کی کہی ہوئی کے ہم ہی مالک رہ جائیں گے ۱۱۴

ویزید اللہ الذین اھتدوا ھدًی ۔ تو مومن کا اصل سرمایہ تو یہی ہدایت خداداد ہے ۔ اور اسی پر اس کو مسرور و مطمئن ہونا چاہیئے ۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اس پر کوئی حد مقرر نہ ہونے سے مفہوم یہ ہوا کہ باطنی و معنوی ترقی کی کوئی حد نہیں ۔ دوسرے عارفین نے کہا ہے کہ ایمان کے لئے مراتب متفاوت ہیں، بس جس طرح اصل مقصود غیر منتہی ہے، قصد و منزل بھی غیر منتہی ہے، اور ہر سالک کے لئے ہادی کی ضرورت باقی ہے ۔

البٰقیٰت الصّٰلحٰت ۔ سے مراد علاوہ ایمان کے کل اعمال صالحہ ہیں، جن کا ثواب دائمی اور اجر غیر منقطع ہے ۔ نہ کہ کوئی مخصوص و متعین عبادت ۔

قال المحققون انما الایمان والاعمال الصالحۃ سماھا باقیۃ لان نفعھا یدوم ولا یبطل ۔ (کبیر)

۱۱۳ (آخرت میں)

قال ۔ اس کا یہ قول بہ طریق تمسخر و استہزاء تھا ۔

صحاح کی حدیثوں میں یہ روایت آتی ہے کہ ایک صحابی کا قرضہ ایک مشرک کے ذمہ باقی تھا (اور یہ معلوم ہے کہ مشرکین مکہ آخرت کے منکر تھے) جب انھوں نے زائد تقاضا کیا تو اس نے کہا کہ تم جب تک محمد ؐ کی صداقت سے انکار نہ کر دو گے میں قرضہ نہ چکاؤں گا، انھوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہونے کا نہیں، چاہے تم کر کے پھر زندہ ہو جاؤ ۔ وہ یہ سن کر از راہ تمسخر و تمرد بولا کہ اچھا جی ۔ یہ بات ہے کہ میں مر کر دوبارہ بھی آسکتا ہوں تو بس جبھی آنا اور اپنا قرضہ چکانا ۔ میں تو اس وقت بھی صاحب مال و اولاد ہوں گا ۔

۱۱۴ یعنی وہ منکر تو دنیا سے گزر جائے گا اور اس کا اختیار نہ مال پر رہ جائے گا نہ اولاد پر، ہم ہی سب

وَ يَأْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ

اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا ۱۱۵ اور (ان لوگوں نے) اللہ کے علاوہ معبود قرار دے رکھے ہیں تاکہ ان کے لئے وہ باعث

عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

قوت ہوں ۱۱۶ ہرگز نہیں (بلکہ وہ تو عنقریب خود بھی ان کی عبادت کا انکار کر بیٹھیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے ۱۱۷

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾

کیا آپ کو علم نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو اُن کو خوب ابھارتے رہتے ہیں ۱۱۸

چیزوں کے مالک رہیں گے۔

۱۱۵ یعنی مال واولاد سب سے معرّیٰ۔ بے ساز وسامان، بے یار و مددگار۔

۱۱۶ (دنیا میں تو اس طرح کہ ان کی حاجتیں اور مرادیں پوری کریں، اور آخرت میں اس طرح کہ ان کی شفاعت کریں)

مشرکین کا ایک طبقہ بعث بعد الموت کا اور اپنے دیوتاؤں کی شفاعت کا قائل تھا، باقی اگر عزًّا کا مفہوم صرف دنیوی مدد ونصرت تک محدود رکھا جائے، تو آیت کا مضمون سارے ہی مشرکین پر صادق آئے گا۔ بڑی غرض اس پوجا پاٹ یا جاپ اور منتر سے ہر قوم کے مشرکوں کی یہی ہوتی ہے کہ فلاں دیوی ہم کو بیماری سے اچھا کر دیں، فلاں مائی ہمیں مقدمہ میں جتا دیں، فلاں دیوتا ہمیں جنگ میں کامیاب کر دیں، فلاں دیوی ہمیں روپیہ خوب دلاتے لگیں۔ وقس علیٰ ہذا۔

۱۱۷ (قالاً بھی حالاً بھی)

قالاً اس طرح کہ کھل کر ان کی عبادت سے اظہار بیزاری کریں گے، اور حالاً اس طرح کہ بجائے ان کی عزت ونصرت کے اور ان کی ذلت ومقہوریت کا سبب بن جائیں گے۔

ای اعداء لھم وکانوا اولیاء ھم فی الدنیا (معالم)

۱۱۸ (اور یہ بدبخت اپنی قوت ارادی سے کام نہ لے کر اس شیطانی اثر کو قبول کرتے رہتے ہیں)

ارسلنا۔ ارسال یہاں بھیجنے کے معنی میں نہیں مسلط کر دینے کے معنی میں ہے اور یہ ارسال تمام تر تکوینی حیثیت سے ہوتا ہے۔ یعنی شیاطین کی راہ سے موانع ہٹا لیتے ہیں اور وہ ان کافروں پر مسلط ہو جاتے ہیں۔

والارسال یقال فی الانسان وفی الاشیاء المحبوبۃ والمکروھۃ ..... وقد یکون ذلک بالتخلیۃ وترک المنع نحو قولہ الم تر انا ارسلنا الخ (راغب)

ارسلنا ای سلطنا (ابن عباسؓ)

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى

تو آپ ان کے حق میں جلدی نہ کیجئے ۱۱۹ہم خود ان کی (حرکتیں) شمار کر رہے ہیں ۱۲۰ (سزا اس روز واقع ہوگی) جس روز

الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُونَ

وقف لازم

ہم پرہیزگاروں کو خدائے رحمٰن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے۔ اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے ۱۲۱ شفاعت

الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾

وقف لازم

کا اختیار کوئی بھی نہ رکھے گا بجز اس کے کہ جس نے خدائے رحمٰن سے اجازت لے رکھی ہے ۱۲۲

(ای سلّطنا هم علیهم (معالم)

و تعدیته بعلی دلیل علی انه تسلیط (بحر)

تؤزهم ازاً۔ از کے معنی حیلہ یا تدبیر یا تزویر سے اُکسانے، بھڑکانے، ابھارنے کے ہیں۔

ای تغریهم علی المعاصی و تهیجهم لها بالوسواس والتسویلات (کشاف)

وقال الضحاک: تغریهم اغراءً (تاج)

گویا ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شیطان کو قوت صرف ترغیب و تزویر سے آمادہ کر دینے کی حاصل ہے، مجبور کر دینے کی نہیں۔ یہ ان کافروں کا بالکل اختیاری فعل ہے کہ اپنی قوتِ تمیز اور عقل سلیم سے کام نہ لے کر اپنے بدخواہ ازلی کے کہے میں آجاتے ہیں۔

۱۱۹ (کہ ان پر عذاب کس طرح آجائے۔ تاکہ آئندہ کے لئے مخلوق ان کے فتنہ اور شر سے محفوظ ہو جائے۔)

حتی تستریح انت والمسلمون من شرورهم وتطهر الارض بقطع دابرهم (کشاف)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جلدی عذاب چاہنا بعد مایوسی ان کے ایمان لانے کے شاید اس وجہ سے ہو کہ ان کا ضرر کفر دوسروں تک متعدی نہ ہو جاوے۔ پس ایسا استعجال منافی شانِ رحمت کے نہیں۔" (تھانوی)

۱۲۰ (اور وقت مناسب پر سزا دے لیں گے۔ تعجیل سزا میں حکمت ابتلاء ہی فوت ہوئی جاتی ہے)

اعمال۔ یہاں مقدر ہے۔

نعد انفاسهم و اعمالهم (کبیر)

قیل نعدّ اعمالهم لنجازیهم۔ (بحر)

اور اس کا ترجمہ اردو محاورہ کے لحاظ سے "حرکتیں" کیا گیا ہے۔

یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ "ہم ان کی مہلت کے دن خوب گنے جا رہے ہیں۔"

نعد لهم ایام آجالهم (بیضاوی)

قیل ایامهم التی سبق قضاؤنا ان نمهلهم الیها۔ (بحر)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ

اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے اولاد اختیار کر رکھی ہے ۱۲۳ تم نے یہ حرکت ایسی سخت کی ہے ۱۲۴ کہ کچھ

۱۲۱ نسوق لُهِجر۔ ہانکیں گے اور وردا (پیاسا) دونوں لفظ دوزخی مجرموں کا حال نرالا دکھانے کے لئے ہیں۔ خود چلیں گے نہیں بلکہ جانوروں کی طرح ہانک کر لے جائے جائیں گے۔ اور شاداب و شگفتہ تو کیا ہوتے پیاس سے زار و نزار ہی ہوں گے۔

وردًا۔ یعنی پیاسے۔

عطاشا، قاله ابن عباس وابوهريرة رضى الله عنهما والحسن۔ (قرطبی)

للمجرمین سے ظاہر ہے کہ مراد یہاں مطلقاً کفار ہیں۔ اس لئے اس کے مقابلہ پر متقین سے بھی مراد ظاہر ہے کہ مومنین ہی ہوں گے۔

۱۲۲ (اور وہ اجازت بھی خاص ہے اہل ایمان کے ساتھ۔ اہل کفر اس اجازت سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے)

یہ اجازت ملائکہ انبیاء اور صلحاء مومنین کو ملے گی۔

الا کو لکن کے معنی میں لے کر ایک ترکیب یہ بھی جائز رکھی گئی ہے ـــــ لکن من اتخذ عند الرحمن عهداً يشفع۔ (قرطبی)

عهداً۔ عہد سے مراد یہاں اذن لی گئی ہے۔

قيل عهد الله اذنه لمن شاء فى الشفاعة (بحر)

وقيل المراد بالعهد الامر والاذن (روح)

دوسری مراد عہد سے عہد توحید و نبوت یا کلمۂ شہادت و ایمان بھی ممکن ہے اور ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔

۱۲۳ مشرکوں کے عقیدہ میں تو خدا کے لئے اولاد کا اثبات ایک معمولی بات تھی ہی۔ مسیحیوں کے یہاں بھی ظہور اسلام کے قبل ہی مسیح کی ولدیت الٰہی کا عقیدہ ایک مسلم حقیقت بن چکا تھا۔ حد یہ ہے کہ یہودی جیسی موحد قوم بھی یونان اور روم کے مشرک حکیموں فلسفیوں کے اثر کے ماتحت اس عقیدہ سے بالکل بیگانہ و نا مانوس نہیں رہ گئی تھی۔

یہاں اشارہ غالب مسیحیوں کی جانب ہے۔ وہی اپنے خدا کی صفت رحمانیت کے سب سے بڑے مدعی رہتے تھے۔

۱۲۴ یعنی یہی اللہ کے فرزند قرار دینے کا قول۔

إدًّا۔ أى امرا منكرا (راغب)

قال ابن خالويه الإد والأد العجب وقيل العظيم المنكر والإدة الشدة (كشاف)

السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾

بعید نہیں جو اس کے باعث آسمان ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ کانپ کر گر پڑیں۔

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾

اس بات سے کہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کی طرف بیٹے کی نسبت کرتے ہیں ۱۲۵ اور خدائے رحمٰن کے لائق یہ (کسی طرح) نہیں کہ وہ بیٹا

اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

اختیار کرے ۱۲۶۔ جتنے جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدائے رحمٰن کے روبرو عبد کی حیثیت سے حاضر ہوتے ہیں ۱۲۷

الادّ فی کلام العرب اعظم الدواھی۔ (معالم)

جمع متکلم صیغہ اوپر سے غائب کا چلا آرہا تھا، اب بہ قاعدۂ التفات مخاطب کا ہوگیا، یہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ خطاب میں اب سخت غلظت و شدت مقصود ہے۔

التفات من الغیبۃ الی المخاطبۃ تسجیلاً علیھم بالجرأۃ والتعرض لسخطہ (نیشاپوری)

التفات من ضمیر الغیبۃ إلی الخطاب زیادۃ تسجیل علیھم بالجرأۃ علی اللّٰہ والتعرض لسخطہ وتنبیہ علی عظیم ماقالوا۔ (بحر)

۱۲۵ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اس غایت درجہ بیہودہ قول کا جو اثر معنوی ہے وہ اگر کہیں محسوس و مادی شکل اختیار کرلیتا، تو اس کے آثار خارجی فلاں اور فلاں ہوتے۔ یہاں یہ حقیقت خوب ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ ابنیت الٰہی (اللہ کے ابن ہونا) اور چیز ہے اور ولدیت الٰہی (اللہ کے ولد ہونا) اور ہے۔ دونوں ہی عقیدے سرتاسر غلط، باطل و نامعقول لیکن یہ دوسرا عقیدہ اپنی بیہودگی میں پہلے سے کہیں بڑھ کر ہے، پہلے کو تو پھر بھی مجازی معنی میں لیا جاسکتا ہے، اور تاویل کی جاسکتی ہے کہ ابنیت سے مراد محض محبوبیت اور تعلق تخصیصی ہے۔ لیکن یہ دوسرا عقیدہ تو کھلا ہوا گھناؤنا ہے، اور خدا کی خدائی ہی کو باطل کردینے والا۔

دعوا کا مرادف یہاں نسبوا ہی رکھا گیا ہے، اور جعلوا بھی اور سمّوا بھی (بحر) اور ما حصل سب کا ایک ہی ہے۔

۱۲۶ خدا کو خدا مان کر تو یوں ہی کسی صورت میں اس کا صاحب اولاد ہونا تسلیم نہیں کیا جاسکتا پھر جب صفت رحمانیت کو اس کی تمام صفات پر غالب و مقدم تسلیم کرلیا جائے (جیسا کہ مسیحیت میں ہے) جب تو اور بھی اس عقیدہ کی اجوبگی اور مضحکہ خیزی کہیں زیادہ نظر آنے لگتی ہے کہ اس رحمت مطلق کو معاصی خلائق کے کفارہ کے لئے اپنے بیٹے کی ضرورت پڑے۔

۱۲۷ اللہ اور اس کی ساری مخلوق کے درمیان صحیح علاقہ صرف ایک ہی ممکن ہے۔ اور وہ

لَقَدۡ اَحۡصٰىهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾

اس نے ان کو احاطہ میں لے رکھا ہے اور انھیں خوب شمار کر رکھا ہے۔ ۱۲۸ اور قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہوگا۔ ۱۲۹

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام بھی کئے، خدائے رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا کر دیگا۔ ۱۳۰

رشتہ عبد و معبود کا ہے۔ اس کے سوا اور جو رشتے بھی تشبیہات کے ذریعہ بتائے گئے ہیں مثلاً سمندر و موج دریا و حباب کا، وہ سب لغو و ناقص ہیں۔

مقبول سے مقبول، مقرب سے مقرب بندہ کے لئے بھی بلند ترین مقام عبدیت ہی کا ہے۔ ولدیت الٰہی وغیرہ کا تخیل ہی سرے سے مہمل اور گستاخانہ ہے۔

کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ کے عموم میں انبیاء، ملائکہ وغیرہ سب ہی آگئے۔

۱۲۸ احاطہ میں لے رکھا ہے اپنی قدرت سے، اور خوب شمار کر رکھا ہے اپنے علم سے۔ خوب شمار رکھنے میں مخلوقات کی ذات، صفات، عمل و کردار سب کی جانچ، سب کی گنتی آگئی۔

۱۲۹ (خدا ہی کا محتاج اور محکوم، مال، اولاد، اعزہ، احباب، افسری و سرداری، جاہ و منصب کے سارے عوارض خارجی سے معرّیٰ ہو کر)

عقائد کے باب میں یہ عقیدہ بھی بڑا اہم اور بڑا موثر ہے۔ ہر شخص اس وہم بلکہ خبط میں مبتلا رہتا ہے کہ آخرت میں پہنچنے کے وقت بھی کوئی نہ کوئی مادی سہارا موجود ہی ہوگا، یہی سرے سے غلط ہے۔ حاضری تمام تر تنہا اور ہر سہارے سے معرّیٰ ہو کر ہوگی۔

۱۳۰ (خلائق کے قلوب میں بلا اسباب ظاہری کے)

مشاہدہ یہ ہے کہ بے غرض، متدین، مخلص، خادم خلق و عبادت گزار سے لوگوں کو محبت پیدا ہو جاتی ہے متقیوں کے علاوہ اگر کسی کو کہیں محبوبیت حاصل ہوتی ہے تو وہاں کوئی نہ کوئی دوسرا سبب قریبی اور ظاہری موجود ہوتا ہے۔ مثلاً عزیزداری، ذاتی دوستی، ہم وطنی، ہمسائیگی وغیرہ۔ بے غرض و بے لوث محبوبیت صرف اہل صلاح و تقویٰ ہی کو حاصل رہتی ہے۔

"اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے کسی کو بغض نہ ہوگا، بلکہ مقصود قرآن و حدیث کا یہ ہے کہ عام خلائق جن کا نہ کوئی نفع اس مومن سے وابستہ ہے، نہ کوئی ضرر، وہ اس سے محبت کرتے ہیں، چنانچہ مشاہدہ ہے اور اہل انتفاع کا محبت کرنا جیسا کہ نفع رساں کفار سے بھی لوگوں کو محبت ہوتی ہے، یا اہل تضرر کا بغض کرنا جیسا کہ ظالموں کو مسلمانوں سے ہوتا ہے، قابل اعتبار نہیں، کیونکہ درحقیقت وہ محبت اور بغض اپنے نفع اور ضرر سے ہے، اگر دونوں سے قطع نظر کی جاوے، اس وقت مومن کی صفات میں اثر یہ ہے کہ

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾

سو ہم نے اس (قرآن) کو آپکی زبان میں اسلئے آسان کر دیا کہ آپ اس کے ذریعہ سے پرہیزگاروں کو خوشخبری سنائیں اور اسکے ذریعہ سے آپ جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں ۱۳۱

اس سے عام قلوب کا استجلاب ہوتا ہے۔" (تھانوی)

ایک معنی یہ بھی منقول ہیں کہ وُدّ بمعنی محبوب ہے، یعنی اللہ ایسے لوگوں کے لئے وہ چیز مہیا کر دیتا ہے، جسے وہ محبوب رکھتے ہیں۔

ای یہب لہم ما یحبون۔ (کبیر عن ابی مسلم)

ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ خدائے رحمٰن ان کے دلوں میں اپنی محبت یعنی طاعت میں لذت وحلاوت ڈال دیتا ہے۔

ای یجعل لہم لذۃ وحلاوۃ فی الطاعۃ۔ (روح)

مرشد تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ قلوب خلائق سے مراد وہ قلوب ہیں جن میں حق تعالیٰ کی محبت موجود ہو، ورنہ جو دل محبت الٰہی سے خالی ہوتے ہیں، ان میں تو مومنین وصالحین کے خلاف بغض ہی بھرا ہوتا ہے۔

۱۳۱ آیت سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ زبان قرآن کو صاحب قرآن ہی کی زبان پر رکھنا اس غرض سے ہے کہ وہ ان کی فہم عالی میں مع اپنے جلی اور خفی پہلوؤں کے پوری طرح آجائے۔ تاکہ وہ اس کے مطالب کو خوب سمجھ کر ان سے حسب موقع بشارت اور حسب موقع انذار دونوں کا کام لیں۔

اور اس سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ جس پر قرآن آسان ہو جائے۔ یعنی علماء وماہرین فن۔ ان پر واجب ہے کہ قرآن کی تعلیم وتذکیر کرتے رہیں۔

المتقین۔ مراد مومنین ہیں۔ کہ شرک وکفر سے بچنے کی حد تک متقی تو ہر مومن ہوتا ہی ہے۔

المتقین المومنین (مدارک)

یعنی المومنین (معالم)

ای المستجیبین للہ المصدقین لرسولہ۔ (ابن کثیر)

قوما لدًّا۔ بڑی جھگڑالو قوم سے مراد کون سی قوم ہے؟ ظاہر ہے کہ کُل وہ منکر اسلام قومیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطب اول تھیں۔ لیکن جس تفصیل اور شدت کے ساتھ اس سورہ میں عقیدۂ ولدیت الٰہی کا رد کیا گیا ہے، اس سے اشارہ یہ نکلتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ مراد مسیحی اقوام ہیں۔ اور تاریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس ساڑھے تیرہ سو برس کے عرصہ میں مسلمانوں کو مقابلہ بھی سب سے زیادہ مسیحیوں ہی کا کرنا پڑا ہے۔

سورہ میں خود لفظ رحمٰن کا بار بار آنا اور مادہ رحمت کا تو اس سے بھی زیادہ کثرت کے ساتھ آنا، اس امر پر گواہ ہے کہ سورت کا مقصود سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ کی صفت رحم پر زور دینا، اور اس کی رحمت کو مطلق اور بلا بدل ومعاوضہ مودت میں پیش کرنا ہے۔ مسیحیوں کو سب سے بڑا دھوکا اللہ کی صفت

النصف ٩ ع ٦

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ

اور ہم نے اس کے قبل کتنے ہی گروہوں کو ہلاک کردیا ١٣٢ سو آپ ان میں سے کسی کو بھی دیکھتے ہیں ؟

اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾ ع

یا ان کی آہستہ آواز بھی سنتے ہیں ؟ ١٣٣

رحمتؔ سے لگا ہے، اور اسی ایک صفت کے نہ سمجھنے سے وہ مسیح پرستی کے شرک میں جا پڑے ہیں مسیحیت کا سارا فلسفہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ بندوں کی گنہگاری دیکھ کر خدا اُن سے روٹھ گیا، اور اس کی صفتِ عدل کا تقاضا یہ ہوا کہ سب کو جہنّم میں جھونک دینا چاہیئے، لیکن اس کا رحم و کرم اس پر آمادہ نہیں ہوتا تھا اِس کی تدبیر اُس نے یہ کی کہ وہ خود ایک انسان کے قالب میں ظاہر ہو کر دنیا میں آئے، اپنے ایک اقنوم کو اپنا بیٹا بنا کر بھیجے، اور ساری مخلوق کے گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے کر سب کی طرف سے کفارہ کو تیار ہو جائے۔ یعنی خود صلیب پر موت پا کر ایک مختصر مدّت (تین دن) کے لئے دوزخ میں چلا جائے، اور سب کی طرف سے معاوضہ بن کر، کفارہ ہو کر سب کو نجات دلائے ــــ گویا خدا، بلا معاوضہ، بلا کفارہ، بلا بدل، رحم و مغفرت سے کام لے ہی نہیں سکتا!

مسیحیت کے اس سارے بنیادی فلسفہ کی تردید کے لئے قرآن کا ایک لفظ رحمٰن کافی ہے یعنی اسلام کا خدا ایسا خدا ہے، جو مطلقاً رحم پر قادر ہے۔ اس صفت رحمت کے ظہور کے لئے وہ بے بسی اور مجبوری کے ساتھ، کفارہ و معاوضہ کا انتظار نہیں کیا کرتا۔

١٣٢ ابھی ابھی انذار، ڈرانے کا حکم آچکا ہے۔ اب ایک انذاری مضمون کے بیان میں تاریخ سے استشہاد ہو رہا ہے کہ نافرمان قومیں، کیسی کیسی پرقوت و پرشوکت، اپنی نافرمانیوں ہی کی پاداش میں روئے زمین سے کس طرح مٹائی جا چکی ہیں، اور اثریات (آرکیالوجی) ان کے ایک ایک کھنڈر کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر، اور کھود کھود کر نکال رہا ہے۔

١٣٣ مطلب یہ کہ دیکھو، کیسے بے نام و نشان ہو کر، تہس نہس ہو کر رہے۔ آج نہ تو ان کی کوئی دھیمی سی آواز ہی کسی کو آرہی ہے، نہ ان کے متعلق کوئی بھنک کسی کے کانوں میں پڑتی ہے۔

والحاصل اھلکناھم فلا عین ولا خبر۔ (روح)

رکز۔ کہتے ہیں آواز خفی کو۔

الرکز۔ الصوت الخفی (کشاف)

الرکز فی کلام العرب الصوت الخفی۔ (ابن جریر)

جب نفی آواز خفی کی ہوگئی تو بلند آواز کی بدرجہ اولیٰ ہوگئی۔ نہ وہ خود باقی رہ گئے نہ کوئی ان کا نام لینے والا۔

اھلکناھم بالکلیتہ، بحیث لاتری منھم احدًا ولاتسمع من یخبر عنھم ویذکرھم بصوت خفی۔ (روح)

(۲۰)

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتُہا ۱۳۵ — ۱۳۵ آیتیں

رکوعاتہا ۸ — ۸ رکوع

سورہ طٰہٰ مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت رحم کرنے والے۔ بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾

طا۔ ہا ؎۱ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں ؎۲

؎۱ حروف مقطعات میں سے ہے۔ اصل معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ کے شروع کا حاشیہ) البتہ حضرت ابن عباسؓ اور متعدد تابعی حضرات سے اس کے معنی یا رجل (اے شخص) کے مختلف زبانوں کے لحاظ سے مروی ہیں۔

معناہ یا رجل وھو مروی عن ابن عباس والحسن والمجاھد وسعید بن جبیر وقتادۃ وعکرمۃ والکلبی۔ (کبیر)

اور حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت میں آتا ہے کہ کافروں نے یہ کہنا بھی شروع کیا تھا کہ یہ شخص مصیبت میں پڑ گیا۔ فان قومہ قالوا لقد شقی ھذا الرجل (ابن جریر) اس لئے یہ معنی سیاق پر زیادہ چسپاں ہیں۔

سعید ابن جبیر سے یہ قول بھی مروی ہے کہ یہ اسم الطیب الطاھر الھادی کا مخفف ہے۔ (کبیر) اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے۔ (ابن جریر) لیکن امام ابن جریر نے ترجیح یا رجل کے معنی کو دی ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ یہی معنی صحابہ و تابعین میں معروف تھے۔

؎۲ قرآن مجید سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعب اور مشقت اٹھانے کی خاص صورتیں دو ثابت ہیں۔ ایک یہ کہ آپؐ کافروں کے ردّ و انکار پر غم و حزن بہت زیادہ کیا کرتے تھے۔

ای لتتعب بفرط تأسفك علیھم وعلی کفرھم وتحسرك علی ان یؤمنوا۔ (قرطبی)

عن علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ ای ما انزلناہ علیك لتتعب بنھك نفسك وحملھا علی الریاضات الشاقۃ (روح)

دوسرے یہ کہ شب میں آپؐ قرات قرآن کے وقت قیام بہت زیادہ طویل فرماتے تھے، یہاں تک کہ پائے مبارک پر ورم بھی آجاتا تھا۔

إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿٣﴾ تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ

بلکہ یہ تو نصیحت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہو۔ ۳ نازل اس کی طرف سے ہوا ہے جس نے پیدا کیا زمین اور بلند

الْعُلَى ﴿٤﴾ الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ ﴿٥﴾

آسمانوں کو۔ وہ خدائے رحمٰن عرش (حکومت) پر قائم ہے۔ ۴

ای ما انزلنا علیک القرآن لتنہک نفسک فی العبادۃ وتذیقها المشقة الفادحة وما بعثت الا بالحنیفیة السمحة۔ (قرطبی)

وروی أنه علیه الصلوٰۃ والسلام صلی باللیل حتی اسمغدت قدماہ۔ (کشاف)

آیت ان دونوں صورتوں کی نفی کررہی ہے۔ اور آپ کو گویا یہ تعلیم ہو رہی ہے کہ آپ کا کام تو صرف تذکیر و تبلیغ ہے جسے ماننا ہوگا، مانے گا، نہ ماننا ہوگا، نہ مانے گا۔ آپ اتنے فکرمند نہ رہیے۔ علیٰ ہذا۔ رات کی نماز میں بھی اس درجہ مشقت نہ اٹھایئے، جسقدر بہ آسانی تحمل ہو سکے، بس اسی قدر پڑھئے۔

اہلِ اشارات کہتے ہیں کہ اگر تفسیر اول کی جائے تو آیت اصل ٹھہرتی ہے، اہلِ دل پر نزول سکینت کی۔ اور تفسیر ثانی مراد لی جائے تو اصل ٹھہرتی ہے، مجاہدہ میں تعدیل کی۔

بعض نے کہا ہے کہ مقصود خطاب امت سے کرنا ہے، اور شقی خاب کے مرادف ہے۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اے مومنو، قرآن کے نزول کی یہ غرض و غایت نہیں کہ تم حالت محرومی و مغلوبی میں رہو۔

۳ قرآن کی غرض و غایت تو بھلائی اور خیر خواہی، اصلاح اور سدھار ہے، لیکن اس سے مستفید صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے قلب میں خوفِ خدا موجود ہے۔

اِلّا مرادف ہے لکن کے۔

بمعنی لکن۔ (کشاف)

ای ما انزلناہ لشقائک لکن تذکیرًا۔ (روح)

۴ یہاں ایک بار پھر صراحت آگئی ہے کہ قرآن مجید کلام رسول کسی معنی میں بھی نہیں بلکہ تمام تر خدائے پُرعظمت و اجلال کا نازل کیا ہوا ہے۔

الرحمٰن میں یہ اشارہ آگیا کہ وہ وہ خدا ہے جس کی رحمت و رحمانیت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

استوٰی۔ استواء کے معنی استیلاء کے ہیں، اور خود استیلاء سے مراد اقتدار و اختیار ہے۔ جو شبہات عام طور پر آیت پر وارد ہوتے ہیں، اس مفہوم کے لینے سے سب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اما اذا فسرنا الاستیلاء بالاقتدار زالت ھذہ المطاعن کلھا۔ (کبیر)

اور فعل استوٰی کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو معنی ہی استیلاء یا غلبہ کے ہوتے ہیں۔

متی عُدی بعلی اقتضی معنی الاستیلاء۔ (راغب)

اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ﴿٣﴾ تَنۡزِيۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ

بلکہ یہ تو نصیحت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہو۔ ۳ے نازل اس کی طرف سے ہوا ہے جس نے پیدا کیا زمین اور بلند

الۡعُلٰى ﴿٤﴾ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ﴿٥﴾

آسمانوں کو۔ وہ خدائے رحمٰن عرش (حکومت) پر قائم ہے۔ ۴ے

ای ما انزلنا علیك القرآن لتنهك نفسك فی العبادۃ و تذیقها المشقة الفادحة وما بعثت الا بالحنیفیة السمحة۔ (قرطبی)

و روی أنه علیه الصلوۃ والسلام صلی باللیل حتی اسمغدت قدماہ۔ (کشاف)

آیت ان دونوں صورتوں کی نفی کر رہی ہے۔ اور آپ کو گویا یہ تعلیم ہو رہی ہے کہ آپ کا کام تو صرف تذکیر و تبلیغ ہے جسے ماننا ہوگا، مانے گا، نہ ماننا ہوگا، نہ مانے گا۔ آپ اتنے فکرمند نہ رہیئے علی ہذا۔ رات کی نماز میں بھی اس درجہ مشقت نہ اٹھایئے، جسقدر بہ آسانی تحمل ہو سکے بس اسی قدر پڑھئے۔

اہلِ اشارات کہتے ہیں کہ اگر تفسیر اول کی جائے تو آیت اصل ٹھہرتی ہے، اہلِ دل پر نزول سکینت کی۔ اور تفسیر ثانی مراد لی جائے تو اصل ٹھہرتی ہے، مجاہدہ میں تعدیل کی۔

بعض نے کہا ہے کہ مقصود خطاب امت سے کرنا ہے، اور شقی شقاوت کے مرادف ہے۔ اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اے مومنو، قرآن کے نزول کی یہ غرض و غایت نہیں کہ تم حالت محرومی و مغلوبی میں رہو۔

۳ے قرآن کی غرض و غایت تو بھلائی اور خیر خواہی، اصلاح اور سدھار ہے، لیکن اس سے مستفید صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کے قلب میں خوفِ خدا موجود ہے۔

اِلَّا مرادف ہے لکنّ کے۔

بمعنی لکن۔ (کشاف)

ای ما انزلناہ لشقائك لکن تذکیرًا۔ (روح)

۴ے یہاں ایک بار پھر صراحت آگئی ہے کہ قرآن مجید کلامِ رسول کسی معنی میں بھی نہیں بلکہ تمام تر خدائے پُرعظمت و اجلال کا نازل کیا ہوا ہے۔

الرَّحۡمٰن میں یہ اشارہ آگیا کہ وہ وہ خدا ہے جس کی رحمت و رحمانیت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اَسۡتَوٰى۔ استواء کے معنی استیلاء کے ہیں، اور خود استیلاء سے مراد اقتدار و اختیار ہے۔ جو شبہات عام طور پر آیت پر وارد ہوتے ہیں، اس مفہوم کے لینے سے سب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اما اذا فسرنا الاستیلاء بالاقتدار زالت هذہ المطاعن کلها۔ (کبیر)

اور فعل استوی کا صلہ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو معنی ہی استیلاء یا غلبہ کے ہوتے ہیں۔

متی عُدی بعلی اقتضی معنی الاستیلاء۔ (راغب)

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ﴿۶﴾

اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں اور ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کے بھی نیچے ہے۔ ۵

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ﴿۷﴾

اور اگر تو پکار کر بات کہے تو وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے زیادہ چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے۔ ۶

بعض فرقوں نے لفظی معنی پر بہت زور دیا ہے انھوں نے بھی یہ صاف کہہ دیا ہے کہ استواء الٰہی کی کیفیت مخلوق کے استواء سے بالکل مختلف اور بالکل انوکھی قسم کی ہے۔

الذی ذھب الیہ الشیخ ابو الحسن وغیرہ انہ مُستوٍ علی عرشہ بغیر حد ولا کیف کما یکون استواء المخلوقین۔ (قرطبی)

العرش۔ لفظی معنی سریر الملک کے ہیں، لیکن مراد حکومت وسلطنت سے ہوتی ہے، نہ کہ تخت سے۔

جعلوہ کنایۃ عن الملک فقالوا استوی فلان علی العرش یریدون ملک وان لم یقعد علی السریر البتۃ۔ (کشاف)

عرش واستوی دونوں پر حاشیے سورۂ اعراف آیت ۵۴ ثم استوی علی العرش کے تحت میں گزر چکے۔

خلق..... العلی۔ زمین وآسمان نہ کوئی خود آفریدہ مخلوق ہیں اور نہ خالق، بلکہ تمام تر اللہ ہی کے محتاج اپنے وجود وقیام میں ہیں۔

سمٰوٰت۔ میں خود ہی بلندی کا مفہوم شامل ہے، صفت العلی لاکر اور اس کی تاکید اور ذہن کی اس طرف تنبیہ مقصود ہے۔

۵ یعنی ساری کائنات میں مکانی حیثیت سے جہاں کہیں بھی کوئی شے ہے سب اس کی مملوک ہے۔

تحت الثرٰی۔ ثریٰ تو گیلی مٹی ہے جو خود ہی سطح زمین کے نیچے ہے۔

الثری فی اللغۃ التراب الندی۔ (کبیر)

تحت الثری اس سے بھی نیچی ہوئی ___ مقصود اللہ کی قدرت اور وسعت سلطنت کو بیان کرنا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے مابین وما بینھما کی تصریح جو بار بار آئی ہے، اس سے بعینہٖ اس پر زور دینا ہے کہ آسمان وزمین کے درمیان خلائے محض نہیں بلکہ یہاں بھی کوئی مستقل عالم ہے۔ وما تحت الثریٰ کا اضافہ بھی اس حقیقت کے اظہار کے لیے ہے کہ تحت زمین بھی ایک عالم ہے۔

مشرک جاہلی قوموں نے (اور ان ہی میں بعض قدیم مہذب ومتمدن قومیں بھی شامل ہیں) زمین کے نیچے کے الگ دیوی دیوتا مانے ہیں ہمہ داں وہمہ بیں خالق کا کلام اس شرک کی بھی تردید کو پیش نظر رکھے ہوئے ہے۔

۶ وہ ہمہ بیں وہمہ داں تو مخفی اور مخفی در مخفی چیزوں کا علم رکھتا ہے، سو پکار کر کہی ہوئی چیزوں کا

اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ

میں نے آگ دیکھی ہے کیا عجیب ہیں اس میں سے کوئی شعلہ لے آؤں یا آگ کے پاس راستہ (کا پتہ)

هُدًى ⑩ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰى ⑪

پا جاؤں ۱۱ پھر جب وہ اس کے پاس پہنچے انھیں آواز آئی ۱۲

ہے کہ سردی میں رات کو باہر آگ کے بڑے بڑے الاؤ جلا کر بیٹھتے ہیں، اندھیرے میں ان کی روشنی بڑی دور سے نظر آتی ہے، اور بھٹکے بھٹکائے مسافر کو بڑی ڈھارس ہو جاتی ہے۔

نَارًا۔ جو روشنی آپ نے دیکھی وہ آپ کو آگ ہی کی معلوم ہوئی۔ یہ ضرور نہیں کہ فی الواقع وہ آگ ہی رہی ہو ــــ حاسۂ بشری کو وہ روشنی آگ ہی محسوس ہوئی۔

اہل لطائف کہتے ہیں کہ اس آیت میں اصل ہے صوفیہ کے مسئلہ تمثیل کی۔ موسٰیؑ کے سامنے نور قدیم، نار حادث کی شکل میں متمثل ہوا، اور راس الناس بصری میں تجی وعبرتی برابر ہیں۔

۱۱ یعنی میرے ساتھ نہ آ میں اکیلا جاتا ہوں اور راہ کا پتا لگائے لاتا ہوں۔

لِاَهْلِهٖ۔ اھل۔ گو کبھی فرد واحد کے لئے بھی آجاتا ہے، بیوی اہل خانہ کے لئے لیکن اس کے عام معنی صیغے جمع ہی کے ہیں، یعنی گھر والے اور خاندان والے۔

عبر باھل الرجل عن امرأتہ (راغب) قیل یکون اھل بیت الرجل لمن یجمعہ (راغب)

امکثوا۔ نحاس نحوی نے کہا ہے یہاں لفظ امکثوا آیا ہے نہ کہ اقیموا اس لئے کہ اقامۃ آتا ہے مستقل قیام کے لئے اور مکث آتا ہے عارضی وقلیل قیام کے لئے۔

لان الاقامۃ تقتضی الدوام والمکث لیس کذلک۔ (قرطبی)

امکثوا۔ جمع کا صیغہ ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ محض تفخیم کے لئے ہوا ور مقصود اس سے اظہار عزت وتکریم ہو جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔

فقد یخاطب الواحد بلفظ الجماعۃ تفخیمًا۔ (کبیر)

یہ خیال ضعیف سا ہے لیکن اغلب یہ ہے کہ علاوہ زوجۂ محترمہ کے کوئی چھوٹا سا قافلہ ساتھ ہو جیسا کہ ابن حیان وغیرہ کی رائے ہے، اور صیغۂ جمع کا اطلاق حقیقت پر ہو۔ حقیقت کو چھوڑ کر مجاز تسلیم کرنے کے لئے تو کوئی وجہ بھی قوی ہونا چاہیے۔

وخاطب امرأتہ وولدیہ والخادم (نہر)

والخطاب قیل للمرأۃ والولد والخادم۔ (روح)

روایت توریت سے بھی اسی آخری خیال کی تائید ہوتی ہے، آپ جب چلے ہیں تو آپ کے ساتھ بکریوں کا گلہ بھی تھا اور جب گلہ تھا تو کچھ گلہ بان بھی ضرور ہمراہ ہوں گے۔

"تب اس نے گلے کو بیابان کی ایک طرف ہانک دیا اور خدا کے پہاڑ حرب کے نزدیک آیا۔" (خروج ۳: ۱)
جاڑے کی اندھیری راتوں میں میدان میں آگ روشن کرنا یا الاؤ جلانا خصوصاً مشرقی قوموں میں عام دستور رہا ہے۔
۱۱ے اندھیرے میں آپ لوگ راستہ بھٹک گئے تھے، خیال ہوا کہ الاؤ پر جانے سے راستہ ہی کا پتہ چل جائیگا۔ اور عجیب نہیں کہ آگ بھی ہاتھ آجائے ـــــ اس وقت تک تو آپ پیمبر تھے بھی نہیں، لیکن اگر ہوتے تو راستہ بھول جانا مرتبۂ پیمبری کے ذرا بھی منافی نہیں۔
اٰتیکم۔ میں جمع کا صیغہ مخاطب اسی قول کو اغلب بناتا ہے کہ ایک پورا قافلہ ساسا تھ میں تھا۔
صوفیہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے صاحب کشف خود اپنے کشف کی حقیقت سے بے خبر ہو، حضرت موسیٰؑ کو ایک آگ کی سی روشنی مکشوف ہوئی اور وہ اسے متعارف آگ ہی سمجھے۔
۱۲ے (من جانب اللہ)
اس آواز کی کیفیت و صفت سے متعلق بڑی بڑی بحثیں چھڑ گئی ہیں، لیکن قول محقق مفسر تھانوی کا ہے۔
"اس نداء کی کیفیت و صفت نہ کہیں منصوص ہے نہ قیاس سے ادراک کی جاسکتی ہے، اس لئے تعیین یا تخمین رجم بالغیب ہے، البتہ یہ امر یقینی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو یقین کے ساتھ یہ امر معلوم ہوگیا کہ یہ نداء من جانب اللہ ہے خواہ یہ یقین علم ضروری سے حاصل ہوا ہو یا کسی علم استدلالی سے۔ واللہ اعلم۔"
توریت کی مسخ شدہ روایت یوں ہے:۔
"اس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اس پر ظاہر ہوا، اس نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا۔ تب موسیٰ نے کہا کہ میں اب نزدیک جاؤں اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ دیکھنے کو نزدیک آیا، تو خدا نے اسے بوٹے کے اندر سے پکارا اور کہا کہ اے موسیٰ، اے موسیٰ، وہ بولا میں یہاں ہوں؟ (خروج ۳: ۲-۴)
۱۳ے "خلع نعلین یا تو بوجہ ان کے غیر طاہر ہونے کے تھا، یا اس لئے کہ مقام کا ادب ہو، یا اس لئے کہ مقام متبرک سے قدم بھی مس کرے کہ اس کی برکت زائد پہونچے اور انک بالواد الخ ہر حال میں علت ہو سکتا ہے۔" (تھانوی)
توریت میں تصریح ہے کہ یہ حکم مقام کے تقدس کی رعایت سے تھا۔
"تب اس نے کہا یہاں نزدیک مت آ۔ اپنے پاؤں سے جوتا اتار، کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے۔ (خروج ۳: ۵)
ہمارے یہاں کے بھی اکثر اکابر اسی طرف گئے ہیں۔
امرہ بذٰلک لان الحفوۃ تواضع وادب (بیضاوی)
قیل انما امرہ بخلع نعلیہ تعظیما للبقعۃ (ابن کثیر)
قال الاصم لان الحفوۃ ادخل فی التواضع وحسن الادب (روح)

إِنِّيٓ أَنَا۠ رَبُّكَ فَٱخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ إِنَّكَ بِٱلۡوَادِ ٱلۡمُقَدَّسِ طُوٗى ﴿١٢﴾

کہ اے موسیٰ میں تمہارا پروردگار ہوں، سو تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو[١٣] بے شک تم ایک پاک میدان (یعنی) طویٰ میں ہو[١٤]

وَأَنَا ٱخۡتَرۡتُكَ فَٱسۡتَمِعۡ لِمَا يُوحَىٰٓ ﴿١٣﴾ إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠

اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے[١٥] سو سنو جو کچھ وحی کیا جا رہا ہے۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں، کوئی معبود نہیں میرے

فَٱعۡبُدۡنِي وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكۡرِيٓ ﴿١٤﴾

سوا سو میری ہی عبادت کیا کرو۔ اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو[١٦]

یحمل ذلك علی تعظیم البقعة من أن یطأها الا حافیا لیکون معظما لها وخاضعا عند سماع کلام ربه۔ (کبیر)

لان الحفوۃ تواضع للہ۔ (مدارك)

قیل امر بخلع النعلین للخشوع والتواضع عند مناجاۃ اللہ تعالیٰ وقیل اعظاما لذلك الموضع کما ان الحرم لایدخل بنعلین اعظاما له۔ (قرطبی)

اسرائیلی تہذیب میں جوتہ اتار دینا تعظیم و تکریم کا ایک معروف و متعارف طریقہ تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

[١٤] (اور تقاضائے ادب یہی ہے کہ یہاں برہنہ پا داخل ہو)

طویٰ۔ نام ہے اس میدان کا جو جزیرہ نمائے سینا میں کوہ سینا کے عین دامن میں واقع ہے۔

بیان لسبب ورود الامر بذلك من شرف البقعة وقدسها۔ (روح)

اللہ نے جس طرح بعض وقت، دوسرے وقتوں سے افضل و اشرف رکھے ہیں، مثلاً ماہ رمضان، سال کے دوسرے مہینوں سے افضل و اشرف، اور یوم جمعہ ہفتہ کے سارے دنوں میں افضل و اشرف، اسی طرح اس نے بعض مقامات بھی دوسرے مقامات سے افضل و اشرف بنا رکھے ہیں، مثلاً، سرزمین مکہ، شہر مدینہ — وادی سینا بھی ایسے ہی مقامات مقدس میں داخل ہے، اور افضلیت کا یہ قانون مکان و زمان سب پر حاوی ہے۔

وقد جعل اللہ تعالیٰ لبعض الاماکن زیادۃ فضل علی بعض کما قد جعل لبعض الازمان زیادۃ فضل علی بعض۔ (قرطبی)

صوفیہ کہتے ہیں کہ آیت میں اصل ہے مقامات مقدسہ کے ادب و تعظیم کی۔

[١٥] (اپنی نبوت و رسالت کے لئے)۔

اہل لطائف کہتے ہیں کہ تمہیدی مکالمہ کے بعد جب قلب موسوی قابل و متحمل ہو گیا براہ راست تجلیات خداوندی کا، تو اب اس پر رسالت کے بار عظیم کی تفویض ہوئی۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾

بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔ میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں۔ تاکہ ہر شخص کو اس کی کوشش کا بدلہ مل جائے ۱۷

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

سو تمہیں اس کی طرف سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پائے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا، اور اپنی خواہش (نفسانی) کی پیروی کرتا ہے ورنہ

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِىَ عَصَاىَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا

تم بھی تباہ ہو کر رہ گئے ۱۸ اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ؟ وہ بولے یہ میرا عصا ہے، میں اس پر ٹیک

۱۶ اس میں نماز کی غایت بیان کر دی۔ کہ اس سے اصل مقصود یاد الٰہی کو دل میں تازہ رکھنا ہے۔

معناہ اقم الصلٰوۃ لتذکرنی فیھا (ابن جریر)

لتذکرنی (کشاف)

ای لتذکرونی بھا (ابن قیم)

اور یہی معنی مجاہد تابعی سے بھی منقول ہیں۔ (روح)

لذکری۔ ایک قول ہے کہ یہ ل توقیت ہے، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ل تعلیل ہے۔

والاظھر انھا لام التعلیل ای أقم الصلٰوۃ لاجل ذکری۔ (ابن قیم)

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کسی کے دل پر اگر حاکم اعلیٰ، ہمہ بیں وہمہ داں حاکم کی ہمہ وقتی معیت و حاکمیت کا خیال پوری طرح مستولی ہو جائے تو اس سے کوئی قصور سرزد ہی کیوں ہونے پائے۔

آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ میری یاد آنے پر نماز پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ یہیں سے بعض فقہاء نے قضاء صلوٰۃ فائتہ کا استنباط کیا ہے۔

۱۷ توحید و رسالت، ان دو عقائد کی تعلیم پچھلی آیت میں آچکی ہے۔ اب عقیدۂ معاد کا ذکر ہو رہا ہے اور یہی تینوں اصلی اور مرکزی عقائد ہیں، دین الٰہی و شریعت خداوندی کے۔

آیت میں بیان قیامت کی غایت کا آگیا، وہ اسی ناسوتی زندگی کی تکمیل کے لئے ہے۔ نتائج کا ظہور پوری طرح اس محدود و مختصر دنیوی زندگی میں ہو نہیں پاتا، ظہور کامل کے لئے ایک یوم موعود کا پیش آنا بالکل مطابق عقل اور عین تقاضائے عدل ہے۔ جو لوگ عقیدۂ حشر کے منکر ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ ان کے سطحی دماغ اس موجودہ زندگی کی محدودیت پر قانع کیسے ہو جاتے ہیں۔

لتجزی کا تعلق اٰتیۃ سے ہے۔ اکاد اخفیھا کا فقرہ درمیان میں بہ طور جملہ معترضہ کے آگیا ہے۔

۱۸ یعنی کہیں تم کسی دشمن دین کی صحبت سے متاثر ہو کر فکر آخرت اور خیال عاقبت سے غافل نہ ہو جانا۔

وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ وَلِىَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ⑱ قَالَ اَلْقِهَا

لگاتا ہوں۔ اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے میرے اور بھی کام نکلتے ہیں ؁۱۹ (اللہ نے) کہا

يٰمُوْسٰى ⑲ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ⑳ قَالَ خُذْهَا

اسے ڈال دو اے موسیٰ۔ پس انہوں نے ڈال دیا سو وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا ؁۲۰ (اللہ نے)

وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ㉑

فرمایا اسے پکڑلو اور ڈرو نہیں ہم اسے ابھی اس کی پہلی حالت پر کئے دیتے ہیں ؁۲۱

موسیٰؑ مقرب خاص ہیں، اور اب پیمبر بھی بن چکے ہیں۔ یہ ارشاد ان تک سے ہو رہا ہے کہ کہیں تم دشمنانِ دین کی صحبت کا اثر نہ قبول کرلینا، ورنہ خدائی قانون میں سزا انھیں کے لئے بھی رکھی ہوئی ہے —— ہم دنیاداروں کے لئے تو رونگٹے کھڑے ہوجانے کا مقام ہے۔

محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اباحیت کا ابطال ہے، نیز اس حقیقت کا اثبات کہ تکلیفات شرعیہ منتہی کامل سے بھی ساقط نہیں ہوتیں۔

؁۱۹ سوال سے عجب نہیں جو مقصود یہ ہو کہ عصا کا عصا ہونا، اور اس کے لئے مخصوص فوائد و خصائص حضرت موسیٰؑ کے ذہن میں از سر نو تازہ ہوجائیں، تاکہ پھر اس میں جو انقلاب امر الٰہی سے دیکھیں، اس کا خارق ہونا اور زیادہ نمایاں ہوجائے۔ فن تعلیم کے ماہر جو استاد ہوتے ہیں وہ بھی طلبہ سے اکثر اسی غرض سے سوال کرتے ہیں —— عصا کے لئے اردو میں لاٹھی بھی لاسکتے ہیں اور لٹھ بھی اور ڈنڈا بھی۔ مشرقی ملکوں میں عصا ہاتھ میں لے کر چلنا مسافروں کا عام دستور ہمیشہ سے رہا ہے، اور اب بھی ہے۔ عصا کا ذکر بائبل میں بکثرت آیا ہے کہیں چرواہوں کے، کہیں مسافروں، کہیں سپاہیوں، کہیں شعبدہ بازوں کے سلسلہ میں۔ اس خاص قصہ موسیٰؑ و فرعون میں عصا کا انتساب زیادہ تر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کیا گیا ہے، اور مسیحی قوموں میں ضرب المثل کا درجہ عصائے ہارونی ہی کو حاصل ہے، قرآن مجید نے اس چھوٹی سی غلطی کی بھی اصلاح کردی، اور عصائی خوارق و معجزات کا تعلق بجائے حضرت ہارونؑ کے حضرت موسیٰؑ سے دکھایا ہے۔

اہل اشارات نے اس سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ کاملین بھی اسباب کے ساتھ تمسک کرتے دیتے ہیں۔

؁۲۰ عصائے موسوی کا معجزہ توریت میں بھی درج ہے۔

"تب خدا نے موسیٰ کو کہا کہ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ وہ بولا عصا، پھر اس نے کہا اسے زمین پر پھینک دے، اس نے زمین پر پھینک دیا، اور وہ سانپ بن گیا۔" (خروج ۴: ۲-۴)

یہ واضح رہے کہ مصر میں جہاں موسیٰؑ کو تبلیغ کرنی تھی، سانپ کی حیثیت ایک دیوتا کی تھی، اور اس کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

؁۲۱ یعنی یہ پھر سے عصا بنا جاتا ہے، اور تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾

اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دے لو۔ وہ بلا کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا (یہ) دوسری نشانی ہوئی ۲۲ ف

لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿٢٣﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾ ع ۲۴/۱۰

تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں ۲۳ ف (اب) فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے ۲۴ ف

س۔ ابھی یعنی تمہارے سامنے اسے پکڑتے ہی۔۔۔ ایسے خوارق عادات انبیاء کی تاریخ میں کچھ نئے اور انوکھے نہیں۔

معجزہ میں پیمبر کے کسی ذاتی کمال یا کوشش کو دخل نہیں ہوتا، بلکہ وہ تمام تر ایک فعل خداوندی ہی ہوتا ہے، براہ راست اور بلا توسط اسباب عادیہ۔ اس حقیقت کی خاص نظیر یہ عصا والا واقعہ بھی ہے۔ معجزہ حضرت موسیٰؑ کا، اور آپؑ خود ہی اس سے ڈرے بھی۔

"موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا بعض نے کہا ہے کہ طبعی ہے، جو کسی طرح جلالتِ شان کے منافی نہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو نہ ڈرنا کمال ہے، جیسے ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود کا سے نہیں ڈرے، اور جو امر خالق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الحقیقت حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے جیسے ہوا تیز ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا حدیثوں میں آیا ہے، سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا، اس سے ڈر گئے، کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو، اور دوسری آیت میں انک من الآمنین سے تسلی دینا اس طرف مشیر ہے۔" (تھانویؒ)

اور یہ تو بہر حال ثابت اور روشن ہے کہ امور طبعی کاملین میں بھی باقی رہتے ہیں۔۔۔۔ توریت میں صورت واقعہ یوں درج ہے۔

"اور موسیٰ اس کے آگے سے بھاگا، تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھا اور اس کی دُم پکڑ لے۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے پکڑ لیا، وہ اس کے ہاتھ میں عصا ہو گیا۔" (خروج ۴:۴)

۲۲ ف (ہماری قدرت اور تمہاری نبوت کی)

حضرت موسیٰؑ کو جو متعدد معجزات عطا ہوئے تھے، ان میں سے دو معجزے شروع ہی سے عنایت ہو گئے تھے، اور ان کا ذکر بھی خاص اہتمام سے کیا گیا۔۔۔ "ید بیضا" جو ہمارے ہاں زبان زد ہے، یہی مشہور معجزہ ہے۔

مِنْ غَيْرِ سُوءٍ۔ مراد یہ ہے کہ یہ ہاتھ کی سفیدی کوئی مرض وغیرہ کی صورت نہیں۔ قرآن کو تصریح کے ساتھ یہ ٹکڑا اس لئے کہنا پڑا کہ توریت والوں نے صورت واقعہ کو مسخ کر کے حضرت موسیٰؑ کو برص کا مریض ہی بنا دیا۔ خود توریت کے الفاظ ہیں:۔

"پھر خداوند نے اسے کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کے رکھ، چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کے رکھا اور جب اس نے اسے نکالا تو دیکھا کہ اس کا ہاتھ برف کی مانند سفید مبروص تھا۔" (خروج ۴:۶)

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَیَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ

(موسیٰ نے) کہا اے میرے پروردگار میرا حوصلہ اور فراخ کر دے ۲۵ اور میرا کام مجھ پر آسان کر دے ۲۶ اور

عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾

میری زبان سے بستگی دور کر دے ۲۷

اور بعد کے لوگوں نے اس پر اور اور روایات بھی اضافہ کر دیں۔

اٰیَةً اُخْرٰی۔ پہلا نشان وہ عصا کے سانپ بن جانے کا تھا، دوسرا نشان یہ ہوا۔

۲۳ وہ "بڑی نشانیاں" کیا تھیں؟ عام طور سے مراد دوسرے اور عظیم تر معجزات سے لی گئی ہے جو آپ کو بعد میں عطا ہوئے۔ اور سب سے بڑا غیبی نشان تو آپ کا بالآخر غلبہ اور فرعون جیسے تاجدار قاہر کی بربادی و شکست تھی۔

۲۴ فرعون یعنی بادشاہ مصر۔ اس پر توریت اور ساری تاریخوں کا اتفاق ہے کہ جو فرعون، حضرت موسیٰؑ کا معاصر تھا، وہ متکبر، جابر، و فاسق تھا، اور خدا کا اوتار تو بہر حال ہر فرعون مصر سمجھا ہی جاتا تھا۔ فرعون جیسا کہ شروع تفسیر کے حاشیوں میں ظاہر کیا جا چکا ہے، کسی بادشاہ کا شخصی نام نہ تھا، بلکہ اس نسل شاہی کے سارے ہی تاجداروں کا ایک عمومی لقب تھا، اور یہ خاص فرعون اپنے ظلم اور زیادتیوں میں اور بڑھا ہوا تھا۔ جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں تصریح ہے کہ مصری زبان میں اس لفظ کے معنی اصلاً دودمان عالی کے لئے اور پھر اس کا اطلاق فرماں روا کی ذات پر ادا ہونے لگا، جیسے عثمانی خلافت کے زمانہ میں خلیفہ و سلطان ترکی کو "باب عالی" کہا جانے لگا تھا، اور آج بھی صدر جمہوریت امریکا کے لئے اصطلاحی کنایہ قصر ابیض (WHITE HOUSE) سے کیا جاتا ہے۔

۲۵ (کہ تبلیغ میں انقباض، اور مخالفت و تکذیب سے دل تنگی نہ ہو، اور میں سفارت خداوندی و رسالت کے بار عظیم کا تحمل پوری طرح کر سکوں۔)

پیمبر جلیل القدر اس منصب عظیم کی ماموری پر فخر و افتخار کے ساتھ کوئی کلمہ اپنے کمالات کے لئے نہیں زبان سے نکالتے، بلکہ الٹے کمال عبدیت سے ذکر اپنی کوتاہیوں کا کرنے لگتے ہیں اور اپنی کمزوریوں کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔

صدری۔ صدر کے لفظی معنی سینہ کے ہیں لیکن راغب نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں لفظ صدر آیا ہے، وہاں مراد عضو جسمانی نہیں بلکہ علم و عقل اور انسان کے سارے جذبات و قوائے باطنی ہیں۔ اور اس آیت کی شرح میں لکھا ہے کہ مراد اس سے اپنے قوائے باطنی کی اصلاح کی دعا کرنا ہے۔

وقوله رب اشرح لی صدری فسؤال لاصلاح قواه۔

ابن زید تابعی سے یہی معنی جرأت و ہمت کے منقول ہیں۔ (ابن جریر) اور اوروں بھی سب نے یہاں صدر کے

يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ

تاکہ (لوگ) میری بات (خوب) سمجھ سکیں۔ اور میرے گھر والوں میں سے میرا ایک معاون مقرر کر دے۔ (یعنی) ہارون کو

أَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ

کہ میرے بھائی ہیں۔ میری قوت کو ان کے ذریعہ سے مضبوط کر دے۔ اور ان کو میرے (اس) کام میں شریک کر دے ۲۸ تاکہ

كَثِيرًا ﴿٣٣﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾

ہم لوگ خوب کثرت سے تیری پاکی بیان کریں۔ اور تیرا ذکر خوب کثرت سے کریں ۲۹ بے شک تو ہم کو خوب دیکھ رہا ہے ۳۰

معنی مجازی ہی لئے ہیں، یعنی تحمل شدائد کا حوصلہ۔

شرح الصدر بسطہ بنور الٰہی وسکینۃ من جھۃ اللہ تعالیٰ وروح منہ (روح)

لیحتمل ما یرد علیہ من الشدائد التی یضیق لھا الصدر۔ (بحر)

اس دعا سے ظاہر ہے کہ دعا اور توکل کامل میں کوئی منافات نہیں۔ بلکہ کاملین تو اور زیادہ دعا کی طرف رجوع کرتے رہتے ہیں۔

۲۶ (کہ اسباب کامیابی جمع اور اسباب ناکامی رفع ہوتے جائیں)

ادائے فرائض میں سہولت ڈھونڈھنا اور آسانی تلاش کرنا ایک امر طبیعی بشری ہے۔ اور منصب نبوت کے منافی ہونا الگ رہا عین سنت انبیاء ہے۔

۲۷ اس لکنت زبان کے اسباب مختلف روایت ہوئے ہیں، بہر حال سبب طبعی کچھ بھی رہا ہو، لکنت زبان میں موجود تھی۔

توریت میں ہے:-

"تب موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ اے میرے خداوند میں فصاحت نہیں رکھتا نہ تو آگے سے اور نہ جب سے کہ تو نے اپنے بندے سے کلام کیا اور میری زبان اور باتوں میں لکنت ہے۔ (خروج ۴-۱۰)

۲۸ توریت میں بھی یہ واقعات درج ہیں، مگر محرف و مسخ شدہ شکل میں حضرت موسیٰ کی زبان سے حضرت ہارونؑ کو شریک کار کرنے کی درخواست کا کوئی ذکر توریت میں نہیں حضرت ہارونؑ کا ذکر جہاں بھی ہے بہ طور شریک نبوت نہیں بلکہ بہ حیثیت ترجمان و نائب کے ہے۔

"تب خداوند کا غصہ موسیٰ پر بھڑکا اور اس نے کہا، کیا نہیں ہے لاویوں میں سے ہارون تیرا بھائی؟ میں جانتا ہوں کہ وہ فصیح ہے، اور دیکھ کہ وہ بھی تیری ملاقات کو آتا ہے اور تجھے دیکھ کے دل میں خوش ہوگا، اور تو اسے کہے گا، اور اسے باتیں بتائے گا۔۔۔۔۔ اور وہ تیرے عوض لوگوں سے باتیں کرے گا، اور وہ ہاں وہی تیری زبان کی جگہ ہوگا اور تو اس کے لئے خدا کی جگہ ہوگا۔" (خروج ۴: ۱۴-۱۶)

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسٰى ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰى ﴿٣٧﴾

(اللہ نے) فرمایا تمھاری درخواست منظور کی گئی، اے موسیٰ۔ اور ہم تو ایک دفعہ اور بھی تمہارے اوپر احسان کر چکے ہیں ۳۱ؔ

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلٰى أُمِّكَ مَا يُوحٰى ﴿٣٨﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِ

جبکہ ہم نے تمھاری ماں کو وہ بات الہام کی، جو الہام ہی کئے جانے کے قابل تھی ۳۲ؔ (یعنی) یہ کہ (موسیٰ) کو ایک صندوق

فِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِي وَعَدُوٌّ لَهُ

میں رکھو پھر اسے دریا میں ڈال دے پھر دریا انھیں کنارہ لے آئیگا، تو انھیں وہ پکڑ لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے

حضرت ہارونؑ کی فصاحت اور طلاقت لسانی مشہور و مسلم ہے۔ توریت کے اقتباس میں تو ابھی گزر رہی چکا کہ "وہ فصیح ہے"۔

جیوش انسائیکلوپیڈیا میں بھی ذکر ان کے فصیح البیان ہونے کا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

مرشد تھانوی نے فرمایا ہے کہ واجعل لی وزیرًا الخ سے کاملین کا تمسک اسباب کے ساتھ کرنا ثابت ہوتا ہے۔

"معاون مانگنے میں اہل کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ ان کو طبعی الفت بھی زیادہ ہوگی، ان سے زیادہ معاونت ہو سکتی ہے"۔ (تھانوی)

وزیرًا۔ وزیر موازرۃ سے ہے بمعنی معاونت (کشاف) یعنی معین و معاون۔ اسے اصطلاحی وزیر سلطنت سے کوئی تعلق نہیں، یہ ملکی اصطلاح ایران کی تھی۔ عربی زبان کو اس مفہوم سے کوئی واسطہ نہیں۔

۲۹ؔ دو آدمی ملکر تبلیغ و دعوت کا کام قدرۃً زیادہ قوت کے ساتھ کر سکتے ہیں ــ اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غرض اس وزارت سے محض دینی امور میں تقویت اور مصالح دعوت و تبلیغ کی تحصیل و تکمیل تھی۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ دونوں آیتوں میں دلالت ہے اس پر کہ اسباب سے بھی اکابر کا قصد دین اور استعانت فی الدین ہی ہوتا ہے۔

۳۰ؔ (اور ہماری احتیاج سے خوب واقف ہے)

بصیرًا۔ ہماری خفی و مخفی چیزیں بھی تجھ پر روشن ہیں۔

قال الخطابی: البصیر المبصر والبصیر العالم بخفیات الامور (قرطبی)

۳۱ؔ یعنی اب کی تمھاری درخواست پر کیوں نہ تمھارے ساتھ لطف و نوازش کا معاملہ ہوگا، تمھارے ساتھ تو ہمارا یہ معاملہ بلا تمھاری درخواست و خواہش کے ایک بار بہت پہلے ہو چکا ہے۔

۳۲ؔ (اپنی اہمیت کی بنا پر)

وقف لازم

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾

اور میں نے تمہارے اوپر اپنی طرف سے محبت کا اثر ڈال دیا تھا ۳۳؂ اور تاکہ تم کو میری خاص نگرانی میں پرورش کیا جائے۔ ۳۴؂

یہ وحی، وحیِ نبوّت نہ تھی، وحی الہام تھی۔ اور الہام غیر انبیاء کے لئے بھی جائز و ثابت ہے۔

بعض مسیحی فاضلوں نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے والد ماجد عمران کا گھر لب دریا تھا۔ نیل اسی طرف سے بہتا ہوا فرعون کے محل کے نیچے سے گزرتا تھا، اور ایک وقت مقررہ پر دخترِ فرعون (قرآن نے اس کی تصحیح کر کے بتایا کہ نہیں بلکہ آسیہ زوجۂ فرعون) سیر دریا کے لئے آتی تھی۔ والدۂ موسیٰؑ نے سوچا کہ بچہ کی جان بچنے کی اور کوئی صورت تو ظالم حکومت کے کارندوں سے ہے نہیں، ایک لگتی ہوئی صورت یہ البتہ ہو سکتی ہے کہ بچہ از خود دخترِ فرعون (صحیح یہ کہ زوجۂ فرعون) کے حضور تک پہنچ جائے۔ عورتیں یوں بھی نرم دل اور ترس کھانے والی ہوتی ہیں، پھر یہ بچہ تو ہے بھی اسقدر پیاری اور موہنی صورت والا۔ عجب کیا جو اس محترم خاتون کو اس پر رحم آجائے۔ اور خود فرعون پر بھی اگر اثر کسی کے کہنے سننے کا ہو سکتا ہے تو اسی خاتونِ محترم کا۔ بس یہی سوچ سمجھ کر مادرِ مہربان نے صورت حال کا صحیح اندازہ کر کے موسیٰؑ کو بجرے پر بٹھا بہاؤ کے رخ چھوڑ دیا۔ اور نتیجہ بالآخر بالکل حسب مراد نکلا۔

یہ بیانات تاریخ پر نہیں بلکہ تمام تر ظن و تخمین پر مبنی ہیں، لیکن بالفرض صحیح ہوں جب بھی نفس واقعہ کے اعجازی پہلو پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ الہام الٰہی بہرحال الہام الٰہی ہی ہے، خواہ بالکل مجمل اور براہ راست ہوا ہو یا تفصیلاً، یہ درمیانی زینے سب عقل کو سمجھا دیئے گئے ہوں۔

۳۳؂ (اے موسیٰ! اور تمہیں محبوب بنا دیا)

حضرت موسیٰؑ قدیم تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ بڑے حسین و جمیل تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ توریت و انجیل دونوں میں یہی مذکور ہے۔

"اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا۔" (خروج۔ ۲ : ۲)

"انھوں نے دیکھا کہ بچہ خوبصورت ہے۔" (عبرانیون ۱۱ : ۲۳)

"موسیٰ پیدا ہوا جو نہایت خوبصورت تھا۔" (اعمال ۷ : ۲۱)

عدوّلی وعدوّلہ۔ فرعون کا مراد ہونا بالکل ظاہر ہے، جو حق تعالیٰ کا بھی دشمن تھا، اور موسیٰؑ کا بھی۔

۳۴؂ سحر، نجوم، کہانت کے فنون اس زمانہ کے مہذب و متمدن ملکوں میں اسی طرح پھیلے ہوئے تھے، جیسے آج مادّی علوم و فنون ہیں۔ اور مصر تو ان قدیم فنون کا ایک مرکزِ خاص تھا۔ فرعون کو منجموں، کاہنوں کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ عنقریب اسرائیلی قوم میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہو گا، جو فرعون و حکومت فرعون کے زوال اقتدار کا سبب بنے گا۔ فرعون نے اس وقت سے حکم یہ جاری کر رکھا تھا کہ اسرائیلیوں میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اسی وقت ختم کر دیا جائے۔ جب ولادت حضرت موسیٰؑ کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ قدرۃً بہت پریشان ہوئیں، اس وقت آپ کو الہاماً یہ تدبیر سمجھائی گئی کہ ایک صندوق لے کر اس میں بچہ کو لٹا صندوق

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ

(یہ اس وقت ہوا) جبکہ تمھاری بہن چلتی ہوئی آئیں پھر بولیں کہ میں تمھیں ایسے کا پتہ دوں جو اس کو (خوب اچھی طرح) پالے؟

اِلٰٓی اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ

تو ہم نے تم کو تمھاری ماں کے پاس پھر پہنچا دیا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں ۳۵ اور تم نے ایک شخص کو مار

مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ۚ ۝ قف

ڈالا تھا ۳۶ تو ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی ۳۷ اور ہم نے تمھیں خوب خوب آزمائشوں میں ڈالا ۳۸

دریائے نیل میں بہا دیا جائے (نیل شاہی محل کے نیچے سے گزرتا تھا، اور دریا کا بہاؤ حضرت موسیٰؑ کے مکان سے اسی رُخ پر تھا) جب صندوق بہتا بہتا محل کے نیچے پہنچے گا، روک کر بچہ اس میں سے نکال لیا جائے گا، اور بچہ کی صورت اتنی محبوب ہے کہ جو اسرائیل کُش اور اپنے قصد و نیت کے لحاظ سے "موسیٰ کُش" ہے خود اسی سے "موسیٰ پروری" کرائی جائے گی، اور اُسی کو سبب و ذریعہ موسیٰؑ کی حیات و بقا کا بنایا جائے گا۔

توریت میں یہ واقعات ہیں، مگر حسبِ معمول محرّف و مسخ شدہ شکل میں:۔

"وہ عورت حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی، اور اس نے اسے خوبصورت دیکھ کے تین مہینے تک چھپا رکھا اور جب آگے کو چھپا نہ سکی تو اس نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا، اور اس پر لاسا اور رال لگایا، اور لڑکے کو اس میں رکھا اور اس نے اسے دریا کے کنارے پر جھاؤ میں رکھ دیا..... تب فرعون کی بیٹی غسل کرنے کو دریا پر اتری، اور اس کی سہیلیاں دریا کے کنارے پر پھرنے لگیں، اس نے جھاؤ میں ٹوکرا دیکھ کر اپنی سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھا لے، جب اس نے اسے کھولا تو لڑکے کو دیکھا، اور دیکھو وہ روتا ہے، اسے اس پر رحم آیا، اور بولی یہ کسی عبرانی کا لڑکا ہے۔" (خروج ۲: ۲-۶)

عینی۔ میں اضافت تشریف و اختصاص کے لئے ہے، ورنہ اپنے عام معنی میں تو دنیا کی ساری ہی موجودات پروردگار عالم کی نگرانی میں رہتی ہے۔

هذا الاختصاص للتشريف كاختصاص عيسى عليه السلام بكلمة الله تعالىٰ والكعبة ببيت الله (روح)

۳۵ صندوق دریا میں بہا دینے کے بعد حضرت موسیٰؑ کی بہن بھی اجنبی اور انجان بن کر شاہی محل کی طرف چلیں کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ محل میں پہنچیں اور جب دیکھا کہ بچہ مچلا ہوا ہے، تو خوش تدبیری کے ساتھ اپنی اور ان کی ماں ہی کو رضاعت کے لئے بلوایا۔

توریت میں ہے:۔

تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی کو کہا کہئے تو میں جا کے عبرانی عورتوں میں سے ایک دائی

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۥ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ

پھر تم مدین والوں کے درمیان (کئی) سال رہے۔ پھر تم اپنے وقت متعین پر (یہاں) آگئے

يّٰمُوْسٰى ﴿٤٠﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ

اے موسیٰ ۳۹ؔ اور میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کرلیا۔ ۴۰ؔ (سواب) تم اور تمہارے بھائی

تجھ پاس لے آؤں۔ تاکہ وہ تیرے لئے اس لڑکے کو دودھ پلادے فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ جا۔ وہ چھوکری گئی اور لڑکے کی ماں کو بلایا۔ فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ اس لڑکے کو لے۔ اور میرے لئے دودھ پلا۔ میں تجھے درماہا دوں گی۔ اس عورت نے لڑکے کو لیا۔ اور دودھ پلایا۔

(خروج ۲: ۷۔۹)

توریت میں ہے کہ ان صاحبزادی کا نام مریم تھا، بہ قول بعض شارحین توریت یہ حضرت موسیٰؑ سے ۱۵ سال بڑی تھیں، اور اگر حضرت موسیٰؑ کی تاریخ پیدائش ۱۵۲۰ء ق۔ م صحیح مانی جائے تو ان کی ہمشیرہ کا سال پیدائش ۱۵۳۵ء ق۔ م ہوتا ہے۔

۳۶ؔ (قبطیوں یا فرعونیوں میں سے اتفاقیہ و بلا قصد)

مفصل قصہ سورہ قصص میں آئے گا۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کاملین سے لغزش صادر ہونے پر اور اس پر بھی کہ اس کی ایک نئی شان ہوتی ہے۔

۳۷ؔ حضرت موسیٰؑ کو اس واقعۂ قتل غیر عمد کے بعد فکر و تردد دو طرح کا لاحق ہوا، ایک تو خوف عقابِ الٰہی سو وہ خوف تو اس طرح دور ہوا کہ استغفار کی توفیق ہوئی اور اسے قبول کیا گیا۔ دوسرے خوف انتقامِ حکومت تو اس سے نجات یوں حاصل ہوئی کہ مصر سے مدین پہنچا دیا گیا۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اکابر کی لغزش اگرچہ موجب عقاب و مؤاخذہ نہیں ہوتی، مگر اس کے باوجود بھی ان پر ندامت غالب ہوتی ہے۔

۳۸ؔ اس درمیان میں جو کچھ آفتیں مصیبتیں پیش آئی ہوں، سب آزمائشوں کے حکم میں داخل ہیں۔ ان تکلیفوں سے نجات دینا تو خیر لطف و عنایت ہے ہی۔ باقی خود آزمائش بھی جو ازدیادِ مدارج کا سبب بن جائے، بجائے خود ایک رحمت و نوازش ہی ہے۔

۳۹ؔ یعنی اس وقت پر۔ جو تمہاری نبوت کے لئے متعین و مقدر ہو چکا تھا۔ تم مدین سے پھر مصر لائے گئے۔

ای علی وقت الوقت الذی قدرتہ، وعینتہ لتکلیمک واستنبائک بلا تقدم و تاخر عنہ (روح)

یٰموسیٰ۔ مکالمہ خداوندی میں بار بار یا موسیٰؑ کا آنا عجب نہیں دلدہی و اکرام کے لئے ہو۔

۴۰ؔ "اپنے لئے" یعنی اپنا نبی بنانے کے لئے۔

بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ

میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ۔ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا ۴۱ فرعون کے پاس تم دونوں جاؤ

اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا

وہ حد سے تجاوز کر گیا ہے ۴۲ پھر اس سے تم دونوں گفتگو نرم کرنا ۴۳

ای لوحی و رسالتی (مدارک)

اخترتك لاقامة حجتی (روح۔ عن الزجاج)

الاصطناع الاخلاص بالالطاف ومعنی لنفسی لتصرف علی ارادتی ومحبتی (جصاص)

۴۱ اہل حق کا اصلی مشغلہ و فریضہ ہی یاد الٰہی ہے جس کی تاکید سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ پیمبر بھیجے ہی جاتے ہیں تذکّر و تذکیر کے لئے۔ دنیوی نظام حکومت قائم کرنے کی حیثیت ثانوی اور ضمنی ہوتی ہے۔ مرشد تھانوی نے فرمایا، تعلیم میں برکت جبھی پیدا ہوتی ہے جب معلم خود بھی ذکر میں مشغول ہو۔

اٰیاتی۔ سے مراد وہ معجزات ہیں، جو حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ کو عطا ہو چکے تھے۔

۴۲ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۴۔ فرعون، اس کے نام اور اس کی ستم رانیوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔

۴۳ (اس کے مرتبۂ شاہی کا لحاظ کرکے کہ یہ موثر ترین طریق تبلیغ ہے، اور شروع میں خشونت و درشتی کو باوجود اشتعال طبع، اپنے قریب نہ آنے دینا۔)

کس درجہ حکیمانہ، معتدل و پُرآشتی تعلیم اس اسلام کی ہے جسے مخالفین نے اس درجہ سخت بلکہ کرخت مشہور کر رکھا ہے!

فقہاء نے اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ قوت و نصرت کے یقین کے باوجود بھی (جیسا کہ یہاں حضرت موسیٰؑ کو نصرت غیبی کا پورا الیقین تھا) مبلغ کے لئے پوری طرح جائز ہے کہ انداز تبلیغ نرم رکھے۔

فی ھذا جواز الامر بالمعروف والنھی عن المنکر باللین لمن معہ القوۃ وضمنت لہ العصمۃ (ابن العربی)

دلیل علی جواز الامر بالمعروف والنھی عن المنکر وان ذلک یکون باللین من القول لمن معہ القوۃ وضمنت لہ العصمۃ (قرطبی)

محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت کے اندر اخلاق کا بہت بڑا سبق موجود ہے۔ کہ باوجودیکہ فرعون کے طغیان و تمرّد کا ذکر ابھی ابھی ہو چکا ہے، اس پر بھی حضرت موسیٰؑ جیسے مقبول و برگزیدہ بندہ کو حکم اسی کا ملتا ہے کہ اس سے لطف و ملائمت ہی سے پیش آئیں۔

ھذہ الاٰیۃ فیھا عبرۃ عظیمۃ وھو ان فرعون فی غایۃ العتو والاستکبار وموسیٰ

لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾ قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ

شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر ہی جائے۔۴۴ؕ دونوں بولے اے ہمارے پروردگار ہم کو یہ اندیشہ

عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ ﴿٤٥﴾

ہے کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا یہ کہ زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے ۴۵ؕ

صفوۃ اللہ من خلقہ اذ ذالک ومع ھذا امران لایخاطب فرعون الابالملاطفۃ واللین (ابن کثیر)

وفیھا دلیل علی استحباب إلانۃ القول للظالم عند وعظہ۔ (روح)

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ اس میں اس پر دلالت ہے کہ ہر شخص سے اس کے رتبہ کے موافق پیش آئے۔

۴۴ؕ مقصود تو بہرحال ایمان لانا اور سچی تعلیم کو سچ تسلیم کرلینا ہے۔ خواہ یہ صورت بہ طوع و رغبت ذوق و شوق سے حاصل ہو، خواہ خوفِ خدا سے یا خوفِ عاقبت سے ـــ عقل و ذہن عقیدۂ توحید کو قبول کرلے اور اس پر مطمئن ہوجائے یہ صورت تذکیر کی ہوئی۔ جذباتی حیثیت سے قلب میں کیفیت خوفِ آخرت کی سما جائے، یہ صورت خشیت الٰہی کی ہوئی۔ ہدایت ان میں سے جس طرح بھی حاصل ہوجائے بہرحال ہدایت ہی ہے۔

آیت پر یہ اعتراض بالکل مہمل ہے کہ جب علم الٰہی میں فرعون کا ایمان نہ لانا ہی تھا تو یہاں یہ کیوں کہا گیا ـــ یہاں تو مقصود صرف ان بندوں کو یہ ہدایت دینی ہے کہ تم اپنی تبلیغی کوششیں اسی امید پر جاری رکھو۔ علم الٰہی و قضائے الٰہی کی صورت بالکل الگ ہے، اس کو بندوں کی کوشش سے کیا واسطہ۔ وہ ایمان لاتا نہ لاتا اتمام حجت تو اس پر کرنا ضروری تھا۔

معناہ اذھبا علی رجاء منکما وطمع وقضاء اللہ وراء امرکما۔ (معالم)

والفائدۃ فی ارسالھما علیھما السلام الیہ مع العلم بانہ لایؤمن الزام الحجۃ وقطع المعذرۃ (روح)

مامون الرشید عباسی سے متعلق، جو خود بھی ایک بڑا صاحب علم فرماں روا گزرا ہے، یہ حکایت بعض کتابوں میں پڑھی ہے کہ اس کی کسی بات پر ایک معاصر عالم نے بلا اس کے مرتبہ شاہی کا لحاظ کئے ہوئے اسے سختی سے ٹوکا، مامون نے برجستہ کہا کہ آپ کا مرتبہ حضرت موسیٰؑ سے بڑھ کر نہیں اور میں فرعون عدو اللہ سے بدتر نہیں، اس پر بھی دیکھئے، حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ سے ارشاد خداوندی ہوتا ہے تو یہ کہ فرعون سے گفتگو نرمی سے کرنا!

۴۵ؕ (اول الذکر صورت میں ہماری تبلیغ دھری کی دھری رہ جائے۔ وہ ہمیں اس کا موقع ہی نہ دے اور آخری صورت میں کہیں اس کا جرم اور بڑھ نہ جائے۔)

احتمالات جو ہر بشر کے دماغ میں پیدا ہوتے ہیں وہ ایک امر طبعی ہے پیمبروں کے بھی دماغ میں پیدا ہوتے ہیں۔

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیۡ مَعَکُمَآ اَسۡمَعُ وَ اَرٰی ﴿۴۶﴾ فَاۡتِیٰہُ فَقُوۡلَاۤ

اللہ نے کہا تم ڈرو نہیں تم دونوں کے ساتھ میں ہوں میں (سب) سنتا اور دیکھتا ہوں ۴۶ تم اس کے پاس جاؤ پھر

اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّکَ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ

اس سے کہو ہم دونوں تیرے پروردگار کے قاصد ہیں، سو تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے۔

فرعون کی طرف اس کی عام سیرت و کردار کی بنا پر جو اندیشے تھے وہ قدرۃً ان دونوں انبیاء مرسلین کے دل میں بھی پیدا ہوئے اور دونوں نے اپنے رب کے حضور میں انھیں پیش بھی کر دیا۔ اور اس عرض و معروض میں کوئی شائبہ بھی تعمیل ارشاد سے گریز کا نہیں ــــــــ خطرات سے خوف و اندیشہ پیدا ہونا طبعی ہے، اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہونے کہ جب کسی بلا کا نزول ہوگا تو داعیٔ حق صبر و تحمل سے بھی کام نہ لے گا۔

۴۶ کسی سب انسپکٹر کو اگر وائسرائے کہدیں کہ فلاں ڈاکو سے مقابلہ کرنے میں تم اندیشہ نہ کرو، ہم خود مع اپنی ساری قوت کے تمھارے ساتھ ہوں گے، تو وہ کیسا باغ باغ ہو جائے گا، اور اسے کیسا زبردست سہارا ہاتھ آجائے گا۔ پھر یہاں تو بندہ کو کسی برتر بندہ کا نہیں، خدا کا سہارا ہاتھ آرہا تھا! ڈھارس بندھانے اور ہمت بڑھانے کی اس سے بڑھ کر صورت خیال میں ہی نہیں آسکتی۔

معکما۔ معیۃ سے مراد کمال حفظ و نصرت الٰہی ہے۔

معکما بالحفظ والنصرۃ (بیضاوی)

والمراد بمعیتہ سبحانہ کمال الحفظ والنصرۃ (روح)

المعیۃ ھنا بالنصرۃ والعون۔ (بحر)

توریت میں اس موقع پر ہے:۔

"وہ بولا یقیناً میں تیرے ساتھ ہوں گا" (خروج ۳ : ۱۲)

اسمع واریٰ۔ تمھارا ایک ایک جزئیہ تمھارا چھوٹا بڑا ہر معاملہ اور ہر مکالمہ براہ راست میرے علم میں آتا رہے گا ــــــــ اللہ سنتا اور دیکھتا تو ہر وقت ہی رہتا ہے، اس وقت اپنی ان صفات کا استحضار اپنے فرستادوں کو کرا کے ان کی ہمت و قوت قلب کس درجہ بڑھا دی!

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ (اسمع واریٰ اگر اننی معکما کی تفسیر ہے تو دلیل ہے قرب صفاتی پر اور اگر مستقل ہے تو اننی معکما دلیل ہے قرب ذاتی پر۔

۴۷ (بے قصور و بے خطا، جب تک وہ تیرے ملک میں مقیم ہیں)

فرعون کے مظالم اب حد سے بڑھ گئے تھے، اور بنی اسرائیل کی طرف سے مطالبہ یہ تھا کہ ہمیں ہمارے وطن کنعان (صوبہ شام) واپس چلے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ فرعونی حکومت ان لوگوں سے بیگار کا اور ادنیٰ قسم کی مزدوری کا کام لیتی رہتی تھی۔ اس لئے اس مطالبہ کو ہی نہیں مان رہی تھی ــــ آج

وَلَا تُعَذِّبۡهُمۡ ؕ قَدۡ جِئۡنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ

اور انہیں دکھ نہ دے ۴۷ ہم یقیناً تیرے پاس تیرے پروردگار کی طرف سے نشان لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اس کے لئے جو سیدھی راہ پر

الۡهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدۡ اُوۡحِىَ اِلَيۡنَاۤ اَنَّ الۡعَذَابَ عَلٰى مَنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

چلے ۴۸ ہمارے پاس تو وحی یہ آچکی ہے کہ عذاب (قہری) اسی کے لئے ہے جو جھٹلائے اور روگردانی کرے ۴۹

ہمارے ہاں کا بھی کون ظالم زمیندار یہ گوارا کرتا ہے، کہ اس کی ادنیٰ رعایا بھی اس کی زمین سے نکل کر چلی جائے۔

توریت میں اس موقع پر ہے:۔

"بعد اس کے موسیٰ اور ہارون آئے اور فرعون کو کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ بیابان میں میرے لئے عید کریں۔ (خروج۔ ۵: ۱)

۴۸ یعنی جو کوئی دین حنیف کو اختیار کرے اور سیدھی راہ چلنے لگے، اسے تھوڑے ہی قہر و عذاب کا ڈر ہو سکتا ہے! اسے کھٹکا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

ای السلامۃ من العذاب فی الدارین لمن اتبع ذالک بتصدیق ایات اللہ۔ (روح)

یہاں اسلام کی ایک عام خصوصیت بیان کر دی گئی کہ اس کا قانون، اس کا آئین، اس کا نظام، دنیا و آخرت دونوں کے لئے بہترین دستور حیات ہے۔ فرد کے لئے، بھی جماعت کے لئے بھی۔

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ۔ آیت بمعنی نشان یا معجزہ یعنی جس سے تجھے بھی ہماری صداقت کا یقین آجائے۔

اٰيَةٍ کی تنوین سے مراد جنس معجزہ ہے، نہ کہ کوئی منفرد معجزہ۔

قد رسول کی تحقیق و تاکید کے لئے ہے۔

للتحقیق والتاکید۔ (روح)

علی۔ یہاں ل کے مرادف ہے۔

علی بمعنی اللام (روح)

قال الفراء: السلام علی من اتبع الھدیٰ و لمن اتبع الھدیٰ سواء۔ (قرطبی)

۴۹ (حق سے)

توریت میں یہ واقعات تو خیر تھوڑے بہت درج ہیں لیکن قرآن مجید بیچ بیچ میں اخلاق و عقائد سے متعلق جو تعلیمات دیتا جاتا ہے، ان سے توریت کے صفحات یکسر خالی ہیں۔

اِنَّا ... اُوْحِیَ بجائے تثنیہ کے اب صیغہ واحد متکلم کا شروع ہوا ہے۔ یہ تقریر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ادا ہو رہی ہے کہ وہی اصل تھے حضرت ہارونؑ تو بہ طور اُن کے نائب یا معاون کے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کو وہ جو حکم "قول لین" (نرم بولی) کا ملا تھا، یہ اسی کی تعمیل ہو رہی ہے کہ آپ نے براہ راست یہ نہ فرمایا کہ عذاب تیرے اوپر ہوگا، بلکہ اسے ایک کلیہ اور قانون کی صورت میں پیش کیا۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ

(فرعون نے) کہا تو پھر اے موسیٰ تم دونوں کا پروردگار ہے کون ۵۰؟ (موسیٰ نے) کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکی بناوٹ عطا کی پھر

ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾

(اسکی) رہنمائی کی ۵۱۔ (فرعون نے) کہا اچھا تو پہلی نسلوں کا کیا حال ہوا ہے؟ ۵۲

۵۰ (جس کا حوالہ تم بار بار دے رہے ہو)

اب دونوں حضرات فرعون کے دربار تک پہنچ چکے ہیں، اور یہ گفتگو وہیں ہو رہی ہے۔

مصر میں فرعون سب سے بڑے دیوتا یعنی سورج دیوتا کا اوتار سمجھا جاتا تھا، اور عملاً تمام اختیارات خدائی کا مظہر۔

اب تک تو وہ اپنے ہی کو سب سے بڑے یعنی سورج دیوتا کے مظہر یا اوتار سنتے رہتے اور سمجھتے رہنے کا عادی رہا تھا، اب جو یہ نئی اور نامانوس آواز ایک پروردگار عالم کی اس کے کان میں پڑی۔ تو حیرت سے پوچھتا ہے کہ اچھا! یہ بتاؤ تو سہی، آخر تمہارا نرالا تراشا ہوا رب ہے کون؟

توریت میں اس مقام پر ہے:۔

" فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی آواز کو سنوں کہ بنی اسرائیل کو جانے دوں؟ میں خداوند کو نہیں جانتا اور نہ میں بنی اسرائیل کو جانے دوں گا۔" (خروج ۵: ۲)

۵۱ (ان کی اسی خلقت کی جانب)

حضرت موسیٰؑ اپنے رب کا تعارف کرا رہے ہیں، ارے تو اس کو نہیں جانتا۔ وہ تو وہ ذات ہے، جس نے ساری مخلوقات کو شرف وجود سے مشرف کیا ہے۔ پھر جیسی جس کی فطرت و ساخت رکھی، اور جو کام اس سے لینا چاہا، اسی کے مطابق اسکے آلات و قویٰ، ہیئت و ترکیب بھی رکھی، گویا تخلیق اور تربیت دونوں کا مبدأ وہی تو ہے۔

اعطٰی کل شیءٍ خلقہ ۔ سے مراد ہے کہ ہر ہستی کی ساخت و خلقت موزوں و مناسب رکھی، اور هَدٰى سے مراد ہے کہ جس مقصد و غرض کے لئے اس ہستی کو مخلوق کیا، اسی طرف اسے لگا بھی دیا۔

خیال رہے کہ گفتگو مسئلہ ربوبیت پر چل رہی ہے، نہ کہ الوہیت پر۔

مرشد تھانوی نے حضرت موسیٰؑ کے اس جواب سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ معرفت بالکنہ ممتنع ہے اور بالصفات والافعال جائز ہے۔

۵۲ (جن کا دین تمہارے دین توحید سے یقیناً مختلف تھا)

یعنی وہ تو تمہارے خیال کے مطابق گمراہ و بد دین تھے تو اب وہ کس حال، کس عالم میں ہیں؟ وہ تو عذاب میں پڑے ہوئے ہوں گے! ——— مصریوں کے اس بارے میں عجیب عجیب نظریے تھے، ہندی مشرکوں سے ملتے ہوئے۔ ایک خیال یہ تھا کہ ہر روح جزئی، قید ہستی سے چھوٹنے کے بعد روح کلی سے جا ملتی ہے۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِي

(موسیٰ نے) کہا اُن کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں (محفوظ) ہے، میرا پروردگار نہ بھٹک سکتا ہے نہ بھول سکتا ہے ۵۳

جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَّأَنْزَلَ مِنَ

وہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا ۵۴ اور تمہارے لئے اس میں راستے بنا دیئے ۵۵ اور آسمان

السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کئے۔

كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۗ

کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ۔

فیہا میں ف تفریع کی ہے۔ یعنی جب تمہارے خیال میں وہ لوگ مردود تھے تو پھر مرکر اُن پر کیا گزری!

۵۳ (بخلاف تمہارے معبودوں کے، جن کے لئے غلطیاں کرجانا، بھول ونسیان کا شکار ہو جانا سب ہی کچھ ممکن ہے)

حضرت موسیٰؑ کا یہ جواب بہت ہی بلیغ ہے آپ نے فرمایا مجھے پچھلوں کے حشر کی کیا خبر؟ البتہ اتنا یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بہر حال اُن کے ساتھ انصاف ہی ہوا ہوگا۔ اور میرے علیم و خبیر، ہمہ بیں، ہمہ داں خدا نے اُن کے ساتھ معاملہ وہی کیا ہوگا جس کے مستحق وہ اپنے عمل اور نامۂ اعمال کے لحاظ سے ہوں گے۔ وہاں غلطی یا بھول چوک کا کیا سوال؟

لا یضل ولا ینسی۔ کسی فیصلے کے خلافِ عدل ہونے کے اسباب یہی دو ہو سکتے ہیں ضلال یا نسیان اور وہ دونوں حق تعالیٰ سے منفی ہیں۔

۵۴ (اور جس پر تم آرام و استراحت کرتے ہو۔)

خطاب اب موسیٰؑ و فرعون سے مکالمہ کے ساتھ ساتھ، براہ راست رب العالمین کا عام نوع انسانی سے بھی ہے۔ اور یہ طرز یعنی خصوص سے عموم کی طرف التفات بلاغت قرآنی کے خصوصیات میں سے ہے۔

۵۵ (جس میں تم چلو پھرو)

یعنی تمھیں پیدا ہی نہیں کیا بلکہ زمین پر تمہارے لئے ہر قسم کا سامانِ آسائش بھی مہیا کر دیا۔ زمین کی ہیئت جغرافی کیا ہے، کروی یا مستطیل، بیضوی یا المبوتری، گنبد کی طرح یا ناشپاتی کے مثل، قرآن مجید کو ان بحثوں سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو صرف یہ بیان کرتا ہے کہ زمین انسان کے لئے فرش کا کام دیتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامان ربوبیت میں سے ایک بڑی مخلوق ہے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی ﴿۵۴﴾ ع مِنۡہَا خَلَقۡنٰکُمۡ وَ فِیۡہَا

بے شک اس (سارے نظام) میں دلیلیں موجود ہیں اہلِ عقل کے لئے۔۵۶؎ اسی (زمین) میں سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا

نُعِیۡدُکُمۡ وَ مِنۡہَا نُخۡرِجُکُمۡ تَارَۃً اُخۡرٰی ﴿۵۵﴾ وَ لَقَدۡ اَرَیۡنٰہُ

اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ پھر نکالیں گے۔۵۷؎ اور ہم نے اسے

اٰیٰتِنَا کُلَّہَا

ساری ہی نشانیاں دکھلا دیں۔۵۸؎

۵۶؎ (اس کے کمالِ ربوبیت کی)

مصر ایک زرعی ملک ہے اور مصریوں میں چوپانی، گلہ بانی کا خاص رواج تھا اور مصری تمدن میں مویشیوں کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس لئے ان سے مخاطبت کرنے میں نبات شتّٰی اور انعام کا نام لینا عین مقتضائے مقام ہے ـــــ السماء کا فلکیات کی رو سے کیا مرتبہ ہے، کلامِ الٰہی کو اس سے کوئی تعرض نہیں۔ وہ اسے رب العالمین کے آلاتِ ربوبیت میں سے بطور ایک اعلیٰ آلے ہی کے پیش کرتا ہے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا اخرجنا میں اشارہ ہے اس جانب کہ مؤثر حقیقی حق تعالیٰ ہی ہے، لیکن بہ سے اثبات توسط اسباب کا بھی ہو رہا ہے۔

۵۷؎ (بعد موت)

انسان کی آفرینش اجزائے ارضی ہی سے ہوئی ہے۔ اور موت کے بعد بہرصورت وہ اجزائے ارضی ہی میں ملا یا جاتا ہے، اور قیامت کے دن اس کی آفرینش ثانی بھی ان ہی اجزائے ارضی ہی سے ہوگی ـــــ زمین سے انسان کے تعلق کی کیا اچھی نوعیت یہاں بیان کر دی ہے ـــــ "مادرِ وطن" وغیرہ چلے ہوئے الفاظ سے کہیں زیادہ صحیح بلیغ و مؤثر ـــــ اسی سے تم پیدا ہوئے ہو، اسی میں ایک روز ملو گے اور ایک روز پھر اسی سے اٹھائے جاؤ گے۔

توریت میں ایک آیت اس سے ملتی جلتی ہے موجود ہے۔ "تو خاک ہے اور پھر خاک میں جائیگا" (پیدائش۔ ۳: ۱۹) لیکن حشر و بعثت کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔

حدیثِ رسولؐ کی تعمیل میں مسلمان اپنی میت کو قبر میں اتارتے ہوئے اسی آیت کو پڑھتے جاتے ہیں۔ اور اپنا صحیح ایمانی تعلق زمین سے اور زمین آفریں سے تازہ کرتے جاتے ہیں۔

۵۸؎ (جو حضرت موسیٰؑ کو عطا ہوئی تھیں)

آیات کے مفہوم میں معجزات و دلائل دونوں شامل ہیں۔ گو یہاں رخ معجزات و خوارق کی جانب زیادہ ہے۔ توریت، کتاب خروج میں ان معجزات کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا

اس پر بھی وہ جھٹلاتا ہی گیا اور انکار ہی کرتا رہا۔ (فرعون نے) کہا تو (شاید) تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہماری

بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ

سرزمین سے اپنے سحر (کے زور) سے نکال دو، اے موسیٰ۔ ۵۹ؔ اچھا تو اب ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ویسا ہی سحر لا کر رہتے ہیں،

بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾

تو اب ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ گاہ بدلو جس کے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم ایک ہموار میدان میں۔ ۶۰ؔ

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾

(موسیٰ نے) کہا تم سے وعدہ میلے کے دن رہا۔ اور (ہاں یہی) کہ لوگ دن چڑھے جمع ہو جائیں۔ ۶۱ؔ

اٰبٰى ۔ اس تصریح سے فرعون کی ضد و عناد کی شدت اور زیادہ ظاہر ہو گئی۔ معجزات و خوارق کا وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکا تھا، نہ یہ کہ سنی سنائی باتوں کی خبریں اس تک پہنچی ہوں۔

۵۹ؔ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے بعد آخر میں فرعون بولا تو یہ بولا! کیا خوب قدر کی اس نے پیمبری کی! انسان اپنے ہی پر دوسرے کا بھی قیاس کرتا ہے۔ بیچارہ خود سحر و کہانت میں مبتلا، ان اعمال سفلیہ کا ماہر، اس بدبخت کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کوئی درجہ علوم عالیہ کا، مراتب روحانیہ کا، ان سفلیات سے بلند تر بھی ہے ——— یہ تشخیص بھی کس قدر مشابہ ہے اس رائے کے جو آج بڑے بڑے فرنگی یا فرنگیت زدہ حکماء و محققین، سیرت نبوی پڑھ کر، کمالات و کرامات محمدیؐ سے بہ قدر اپنے ظرف کے واقف ہو کر، آخر میں گردن کی جنبش کے ساتھ فرماتے ہیں کہ "بے شک محمد بڑے خوش تدبیر، بڑے خوش فکر، بڑے خوش انتظام مصلح و مدبر گزرے ہیں"!

۶۰ؔ یعنی کھلے ہوئے مقام میں، جہاں ساری پبلک جمع ہو کر ہماری تمہاری ساحری کا مقابلہ اور تماشہ دیکھ سکے ——— یہ کہہ کر فرعون نے اپنے خیال میں نہایت عادلانہ و عاقلانہ طریقہ فیصلہ کا نکال لیا۔

سُوًى کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ وہ میدان ہم دونوں فریقوں کے نصف نصف مسافت پر واقع ہو۔ فرعون کے سحر پر ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

فلناتینك ۔ فَ ترتیب کے لئے یعنی جب یہ صورت حال ہے تو۔

ل ۔ تاکید کا ہے "لا کر رہتے ہیں" ترجمہ اس لئے کیا گیا۔

لا نخلفہ نحن ولا انت یعنی یہ خالی خولی دھمکی یا نری لفاظی نہیں، ایک قطعی حقیقت ہے۔ اور یہ مقابلہ ہو کر رہے گا۔

۶۱ؔ مصر میں اس زمانہ میں قومی تہوار یا جشن سال میں دو بار بڑے پیمانہ پر منائے جاتے تھے، ایک بار

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ

غرض فرعون واپس ہوگیا، پھر اپنے مکر کا سامان جمع کرنا شروع کیا اور پھر آیا ۶۲ موسیٰ نے ان لوگوں سے کہا اے کمبختی

لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ

مارو خدا پر جھوٹ افترا نہ کرو۔ ورنہ وہ تمہیں عذاب سے نیست و نابود کردے گا، اور جو کوئی جھوٹ باندھتا ہے

افْتَرٰى ﴿٦١﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾

وہ ناکام ہی رہتا ہے ۶۳ پھر وہ لوگ اپنی رائے میں آپس میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ مشورہ کرنے لگے ۶۴

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ

(پھر) بولے کہ بے شک یہ دونوں بھی جادوگر ہی ہیں، چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے اپنے جادو (کے ذریعہ) سے

ماہ مارچ میں، دوسری بار ماہ اگست میں۔ اور تیسرا جشن ان دونوں سے بھی بڑھ چڑھ کر ہوتا تھا۔ ان ہی میں سے کوئی جشن یہاں مراد ہے، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

یحشر الناس۔ پبلک کا اجتماع لازمی تھا، ہار جیت کا فیصلہ پبلک ہی تو کرنے والی تھی۔

۶۲ (وقت مقررہ پر میدان جشن میں)

"واپس ہوگیا" سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ دربار سے اپنے محل کو واپس گیا۔ "مکر کے سامان" سے مراد ساحر اور ان کے آلات سحر ہیں۔

ای حیلہ وسحرہ (قرطبی)

قرآن حسب معمول درمیان کی ساری غیر ضروری تفصیلات کو چھوڑ کر توجہ قصہ کے ضروری اجزاء پر رکھتا ہے

۶۳ (انجام کار میں)

توریت میں بھی اس معرکہ کا ذکر ہے، لیکن بالکل مختصر اور پھیکا، جس سے نہ کوئی اخلاقی سبق ملتا ہے اور نہ پوری تفصیل ہی واقعہ کی معلوم ہوتی ہے۔

قال لهم ضمیر جمع غائب ساحروں کی طرف ہے۔ اب سب حسب قرارداد میدان میں اکٹھے ہوگئے ہیں اور موسیٰ پیمبر آخری بار بہ طور اتمام حجت کے ساحروں سے تبلیغی گفتگو کررہے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ آخر وقت تک نصیحت وخیر خواہی کا حق ادا کئے جاتے ہیں۔

ویلکم لا تفتروا ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس لب ولہجہ میں کلام فرعون سے نہ فرمایا گیا، اس میں تعلیم ہے حفظ مراتب کی۔

۶۴ جیسا کہ اکثر ایسے مواقع پر ہوتا ہے۔ ساحروں کی جماعت، حضرت موسیٰ اور ان سے مقابلہ کے معاملہ میں خود مختلف الرائے ہوگئی۔ ساحروں کی جماعت میں تردد وانتشار، بہت ممکن ہے حضرت موسیٰؑ کی مؤثر تبلیغی تقریر کا نتیجہ ہو۔

بِسِحۡرِهِمَا وَيَذۡهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجۡمِعُوۡا كَيۡدَكُمۡ

نکال دیں اور تمہارا بہتر (و اعلیٰ) طور طریق بھی مٹا دیں ۶۵؎ سو اب سب مل کر اپنے فن کا انتظام

ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى ﴿٦٤﴾

کرو ۶۶؎ اور صف بہ صف آجاؤ کہ آج فلاح اسی کی ہے جو غالب آئے۔ ۶۷؎

۶۵؎ یعنی آپس میں سرگوشیوں اور مشورت کے بعد یہ ٹھہری کہ یہ دونوں کہیں باہر سے یہ فن سیکھ سکھا کر آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم پر غالب آکر ہمارے اس وطنی فن بلکہ ہماری ساری قومی تہذیب و تمدن ہی کو مٹا ڈالیں اور خود ایک نظام نو کی بنا ڈالیں۔

مثلیٰ صیغۂ مؤنث ہے امثل کا۔ معنی ہیں خوب روشن و خوب واضح کے، اور جادۂ صحیح و مستقیم کے۔

الأمثل الأوضح والأظهر۔ (کبیر)

تقول العرب فلان على الطريقة المثلى يعنون على الهدى المستقيم (قرطبی)

اى الاشبه بالحق۔ (ابو البقاء)

یعنی ہمارا یہ نظام جس سے ہم خوب روشناس ہیں۔

غرض حضرت موسیٰؑ کے باب میں جو سرکاری تشخیص، فرعون اور اس کی گورنمنٹ کی جانب سے پہلے ہی ہو چکی تھی ساحروں نے بھی اس سے اتفاق کیا۔

ھٰذٰن۔ تثنیہ کے اس اعراب پر بھی بحث ہوئی ہے ملاحظہ ہو "اعراب القرآن" (عکبری) اور تفسیر "روح المعانی" وغیرہما۔

۶۶؎ (اور کوئی بات اٹھا نہ رکھو)۔

یعنی لا تدعوا شيئا الا جئتم به۔ (کبیر)

فاجمعوا۔ سے ایک مراد تو وہی ہے جو اردو میں جمع ہو کر، مل کر، سب کے اکٹھے ہونے سے ہوتی ہے۔ اور یہی معنی زجاج لغوی نے لئے ہیں۔

ليكن عزمكم كلكم كاليد مجمعا عليه لا تختلفوا۔ (کبیر عن الزجاج)

اور دوسرے معنی یہ کہ خوب مضبوط ہو کر نکلو۔ اور یہ معنی فراء لغوی سے منقول ہیں۔

الاجماع الاحكام والعزيمة على الشئ (کبیر عن الفراء)

الاجماع الاحكام والعزم على الشئ۔ (قرطبی)

۶۷؎ (آج ہی تو ہماری قوم اور ہمارے دین و تہذیب کی موت و زیست کا مسئلہ طے ہونا ہے)

"صف بہ صف" یعنی سب مل کر آپس میں ایک دوسرے کو غیرت دلائی کہ آج تو ہمارے فن پر حملہ ہے، فن کی عزت کا سوال ہے، اس کا تحفظ ہم سب پر واجب ہے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾

(پھر) بولے کہ اے موسیٰ (پہلے) آپ (اپنا عصا) ڈالیں گے یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے بنیں؟ ۶۸

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ

(موسیٰ نے) کہا نہیں تم ہی ڈال چلو ۶۹ پس یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں

سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾

اُن کے جادو کے زور سے ایسی نظر آنے لگیں گویا کہ وہ دوڑ پھر رہی ہیں ۷۰

دوسرا پہلو صفاً میں بھی یہی ہے کہ خوب شان و شوکت کے ساتھ آج اس جدید مدعی و حریف پر حملہ کرو۔

۶۸ ساحر حضرت موسیٰؑ سے دریافت کر رہے ہیں (جیسا کہ آج بھی کھلاڑی مقابلہ کے وقت دریافت کرتے ہیں) کہ کہئے پہلی باری کس کی رہے گی؟ یا دوسری اصطلاح میں پہلا وار کس کا ہوگا؟ یہ ساحر حضرت موسیٰؑ سے القاء سحر کی اجازت نہیں طلب کر رہے ہیں۔ اجازت دینے کے قابل وہ انھیں سمجھتے ہی کب تھے۔ القاء سحر پر تو وہ کمر لستہ تھے ہی، دریافت صرف اتنا کر رہے ہیں کہ پہلی بازی کس کی ہوگی۔

۶۹ حضرت موسیٰؑ بے نیازی سے جواب دیتے ہیں کہ تم ہی پہلا وار کر دیکھو۔ پہل کر دیکھو اپنا حوصلہ پہلے ہی نکال لو۔ ظاہر ہے کہ یہاں حضرت موسیٰؑ کی طرف سے اجازت یا حکم کا کوئی موقع ہی نہیں۔ سوال تو صرف تخییر کا تھا۔ اور آپ نے دونوں پہلوؤں میں سے وہ شق اختیار کرلی، جو حق کے واضح کرنے میں زیادہ معین ہونے والی تھی۔ اور بالفرض اگر آپ القاء سحر کی اجازت بھی دے دیتے جب بھی مقصود تو آپ کا احقاق حق ہی تھا، اور یہ القاء سحر اس کا ایک مقدمہ تھا ــــ ایسی صورت میں اگر آپ اپنی طرف سے اس کا امر بھی کر دیتے، جب بھی مطلق کوئی مضائقہ نہ تھا ــــ یہاں سے یہ سبق بھی حاصل ہوا کہ احقاق حق کی غرض و مقصد سے اگر کچھ دیر کے لئے باطل کے ظہور و شیوع کو انگیز بھی کرنا پڑے تو جائز ہی نہیں بلکہ ایک خدمت دینی بھی ہے۔ اور اہل باطل سے مناظرہ میں یہ کرنا بھی پڑتا ہے۔

۷۰ (سانپ کی طرح)

یخیل الیہ۔ یہ لفظ بہت قابل غور ہے۔ "حضرت موسیٰؑ کو ایسا لگا"۔ "حضرت موسیٰؑ کے خیال میں"۔ یہ نہیں کہ وہ لاٹھیاں اور رسیاں واقعی سانپ بن گئی تھیں۔

حتی ظن انہا تسعیٰ (قرطبی)

توریت میں ہے:۔

"ہارون نے اپنا عصا فرعون اور اس کے خادموں کے آگے پھینکا، اور وہ سانپ ہوگیا تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو طلب کیا، چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا کہ

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ

اس سے موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ اندیشہ محسوس کیا۔ ۷۱ھ ہم نے کہا ڈرو نہیں۔ غالب تو

اَنْتَ الْاَعْلٰی ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ط

یقیناً تم ہی رہو گے ۷۲ھ اور یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو (عصا) ہے اسے ڈال دو اس (سوانگ) کو وہ نگل

اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ ط وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ﴿۶۹﴾

جائیگا جو انھوں نے بنا کھڑا کیا ہے، یہ انھوں نے تو بس جادو کا سوانگ بنا کھڑا کیا ہے، اور جادوگر جہاں جائے کامیاب نہیں ہوتا ۷۳ھ

ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا، اور وہ سانپ ہو گیا۔ (خروج۔ ۷: ۱۰-۱۱)
اس سے قطع نظر کہ توریت میں عصا بجائے موسیٰ علیہ السلام کے ہارون علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے، توریت و قرآن مجید کے بیان میں بڑا فرق یہ ہے کہ توریت میں سحر کے اثر سے رسیوں کا اور لاٹھیوں کا سانپ بن جانا مذکور ہے۔ بہ خلاف اس کے قرآن میں صرف اتنا ہے کہ ساحروں کی نظربندی کے اثر سے حضرت موسیٰ کو (یا اور دیکھنے والوں کو بھی) وہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑتی پھرتی نظر آئیں، ان کے واقعۃً سانپ بن جانے کا قرآن مدعی نہیں

۷۱ھ (کہ یہ بات ہی کیا ہوئی جبکہ انھوں نے بھی سانپ بنائے اور میرا عصا بھی سانپ ہی بہرحال بنے گا)
خیفۃ۔ وہ حالت ہے جو قلب میں خوف سے پیدا ہوتی ہے۔
الخیفۃ الحالۃ التی علیھا الانسان من الخوف (راغب)
خیفۃ کا نکرہ ہونا دلیل ہے اس کی کہ یہ اندیشہ کچھ بہت زیادہ نہیں تھوڑا ہی سا پیدا ہوا تھا۔
التنکیر للتقلیل (تھانوی)
والتنوین للتحقیر۔ (روح)
خوفناک شے سے یہ وقتی احساس خوف تمام تر ایک امر طبعی جبلی تھا، اور مرتبۂ نبوت کے کسی طرح منافی نہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں اثبات ہے اس کا کہ حضرت موسیٰ اپنے کمال کے مدعی نہ تھے، مدعی کمال کو خوف نہیں ہوتا۔

۷۲ھ معاً تسکین غیب سے دی گئی کہ نہیں۔ تم کچھ پروا نہ کرو، فتح تمہاری اور حق ہی کی ہوگی۔ اور تسکین بھی کس تاکید اور قطعیت کے ساتھ۔ ایک تو حرف اِنَّ خود تاکید کا، پھر ضمیر مخاطب کی تکرار، پھر اعلیٰ پر لام معرفہ کا۔ اور پھر خود لفظ اعلیٰ کہ عُلا، غلبۂ نمایاں ہی کو ظاہر کرنے والا ہے۔ (کبیر)

۷۳ھ (معجزہ کے مقابلہ میں)
پیمبر وقت سے ارشاد یہ ہوا کہ تمہارے مقابل جو کچھ ہے وہ دھوکے کی ٹٹی ہے، حقیقت سے خالی محض نمائش ہے، گڑھا ہوا سوانگ ہے، اس کی بساط ہی کیا۔ حق کی مضبوط چٹان کے مقابلہ میں یہ کہیں ٹھہر سکتا ہے۔

فَاُلۡقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوۡنَ وَمُوۡسٰی ﴿۷۰﴾

پھر تو جادوگر سجدہ میں گر گئے ۴۷۴ اور بول اٹھے ہم تو ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر۔

قَالَ اٰمَنۡتُمۡ لَهٗ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَكُمۡ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيۡرُكُمُ الَّذِىۡ عَلَّمَكُمُ

(فرعون نے) کہا تم اس (موسیٰ) پر یقین لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمھیں اجازت دوں؟ بے شک وہ تمھارا بھی بڑا (اور استاد) ہے

السِّحۡرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ

جس نے تمھیں بھی جادو سکھایا ہے سو (اب) میں تمھارے ہاتھ پیر کٹواتا ہوں الٹی طرف سے ۴۷۵

والمعنی ان الذی معك یا موسیٰ معجزۃ إلٰھیة والذی معھم تمویھات باطلة فکیف یحصل التعارض (کبیر)

صنعوا۔ یہاں بنا کھڑا کرنے کے معنی میں ہے۔

صنعوا ھھنا بمعنی زوّروا (کشاف۔ بیضاوی)

التعبیر عنھا بما صنعوا للتحقیر والایذان بالتمویه والتزویر (روح)

ساحر اور الساحر دونوں سے آیت میں مراد عدد نہیں جنس ساحر ہے۔ اسی لیے لفظ قصداً صیغۂ مفرد میں لایا گیا ہے۔

لم وحد ساحر ولم یجمع لان القصد فی ھٰذا الکلام الی معنی الجنسیة لا الی معنی العدد فلو جمع لخیل ان المقصود ھو العدد (کشاف۔ مدارك)

کید ساحر کے ساتھ ساحر نکرہ آیا ہے مراد وہ خاص سحر ہے جس سے ان فرعونی ساحروں نے کام لیا تھا۔ اور لا یفلح الساحر میں الساحر معرفہ ہے مراد یہ ہے کہ جنس ساحر میں جو جمیع اقسام سحر کے حامل ہیں۔ (کبیر)

۴۷۴ (جب انھوں نے دیکھ لیا، کہ ان کا سارا سوانگ اکارت ہی گیا۔ اور حضرت موسیٰ کا اژدہا اُن کے سارے سانپوں کو نگل گیا، اور سمجھ گئے کہ یہ کرامت و اعجاز ما فوق السحر ہے۔)

مرشد تھانوی نے ان الفاظ سے یہ نکالا کہ عمل اختیاری موقوف ہے توفیق الٰہی پر، اور اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ حق تعالیٰ کے الطاف جس بندہ کو چاہیں غایت کفر و عناد سے نہایت ایمان تک پہونچا دیں۔

۴۷۵ یعنی ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں، حاشیہ سورۂ اعراف آیت ۱۲۴ میں گزر چکا۔

قبل سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ اجازت مانگنے کے بعد وہ اجازت ایمان لانے کی دے دیتا۔ معنی صرف "بدون" یا "بغیر" کے ہیں۔ جیسے سورۂ کہف کی آیت قبل ان تنفد کلمات ربّی الخ (۱۰۹) کا یہ مفہوم نہیں کہ کلمات رب کہیں ختم بھی ہو سکیں گے، بلکہ قبل کے معنی بدون یا بغیر ہی کے ہیں۔

قالوا.... موسیٰ ایمان تازہ کے جوش میں یہ فقرہ بے اختیار ساحروں کی زبان پر آگیا۔

وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا

اور تمہیں کھجور کے درختوں پر سولی چڑھاتا ہوں۔ ۷۶ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں کس کا

وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ

عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے ۷۷ (جادوگر) بولے کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ دیں گے ان شواہد کے مقابلہ میں جو ہم کو

فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ؕ

مل چکے ہیں اور اس ہستی کے جس نے ہمیں پیدا کیا۔ تو کر ڈال جو کچھ تجھے کرنا ہے! تو تو بس اس دنیا ہی کی زندگی میں (جو کچھ کرنا ہے) کر سکتا ہے ۷۸

قال اٰمنتم الخ فرعون قاہر و جابر اپنی ادنیٰ رعایا کی یہ حرکتیں دیکھ کر غصہ سے آگ ہوگیا، اور یہ تقریر اسی عالم میں اس نے کی۔

اٰمن لہ و اٰمن بہ میں جو فرق ہے اس پر حاشیہ کہیں پہلے گزر چکا۔

۷۶ (تاکہ دوسرے بھی عبرت حاصل کریں)

لاوصلّبنّکم .... النخل۔ سولی دینے کی سزا دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے، اور جب تک متمدّن حکومتوں نے سولی گھر نہیں بنوائے تھے، قدیم ترین طریقہ یہی درختوں پر لٹکا دینے کا تھا اور کھجور کے درخت مصر میں عام تھے۔

اور یہ ہاتھ پیر الٹی طرف سے کاٹنے کی سزا گو آج "وحشیانہ" معلوم ہو لیکن قدیم قوموں کا معمول عام رہی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ اعراف کا حاشیہ ۱۶۰

۷۷ یعنی ایک طرف میری حکومت کا عذاب اور دوسری طرف موسٰیؑ، ان کی جماعت اور ان کے خدا کا عذاب ——— فرعون اب بھی حضرت موسٰیؑ کو بے یار و مددگار سمجھ رہا تھا۔ قوت و اقتدار کی زبان یہی ہوتی ہے، جو فرعون کی تھی۔ اور وہ تو اپنے زعم و پندار میں ایک مطلق العنان خدائی کا مجسمہ تھا۔

۷۸ (جو بہرحال آنی و فانی ہے)

ساحر اتنی ہی دیر میں ایمان کی برکتوں سے پوری طرح مشرف اور عزم و ارادہ کے پختہ ہو چکے تھے۔ ایمان کی حلاوت اُن کے رگ و پے میں نفوذ و سرایت کر چکی تھی، اور عقیدۂ آخرت ان کی ذہنیت کا جزء بن چکا تھا ——— اس درجہ جرأت و بے خوفی بس ایمان کامل ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔

البیّنٰت۔ یہ کھلی ہوئی شہادتیں ہر ایک کے معیار و مذاق کے مطابق الگ الگ ہوتی ہیں۔ بہرحال اتنی ہی دیر میں ساحروں کو یقین محکم حاصل ہو چکا تھا کہ ان کے علم و فن سے وہ حقیقت کہیں بالاتر ہے جسے پیغمبر وقت لے کر آئے تھے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ استعداد کا کامل ہونا بندی کو منتہی کے مقام پر پہونچا دیتا ہے۔ چنانچہ

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ

ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے، تاکہ وہ ہمیں ہماری خطائیں معاف کردے اور جو زور تو نے ہم پر جادو کے باب میں

السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا

ڈالا۔(اس کو بھی) ۷۹ اور اللہ ہی بہتر ہے اور پائندہ ہے۔ ۸۰ بے یہ کہ جو کوئی بھی اپنے پروردگار کے پاس مجرم

فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ

ہو کر حاضر ہوگا، تو اس کے لئے دوزخ ہے۔ اس میں وہ نہ مرے گا، اور نہ جیئے گا۔ ۸۱ اور جو کوئی اس کے

مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾

پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں، سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں۔ ۸۲

یہ جواب ساحروں کے منتہی ہونے کی دلیل ہے۔

۷۹ وہ ساحر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر از خود اور اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے، سرکار کی دعوت پر بلکہ سرکار کے بھیجے ہوئے آئے تھے۔ پیمبر حق سے مقابلہ و معارضہ ان کا تازہ ترین قصور تھا، اس کا اعتراف اور اس سے استغفار انھوں نے خصوصیت کے ساتھ کیا۔

۸۰ (اور تجھ میں نہ بذات خود خیر و خوبی اور نہ تیری سزا و انعام کو بقا)

خیرٌ۔ اللہ بہتر ہے اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے۔

فی حد ذاتہ تعالٰی۔ (روح)

ابقیٰ۔ "اللہ پائندہ ہے" عذاب و ثواب دینے کے لحاظ سے۔

ادوم جزاء ثوابا کان او عقابا۔ (روح)

۸۱ "نہ جیئے گا"۔ یعنی اگر کہنے کو زندگی بھی ہوگی تو بھی شدت عذاب و فرط آلام سے اُس دوزخی زندگی پر زندگی کا بھی اطلاق مشکل ہی سے ہوگا۔

مجرمًا۔ مجرم یہاں مومن کے مقابلہ میں آیا ہے یعنی جرم بغاوت کا مجرم یا کافر۔

مجرمًا۔ ای کافرًا (مدارک)

ای کافرًا (جلالین)

ای مشرکًا۔ (معالم)

۸۲ اوپر سے ذکر صیغۂ واحد میں چلا آرہا تھا، من یات ربہ مجرمًا۔ من یاتہ مومنًا وغیرہ۔ اب اولٰئک لھم صیغۂ جمع بہ لحاظ معنی آگیا۔

جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ

(یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے ندیاں پڑی بہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ع ۳ / ۲۲ / ۱۲

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنۡ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَلَقَدۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰٓى ۙ

اور یہی ہے انجام اس کا جو پاک ہوا ۵۸۳ اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو

اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِىۡ فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيۡقًا فِى الۡبَحۡرِ يَبَسًا ۙ

راتوں رات لے جاؤ ۵۸۴ پھر ان کے لئے سمندر میں (عصا مار کر) خشک راستہ بنا لینا تم کو اندیشہ

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخۡشٰى ﴿۷۷﴾

نہ پالئے جانے کا ہوگا، اور نہ تم کو (اور کوئی) خوف ہوگا ۵۸۵

الجمع باعتبار معناها۔ (روح)

امام رازی نے یہاں یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ یہ درجات عالیہ (الدراجات العلی) تو ان ہی لوگوں کے لئے ہیں، جو مومن کامل اور اعمال صالحہ میں راسخ ہیں۔ باقی ان درجات عالیہ سے اتر کر جو مرتبہ محض نجات وعفو کا ہے' وہ ان کلمہ گویوں کو حاصل ہوگا۔ جو اتنے اونچے معیار پر پورے نہیں اترتے، بلکہ ایمان کے ساتھ صاحب کبائر ہیں۔

وفی الایۃ تنبیہ علی حصول العفو لاصحاب الکبائر لانہ تعالیٰ جعل الدرجات العلی من الجنۃ لمن اتی ربہ بالایمان والاعمال الصالحۃ فسائر الدرجات التی ھی غیر عالیۃ لابد ان تکون بغیرھم وما ھم الا العصاۃ من اھل الایمان۔ (کبیر)

۵۸۳ (چنانچہ ساحروں نے بھی اس قانون الٰہی کے ماتحت کفر کو چھوڑ کر ایمان اختیار کیا)
تزکّٰی۔ یعنی کفر ومعصیت سے پاک ہوا۔

۵۸۴ (ملک مصر سے باہر شام وفلسطین کے لئے)
اب یہ اس وقت کا ذکر ہے، جب گزشتہ واقعات، ساحروں کے مقابلہ وغیرہ کو ایک عرصہ ہو چکا ہے، اور فرعون اور حکومت فرعون پر حضرت موسیٰؑ وہارونؑ کی ساری تبلیغی کوششیں بے اثر رہ چکی ہیں۔
بعبادی۔ میرے بندوں' سے سیاق عبارت میں مراد ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل ہیں' اور یہ اظہار خصوصیت ویگانگت کے لئے ہے۔

۵۸۵ یعنی پانی پر عصا مارنا، تو یہ طور اعجاز سمندر میں خشک راستہ تمہاری قوم کے عبور کے قابل بن جائیگا۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾

پھر فرعون نے اپنے لشکروں سمیت ان کا پیچھا کیا ۵۸۶ تو دریا جیسا اُن پر آ ملنے کو تھا آ ملا۔ ۵۸۷

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ

اور فرعون نے تو اپنی قوم کو گمراہ ہی کیا تھا اور سیدھی راہ پر نہ لایا ۵۸۸ اے بنی اسرائیل (دیکھو) ہم نے

مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ

تمھیں تمھارے دشمن سے نجات دی۔ اور تم سے وعدہ کیا طور کی داہنی جانب سے متعلق اور تمھارے اوپر

الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا

من وسلویٰ اتارا۔ ۵۸۹ ان نفیس چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس

تَطْغَوْا فِيْهِ

باب میں حد سے مت گزر جاؤ ۵۹۰

البحر۔ سمندر سے مراد بحر احمر کا شمالی خلیج ہے۔ مفصل حواشی اس پر سورۂ بقرہ آیت نمبر ۵۰ کے تحت میں گزر چکے۔

۵۸۶ (وہ ساحل بحر پر اس وقت پہنچا، جب بنی اسرائیل حسب وعدۂ الٰہی پار ہو چکے تھے، اور راستہ ہنوز اسی حالت میں تھا)

تفصیلات توریت میں درج ہیں۔ (خروج ۱۴ : ۶، ۷، ۸، ۲۳)

۵۸۷ یعنی سمندر کا رکا ہوا اور کھڑا ہوا پانی ہر طرف سے امڈ کر اور سمٹ کر آ گیا۔ اور فرعونی لشکر غرق ہو کر رہ گیا، تفصیل توریت میں درج ہے۔ (خروج ۱۴ : ۲۸)

نیز ملاحظہ ہوں سورۂ بقرہ آیت نمبر ۵۰ کے حاشیے۔

۵۸۸ (سو ایسے باغی طاغی کا ڈوب مرنا ہی خوب ہوا)

فرعون کی رہنمائی آخرت میں جو رنگ لائیگی، وہ تو مستقبل کی چیز ہے، باقی دنیوی حیثیت سے اس کا انجام یہیں سب نے دیکھ لیا، کہ آخر ہلاکت ہی پر ہوا۔

۵۸۹ (دشت تیہ میں)

من وسلویٰ۔ پر حاشیے سورہ بقرہ آیت نمبر ۵۷ میں گزر چکے، اور طور پر سورۂ بقرہ آیت نمبر ۶۳ میں اور الطور الایمن پر حاشیہ سورۂ مریم آیت نمبر ۵۲ کے تحت گزرا ہے۔

فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾

ورنہ تم پر میرا غضب واقع ہو جائے گا۔ اور جس پر میرا غضب واقع ہوا وہ یقیناً گر کر رہا۔ ۹۱ف

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾

اور میں تو بڑا بخشنے والا ہوں اس کا جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور عمل نیک کرنے لگے اور پھر راہ پر قائم (بھی) رہے۔ ۹۲ف

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾

اور اے موسیٰ آپ کو اپنے لوگوں سے آگے جلدی آنے کا کیا سبب ہوا۔ ۹۳ف

وٰعدنا۔ وعدہ یہ کہ تمہارے پیمبر اور تمہارے اکابر یہاں آئیں اور تمہارے لئے احکام وہدایات یہاں سے لے جائیں۔

۹۰ف حد سے مراد حد شرعی ہے، اور اس سے گزرنے کی ایک صورت تو یہی ہے کہ حرام چیزیں استعمال میں لائی جائیں۔ اور دوسری یہ کہ اللہ کی نعمتیں کھا کھا کر اس کی معصیت کی جائے۔

الطیبٰت سے مراد وہ کل چیزیں ہیں جو شرعاً حلال ہیں اور طبعاً لذیذ ہیں۔

ای من لذیذ الرزق۔ (قرطبی)

کلوا۔ یہاں بطور حکم نہیں، بہ طور اجازت ہے۔

لیس امر ایجاب بل امر اباحۃ (کبیر)

۹۱ف (قعر جہنم میں) یعنی بالکل گیا گزرا ہوا۔

ھوٰی کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ پہاڑ سے گرا اور ہلاک ہو گیا۔

ھلک اصلہ ان یسقط من جبل فیھلک۔ (کشاف)

یہاں مراد ہلاک و برباد ہو جانے سے ہے۔

ای تردی وھلک (بیضاوی)

قال الزجاج فقد ھلک ای سار الی الھاویۃ وھی قعر النار۔ (قرطبی)

۹۲ف توبہ اور ایمان اور عمل صالح تو اس کے متعلق ہو سکتے ہیں، جو پہلے ہدایت پا چکا۔ اس لئے ثم اھتدی سے مراد ہدایت پانا نہیں، بلکہ ہدایت پر قائم رہنا ہے۔ اور اھتداء کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔

الاھتداء ھو الاستقامۃ والثبات علی الھدی (کشاف)

ای بمعنی مستعینًا باللہ فی ادامۃ ذلک من غیر تقصیر (کبیر۔ عن ابن عباس)

ای اقام علی ایمانہ حتی مات علیہ قال سفیان الثوری وقتادۃ وغیرھما (قرطبی)

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾

(موسیٰ نے) عرض کیا کہ وہ لوگ تو یہ کیا میرے پیچھے (پیچھے آ) رہے ہیں ۹۴ اور میں تو تیرے پاس اے میرے پروردگار اس لئے جلدی چلا آیا کہ تو خوش

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ

ہو جائے گا ۹۵ (اللہ نے) کہا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے بعد ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے ۹۶

محض کثیر المغفرت ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن امام رازی نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ جس طرح بندہ کے لئے اس کی کثرت ذنوب کی بنا پر تین درجے ہوسکتے ہیں، ایک ظالم، دوسرا ظلوم، تیسرے ظلام۔ حق تعالیٰ نے بھی اس کے مقابل اپنے تین نام رکھے ہیں، ایک غافر، دوسرے غفور، تیسرے غفار۔

ھٰھنا نکتۃ وھی ان العبد لہ اسماء ثلاثۃ الظالم والظلوم والظلام واللہ فی مقابلۃ کل واحد من ھذہ الاسماء اسم فکأنہ تعالیٰ یقول ان کنت ظالما فانا غافر وان کنت ظلوما فانا غفور وان کنت ظلاما فانا غفار۔ (کبیر)

۹۴ اس مکالمہ کا وقت وہ ہے جب حضرت موسیٰؑ کو مع منتخب سرداران بنی اسرائیل طور پر حاضری کا حکم ملا ہے۔ آپ خود تو فرط اشتیاق سے پہلے پہنچ گئے ہیں، اور وہ لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔

قوم۔ سے یہاں مراد وہی ستر سرداران قوم ہیں، جو آپ کے ساتھ ہو کر پہاڑ کے لئے چلے تھے۔

بالقوم النقباء (کشاف)

والمراد ھنا عن کثیر النقباء السبعون (روح)

توریت میں ان ستر منتخب سرداروں کا قصہ موجود ہے۔ (خروج ۲۴: ۹، ۱۳، ۱۴)

اہل اشارات نے کہا ہے کہ اس میں اشارہ ہے حضرت کلیمؑ کے وفور شوق و اضطراب کی جانب۔

۹۵ (اور کچھ دور نہیں ہیں)

یہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے رفیقوں کی گویا سفارش میں اور ان کا جرم ہلکا کرنے کو کہا۔

۹۶ (اور زیادہ)

لترضیٰ۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے اجتہاد سے یہ خیال کیا کہ وعدہ گاہ پر حاضری میں پیش قدمی کرنا اور زیادہ خوشنودی کا سبب ہوگا۔

عن قتادۃ قال شوقا۔ (قرطبی)

اللہ اللہ! اہل اللہ رضائے الٰہی کی دولت کے سمیٹنے اور جمع کرنے میں کتنے حریص ہوتے ہیں!

الیک (تیرے پاس) سے مراد ہے تجھ سے مکالمت و مخاطبت کے وعدہ کی جگہ۔

فقہاء نے آیت سے جواز اجتہاد کا استنباط کیا ہے۔

وھذا دلیل علی جواز الاجتھاد۔ (مدارک)

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ

اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔۹۷ غرض موسیٰ اپنی قوم کے پاس آئے غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے ۹۸

۹۶ (بہ طور مسبب الاسباب کے۔ بہ حیثیت فاعل تکوینی کے)

اس آزمائش میں ڈالنے کو مرضی حق سے کوئی تعلق نہیں اور یہ بالکل اسی طرح اور اسی معنی میں صحیح ہے، جس طرح اور جس معنی میں اللہ ہر بیماری، ہر آزار، ہر زہر کا بھی خالق ہے۔ یعنی محض اسباب تکوینی کے محرکِ اول ہونے کی حیثیت سے۔

توریت میں ہے:۔

"تب خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ اتر جا، کیونکہ تیرے لوگ جنھیں تو مصر کے ملک سے چھڑا لایا خراب ہو گئے ہیں، وہ اس راہ سے جو میں نے انھیں فرمائی جلد پھر گئے ہیں، انھوں نے اپنے لئے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا اور اس کے لئے قربانی ذبح کرکے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے، جو تمہیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا۔" (خروج ۳۲: ۷، ۸)

۹۷ (نہ کہ معاذ اللہ ہارون نبی نے)

سامری اس شخص کا نام نہیں، لقب سے منسوب ہے۔ ہمارے قدیم مفسرین کی تحقیق کے بموجب قریہ سامرہ کی طرف، یعنی وہاں کا باشندہ "ممکن ہے کہ اس کا باپ دادا سامرہ سے بنی اسرائیل میں آبسا ہو، اور بعد الحاق انھیں میں شمار کیا جاتا ہو" (تھانوی)

بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ قدیم مصری زبان میں سمر کہتے ہیں پردیسی، غیر ملکی، بیرونی کو، سامری سے مراد ہے کوئی شخص جو غیر اسرائیلی تھا، اور مصر سے اسرائیلیوں کے ساتھ ہو گیا تھا۔ یہود کے ہاں کے ایک مستقل فرقہ کا نام بھی سامریہ (SAMARITANO) ہے۔ ان کی توریت اور سارے مذہبی صحیفے یہود کے مسلم و متعارف توریت اور دوسرے صحیفوں سے کسی قدر مختلف ہیں، اور انھیں ناز اپنی توحید خالص پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قرآن کے السامری اور اس فرقہ کے درمیان بھی کوئی علاقہ ہو۔ لیکن یہ فرقہ جہاں تک تاریخ یہود سے پتہ چلتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاصر نہیں، بہت بعد کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

قرآن مجید کو سامری کی تصریح کی ضرورت اس لئے بھی پڑی کہ اہل توریت نے خواہ مخواہ اس واقعہ اضلال کی ساری ذمہ داری حضرت ہارونؑ پر ڈال دی، اور اللہ کے اس نبی محترم کو (نعوذ باللہ) اتنے بڑے جرم شرک اور صنم پرستی کا مجرم بنا دیا۔

الفاظ توریت ملاحظہ ہوں:۔

"اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ پہاڑ سے اترنے میں دیری کرتا ہے تو وہ ہارون کے پاس

قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ۥ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ

(اور) بولے اے میری قوم والو کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا ۹۹ سو کیا تم پر (وعدہ سے) زیادہ

الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ

زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کا غضب واقع ہو کر رہے، اس لئے تم نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا،

مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ

اسی کی خلاف ورزی کرنے لگے ۱۰۰ وہ بولے ہم نے آپ سے وعدہ خلافی اپنی خوشی سے نہیں کی۔ البتہ ہوا یہ کہ ہم پر قوم

اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

(قبط) کے زیوروں سے بوجھ لدر ہا تھا سو ہم نے اسے ڈال دیا ۱۰۱ پھر اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیا ۱۰۲

جمع ہوئے اور اسے کہا کہ اٹھ ہمارے لئے معبود بنا کہ ہمارے آگے چلیں، کیونکہ یہ مرد موسٰی جو ہمیں مصر کے ملک سے نکال لایا، ہم نہیں جانتے کہ اسے کیا ہوا، ہارون نے انھیں کہا کہ زیور سونے کے جو تمہاری جوروؤں اور تمہارے بیٹوں اور تمہاری بیٹیوں کے کانوں میں ہیں، توڑ توڑ کے مجھ پاس لاؤ، چنانچہ سب لوگ سونے کے زیور جو اُن کے کانوں میں تھے، توڑ توڑ کر ہارون کے پاس لائے، اور اس نے ان کے ہاتھوں سے لیا اور ایک بچھڑا ڈھال کر اس کی صورت حکاکی کے ہتھیار سے درست کی' اور انھوں نے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمہارا معبود ہے جو تمہیں مصر کے ملک سے نکال لایا، اور جب ہارون نے یہ دیکھا تو اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور ہارون نے یہ کہہ کے منادی کی کہ کل خداوند کے لئے عید ہے، اور وہ صبح کو اٹھے اور سوختنی قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گزرانیں (خروج ۳۲: ۱-۶)

لیکن اکابر یہود ہی کی روایتوں میں پایا جاتا ہے کہ اس گوسالہ پرستی کی طرف جانے والا شخص حضرت ہارونؑ کیا معنی کوئی بھی اسرائیلی نہ تھا۔ بلکہ ایک مصری شخص تھا، جو اسرائیلیوں کے ساتھ مصر سے باہر نکل آیا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۹۸ (جیسا کہ غیرت دینی سے ہونا بھی چاہئے تھا)

توریت میں ہے:۔

"یوں ہوا کہ جب وہ لشکرگاہ کے پاس آیا اور بچھڑا اور ناچ رنگ دیکھا تب موسٰی کا غضب بھڑکا"۔ (خروج ۳۲: ۱۹)

۹۹ (جو یقیناً پورا ہونے والا تھا)

وہ وعدہ نزول شریعت کا تھا جس کے لئے حضرت موسٰی کو طور پر طلب ہوئے تھے۔

۱۰۰ وہ وعدہ بھی اسی توحید پر قائم رہنے کا تھا۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ

پھر (سامری نے) ان لوگوں کے لئے ایک گوسالہ ظاہر کر دیا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی سو وہ لوگ (آپس میں)

مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۥ

کہنے لگے یہی ہے تمہارا (بھی) دیوتا اور موسیٰ کا بھی سو وہ تو (اسے) بھول گئے [۱۰۳] کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ

وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ ع وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ ع ۴ ۱۴ ۱۳

نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان یا نفع پر قدرت رکھتا ہے [۱۰۴] اور ان لوگوں سے ہارون نے

قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ

قبل ہی کہا تھا اے میری قوم والو تم اس کے باعث گمراہی میں پھنس گئے ہو۔ اور بے شک تمہارا پروردگار خدائے رحمٰن ہے

وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾

سو تم میری پیروی کرو، اور میرا حکم مانو [۱۰۵]

حضرت موسیٰ ناگواری اور حیرانی کے لہجہ میں اپنی قوم سے خطاب کر رہے ہیں کہ آخر یہ حرکت کیا تھی؟ تمھیں سوجھی کیا؟ کیا مجھے گئے ہوئے اتنا زمانہ گزر گیا تھا کہ تم میری واپسی سے بالکل مایوس ہوگئے تھے؟ یا یوں ہی بلا کسی وجہ کے تم پر خود ہی شامت سوار ہوئی کہ عتاب الٰہی کو دعوت دے کر اپنے یہاں بلا وادیا؟

۱۰۱ (آگ میں سامری کے کہنے کے مطابق)

یہ زیور وہی تھے جو بنی اسرائیل مصر سے نکلتے وقت اہل مصر سے مانگ کر لائے تھے۔

توریت میں ہے:۔

"اور انھوں نے مصریوں سے روپے کے برتن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لئے، اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انھوں نے انھیں عاریت دی۔ (خروج ۱۲: ۳۵، ۳۶)

فرعون اور فرعونیوں کی غرقابی کے بعد شریعت اسرائیلی کی رو سے یقیناً بنی اسرائیل ان زیوروں کے مالک ہوگئے ہوں گے۔

۱۰۲ (اپنے پاس کا زیور)

یعنی ان لوگوں نے سامری کے کہنے میں آکر اپنے اپنے حصہ کا زیور توڑالا تھا ہی اب خود سامری نے بھی اپنے حصہ کا ڈال دیا۔

۱۰۳ (کہ اسے چھوڑ چھاڑ کر طور پر خواہ مخواہ توریت لینے چلے گئے)

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ

وہ لوگ بولے ہم تو اسی (کی عبادت) پر جمے رہیں گے تا آنکہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ آئیں ۱۰۶ (موسیٰ نے) کہا

يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ

اے ہارون ۱۰۷ تمہیں کون سا امر مانع ہوا اس سے کہ میرے پاس چلے آتے جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ بھٹک گئے ہیں؟ تو کیا

اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ

تم نے بھی میرے کہے کے خلاف کیا؟ ۱۰۸ (ہارون نے) کہا اے میرے ماں جائے (بھائی) میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑیے۔ ۱۰۹

فنسی۔ اہلِ ضلال اپنی گمراہی کو حضرت موسیٰؑ کے سر چپکنے سے نہیں چوکتے اور کہتے ہیں کہ غلط فہمی کچھ انہی کو ہوگئی، ورنہ ہمارا دین اور طریقہ تو یہی ہے۔

والمعنی ان ھذا الٰھکم والٰہ موسیٰ فنسی موسیٰ ان ھذا ھو الالٰہ فذھب یطلبہ فی موضع آخر، وھو قول الاکثرین۔ (کبیر)

فغفل عنہ موسیٰ وذھب یطلبہ فی الطور۔ (روح)

۱۰۴ اس گوسالہ پر حاشیے سورۂ بقرہ آیت نمبر ۵۱، ۵۴ اور ۹۲، ۹۳ میں گزر چکے۔

۱۰۵ توریت موجودہ کے اتہامات کے مقابلہ میں قرآن مجید کے لئے ضروری ہوگیا تھا کہ حضرت ہارونؑ کی طرف سے ایسی کھلی ہوئی تبری اور صفائی پیش کی جائے۔ ملاحظہ ہو سورہ اعراف کا حاشیہ نمبر ۲۰۴

ان ربکم الرحمٰن۔ تمہارا پروردگار تو وہ خدائے رحمٰن ہے، نہ کہ یہ گوسالہ۔ تمہیں اس خرافات پرستی سے کیا واسطہ۔

۱۰۶ (اس وقت دیکھا جائے گا کہ وہ کیا کہتے اور کیا کرتے ہیں)

ان بدبختوں کو تھوڑی بہت امید ابھی یہ قائم تھی کہ حضرت موسیٰؑ واپس ہوکر انھیں ان کی حالت ہی پر چھوڑے رہیں گے، اور کوئی دار و گیر نہ کریں گے۔

۱۰۷ پہاڑ سے واپس آتے ہی پہلے تو حضرت موسیٰؑ حالت اشتعال میں اپنی گمراہ قوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اب حضرت ہارونؑ کی طرف مخاطب ہو رہے ہیں جنھیں وہ ذمہ دار اور اپنا نائب و جانشین چھوڑ کر طور پر گئے تھے۔

۱۰۸ (کہ ایسے سخت مجرموں سے پورا مواخذہ نہ کیا)

الا تتبعن۔ میں لا زائد ہے۔ ولا مزیدۃ (بیضاوی)

الا تتبعن۔ تتبعن کے لفظی معنی ہیں کہ میری پیروی کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ میری راہ اختیار کرتے۔ جو میں کرتا وہی تم کرتے۔ بعض نے مراد مقاتلہ لیا ہے۔

ان تتبعنی فی الغضب للہ والمقاتلۃ مع کفر بہ (بیضاوی)

إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَاءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ

مجھے تو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفریق ڈال دی اور میری بات کا

قَوْلِي ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ

انتظار نہ کیا ۱۱۱۰ (موسیٰ نے) کہا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ ۱۱۱۱ وہ بولا مجھے ایسی چیز نظر آئی جو اوروں

يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا

۱۱۱۲

کو نظر نہ آئی تھی سو میں نے (اس) فرستادہ (خداوندی) کے نقش قدم سے ایک مٹھی (خاک) اٹھالی تھی پھر میں نے وہ (مٹی اس قالب کے اندر) ڈال دی تھی

پورے فقرہ سے مراد یہ ہے کہ رجوع کرتے اور میرے پاس طور پر چلے آتے۔

ما منعك ان تلحقني الی جبل الطور (بحر)

ان تاتي عقبي وتلحقني۔ (بیضاوی)

۱۰۹ (بلکہ میرا عذر تو سن لیجئے)

برا سی سے مراد ہے سر کے بال پکڑ کر گھسیٹنا، جیسا کہ شدید اشتعال وغضب کی حالت میں انسان اضطراراً کر گزرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ غصہ تمام تر غیرت دینی سے تھا، اس لئے مباح ہی نہیں بلکہ داخل عبادت تھا۔ ملاحظہ ہو سورہ اعراف آیت ۲۰۴ کا حاشیہ برموقع۔

یبنؤم۔ حضرت ہارونؑ کا یا ابن أم کہہ کر حضرت موسیٰؑ کو مخاطب کرنا جلب شفقت ورافت کے لئے ہے۔ اسرائیلیوں میں دستور بھی اسی طرز تخاطب کا تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۱۰ (بلکہ مفسدین کی آزادی عمل کے لئے میدان خالی چھوڑ دیا)

"حاصل مقام کا یہ ہے کہ یہاں دو اجتہاد ہیں، ایک یہ کہ ترک مساکنت زیادہ نافع تھی، دوسرا یہ کہ ترک مساکنت زیادہ مضر تھی، موسیٰ علیہ السلام کا ذہن اجتہاد اول کی طرف گیا، اور ہارون علیہ السلام کا ذہن دوسرے اجتہاد کی طرف گیا۔" (تھانوی)

آیت سے یہ بھی نکل رہا ہے کہ تفریق امّت بدترین معاصی ہے، حضرت ہارونؑ صریح کفر اور شرک اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں لیکن تفریق اُمّت کے ڈر سے عارضی طور پر اسے بھی برداشت کئے ہوئے ہیں۔ فقہاء نے یہاں سے دو مسئلے اور بھی نکالے ہیں۔ ایک یہ کہ خطاء اجتہادی قابل گرفت نہیں، چنانچہ حضرت ہارونؑ اپنے اجتہاد کو اپنی براءت کی دلیل بتا رہے ہیں۔

دوسرا یہ کہ مامورونائب کو اختیار حاصل ہے کہ حسب مصلحت اپنے فرض منصبی کے انجام آخر میں امیر کے حکم کا انتظار کرے۔

۱۱۱ (تو نے یہ کیا حرکت کر ڈالی؟ تجھے یہ کیا سوجھی؟)

وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِىْ نَفْسِىْ ﴿٩٦﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِى

اور میرے جی کو یہی بات بھائی بھی ۱۱۳ (موسیٰ نے) کہا تو بس تو جا، تیرے لئے (اس)

الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۖ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ

زندگی میں (یہ سزا) ہے کہ تو یہ کہتا رہے کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے ۱۱۴ اور تیرے لئے ایک (اور) وعدہ ہے جو تجھ سے ٹلنے والی

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ

نہیں ۱۱۵ اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو جما ہوا بیٹھا ہے۔

ما طلبك له (کشاف)

ای ما شانك والامر العظیم الصادر عنك (روح)

حضرت موسیٰ حضرت ہارونؑ کی صفائی سے مطمئن ہو کر اب اصل مجرم سامری کی طرف مخاطب ہوتے ہیں

۱۱۲ (جس کے اثر سے اس بچھڑے کے بیجان قالب سے وہ بے معنی آواز نکلنے لگی)

من اثر الرسول سے مراد من اثر فرس الرسول ہے اور مضاف محذوف ہے۔

کما علیہ اکثر المفسرین۔ (روح)

الرسول سے مراد بہ اتفاق مفسرین حضرت جبرئیلؑ ہیں۔ اور یہی تفسیر تابعینؒ و صحابہؓ سے بھی مروی ہے

ھو الماثور عن الصحابۃ والتابعین رضی اللہ عنھم وتبعھم جل اجلۃ المفسرین (روح)

اختلاف صرف ایک ابو مسلم اصفہانی سے منقول ہے۔ ان کے اقوال تفسیر کبیر میں درج ملیں گے۔

بعض اہلِ باطل بھی بڑے مرتاض ہوتے ہیں، اور ریاضتوں سے کشف و اشراق حاصل ہو جاتا ہے کچھ اس طرح یہ شخص سامری معلوم ہوتا ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ اس نے حضرت جبرئیلؑ کو گھوڑے پر سوار دیکھ لیا تھا، اور یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ جہاں ان کے گھوڑے کا سُم پڑتا ہے، گھاس تر و تازہ ہو جاتی ہے۔ اپنی فراست سے کام لے کر اس نے نتیجہ یہ نکالا کہ ان کی سواری کے نقشِ قدم کی مٹی میں تازہ حیات بخشی کی تاثیر ہے۔

محققین صوفیہ کہتے ہیں کہ کشف و تصرف پر ناز کرنے کی کیسی ممانعت اس آیت سے نکل رہی ہے۔

۱۱۳ یعنی میرے پاس اپنے اس فعل کے لئے کوئی دلیل عقلی یا شرعی نہیں یہ سب اپنی خواہش نفس سے کیا کشف و اشراقیت برابر اور بے تکلف عقائد باطلہ اور کفر و شرک کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ اس وقت بھی اس کا مشاہدہ ہندو جوگیوں، عیسائیوں اور فرنگی طرز کے اسپرٹسٹ (SPRITIEST) گروہ اور مسمریزم اور ہپناٹزم اور کلیر وائینس والوں میں باسانی کیا جا سکتا ہے۔

۱۱۴ گویا اسے دنیا میں یہ سزا ملی کہ اسے حکماً اچھوت قرار دیدیا گیا۔ اور ہمارے ہندوستان میں

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ

ہم اسے ابھی جلائے ڈالتے ہیں پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بہائے دیتے ہیں ۱۱۶ تمہارا معبود تو بس وہی (ایک)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ

اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے ہر شے کو (اپنے) علم سے گھیر رکھا ہے ۱۱۷ اسی طرح ہم آپ سے اور (گزرے

مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ ښ مَنْ

ہوئے واقعات کی) خبریں بیان کرتے ہیں، اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے ۱۱۸

یہ جو چھوت چھات کا دستور صدیوں سے نازل ہے، عجب نہیں کہ بہ قول ماضی قریب کے ایک مشہور فاضل مولانا گیلانی قدس سرہٗ کے اس کی اصل بھی اسی سامری کی ”لامساسیت“ سے نکلے۔

فقہاء نے یہاں سے دو مسئلے اخذ کئے ہیں۔ ایک یہ کہ مجرم کے لئے سزائے حبس دوام جائز ہے۔ (لامساس کا مضمون اس میں آگیا) دوسرے یہ کہ مجرم سے اختلاط و ملاقات کا منع کر دینا جائز ہے۔

اہل اشارات نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ جو خطائیں بدون خبث و عزم بغاوت صادر ہو جاتی ہیں، ان سے توبہ کی توفیق بھی اکثر نصیب ہو جاتی ہے۔ جیسے یہاں عام اسرائیلیوں کی خطا توبہ کے بعد معاف ہو گئی، اور سامری کو اب سزا مل کر رہی۔

۱۱۵ (آخرت میں)

ایک سزا تو دنیا میں مل گئی۔ دوسرے عذاب کے لئے ارشاد ہوا کہ اس کا ظہور آخرت میں ہوگا۔

۱۱۶ (کہ اس کا کہیں نام و نشان تک باقی نہ رہ جائے)

فقہاء نے لکھا ہے کہ آثار کفر و شرک کا مٹانا اور ان کی توہین مستحب ہے۔ اور کسی نیت باطل یا ادعائے فاسد کی رعایت ہرگز ضروری نہیں جس طرح گوسالہ میں اثر رسول کی اور مسجد ضرار میں اسم مسجد کی کچھ رعایت نہ کی گئی۔

تعزیہ اور ضریح والے اور عرس اور میلے والے کاش ان حقائق پر غور کریں!

۱۱۷ (اور وہی اپنے بندوں میں سے جس کو جتنا چاہے علم عطا فرمائے)

گوسالہ کی معبودیت کی تردید کرتے کرتے حضرت موسیٰؑ نے اپنی تقریر کو خاص سے عام کر دیا ہے۔ گویا آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اس بیجان گوسالہ کی کیا بساط ہے دنیا کی کوئی چیز بھی معبود بننے کے قابل نہیں ہے، اور دوسری صفات مثلاً قدرت وغیرہ الگ رہیں ایک علم ہی کو لو، اس صفت میں بھی تو کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ کامل علم تو صرف اللہ کا ہے۔

۱۱۸ (جس میں علاوہ اخلاقی ہدایات، قانونی دفعات، معاشری آداب کے، وہ خبریں بھی

اَعۡرَضَ عَنۡهُ فَاِنَّهٗ يَحۡمِلُ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وِزۡرًا ﴿۱۰۰﴾

جو کوئی اس سے روگردانی کرے گا، وہ قیامت کے دن (بڑا) بوجھ اٹھائے ہوگا۔

خٰلِدِيۡنَ فِيۡهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ حِمۡلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى

وہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ قیامت کا دن ان کے لئے بڑا بارگراں ہوگا ۱۱۹؂ جس روز صور پھونکا جائے گا

الصُّوۡرِ وَنَحۡشُرُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ يَوۡمَئِذٍ زُرۡقًا ﴿۱۰۲﴾ صلے يَّتَخَافَتُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ

اور مجرموں کو ہم اس روز یوں جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے ۱۲۰؂ آپس میں چپکے چپکے باتیں

اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا ﴿۱۰۳﴾

کر رہے ہوں گے کہ تم لوگ تو بس دس (ہی دن) رہے ہو گے ۱۲۱؂

درج ہیں)

کذٰلك۔ یعنی اس طرح جس طرح ابھی حضرت موسٰیؑ اور سامری کا قصہ بیان ہو چکا۔

ذکرًا۔ مراد باتفاق مفسرین قرآن سے ہے۔

وتفسیر الذکر بالقرآن هو الذی ذهب الیه الجمهور۔ (روح)

نقصّ.... سبق۔ یعنی ہم ماضی کے ان واقعات و حالات پر آپ کو اس لئے اور مطلع کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی نبوت و صداقت پر دلیلیں اور بڑھتی جائیں۔

۱۱۹؂ یہ بوجھ اور بارگراں ظاہر ہے کہ عذاب الٰہی کا ہوگا۔

عنه۔ یعنی اس نصیحت نامہ کی طرف سے۔ ضمیر "ہ" ذکر کی جانب سے۔

والظاهر ان ضمیر عنه للذکر۔ (روح)

من اعرض عنه۔ یعنی جو کوئی اس ہدایت نامہ پر ایمان نہ لائے گا۔

فیه۔ یعنی اس عذاب الٰہی کے بوجھ کے اندر۔ ضمیر وزرًا کی جانب ہے۔

ای فی ذلك الوزر او فی احتماله (کشاف)

ای فی الوزر المراد منه العقوبة (روح)

ای فی عذاب الوزر۔ (جلالین)

۱۲۰؂ (فرط دہشت و خوف سے)

قرآن کے مخاطبین اول قوم عرب میں نیلی آنکھ خاص طور پر مبغوض و مکروہ سمجھی جاتی تھی، اس لئے کہ ان کے دشمن بنی احمر یا اہلِ روم (یورپ والے) نیلی آنکھیں رکھتے تھے۔ اور اسی لئے ازرق العین

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ ع۱۵ ۱۴

ہم ہی خوب جانتے ہیں (اس مدت کو) جس کی نسبت وہ باتیں کر رہے ہیں جبکہ ان میں کا سب سے زیادہ صائب الرائے یہ کہتا

اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾

ہوگا کہ تم تو بس ایک دن رہے ۱۲۲ اور آپ سے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں ۱۲۳ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان کو بالکل اڑا دے گا

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾

پھر زمین کو مثل میدان چھوڑ رکھے گا۔ کہ اس میں تو نہ کوئی ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی ۱۲۴

ان کے ہاں دشمن کا عام لقب پڑ گیا تھا۔

الزرقة أبغض شیء من الوان العیون إلی العرب لان الروم اعداؤھم وھم زرق العیون ولذلك قالوا فی صفة العدو .... ازرق العین۔ (کشاف)

یوں بھی عرب آنکھ کی زرقت کو منحوس سمجھتے اور اس کی مذمت ہی کرتے تھے۔

والعرب تتشاءم بزرق العیون وتذمه (قرطبی)

زرقا۔ کے دوسرے معنی عمیاء اندھے کے بھی کئے گئے ہیں۔ (راغب۔ کشاف۔ ابن جریر) اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حشر کی کسی منزل میں اہل کفر کی آنکھیں بھی اندھی ہوں گی۔

المجرمین۔ مجرمین سے مراد اہلِ کفر ہیں۔

المجرمین ای المشرکین (معالم)

اھل الکفر باللہ (ابن جریر)

الذین اتخذوا مع اللہ الھا آخر (کبیر عن ابن عباس)

۱۲۱ (قبر یا عالم برزخ میں)

والمراد منه اللبث فی القبر (کبیر)

ما لبثتم فی القبور (روح)

مطلب یہ کہ کافر اس روز فرطِ ہیبت اور دہشت سے آہستہ آہستہ یہ آپس میں کہہ رہے ہوں گے کہ ہمارا اندازہ تو یہ تھا کہ مرنے کے بعد زندہ ہی نہ ہوں گے۔ خیر وہ خیال تو تمام تر باطل تھا ہی۔ زندہ بھی ہوئے تو اس طرح کہ قبر میں بھی دیر تک نہ رہنے پائے بس رہے ہوں گے یہی کوئی دس دن۔ اس مدت کا یہ مختصر معلوم ہونا یوم قیامت کے شدائد اور ہولناکیوں کی بنا پر ہوگا۔ ایک معنی دنیا میں مدت قیام کے لئے گئے ہیں۔

ای فی الدنیا۔ (معالم)

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ

اس روز (سب) بلانے والے کے پیچھے ہولیں گے کہ اس کے سامنے کوئی کجی نہ رہے گی ۱۲۵ اور (ساری) آوازیں

لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ

خدائے رحمٰن کے سامنے دب جائیں گی سو تو بجز ہیبر کی چاپ کے اور کچھ نہ سنے گا ۱۲۶ اس روز شفاعت (کسی کو)

اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾

۱۲۷

نفع نہ دے گی مگر اس شخص کو جس کے حق میں خدائے رحمٰن نے اجازت دے دی ہو اور اسکے حق میں بولنا اس نے پسند کرلیا ہو۔

ای فی الدار الدنیا (ابن کثیر عن ابن عباس)

قوم ارادوا به اللبث فی الدنیا۔ (کبیر عن الحسن۔ وقتادۃ والضحاک)

عشرًا۔ کے مطلق عدد سے مراد دنوں کی تعداد لی گئی ہے۔

الاکثرون علی ان قوله عشرا ای عشرۃ ایام (کبیر)

یُرید عشر لیال (قرطبی)

۱۲۲ امثلهم طریقة۔ یعنی ان میں نسبتاً سب سے بہتر اندازہ کرنے والے۔

ای اعدلهم رایًا وارجحهم عقلاً۔ (روح)

"اس کو صائب الرائے اس لئے فرمایا کہ اس یوم کے طول اور ہول کے اعتبار سے یہی نسبت اقرب ہے پس اس شخص کو حقیقت شدت کا زیادہ ادراک ہوا، اس لئے اس کی رائے پہلے شخص کے اعتبار سے اصوب ہے، اور یہ مقصود نہیں کہ یہ شخص مدت کی مقدار تحدید کرنے میں مصیب ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ دونوں مقداریں تحدیداً صحیح نہیں، اور نہ ان قائلین کا یہ مقصود تھا۔" (تھانوی)

۱۲۳ (کہ قیامت کے دن ان کا کیا حشر ہونا ہے؟)

جاہلوں اور جاہلیوں کا ایک سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی رہتا تھا کہ قیامت کے دن آپ کا اللہ آخر پہاڑ جیسی ٹھوس اور اٹل چیزوں کا کیا کرے گا۔

قالوا علی سبیل الاستهزاء کیف یفعل ربّك الجبال یوم القیامة۔ (روح)

۱۲۴ (مثل ٹیلہ، پہاڑ وغیرہ کے)

خطاب اب یہاں عام ہے، صرف رسول اللہؐ سے نہیں۔

لا ترٰی فیها عوجًا۔ عوج (کسرۂ عین کے ساتھ) وہ خفیف سی ناہمواری ہے جو غور و فکر کے بعد ہی معلوم ہوسکتی ہے۔ یعنی کوئی خفیف سی ناہمواری بھی اس روز باقی نہ رہ جائے گی۔

والعوج یقال فی ما یدرك بالفکر والبصیرة کما یکون فی ارض بسیطٍ۔ (راغب)

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

وہ جانتا ہے سب کے اگلے پچھلے حالات کو اور (لوگ) اس کا (اپنے) علم سے احاطہ نہیں کرسکتے ۱۲۸ الف

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ

اور چہرے جھکے ہوئے ہوں گے حی وقیوم کے سامنے ۱۲۹ الف

ينسفها نسفًا۔ یعنی ریزہ ریزہ کرکے اڑا دے گا۔

۱۲۵ الف یعنی کسی کا ٹیڑھاپن اس کے سامنے نہ چل سکے گا۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس کے حکم میں توقف کرے۔ الداعی سے مراد ہے خدائی بلانے والا یعنی صور پھونکنے والا یا پیکچی فرشتہ۔ سب مردے اپنی قبروں سے نکل نکل کر اس کے پیچھے ہولیں گے۔

اے لایعوج له مدعو بل یستوؤن الیه من غیر انحراف متبعین لصوته (کشاف)

۱۲۶ الف (فرط ہیبت سے)

کمال ہیبت وخوف کے موقع پر جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ مارے ڈر کے گھگھی بندھ گئی۔ عربی محاورہ میں اسی کنایہ سے ادا کرتے ہیں۔

همس کے لغوی معنی ہیں پست اور کھس کھس والی آواز کے۔

وهو الركز الخفي. (کشاف)

اور یہاں مراد پیر کی چاپ سے ہے۔

ای لا تسمع الاخفق الاقدام ونقلها الی المحشر (کشاف)

عن الحسن وابن جریج هو صوت وقع الاقدام بعضها علی بعض الی المحشر. (قرطبی)

روی ذلك عن عكرمة وابن جبير والحسن واختاره الفراء والزجاج. (روح)

۱۲۷ الف مشرک قوموں نے تو اپنے دیوی دیوتاؤں اور اپنے آباء واجداد کو اپنا شافع گڑھ رکھا ہی تھا۔ خود مسیحیت کا سارا دار و مدار ہی عقیدۂ شفاعت وکفارہ پر ہے۔

قرآن نے ہر جگہ اسی مشرکانہ عقیدۂ شفاعت مطلقہ پر ضرب لگائی ہے اور کسی مستقل ومطلق شافع کے وجود سے باربار انکار کیا ہے۔

الّا من اذن له الرحمٰن۔ اسلام جس شفاعت کا قائل ہے اس کی پہلی اور سب سے بڑی شرط خود حق تعالیٰ کی اجازت ہے۔ شفاعت کوئی اپنے ارادہ واختیار سے کر ہی نہیں سکتا صرف وہی کرسکے گا جس کو خود حق تعالیٰ ہی فرمائیں گے۔ گویا یہ شفاعت بھی صرف ظاہری ورسمی ہوگی، ورنہ حقیقۃً تو اللہ ہی کا حکم ہوگا۔

له۔ میں ل تعلیل کا ہے۔

اللّام للتعلیل۔ (بحر۔ روح)

ورضی لہ قولاً یعنی کسی شافع کا بولنا اس شخص کے حق میں منظور کر لیا گیا ہو۔ اس شخص کے حق میں کلمۂ خیر کہنے کی گنجائش ہو، اور گنجائش ظاہر ہے کہ مومن ہی کے لئے نکل سکتی ہے۔

لہ۔ میں ل تعلیل کا ہے۔

ای رضی لاجلہ۔ (روح)

ای انما تنفع الشفاعۃ لمن اذن لہ الرحمن فی ان یشفع لہ۔ (قرطبی)

یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس کے کسی قول کو پسند کر لیا ہو ــــــ اور یہیں سے امام رازی نے شفاعت کی گنجائش فساق اُمّت کے حق میں بڑے زور سے نکالی ہے کہ بڑے سے بڑا فاسق کلمہ گو بھی کلمۂ شہادت کی حد تک قول پسندیدہ اور مقبول کہہ ہی لیتا ہے۔

واعلم أن ھذہ الآیۃ من اقوی الدلائل علی ثبوت الشفاعۃ فی حق الفساق لأن قولہ ورضی لہ قولا یکفی فی صدقہ ان یکون اللہ تعالیٰ قد رضی لہ قولا واحداً من اقوالہ والفاسق قد ارتضی اللہ تعالیٰ قولاً واحداً من اقوالہ وھو شہادۃ ان لا الہ الا اللہ فوجب ان تکون الشفاعۃ نافعۃ لہ۔ (کبیر)

۱۲۸ؔ "اس کا احاطہ نہیں کر سکتے" یعنی اس کے علوم و معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مضاف یعنی معلومات یہاں محذوف ہے۔

ای ولا یحیطون بمعلوماتہ علماً (بحر)

"یعنی ایسا تو کوئی امر نہیں جو خلق کو معلوم ہو اور اللہ تعالیٰ کو معلوم نہ ہو اور ایسے بہت امور ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور خلق کو معلوم نہیں پس مخلوقات کے وہ سب احوال بھی اس کو معلوم ہیں جن پر شفاعت کی قابلیت یا عدم قابلیت مرتب ہے سو جو اس کا اہل ہوگا اس کے واسطے سفارش کرنے کی شافعین کو اجازت ہوگی اور جو اہل نہ ہوگا اس کے لئے اجازت نہ ہوگی۔" (تھانوی)

کون شفاعت کئے جانے کے قابل ہے اور کون نہیں۔ اس کا علم تو بس عالم الغیب حق تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے۔

۱۲۹ؔ ذکر روز حشر کا چل رہا ہے۔ کہ اس روز بڑے بڑے متکبرین اور سرکش منکرین کا غرور و انکار ختم ہو چکے گا۔ اور کسی کو ہمت سر اٹھانے کی نہ ہوگی ــــــ صفات حیات و قیومیت لا کر یہ یاد دلا دیا کہ زندہ رہ جانے اور دوسروں کو قائم رکھنے کے قابل بس ایک ذاتِ باری تعالیٰ ہی تو ہے ــــــ اسلام نے اللہ کے دوسرے صفات کمالیہ کی طرح صفتِ حیات و صفت قیومیت پر بھی پورا زور دیا ہے۔ اسلام کا خدا، بعض دوسرے مذہبوں کے خدا کی طرح مردہ، معطل و بیکار نہیں، اور اس کا تعلق کائنات سے اس طرح کا نہیں جیسا معمار کا عمارت سے یا گھڑی ساز کا گھڑی سے ہوتا ہے کہ کاریگران دونوں کو بنا کر ان کی طرف سے فارغ و غافل ہو جاتا ہے، خدائے اسلام کائنات کا محض خالق و موجد ہی نہیں بلکہ برابر اس سے زندہ تعلق رکھے ہوئے اور ہر لحظہ، ہر لمحہ اسے سنبھالے ہوئے تھامے ہوئے رہتا ہے۔ ایسے زندہ اور قیوم خدا کے سامنے بڑے سے بڑے سرکش مجرم کی بھی اگر گردن شرم اور پچھتاوے سے جھکی نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی؟

وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

اور قطعی ناکام رہے گا وہ جو ظلم لے کر آئے گا ۱۳۰؎ اور جس کسی نے کچھ بھلائیاں کی ہوں گی اور وہ

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ

ایمان والا بھی ہوگا سو اسے اندیشہ نہ زیادتی کا ہوگا نہ کمی کا۔ ۱۳۱؎ اور اسی طرح اسے (قرآن)

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ

واضح کرکے نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے ہر طرح کی وعید بیان کی ہے ۱۳۲؎

اُردو محاورہ کے مطابق یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سب کی لمبی گردنیں اس دائم وقائم پروردگار کے سامنے جھکی ہوئی ہوں گی۔

۱۳۰؎ (اور سب سے بڑا ظلم تو شرک ہی ہے)

ای حمل شرکا (ابن جریر عن قتادہ) الظلم ھٰھنا الشرك (ابن جریر عن ابن زید)

الظلم ھو الشرك (معالم عن ابن عباس)

الظلم الشرك (روح)

یہ نہیں ہوگا کہ کوئی بھی مجرم بچتا ہوا نکلتا چلا جائے۔ سب کو اپنے اپنے جرم کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

۱۳۱؎ یعنی مومن صالح کو ثواب کامل ملے گا، یہ نہ ہوگا کہ کوئی نیکی لکھنے سے رہ جائے یا کوئی بدی خواہ مخواہ لکھ لی جائے۔ غیر مومن ظاہر ہے کہ اس طبقہ ہی سے سرے سے خارج ہیں، قید وشرط وھو مومن کی لگی ہوئی ہے، جو لوگ صحیح عقیدہ سے محروم ہیں اُن کے کسی بھی عمل کو عمل صالح کہنا ہی کب درست ہے وہ صرف صورۃً ہی عمل صالح ہوتے ہیں۔ یعنی عمل صالح کی محض نقل۔ عمل صالح کا تو اطلاق ہی اس عمل پر ہوگا جو صحیح غایت اور مقصد سے، یا صحیح ایمان کے ساتھ کیا جائے۔

من الصّٰلحٰت۔ کا صحیح ترجمہ "کچھ بھلائیاں" ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ مترجم اعظم شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اختیار کیا ہے۔

ای بعض الصّٰلحٰت او بعض من الصّٰلحٰت۔ (بحر۔ روح)

۱۳۲؎ (قیامت کی، عذاب کی، جہنم کی)

کذلك۔ یعنی اسی طرح جس طرح اوپر کے مضامین صاف صاف ارشاد ہوئے ہیں۔

انزلنٰه۔ ضمیر مذکر غائب سارے قرآن کی جانب ہے۔

ای القراٰن کله (روح)

قراٰنا عربیًا۔ یعنی قرآن واضح، قرآن مفصح، عربیًا پر حاشیہ سورۂ یوسف آیت ۲ میں گزر چکا۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ

تاکہ (لوگ) ڈریں یا یہ کہ (قرآن) ان کے لئے سمجھ پیدا کرے ۱۳۳؎ سو بڑا عالی شان ہے اللہ جو بادشاہ

الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ

حقیقی ہے ۱۳۴؎ اور آپ قرآن (کے پڑھنے میں) جلدی نہ کیا کیجئے قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری

وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

نازل ہو چکے ۱۳۵؎ اور آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار بڑھا دے میرے علم کو ۱۳۶؎

۱۳۳؎ راہ حق قبول کرنے کے دو ہی واسطے ہیں۔ یا بہ واسطہ جذبات یا بہ واسطہ تعقل۔ یہ دونوں واسطے آیت کے اس ٹکڑے میں جمع ہو گئے۔

یا یہ مراد ہو کہ بدیوں سے بچنے لگیں اور نیکیوں کی طرف بڑھنے لگیں۔

لاجل ان یصیروا متقین ای محترزین عما لا ینبغی ویدعوھم الی الطاعات فعل ماینبغی۔ (کبیر)

یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ منکر تخویف و ترہیب سے ایمان لائے اور جو مومن ہے اس کا مرتبہ فہم و تذکر قرآن سے اور دوبالا ہو جائے۔

۱۳۴؎ (اور جس نے ایسا جامع، ایسا نافع، ایسا بلیغ دستور حیات اپنے بندوں کے ہاتھ میں دیدیا ہے)

۱۳۵؎ (کہ ایسی صورت میں آپ کو قرآن سننے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے پڑھنے کا بار خواہ مخواہ پڑتا ہے)

اور اسی معنی میں دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ۔ (سورۃ القیامۃ آیت ۱۶)

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ آپؐ نے قبل نزول وحی بعض مسائل میں حکم صادر فرما دیا تھا۔ آیت اس پر نازل ہوئی۔

اس صورت میں مراد یہ ہو گی کہ آپ قبل نزول وحی (احکام میں) تعجیل نہ کیا کیجئے۔

۱۳۶؎ اس میں یہ ارشاد ہوا کہ بجائے فی الفور سعی حفظ کی تدبیر کے، اس تدبیر دعا کو اختیار کیجئے۔ اور اس میں علم قرآن کی تحصیل، حفظ، فہم سب ہی کچھ آگیا ——"اس میں علم حاصل کے یاد رہنے کی اور غیر حاصل کے حصول کی اور جو حاصل ہونے والا نہیں اس میں عدم حصول کی خیر سمجھنے کی اور سب علوم میں خوش فہمی کی یہ سب دعائیں داخل ہیں"۔ (تھانوی)

بعض اہل لطائف نے کہا ہے کہ علم بھی ان ہی نعمتوں میں سے ہے جن کا حصول محض فضل پر موقوف ہے۔

ع
وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾

اور (بہت زمانہ) قبل ہم آدم کو حکم دے چکے تھے، سو ان سے غفلت ہوگئی اور ہم نے ان میں پختگی نہیں پائی ۱۳۷ھ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کے روبرو سجدہ کرو سو (سب نے) سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا ۱۳۸ھ

اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ

وہ انکار کر گیا ۔ پھر ہم نے کہا کہ اے آدم یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ۱۳۹ھ

اس لئے کہ قرآن میں جو دعائیں ہیں وہ ایسے ہی امور سے متعلق ہیں، جو کسبی و اختیاری نہ ہوں جیسے ہدایت، مغفرت وغیرہ ۔

۱۳۷ھ یہ پختگی نہ ہونا اور عدم ثبات و عزم، اور عدم استحضار دائمی اس جرم سے بالکل مختلف ہے جسے دانستہ نافرمانی اور ارادی سرکشی کہتے ہیں ۔

عزماً عزم کے معنی ثبات عزم و پختگی ارادہ کے بھی کئے گئے ہیں ۔

تصمیم رای وثباتا على الامر اذ لو كان ذا عزيمة وتصلب لم يزله الشيطان ولم يستطع تغريره ۔ (بیضاوی)

لم يكن آدم من اولى العزم (مدارک)

حزماً وصبراً عما نهينا لا عنه ۔ (جلالین)

قال الحسن لم نجد له صبراً عما نهى عنه (معالم)

نیافتیم اورا قصد محکم ۔ (شاہ ولی اللہؒ)

اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت ۔ (شاہ عبدالقادر دہلویؒ)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں دلالت ہے اس پر کہ ضعف طبعی اور کمال میں منافات نہیں ۔

یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ ہم نے ان میں (گناہ کا) ارادہ ہی نہ پایا ۔

يحتمل ولم نجد له عزما على القيام على المعصية ۔ (کبیر)

قيل عزما على الذنب (بیضاوی)

قصداً الى الخلاف لامره (مدارک)

و نیافتیم مراد را قصدے بر گناہ (فارسی کا ایک قدیم و معتبر ترجمہ)

اور نہ پایا ہم نے واسطے اس کے قصد خلاف کا (شاہ رفیع الدین دہلویؒ)

اور اس صورت میں بجائے ذم کے مدح حضرت آدمؑ کی نکلتی ہے ۔

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا

سو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ ۱۴۰ (یہاں اس) جنت میں تو یہ ہے کہ

وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾

تم نہ کبھی بھوکے ہوگے اور نہ ننگے۔ اور یہ بھی ہے کہ نہ اس میں پیاسے ہوگے اور نہ دھوپ میں تپو گے ۱۴۱

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ

پھر شیطان نے انہیں وسوسہ دلایا، کہا اے آدم میں تمہیں بتلا نہ دوں ہمیشگی کا درخت اور بادشاہی

الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾

جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔ ۱۴۲

فيكون إلى المدح اغيب (كبير۔خازن)۔

۱۳۸ اس سجدۂ تحیت کے حکم اور ابلیس کے انکار وغیرہ پر حاشیے سورۂ بقرہ آیت ۳۴ کے تحت گزر چکے۔

۱۳۹ (کہ تم ہی دونوں کے معاملہ میں اسے مردود ہونا پڑا تھا، اور اس وقت سے اس نے اپنا مقصدِ حیات ہی تم کو گمراہ کرنا بنا لیا ہے)

لك ولزوجك۔ سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ حرف ل مکرر کیوں آیا ہے جبکہ ایک ہی ل کافی ہو سکتا تھا۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں، ایک یہ کہ قاعدہ نحوی اس کا مقتضی تھا کہ دو مجروروں کے درمیان حالتِ عطف میں حرف جار بھی دوبارہ لایا جائے۔

اعيد اللام لأنه لا يعطف على الضمير المجرور بدون إعادة الجار عند الجمهور (روح)

دوسرا جواب یہ ہے کہ ل کی تکرار اس اظہار کے لئے ہوئی ہے کہ ابلیس کی دشمنی زوجہ آدم کے ساتھ بھی مستقل تھی ضمناً و تبعاً نہ تھی۔

قيل أعيد للدلالة على ان عداوة اللعين للزوجة اصالة لا تبعًا۔ (روح)

۱۴۰ یعنی ایسا نہ ہو کہ اس کے کہے میں آ کر کوئی ایسا کام کر بیٹھو کہ جنت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

۱۴۱ (اور جنت سے یا ہر ان سب مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لئے ان امور کو پیش نظر رکھ کر اپنے اس موذی دشمن کی طرف سے خوب ہوشیار و خبردار رہنا)

ابن قیمؒ نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ بظاہر تقابل بھوک اور پیاس میں معلوم ہوتا ہے اور بے لباس اور بے سایہ رہنے میں، لیکن قرآن مجید نے بڑی دقیقہ سنجی سے کام لے کر تقابل بھوک اور بے لباسی کے

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

سو دونوں نے اس (درخت) سے کھایا سو ان پر ان کے پردے کے مقام ظاہر ہو گئے ۱۴۳؎ اور وہ دونوں لگے اپنے

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾

اوپر جنت کے پتے چپکانے۔ ۱۴۴؎ اور آدم سے اپنے پروردگار کا قصور ہو گیا سو وہ بہک گئے ۱۴۵؎

درمیان پیدا کیا ہے کہ بھوک ایک الم باطنی ہے اور بے لباسی ایک الم ظاہری۔ اور دونوں میں ایک معنوی مناسبت ہے۔ اسی طرح دوسرا تقابل پیاس اور آفتاب زدگی کے درمیان رکھا ہے۔ اس لئے کہ پیاس نام ہے حرارت باطنی کا، اور آفتاب زدگی حرارت ظاہری کا۔ اور اس طرح جنت سے تمام آلام ظاہری و باطنی کی نفی کر دی ہے ــــ بعض اور اہل تفسیر بھی اسی طرف گئے ہیں۔

قبل هي مقابلة معنوية فالجوع خلو الباطن والتعري خلو الظاهر والظمأ احراق الباطن، والضحو احراق الظاهر فقابل الخلو بالخلو والاحراق بالاحراق ۔ (بحر)

۱۴۲؎ شیطان کا دام فریب یہی تھا، اس نے حضرت آدمؑ سے قسم کھا کر کہا کہ میں آپ کو ایسے درخت کا پتہ بتائے دیتا ہوں، جس کے پھل پتی میں یہ تاثیر ہے کہ آپ غیر فانی ہو جائیں گے۔ اور ہمیشہ یہیں جنت میں مقیم رہیں گے حضرت آدمؑ سے بڑھ کر مقام قرب حق میں قیام کا حریص کون ہو سکتا تھا! اور اس کا تو آپ تصور بھی نہیں فرما سکتے تھے کہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی اللہ کے نام کی بے وقعتی بھی کر سکتا ہے جھٹ آپ اس کے کہے میں آگئے، اور اس کے مشورہ کو وفاء حق ہی کی راہ کا ایک مشورہ سمجھے۔

مرشد تھانوی نے یہاں ایک نکتہ عارفانہ بہت خوب پیدا کیا ہے فرمایا کہ آیت میں مذکور ہے ثمرات غیر مقصودہ کی طلب کا سالک کے حق میں مضر ہونا۔ کیونکہ یہ خلد جس کی تحصیل کا حکم نہیں کیا گیا تھا، نیز ملکیت ایسی ہی غیر مطلوب تھی۔

۱۴۳؎ یہ درخت وہی تھا، جس کے قریب جانے کی ہی ممانعت ہو چکی تھی! اور اس کے پھل پتی کھا لینے کا یہ طبعی اثر تھا، جو فوراً ظاہر ہو کر رہا ــــ وہ درخت کون سا تھا، اس پر بڑی بڑی لمبی بحثیں ہو چکی ہیں۔ اور حقیقی و مجازی کا سوال بھی چھڑ چکا ہے، لیکن کوئی دلیل قطعی یا تقریباً قطعی کسی حقیقی یا مجازی درخت سے متعلق قائم نہیں ہو سکی ہے۔

۱۴۴؎ اس سے ظاہر ہے کہ ستر پوشی امر طبعی اور داخل فطرت بشری ہے۔ اور جو قومیں برہنہ یا نیم برہنہ رہتے میں کوئی عیب نہیں سمجھتیں ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔

۱۴۵؎ (تحصیل مقصود خلود کے باب میں)

اي ضل عن مطلوبه الذي هو الخلود عن الرشد حيث اغتر بقول العدو (روح)

عصٰی ۔ عصیان کے معنی نافرمانی کے ہیں، خواہ عمداً ہو (جس کے لیے نام ذنب ہے) خواہ بلا قصد

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا

پھر انھیں ان کے پروردگار نے مقبول بنالیا چنانچہ ان کی توبہ قبول کرلی اور راہ ہدایت دکھادی ۱۴۶ (اللہ نے) کہا تم سب

جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ

(اب) جنت سے اترو ۱۴۷ ایک کے دشمن ایک ہوکر ۱۴۸ پھر اگر تم کو میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے ۱۴۹

(جسے اصطلاح میں زلّت کہیں گے) بہرصورت راہ راست سے انحراف تو اس میں ہونا ہی ہے۔

والحاصل ان وقوع الفعل علی خلاف الامر والنھی وقد یکون عمدًا فیکون ذنبا وقد لایکون عمدًا فیکون زلۃ۔ (مدارک)

ایک بحث یہ اٹھائی گئی ہے کہ حضرت آدمؑ تو پیمبر تھے۔ اور پیمبر کے کسی فعل پر عصیان اور غوایت کا اطلاق کہاں تک جائز ہے۔ امام رازیؒ نے اس کا ایک جواب اور صحیح جواب یہ دیا ہے کہ حضرت آدمؑ کو نبوّت تو زمین پر آکر ملی اور یہ ذکر اس زمانہ سے قبل کا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں ذکر ہے خطاء اجتہادی کے صدور کا کاملین سے نیز اس پر مواخذہ کا برخلاف عوام کے کہ انھیں اس پر اجر مل جاتا ہے۔

فغوٰی غیّ ضد ہے رشد کی۔ پس آپؑ کا قدم غلط راہ پر تو بہرصورت پڑا۔ اور اس میں بڑی تنبیہ ہے کہ جب بلا قصد نافرمانی پر بھی مواخذہ کیا جاتا ہے تو ہم گنہگار امتیوں کا کیا ٹھکانا جو ارادی نافرمانیوں اور کبائر میں برابر مبتلا رہتے ہیں۔

وفی التصریح بقولہ وعصی ادم ربہ فغوی وزل ادم مزجرۃ بلیغۃ وموعظۃ کافۃ للمکلفین کانہ قیل لھم انظروا واعتبروا کیف نعیت علی النبی المعصوم زلتہ بھذہ الغلظۃ فلاتتھاونوا بمایفرط منکم من الصغائر فضلاعن الکبائر۔ (مدارک)

۱۴۶ (جس پر وہ ہمیشہ قائم رہے)۔

عاد علیہ بالعفو والمغفرۃ وھداہ رشدہ حتی رجع الی الندم والاستغفار۔ (کبیر)

مرشد تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ اجتباء جذب ہے اور ہدایت سلوک ہے۔ اس لئے آیت میں تقدیم ہے جذب کی سلوک پر۔

۱۴۷ (اور زمین پر جاؤ)

منھا ضمیر ھا سے کھلا ہوا اشارہ جنت کی طرف ہے۔

ای من الجنۃ (قرطبی)

حضرت آدمؑ کی لغزش تو معاف ہی ہوچکی تھی تاہم جو طبعی اثرات اس ممنوع شجر کے استعمال سے ناگزیر انہ مترتب ہورہے تھے وہ جنتی ماحول کے بالکل منافی تھے۔

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ

تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ محروم رہے گا ۱۵۰؎ اور جو کوئی میری نصیحت سے

فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾

اعراض رکھے گا سو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا ۱۵۱؎ اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا اٹھائیں گے ۱۵۲؎

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾

وہ کہے گا اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا. درآنحالیکہ میں آنکھوں والا تھا ۱۵۳؎

۱۴۸؎ اب عالم عنصری کا تقاضائے طبعی ہی یہ ہے کہ آپس میں کشمکش اور پھر دشمنی پیدا ہو۔ اس زہر کا تریاق جہاں سے ممکن ہے اسی کا نام وحی الٰہی ہے۔

بعضکم لبعض عدو۔ میں خطاب ذریت آدمؑ سے ہے۔

والمراد الذریۃ۔ (کبیر)

۱۴۹؎ (رسول یا کتاب کے ذریعہ سے)

یعنی الرسل والکتب (قرطبی)

ھدی۔ کے معنی کسی نے رسول کے لئے ہیں کسی نے آیات کے کسی نے دلائل کے کسی نے قرآن کے۔ امام رازی کا فیصلہ ہے کہ ھدی یہاں مرادف ہے دلالۃ کے اور اس کے مفہوم میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔

والتحقیق ان الھدی عبارۃ عن الدلالۃ فید خل فیہ کل ذلك۔ (کبیر)

۱۵۰؎ نہ بھٹکے گا دنیا میں اور نہ محروم اجر رہے گا آخرت میں، بلکہ اپنی مدت حیات کے بعد سیدھا اپنے وطن اصلی جنت میں پہنچ جائے گا۔

۱۵۱؎ (اسی دنیا میں)

قال بہ جمع من المفسرین۔ (کبیر)

آخرت کی طرف سے بے خبر اور بے فکر اور قناعت و توکل کے مفہوم سے ناآشنا رہنے کا لازمی اور قطعی نتیجہ یہ ہے کہ انسان ساری عمر مال کی طلب میں، جاہ کی حرص میں، "ترقی" کی فکر و ہوس میں، نقصان اور کمی کے غم و اندیشہ میں گھل گھل کر گزارے۔ اور اس لیے آیت میں تنگی کا تعلق قلب سے ارشاد ہوا ہے ــــــ بڑے بڑے دولت مندوں، خوشحالوں کی خودکشی کر لینے کی خبریں جو آئے دن اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں سب اسی تنگی قلب کے شواہد ہیں۔

ذکری۔ ذکر سے مراد اس سیاق میں قرآن لی گئی ہے (معالم) لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے عام رکھا جائے اور ساری ہی کتب آسمانی کو اس کے مفہوم میں شامل رکھا جائے۔ (روح)

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

(اللہ) کہے گا اسی طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں پہنچی تھیں سو تو نے ان کا خیال نہ کیا اسی طرح آج تیرا خیال نہ کیا جائے گا۔ [۱۵۴]

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

اور اسی طرح ہم ہر اس شخص کو سزا دیں گے جو حد سے نکل جائے گا، اور اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان نہ لائے اور واقعی

اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ

آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت اور بڑا دیرپا۔ [۱۵۵] کیا ان کو اس سے بھی ہدایت نہ ہوئی کہ ہم (اتنک) ان کے پیش رو کتنے گروہوں کو

ع ۱۳/۱۶ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾

ہلاک کر چکے ہیں جن کے مسکنوں میں (اب) یہ لوگ چل پھر رہے ہیں۔ [۱۵۶] بے شک اس امر میں اہل فہم کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔ [۱۵۷]

معیشۃ ضنکا۔ سے مراد عذاب قبر بھی لی گئی ہے۔ اور عالم برزخ کے وجود پر قرآن سے استدلال منجملہ اور آیتوں کے اس آیت سے بھی کیا گیا ہے۔

فسّرہ غیر واحد من السلف بعذاب القبر وجعلوا ھذہ الآیۃ أحد الأدلۃ الدالۃ علی عذاب القبر (ابن القیم)

والمراد ضغطۃ القبر مختلف فیہ اضلاعہ۔ (بحر عن ابن عباس)

۱۵۲ یہ جسمانی بے بصری اس کی روحانی بے بصری کی عکس ہو گی جو دنیا میں اس نے اپنے اوپر طاری کر رکھی تھی۔

۱۵۳ (دنیا میں)

"یعنی دنیا میں تو میں بڑا زبان آور تھا، یہاں بالکل گنگ و لال ہو گیا، کوئی بات نہ سوجھتی ہے نہ بولا جاتا ہے۔" (تھانوی)

ای لاحجۃ لی وقد کنت عالما بحجتی بصیرا بھا۔ (بحر عن مجاھد) اعمی عن حجتہ لاحجۃ لہ یھتدی بھا۔ (بحر عن ابن عباس) وقیل اعمی عن کل شیٔ الا جھنم۔ (بحر)

۱۵۴ (اور تجھے عذاب میں پڑا رہنے دیا جائے گا)

فنسیتھا.... تنسٰی۔ نسیان یہاں بھول اور ذہول کے معنی میں نہیں، ارادی ترک توجہ و اغماض کے معنی میں ہے۔

النسیان ھنا بمعنی الترک لا بمعنی الذھول۔ (بحر)

یعنی تیرے پاس ہمارے احکام انبیاء و علماء کے ذریعہ سے پہنچتے تھے مع سارے واضح اور روشن دلائل

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝۱۲۹ؕ

اور اگر ان کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد معین نہ ہوتی تو (ان پر عذاب) لازمی طور پر

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ

آجاتا ۱۵۸ سو آپ صبر کیجئے ان کی باتوں پر ۱۵۹ اور اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے رہئے حمد کے ساتھ آفتاب کے

الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ

طلوع سے قبل اور اس کے غروب سے قبل۔ اور اوقات شب میں بھی تسبیح کیجئے اور دن کے بھی اول و آخر

النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝۱۳۰

میں تاکہ آپ خوش رہیں۔ ۱۶۰

کے اور نویا وجود بصیرت و بصارت ان کی طرف سے اندھا بنا رہا۔ اسی لئے آج تیرا ارادی اندھاپن نمایاں کر دیا گیا۔ رحمت الٰہی جسے پھٹکار دے، جس کی طرف سے اپنے کو غافل کر لے، اس سے بڑھ کر محرومی کسی کی ممکن ہی کیا ہے؟

اللھم احفظنا۔

کذٰلك۔ جملہ کے شروع میں لا کر گویا عام قانون بتا دیا گیا کہ جیسا جرم ہوتا ہے اسی کے متناسب اور مناسب حال سزا بھی ملتی ہے

ومثلی ذلك الجزاء الموافق للجنایة۔ (روح)

۱۵۵ سخت اسقدر کہ اس کے آگے سختی کا کوئی درجہ انسان کے لئے متصور ہی نہیں، اور دیرپا ایسا کہ کہیں ختم ہی نہ ہو گا۔

اسرف۔ سے مراد ہے کہ جو عبودیت سے نکل گیا۔ یا اپنے مرتبۂ عبودیت کو دوسرے محل میں صرف کرنے لگا۔

۱۵۶ اب روئے سخن پھر قرآن کے معاصر منکروں اور کافروں کی جانب ہے کہ ان کی آنکھیں اب بھی نہیں کھلتیں۔ تاریخ کی زبان سے یہ کتنی گردن کش قوموں کی تباہی بربادی، ہلاکت کے قصے سن چکے ہیں۔ آج ان ہی مردود و مغضوب قوموں کے وطن کے قریب خود آباد ہیں۔ ان کے کھنڈروں پر سے سفر میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ پھر ان ہی کے انجام سے عبرت حاصل نہیں کرتے!

۱۵۷ نشانیاں یعنی مذہبی و ایمانی زندگی کے برحق ہونے اور شرک و بے دینی کی زندگی کے ناحق ہونے کے دلائل و شواہد۔

فی ذٰلك۔ "اس امر میں" یعنی اس مضمون میں جو ابھی بیان کیا گیا۔

ذلك اشارة الی مضمون بقوله تعالٰی کم اھلکنا قبلھم۔ الخ (روح)

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ

اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے ان کے گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے ان کی

ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ (۱۳۱)

آزمائش کے لئے۔ ۱۶۱ کہ وہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے۔ اور آپ کے پروردگار کا عطیہ کہیں بہتر اور دیرپا ہے ۱۶۲

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے رہئے، اور آپ (بھی) اس کے پابند رہئے ۱۶۳

۱۵۸ یعنی ان کے کفر و شرک بے دینی کا اقتضاء تو یہی ہے کہ ان پر عذاب فی الفور آجائے لیکن دوسری حکمتوں اور مصلحتوں سے اس کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے۔ اس لیے اس وقتِ موعود سے قبل نہ آئے گا۔

لولا کلمۃ سبقت من ربك۔ اور وہ خدا کی بات یہی ہے کہ تکوینی مصلحتوں کی بنا پر انھیں مہلت ملتی رہے گی۔

۱۵۹ (جو یقیناً ہر دیندار کے لئے اشتعال انگیز اور صبر آزما ہیں)

۱۶۰ (کہ دنیا کے آلام و افکار سے بچنے کا راستہ یہی عبادت میں مشغولیت کا ہے)

فسبح بحمد ربك۔ حمد و تسبیح سے مراد یہاں نماز لی گئی ہے۔

قبل طلوع الشمس میں فجر کی نماز آگئی۔ قبل غروب میں ظہر و عصر کی نمازیں اور آنائ اللیل میں مغرب و عشاء کی نمازیں۔

اطراف النھار۔ سے نماز فجر و مغرب کی تکرار تاکید ہوگئی۔

تکرر لصلاتی الصبح والمغرب ارادۃ الاختصاص۔ (بیضاوی)

بعض نے اس سے مراد نماز ظہر و عصر لی ہے، اور بعض نے محض ظہر۔

امر لصلاۃ الظھر فانہ نھایۃ النصف الاول من النھار وبدایۃ النصف الاخر وجمعہ باعتبار النصفین۔ (بیضاوی)

۱۶۱ ازواجا منھم۔ سے مراد کافروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین وغیرہ۔

ای اصنافا من الکفرۃ۔ (کشاف) تقدیر کلام یوں ہے۔ متعنا بہ بعضا منھم ازواجا۔

لنفتنھم فیہ۔ آزمائش سے مراد یہی ہے کہ کون ان نعمتوں کے حقوق ادا کرتا ہے اور

لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا

ہم آپ سے معاش نہیں چاہتے معاش تو ہم خود آپ کو دیں گے ۱۶۴ اور بہتر انجام پرہیزگاری ہی کا ہے ۱۶۵ اور (یہ لوگ)

لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ

کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے پروردگار کے پاس سے کیوں نہیں لاتے۔ کیا ان کے پاس اس کا ظہور نہیں

الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا

پہنچا جو کچھ اگلے صحیفوں میں ہے ۱۶۶ اور اگر ہم انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے اس (قرآن) کے قبل ہی تو

لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ

(یہ لوگ) کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرنے

نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

لگتے بجائے اس کے کہ ہم بے قدر اور رسوا ہوں ۱۶۷

کون ان کی ناقدری کرتا ہے۔

۱۶۲ آیت کے اس مختصر ٹکڑے میں اس مادی دنیا، اس کی آرائشوں، زینتوں، تکلفات کی کل کائنات بیان کر دی۔ کہ پورے تسلسلِ حیات سے جو یہاں سے لے کر آخرت تک ہے، قطع نظر کر کے صرف اس مادی دنیا پر قناعت کر لینا کس درجہ حمق اور خام خیالی ہے ــــ مال و دولت صرف وہی قابلِ قدر ہے جو آئندہ کی ابدی و دائمی زندگی میں بھی کام آنے والا ہو۔

زهرة الحيوة الدنيا۔ زہرۃ کے معنی لغت میں تازگی اور زیب و زینت کے ہیں۔

اى زينتها وبهجتها۔ (روح)

حدیث کی کتابیں ابواب الزہد وغیرہ کے ماتحت اس قسم کے مضامین سے بھری پڑی ہیں۔ بخاری کی مشہور حدیث ہے کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل، دنیا میں اس طرح رہو کہ گویا غریب الوطن ہو یا مسافر راہ رو۔

۱۶۳ (کہ اصل توجہ کے قابل تو یہ امور ہیں)

اهلك۔ اہل کے لفظ میں اہلِ خاندان، اور عام مومنین دونوں کا مفہوم شامل ہے۔ اور خطاب چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس لئے مراد آپ کی امت ہو گی اور اہلِ بیت خصوصاً۔

وهذا الخطاب للنبى صلى الله عليه وسلم ويدخل فى عمومه جميع امته

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ

آپ کہہ دیجئے کہ سب ہی انتظار کر رہے ہیں، تم بھی انتظار کر لو۔ اب عنقریب ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون

الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

راہ راست والے ہیں اور کون منزل مقصود تک پہنچے ہوئے ہیں ۱۶۸

واهل بيته على التخصيص (قرطبی)

فقہاء نے یہاں سے یہ استنباط کیا ہے کہ امر بالمعروف خصوصاً تاکید نماز اپنے متعلقین پر واجب ہے۔

۱۶۴ یعنی مقصود اصلی اکتساب نہیں بلکہ دین اور طاعت ہیں، اکتساب کی اسی حالت میں اجازت یا امر ہے کہ ضروری طاعت میں وہ مخل نہ ہو۔ (تھانوی)

آج جو لوگ ظہر کی نماز کے لئے دفتروں، کچہریوں وغیرہ کی مشغولیتوں اور عصر و مغرب، عشاء وغیرہ کے لئے دوسری مشغولیتوں کو عذر بنا کر پیش کرتے ہیں، آیت میں ان سب کا رد آگیا۔

۱۶۵ (اور تقوی ہی قابل التفات ہے)

والعاقبة للتقوى۔ عاقبۃ سے مراد حسن عاقبت ہے، اور تقوی سے مراد اہل تقوی ہیں۔

اى العاقبة المحمودة ولذوى التقوى (بیضاوی)

فالمراد والعاقبة الجميلة لاهل التقوى (کبیر)

۱۶۶ یعنی خود قرآن جو ظہور ہے اگلی پیشگوئیوں کا، اس سے نمایاں تر معجزہ اور کیا چاہیئے؟

بینۃ۔ سے مراد قرآن بھی ہو سکتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک بھی۔ حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

وقالوا۔ یہ کہنے والے کفار معاندین ہی تھے۔

۱۶۷ یعنی آج جب قرآن اور رسول آچکے ہیں جب تو یہ ان کا یوں انکار کر رہے ہیں۔ اور اگر کہیں قرآن اور رسول نہ آئے ہوتے تو قیامت کے روز یہ عذر پیش کرتے کہ ہمارے پاس رسول ہی کہاں آیا، وہ آتا تو اس کے مطیع ہو جاتے؟

من قبل۔ عربی محاورہ میں یہ نفی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی بجائے اس کے کہ ہم حقیر و رسوا ہوتے۔ یا ہم حقیر و رسوا نہ ہونے پاتے اور ہم رسول کی پیروی کر لیتے۔

نذل۔ یعنی بے قدر خود اپنی نظر میں ہوں۔ نخزی۔ یعنی رسوا دوسروں کی نگاہ میں ہوں۔ (تھانوی)

الذل الهوان والخزى الافتضاح۔ (بحر)

من قبلہ۔ میں ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی لی گئی ہے اور بینۃ و تذکیر (بہ معنی برہان)

کی طرف بھی اور قرآن کی طرف بھی۔

والضمیر الراجع الی البینۃ لانھا فی معنی البرھان (کشاف)

والظاھر عودہ علی الرسول (بحر)

۱۶۸ آیت کا انداز بیان ایک بلیغ انداز میں مضمون کے زور و تاکید کے لئے ہے۔ یہ مراد نہیں کہ متکلم یا قائل کو اس میں ضعف یا تردد ہے۔

ولیس ھو بمعنی الشک والتردید بل ھو علی سبیل التھدید والزجر للکفار (کبیر)

نحاس کی روایت ہے کہ فراء نحوی نے من اصحب الصراط السوی کے معنی کئے ہیں کہ من لم یضل (کون بھٹکے ہی نہیں) اور ومن اھتدی کے معنی کئے ہیں من ضل ثم اھتدی (کون بھٹک کر پھر راہ ہدایت کو پہنچ گیا۔ (قرطبی)

فستعلمون۔ میں س بہ معنی عنقریب ہے، یعنی موت پر یا حشر میں۔

عن قرب۔ (روح)

(۲۱)

آیاتہا ۱۱۲ — ۱۱۲ آیتیں

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ

سورۂ انبیاء مکّی

رکوعاتہا ۷ — ۷ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ①

قریب آلگا لوگوں سے ان کے حساب (کا وقت) اور وہ غفلت ہی میں پڑے ہیں اعراض کئے ہوئے [1]

[1] یعنی وقت قیامت ہے کہ ہر روز انسان سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ اور انسان ہے کہ اس کے لئے تیاریاں تو کیا کرتا، ایسی غفلت میں پڑا رہتا ہے کہ اس خبر ہی کا اس کو یقین نہیں ہے۔

الناس۔ ناس اپنے عموم پر بھی رکھا جاسکتا ہے۔ گو اشارۂ خصوصی مشرکین مکّہ کی جانب ہو۔

قیل الناس عموم وان کان المشار الیہ فی ذلک الوقت کفار قریش (قرطبی)

اکثر مفسرین نے آیت میں اس سے مراد منکرین قیامت عموماً اور مشرکین عرب خصوصاً لی ہے۔

قال ابن عباس المراد بالناس المشرکون وھذا من اطلاق اسم الجنس علی بعضہ للدلیل القائم۔ (کبیر۔ کشاف)

آج یورپ اور یورپ زدہ مادی دنیا کے ملحدوں اور مشرکوں کی ساری آبادی کا یہی نقشہ غفلت و اعراض کے لحاظ سے ہے۔ ان کے علوم و فنون، ان کی سائنس، ان کا آرٹ، ان کی تہذیب، ان کی معاشرت اس اعراض عقلی کو بڑھانے والی اور ان کے دلوں سے عقیدۂ آخرت کو اور دور ہی کرنے والی ہے۔

معرضون۔ کا اضافہ فی غفلۃ کے مابعد بے معنی اور بلا ضرورت نہیں۔ منکروں کی غفلت طبعی و اضطراری نہیں، بلکہ ارادی اعراض سے پیدا ہوتی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ غفلت مذموم وہ ہے جو اعراض کے ساتھ ملی جلی ہو ورنہ مطلق غفلت سے تو عادۃً کوئی بھی خالی نہیں۔

حسابھم۔ مراد ہے وقت حساب یعنی یوم قیامت۔

المعنی اقترب للناس وقت حسابھم۔ (کبیر)

للناس۔ ل صلہ کا إلی کے معنی میں ہے۔

مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٢﴾

ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس جو بھی تازہ نصیحت آتی ہے اسے بس اس حال میں سنتے ہیں کہ ہنسی کرتے ہوتے ہیں۔

لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ

ان کے دل (اس کی طرف سے) بے توجہ۔ اور یہ لوگ یعنی ظلم کار اور اپنی سرگوشیوں کو چھپاتے رہتے ہیں ۲

واللام صلة لاقترب كما هو الظاهر وهي بمعنى إلى (روح)

و۔ یہاں حالیہ ہے، درآنحالیکہ کے معنی ہیں۔

وهذه الواو عند سيبويه بمعنى إذ، وهي التي يسميها النحويون واو الحال (قرطبی)

۲ الذین ظلموا۔ سے مراد سارے ہی منکرین توحید ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس سیاق میں مراد خصوصی رسول اللہ ؐ کے معاصر معاندین ابوجہل اور اس کی پارٹی کے اشرار ہیں۔

(ابوجهل واصحابه (ابن عباس)

اور آج بھی جو لوگ عداوت اسلام و رسولؐ اسلام میں اسی ابوجہلی روش پر چلیں ان ہی میں شامل ہیں۔ سازش کے لیے اخفا لازمی ہے۔ اس لیے یہ لوگ اپنی کمیٹیوں، کانفرنسوں، مشورت کے جلسے چھپا چھپا کر کرتے تھے۔

الذین ظلموا۔ ترکیب میں اَسَرُّوا کی ضمیر مستتر ہے، بدل ہے۔

بدل من ضمير اسروا كما قال المبرد وعزاه ابن عطية الى سيبويه (روح)

ما یاتیھم .... یلعبون۔ ہر تازہ نشان کو بجائے عنوان عبرت و تذکیر کے سرمایہ تفریح و تمسخر بنا لینا منکرین کا عام دستور، اگلوں پچھلوں سب میں مشترک ہے۔

لاھیۃ قلوبھم۔ یعنی وعظ و نصیحت کو اس کان سننا اور اُس کان اڑا دینا۔ آخرت فراموشی یہی ہے۔ یہ جس طرح جاہلیت قدیم میں عام تھا آج جاہلیت جدید میں بھی رائج ہے۔ چنانچہ تہذیب حاضر کے علوم و فنون میں، سائنس میں، آرٹ میں، التزام اس کا رہتا ہے کہ کوئی شے بھی آخرت کو یاد دلانے والی نہ آ جائے ــــ اور یہی آخرت فراموش نظام جو کہنا چاہئے کہ ساری مہذب و نیم مہذب دنیا پر مسلط و مستولی ہو چکا ہے۔ اس نے کروروں مسلمانوں کو بھی آہستہ آہستہ دین فراموش و آخرت فراموش بنا دیا۔ ذکر رسولؐ تو خیر محفل میلاد وغیرہ کے نام سے بعض طبقوں میں خواہ رسماً و بدعتہً سہی، پھر بھی قائم ہے۔ آخرت کی ذمہ داری اور یوم الحساب کا تذکرہ اتنا بھی کہیں سنائی نہ دے گا۔ لاھیۃ قلوبھم دین کے معاملات میں غیر ذمہ داری کی ہوا ہر سر میں سمائی ہوئی ہے۔

یلعبون اور لاھیۃ قلوبھم۔ لاکر تمدن جدید کے پرستاروں کی پوری تصویر کھینچ دی ہے۔ جو حقائق حیات پر سنجیدگی سے غور ہی سرے سے نہیں کرتے۔ حقائق الٰہیات کو سرے سے قابل غور و اعتنا ہی

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۳﴾

کہ یہ تو محض تم جیسے ایک آدمی ہیں۔ تو کیا تم جادو (کی بات سننے) کو جاؤ گے درآنحالیکہ تم سوجھ بوجھ رکھتے ہو ؏۳

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۴﴾

پیمبر نے فرمایا کہ میرا پروردگار (ہر) بات کو جانتا ہے آسمان اور زمین میں اور وہی تو بڑا سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ؏۴

نہیں سمجھتے۔

اسروا النجوی۔ نجوی میں تو خود ہی پہلو اخفا کا شامل ہے۔ اسرّوا کے لفظ نے اس میں مزید تاکید و زور پیدا کر دیا۔

معناہ بالغوا فی اخفائہا وجعلوہا بحیث لا یفطن احد لتناجیہم (کبیر)

؏۳ منکرین و مشرکین عرب اپنے میں سے کسی کو کمزور و مذبذب پا کر اس سے کہتے تھے کہ یہ جو رسالت کے مدعی ہیں ان میں بات ہی کون سی نئی اور ہم سب سے الگ ہے۔ یہ نہ کوئی دیوتا ہیں نہ کوئی اوتار، نہ کسی اور طرح پر فوق البشر۔ جیسے انسان ہم تم سب۔ ویسے انسان یہ ہیں۔ ان میں بشریت کے علاوہ اور بشریت سے زیادہ ہے کیا، جو ہم ان کا دین اختیار کریں۔ اور ان کی راہ پر چلنے لگیں۔ اور ان کے کلام قرآن میں جو اثر تم پاتے ہو وہ تو تمام تر ثمرہ ہے ان کے سحر ساحری کا۔ تو کیا تم سوجھ بوجھ رکھ کر، ہوش و حواس رکھتے ہوئے بھی ادھر دوڑ جاؤ گے؟ —— یہ سب توضیح ان ہی سرگوشیوں کی ہے، جن کا ذکر ابھی اوپر آچکا ہے۔

پیمبری کی راہ میں سب سے بڑا سنگ گراں ہمیشہ یہی رہا ہے کہ پیمبر کو کوئی دیوتا، فرشتہ، یا کم از کم فوق البشر ضرور ہونا چاہیئے —— خالی خولی انسان کو جب تک اس کے ساتھ کچھ عجائب و غرائب نہ ہوں، پیمبر کیسے مان لیا جائے؟

؏۴ (چنانچہ وہ سمیع تمہارے ان اقوال کفریہ سے خوب باخبر اور وہ علیم تمہاری سازشوں پر پوری طرح مطلع ہے۔)

السمیع۔ ساری قولی شرارتوں سے واقف۔

العلیم۔ ساری عملی سازشوں، شرارتوں کی خبر رکھنے والا۔

اسلام کا خدا، جاہلی مذہبوں کے دیوتاؤں کی طرح ناقص العلم نہیں۔ حاضر و غائب، جلی و خفی اس پر سب یکساں روشن ہے۔ خفیہ سے خفیہ سازش بھلا اس سے کون مخفی رہ سکتی ہے۔

السماء والارض۔ یعنی سب ہی کہیں کا، جمیع کائنات کا علم اس کو ہے۔

بعض مشرک قوموں میں آسمان کے دیوتا اور تھے اور زمین کے اور۔

القول۔ قول یہاں اپنے وسیع ترین مفہوم میں ہے۔ جلی و خفی، لسانی و قلبی سب پر حاوی۔

(القول عام یشمل السر والجہر (بحر)

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ

نہیں بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ (یہ قرآن) پریشان خیالات ہیں ؁۵ نہیں بلکہ یہ کہ انھوں نے گڑھ لیا ہے ؁۶ نہیں بلکہ وہ تو ایک شاعر ہے ؁۷

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ

ورنہ وہ لے نہ آئیں ہمارے پاس کوئی (بڑی) نشانی جیسا کہ پہلے لوگ رسول بنائے گئے ہیں ؁۸ ان لوگوں کے قبل بھی

قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

کوئی بستی والے جنھیں ہم نے ہلاک کیا ہے ایمان تو لائے نہیں تھے سو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے ؁۹

والمناسب فی ھذا المقام تعمیم القول لیشمل جھرہ وسرہ والاخفی (روح)

؁۵ مشرکین مکہ کے اس گروہ کی نمائندگی آج یورپ اور یورپ زدہ طبقہ کر رہا ہے۔ ٹامس کارلائل (برطانوی) جو اوروں کو دیکھتے ہوئے اسلام کا بہت ہمدرد ہے، اور قرآن کی خوبیوں کا معترف ہے۔ وہ تک یہ کہہ گیا ہے کہ قرآن کیسی غیر مربوط، پریشان کتاب ہے۔ تو دوسروں کا ذکر ہی کیا۔ اور ہندوستان کے آریہ سماجی مناظر تو خصوصیت کے ساتھ اسی وہم اور اسی بدزبانی کے شکار ہیں۔

؁۶ یہ پہلی تشخیص پر ترقی ہے، اضغاث احلام میں تو پھر ایک شان بے اختیاری اور مجذوبیت کی تھی۔ ایک گروہ نے کھلم کھلا کہنا شروع کیا کہ نہیں یہ کلام تو انھوں نے دیدہ و دانستہ اپنے دل سے تراش رکھا ہے۔ اس گروہ کے بھی نمائندے جیسے اُس وقت موجود تھے آج بھی ہیں۔

؁۷ یہ اس دوسری تشخیص پر بھی اور ترقی ہے۔ یہ منکرین کہتے ہیں کہ ان کی تو زندگی ہی شاعر کی طرح تراشیدہ اور خیالی ہے۔ اور ان کا یہ کلام (قرآن) تو بس شروع سے آخر تک اعلیٰ شاعرانہ اور خیالی مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس گروہ کے بھی نمائندے آج غیر موجود نہیں۔

؁۸ (اور وہ اپنے ساتھ بڑے بڑے عجائب و خوارق لائے تھے۔)

یعنی یہ منکرین کہتے ہیں کہ اچھا بالفرض ہم ان کے دعوی نبوت کو مان لینے پر بھی تیار ہو جائیں تو یہ کوئی ثبوت بھی تو اپنی بات کا، کوئی بڑا عجیب سا خارق عادت لا کر پیش کریں۔

اٰیۃ۔ سے مراد یہاں کسی معجزہ عظیم خارق عادت سے ہے۔

؁۹ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ ان بڑے بڑے معجزات، خوارق عادت سے حاصل کیا؟ پرانے انبیاء کے وقت میں تو بار ہا اس کا تجربہ ہو چکا۔ انھوں نے سب کچھ دکھا ڈالا، پھر بھی ان کے زمانہ کے منکرین ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ذہنی کیفیت یا نفسیت (سائیکالوجی) ان جدید منکرین کی بھی وہی ہے جو اُن قدیم منکرین کی تھی۔ پھر آج ان کے ایمان لے آنے کی کیا امید ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ

اور ہم نے آپ سے قبل مردوں ہی کو (پیمبر بنا کر) بھیجا ہے جن پر ہم وحی کرتے رہے ہیں ۱۰ سو تم اہل کتاب سے

الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۷ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا

پوچھ دیکھو، اگر تم علم نہیں رکھتے۔ ۱۱ اور نہ ہم نے ان (رسولوں) کے جسم ایسے

يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ۸

بنائے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر فانی ہوئے ہیں۔ ۱۲

۱۰ یعنی سلسلۂ نبوت تو ہمیشہ انسانوں ہی کی معرفت جاری رکھا گیا ہے نبی تو ہر دور میں ہر ملک میں آدمی ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ کوئی جن، کوئی فرشتہ، کوئی فوق البشر انسانی آبادی کے لئے پیمبر بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے۔

اِلَّا رِجَالًا۔ بشر کے بجائے رجل کے لفظ کے استعمال میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں ہی کو ملی ہے نہ کہ عورتوں کو۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسی اصل کی بنا پر اہلِ طریق بھی خلافت مردوں ہی کو دیتے ہیں۔

۱۱ (اس لئے کہ تم تو سرے سے سلسلۂ نبوت وطریقِ وحی ہی کے منکر ہو)

مشرکین تو تمام تر بروز، حلول، وغیرہ کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں۔ نبوت و رسالت، نزول وحی کے اصول و مبادیات ہی سے منکر و بیگانہ۔

اَهْلَ الذِّكْرِ۔ سے مراد اہل کتاب ہیں۔

ای اهل التوراة والانجيل (ابن عباس)

ای اهل الكتاب (روح عن القتادة والحسن وغيرهما)

وهم اهل الكتاب (كبير)

۱۲ یہ مشرکین کے تیرہ تر جہل کا شافی جواب ہے۔ رسول نہ بشری ضروریات غذا وغیرہ سے برتر ہوتا ہے اور نہ وہ غیر فانی ہو کر دنیا میں آتا ہے۔ اس کی ترکیب جسمانی، اور اس کی طبعی ضروریات سب وہی ہوتی ہیں جو گوشت پوست کے بنے ہوئے ہر بشر کی ہوتی ہیں۔ اس کا اصل مشن تو بس محض صحیح خدائی تعلیم کو دنیا میں پھیلانا ہوتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ۔ ضمیر انبیاء کی طرف ہے۔

الضمير للانبياء (قرطبی)

جَسَدًا۔ جسد اسم جنس ہے اجساد کے معنی ہیں۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝٩

پھر ہم نے ان سے (کئے ہوئے) وعدہ کو سچا کر دیا ۱۳؎ پھر ہم نے نجات دیدی ان کو اور جس کو ہم نے چاہا ۱۴؎ اور ہم نے حد سے گزرنے والوں کو

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠ وَكَمْ ع ۱۰/۱

ہلاک کر دیا۔ یقیناً ہم تمہاری طرف (ایسی) کتاب اتار چکے جس میں تمہارے لئے نصیحت موجود ہے تم کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ۱۵؎

قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا

اور ہم نے کتنی ہی بستیاں غارت کر ڈالیں (جس کے رہنے والے) ظالم تھے اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا

اٰخَرِيْنَ ۝١١ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝١٢ ؕ

کر دی۔ ۱۶؎ سو جب انھوں نے ہمارا عذاب (آتا ہوا) دیکھا تو لگے اس بستی سے بھاگنے

اسم جنس ولهذا المريقل اجسادًا (قرطبی)

هو مفرد فی موضع الجمع والمضاف محذوف، ای ذوی اجساد۔ (عکبری)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کھانا نہ کھانا کمالات اور علامات مقبولیت میں سے نہیں جیسا کہ بہت سے عوام اور بعض خواص نے بھی خیال کر رکھا ہے۔

۱۳؎ وعدہ یہی تھا کہ ایمان لانے والے اور تصدیق کرنے والے عذاب سے محفوظ رہیں گے اور انبیاء بھی باوجود اپنی ہر طرح کی ظاہری بے سروسامانی اور منکرین کی شوکت و قوت کے بالآخر مظفر و منصور رہیں گے — خوب فرمایا ہے مولانا رومیؒ نے ؎

جملہ قرآن ست در قطع سبب
عز درویش و ہلاک بولہب

۱۴؎ ان نجات پانے والوں میں مومنین یعنی ان پیمبروں کے تصدیق کرنے والے تو یقیناً داخل ہیں۔ باقی بعض منکرین بھی ممکن ہے کسی مصلحت تکوینی سے بچا دیئے گئے ہوں۔ ومن نشآء کے عموم میں بڑی گنجائش ہے۔

ای من المومنين بهم كما عليه جماعة من المفسرين وقيل منهم ومن غيرهم ممن تستدعی الحكمة ابقاءه۔ (روح)

۱۵؎ خطاب قرآن کے معاصر منکرین سے ہے۔ ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ نہ قرآن کی بلیغ موعظت تم پر اثر کرتی ہے اور نہ تم گزشتہ منکرین کے انجام سے سبق حاصل کرتے ہو۔

ذکرکم۔ ذکر سے مراد نصیحت، موعظت ہی ہے۔

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ

بھاگو مت ۱۶ے اور واپس چلو اپنے سامان عیش اور اپنے مکانوں کی طرف، شاید کہ تم سے کچھ پوچھ

تُسْــَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ

پاچھ ہی ہو ۱۸ے وہ لوگ کہنے لگے ہائے ہماری شامت بے شک ہم ہی نافرمان تھے ۱۹ے ان کی یہی پکار

تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا

جاری رہی کہ ہم نے انھیں کٹی ہوئی کھیتی، بجھی ہوئی آگ بنا دیا۔ ۲۰ے اور ہم نے آسمان اور زمین کو

خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ

اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اس کو (اس طرح) نہیں بنایا کہ ہم کھیل کر رہے ہوں ۲۱ے اگر ہم کو یہی منظور

نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

ہوتا کہ ہم کھیل کے طور پر کریں تو ہم اپنے ہی پاس (کی چیز) کو (کھیل) بنا لیتے اگر ہم کو (یہ) کرنا ہی تھا ۲۲ے

الذکر بمعنی التذکیر والمعنی فیہ موعظتکم۔ (روح)

۱۶ے (اور اللہ کی زمین ویران اور غیر آباد نہ رہی)

قریۃ کانت ظالمۃ۔ سے مراد وہ قومیں ہیں جو اپنے حق میں ظلم کرتی رہیں۔

۱۷ے یہ گویا ندائے غیبی ان کے کان میں آئی۔

انھوں نے یعنی ان ہی ظالم و کافر و فاسق عذاب زدہ لوگوں نے۔

۱۸ے (ازراہ ہمدردی یہی کہ تم پر کیا گزری)

مقصود اس سے تعریض ہے کہ نہ وہ سامان رہا، نہ مکان رہا، نہ کسی ہمدرد کا نشان رہا (تھانوی)

۱۹ے عین نزول عذاب کے وقت بدکار و فسق پیشہ قومیں پچھتاتی ہیں، اپنے جرائم کا اعتراف کرتی ہیں، اور ہر طرح واویلا مچاتی ہیں ـــ تاریخی قوموں کے تذکرہ میں یہ برابر تصریح ملتی ہے کہ جب قوم پر دفعتہً طوفان زلزلہ وغیرہ کی مصیبت نازل ہوئی ہے تو ساری قوم گھبرا گھبرا کر چیخی ہے اور گڑگڑا کر دعا مانگنے لگی ہے۔

۲۰ے یعنی آخر وقت میں ان کی آہ و فریاد کچھ ان کے کام نہ آئی، اور وہ نیست و نابود اس طرح ہو گئے کہ جیسے کٹی ہوئی کھیتی یا بجھی ہوئی آگ ؎

اب نہ خود ہیں نہ ہے مکاں باقی　　نام کو بھی نہیں نشاں باقی

تلک دعوٰہم۔ یعنی ان کی یہی ہائے ہائے یہی آہ وہ وبکا۔

حصیدا۔ مفعول ثانی ہے اور مراد ہے مثل حصید۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط

ہم تو حق کو باطل کے اوپر پھینک مارتے ہیں سو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے تو وہ دفعۃً مٹ جاتا ہے۔

وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ⑱ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط

اور تمہاری (بڑی) کمبختی آئے گی اس سے کہ جو تم گڑھتے رہتے ہو۔ ۲۳؎ اور اسی کی ملک ہے جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔

وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ⑲

اور جو اس کے نزدیک ہیں وہ اس کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ وہ تھکتے ہیں۔ ۲۴؎

مفعول ثان والتقدیر مثل حسبنہ۔ (عکبری)

۲۱؎ (بلکہ ان کی تخلیق سے بے شمار حکمتیں اور خود مخلوق کی بے حساب مصلحتیں وابستہ ہیں)

اس میں رد ہے ان مشرک قوموں کا جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ کائنات محض "الیشور کی لیلا" یا خدا کی تماشہ گاہ ہے اور حق تعالیٰ کا مقصود اس سے کچھ نہیں، بجز تماشہ دیکھنے اور دکھانے کے۔

۲۲؎ یعنی بالفرض ہمیں تفریح و تماشہ ہی مقصود ہوتا تو ہم بلا واسطہ مخلوقات، اپنے ہی تجلیات سے تعلق رکھنے والے کی کسی چیز کو اختیار کر لیتے۔ مثلاً اپنی صفات کمال کے مشاہدہ کو۔ ذی شعور مخلوق کو اس چکر میں کیوں ڈالتے۔ آیت سے معلوم ہوا کہ تخلیق کائنات خود مخلوق ہی کے نفع و مصلحت کے لئے ہے۔ عارف رومیؒ ؎

من نکردم امر تا سودے کنم   بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

اِنْ كُنَّا۔ اِن شرطیہ ہے لیکن نافیہ بھی لیا گیا ہے۔

بمعنی ما کنا (عکبری)

۲۳؎ (یعنی تمہارے شرک سے)

یہ کائنات تماشہ گاہ و تفریح گاہ نہیں، حق و باطل، ایمان و کفر، صدق و کذب، نور و ظلمت کی جنگ گاہ، معرکہ گاہ ہے۔

نقذف.... زاھق۔ حق و باطل کی ساری کائناتی معرکہ آرائی کی تصویر اسی ایک فقرے کے اندر آگئی۔

۲۴؎ ومن عندہ سے مراد فرشتے ہیں۔

ھم الملائکۃ باجماع الامۃ (کبیر)

یعنی الملائکۃ المنزلین۔ (بیضاوی)

یہ خصوصیات ان ہی کے بیان ہو رہے ہیں کہ وہ عبادت الٰہی سے کسی قسم کا عار محسوس کرنا الگ رہا اس میں ہر وقت لگے رہنے کے باوجود اس سے تھکتے تک نہیں۔

يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ⑳ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً

رات اور دن تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ موقوف نہیں کرتے۔ ۲۵ کیا انھوں نے زمین سے (ایسے)

مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ㉑ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ

معبود اختیار کر رکھے ہیں جو (کسی کو) زندہ کرتے ہوں؟ ۲۶ اگر ان دونوں (جگہوں) میں علاوہ

اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ

اللہ کے کوئی معبود ہوتا تو یہ دونوں درہم برہم ہوگئے ہوتے ۲۷

ومن عندہ۔ یہ نزدیکی شرف و منزلت کے لحاظ سے ہے، نہ کہ بہ اعتبار مقام و مکان۔
عند تارۃ یستعمل فی الزلفی والمنزلۃ۔ (راغب)
لایراد بہا ظرف المکان لانہ تعالیٰ منزہ عن المکان بل المعنی شرف المکانۃ وعلو المنزلۃ (بحر)
والمراد بالعندیۃ الشرف لاعندیۃ المکان (روح)
ھذہ العندیۃ عندیۃ الشرف والرتبۃ لاعندیۃ المکان والجھۃ۔ (کبیر)
من فی السمٰوٰت والارض میں بڑی گنجائش ہے ــــ فرشتوں کے علاوہ اور بھی جو مخلوق ہو سب اس کے عموم میں جگہ پاسکتی ہے۔

۲۵ ذکر فرشتوں کا چل رہا ہے، جاہلی مذاہب والے ان ہی کو اپنے جہل سے دیوی دیوتا قرار دے لیتے ہیں۔ آگے ذکر زمینی معبودوں کا آرہا ہے۔ سیاق خود چاہتا ہے کہ اس کے قبل یہاں ذکر آسمانی دیوتاؤں کا ہو۔

۲۶ سوال مشرکین کی حماقتِ محض سے ہے۔ کہ آخر کیا سمجھ کر، کیا دیکھ کر، انھوں نے مخلوق کو جو خود بے قدرت ہے، اپنا معبود تسلیم کر لیا ہے؟
زمینی معبودوں اور دیوتاؤں کی مثالوں کے لئے اہل ہند کو دور جانے کی ضرورت نہیں۔ اردگرد، حیوانات، نباتات، جمادات ہر صنف موجودات میں کثرت سے دیوی دیوتا موجود ہیں۔ گئو ماتا، گنگا مائی، سرجو مائی، بندھیاچل، گوری شنکر، ناگ (سانپ) ہنومان (بندر) نیل کنٹھ، پیپل، تلسی وغیرہا۔

۲۷ (یعنی نظام عالم میں ابتری پڑ جاتی)
خدا کے تصور و تعریف ہی میں یہ امر داخل ہے کہ وہ مطلق الارادہ مطلق الاختیار اور مالک کل ہو۔ اگر اس کے اختیارات یا اس کی ملک محدود و مقید ہوئی تو وہ خدا ہی کیوں کہلائے گا؟ اس تعریف کو پیش نظر رکھنے کے بعد

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ

اللہ مالک عرش، پاک ہے ان امور سے جو یہ لوگ بیان کر رہے ہیں ۲۸ وہ جو کچھ کرے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی

وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ

اور اوروں سے باز پرس کی جاتی ہے ۲۹ کیا انہوں نے اللہ کے سوا معبود اختیار کر رکھے ہیں؟ آپ کہئے تم اپنی دلیل تو پیش کرو ۳۰

غور کیجئے۔ کہ دو (یا زائد) خداؤں کے وجود کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں؟ ایک خدا کی ملک سے کوئی بھی جزو موجودات اگر باہر رہا یا اسے اپنا ارادہ کسی مصلحت سے مغلوب کرنا پڑا یا اپنے اختیارات پر کسی ضرورت سے پابندی عائد کرنا پڑی۔ تو اس کے خدا باقی رہنے کا امکان ہی کیا رہ گیا۔ تصادم و تزاحم بہرحال خداؤں کے درمیان ناگزیر ہے۔ کائنات کی تنظیم و ترتیب کا مشاہدہ خود اس تصادم و تزاحم کی تکذیب کر رہا ہے۔ سو اس نظام کائنات کا وجود جس کے آگے بشری صناعوں کی بڑی بڑی صناعیاں گرد محض ہیں، دلیل قاطع ہے توحید صانع عالم پر۔

جس دلیل کو قرآن کریم نے اس قدر سادہ طور پر ادا کر دیا۔ اسی کو متکلمین نے حسن صنعت نظم کائنات سے توحید صانع پر استدلال کا نام دے کر اس سے بڑے بڑے کام لئے ہیں اور اسے شرح و بسط یا علمی اصطلاحات کے ساتھ لکھا ہے، اور اس کو برہان تمانع کا لقب دیا ہے۔

فیھما۔ سے مراد ظاہر ہے کہ آسمان اور زمین ہیں۔

لفسدتا۔ زمین و آسمان کے نظام کا قائم و برقرار رہنا خود اس کی دلیل ہے کہ کسی ایک ہی صاحب ارادہ فاعل مختار کی فرماں روائی دونوں پر قائم ہے۔ اگر حکمرانی کہیں ایک سے زیادہ کی ہوتی تو عالم علوی و عالم سفلی دونوں ہی کا سارا نظم بگڑ بگڑ کر، اور ٹوٹ پھوٹ کر، درہم برہم ہو کر رہ گیا ہوتا۔ اور قیامت میں جو فنا اس نظام پر طاری ہوگی، وہ بجائے خود ایک نظام ہی کے ماتحت ہوگی، جیسی کہ آج بھی ہر انفرادی موت ایک نظام ہی کے ماتحت ہوتی رہتی ہے، اور اس پر اطلاق 'فساد' کا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

۲۸ عرش، مخلوقات میں تو خود ہی سب سے اعظم و اشرف ہے پھر جو اس کا بھی مالک و رب ہو، اس کی عظمت کا کیا ٹھکانا! اللہ کی صفت یہاں رب العرش لاکر اس کی بے انتہا عظمت اور شرک کی بے عقلی کو اور زیادہ نمایاں کر دیا۔

یہیں سے ان فرقوں کی نادانی بھی معلوم ہو جاتی ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو عرش پر جسمانی طور پر متمکن تسلیم کیا ہے۔ اللہ تو عرش کا رب ہے۔ اور رب اپنے مربوب کے اندر یا خالق اپنی مخلوق کے اندر کیوں کر سما سکتا ہے؟ اللہ کا جسم بھی بہ فرض محال تسلیم کر لیا جائے تو جب بھی اس جسم نامتناہی کی سمائی کسی جسم متناہی کے اندر کیونکر ہو سکتی ہے؟

۲۹ اس میں ان مشرک قوموں کا رد آگیا جو خدا کو بھی محدود الاختیار، محدود القوی مانتے ہیں۔ یونان کے مشرک فلاسفہ کا بھی مذہب ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ ہندوستان میں توحید جو تھوڑی

هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ

یہ میرے ساتھ والوں کی کتاب اور مجھ سے قبل والوں کی کتاب (موجود) ہے لیکن اس پر بھی اکثر لوگ حق کا یقین نہیں

الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ

رکھتے، پس اس سے اعراض کر رہے ہیں۔ ۳۱ؑ اور ہم نے آپ سے قبل کوئی (ایسا) رسول نہیں بھیجا جس کے

اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

پاس ہم نے (یہ) وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو عبادت میری ہی کرو ۳۲ؑ

بہت موجود ہے اسی کے تحت عقیدۂ "کرم"، کے ماننے والوں کا بھی یہی خیال ہے۔ توحید صفاتی کو جس صفائی اور قطعیت کے ساتھ اسلام نے اپنے خدائے تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ اور غیر مسئولیت کے ساتھ پیش کیا ہے وہ اسی کا حصّہ ہے۔ اس مسئلہ کو بار بار صاف کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ قرآن مجید نے بار بار ہی کیا ہے۔

۳۰ؑ یعنی توحید پر تو بہت سی دلیلیں قائم ہیں، عقلی بھی، نقلی بھی۔ تم شرک پر بھی کوئی دلیل پیش کر کے دکھاؤ۔ افسوس ہے کہ ہمارے یہاں کے متکلمین نے اس پہلو پر اب تک بہت کم توجہ کی ہے۔ عموماً اب تک بجائے عقیدۂ شرک پر مطالبۂ دلیل کے دلائل توحید ہی پر قائم کئے جاتے رہے ہیں۔ گویا صرف دفاع اور صفائی پیش کرنا اہلِ توحید کا کام رہ گیا ہے۔ اور ہجوم و اقدام اہلِ شرک کے حصّہ میں آگیا ہے۔

ام ... اٰلِهَةً۔ ان مشرک اہلِ جاہلیت کی شدید حماقت تو دیکھو، یہ ایسے عظمت والے شوکت والے خدا کے سامنے چلے ہیں کچھ اور بھی معبود گڑھنے!

اعاد التعجب فی اتخاذ الآلهة من دون الله مبالغةً فی التوبیخ۔ (قرطبی)

ام۔ یہاں ایک حذنک هل کا مرادف ٹھہرتا ہے۔

فتکون ام بمعنی هل (قرطبی)

۳۱ؑ یعنی چونکہ حق سے اعراض کئے ہوئے ہیں اس کی طلب اور تڑپ اپنے دل میں رکھتے ہی نہیں اس لئے ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہیں۔

المعنی فهم معرضون ولذالك لا یعلمون (بحر)

ذکر من معی۔ ذکر سے مراد کتب الٰہیہ لی گئی ہے۔

فالذکر هنا مراد به الکتب الالٰهیة (بحر)

قیل المراد بالذکر الکتاب (روح)

من معی۔ سے مراد امت محمدی ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (۲۶)

اور انھوں نے کہا کہ خدائے رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے۔ وہ پاک ہے (اس سے) البتہ وہ (فرشتے) بندے ہیں معزز ۳۳ ۳۴

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ (۲۷)

وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے ۳۴ اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں ۳۵

یعنی امتہ (کشاف)

ذکر من معی۔ سے مراد قرآن ہے۔ اور ذکر من قبلی سے قبل قرآن کی کتابیں ہیں۔

گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ ان کتابوں میں دیکھ لو، تعلیم کس عقیدہ کی موجود ہے توحید کی یا شرک کی؟

دلیل عقلی اثباتِ توحید پر ابھی اوپر پیش ہو چکی تھی۔ اب دلیل نقلی پیش ہو رہی ہے۔

ذکر من معی۔ قول جمہور کے مطابق ذکر مضاف ہے۔ لیکن ایک قرات یہ بھی ہے کہ مَن (بالفتح) کے بجائے مِن (بالکسر) پڑھا جائے اور اس کے بعد کتاب کو محذوف سمجھا جائے۔

والتقدیر ھذا ذکر من کتاب معی ومن کتاب قبلی۔ (عکبری)

۳۲ (اور اس میں کسی کو شریک نہ کرو)

انہ لا الٰہ الا انا۔ یہ عقیدہ ہوا توحید کا۔ فاعبدون۔ یہ عمل ہوا توحید کا۔

یہ دینِ توحید جس کا دوسرا نام دینِ اسلام ہے، دنیا کا قدیم ترین دین ہے۔ اور انبیاء کے ذریعہ سے ہمیشہ تبلیغ اسی دین کی ہوتی رہی ہے۔ دینِ شرک تمام تر ذہن انسانی کی اختراع ہے اور بہت بعد کی پیداوار ہے۔

قتادہ تابعی کا قول ہے کہ دین تو ہمیشہ ایک ہی اور سارے انبیاء میں مشترک رہا ہے اور اس کی بنیاد اخلاص و توحید پر ہے، البتہ شریعتیں مختلف رہی ہیں۔

قال قتادۃ لم یرسل نبی الا بالتوحید والشرائع مختلفۃ فی التوراۃ والانجیل والقرآن وکل ذلک علی الاخلاص والتوحید (قرطبی)

۳۳ ذکر ان مشرکوں کا ہے جو فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھتے تھے۔

نزلت فی خزاعۃ حیث قالوا الملائکۃ بنات اللہ۔ (کشاف)

ان کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ توبہ توبہ خدائے عزیز و قدوس کو اولاد سے کیا واسطہ جن ہستیوں کو تم اس کی اولاد قرار دیتے ہو، یہ سب تمام تر اس کے بندے ہیں، البتہ معزز و ذی مرتبہ بندے۔

فرشتوں کی عزت و عظمت کا کیا کہنا! قرآن خود جنھیں معزز قرار دے، ان کے اعزاز و اکرام کا کیا پوچھنا!

۳۴ (بلکہ اس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں)

یہ کیفیت ہے ان مقرب بندوں کے ادب، خشوع و تعبد کی ـــــ اور یہ حال سارے ہی مقرب بندوں

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى

وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور پیچھے ۳۶؎ اور وہ شفاعت بھی نہیں کر سکتے (کسی کی) بجز اس کے کہ جس کے لیے

وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ

(اللہ کی) مرضی ہو۔ اور وہ (سب) اس کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں ۳۷؎ اور کوئی ان میں سے یہ کہہ ہی دے کہ میں (بھی)

مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

معبود ہوں اللہ کے سوا، سو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ۳۸؎

کار رہتا ہے۔ خواہ فرشتہ ہو یا انسان۔ جو جتنا زیادہ قرب و منزلت دربار خداوندی میں رکھتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ احکام خداوندی کی تعمیل اور منشائے الٰہی کی تکمیل میں سرگرم و مستعد رہتا ہے۔

عوام کا یہ سمجھنا کہ فلاں پیر صاحب چونکہ مقبول و خدا رسیدہ ہیں اس لئے کسی حد تک اللہ کی فرماں برداری سے بے نیاز ہو گئے ہیں انتہائی جہل ہے۔

۳۵؎ (اور ان میں سے نافرمان کوئی بھی نہیں)

آیت میں رد آگیا، یہود و نصاریٰ کی گمراہی کا جو "نافرمان" فرشتوں کے وجود کے قائل ہیں۔ اور ابلیس کو بھی ایک نافرمان فرشتہ سمجھتے ہیں۔ یہاں ان کی صحیح کیفیت بیان کر دی ہے کہ ان سے نہ قولی مسابقت ہی ہوتی ہے اور نہ فعلی مخالفت۔

والمعنی انھم یتبعونہ فی قولہ ولا یقولون شیئا حتی یقولہ فلا یسبق قولھم قولہ، وکما ان قولھم تابع لقولہ فعملھم ایضا کذالک مبنی علی امرہ۔ (کبیر)

یہود اور نصرانیوں نے ملائکہ کا وجود تو تسلیم کیا ہے، لیکن ان کی تقسیم فرماں بردار و نافرمان دو طبقوں میں کر دی ہے۔ قرآن مجید بار بار اس عقیدہ کی تردید کرتا ہے، اور بتاتا ہے کہ فرشتے تو تمام تر مطیع ہوتے ہی ہیں، سرکشی سے ناآشنا۔

۳۶؎ فرشتوں کو یہ بھی یقین ہے کہ اللہ سب کے اگلے پچھلے احوال خوب جانتا ہے اس لئے اس کا حکم جو اور جب ہوگا حکمت کے موافق ہی ہوگا، اس لئے چوں و چرا کی گنجائش ہی نہیں۔ اور خود اللہ تعالیٰ کا علم ان فرشتوں کے احوال، و اعمال پر ویسا ہی محیط ہے جیسا کہ اور سب بندوں پر۔

۳۷؎ اور باوجود اس کمال قرب و منزلت کے، فرشتے اپنے حال پر مغرور ذرا سے بھی نہیں ہوتے بلکہ ہر وقت اللہ کی عظمت و اجلال کے تصور سے ڈرتے ہی رہتے ہیں۔

یہ نقشہ ہے ان کے ادب و اطاعت گزاری اور ان کی مغلوبیت و محکومیت کا۔

الا ۱۳۔۔۔۔ ارتضی۔ شفاعت کے عقیدے میں بھی دنیا بڑی افراط پسندی میں مبتلا رہی ہے۔ اور

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا

کیا جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں انھیں علم نہیں کہ آسمان و زمین ایک ہیولا تھے۔ ۳۹ف

رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ

پھر ہم نے دونوں کو توڑ کر الگ کردیا۔

مسیحیوں کو تو یہ عقیدہ لے ہی ڈوبا ہے۔ قرآن مجید نے باربار وضاحت کی ہے کہ شفاعت کے ڈورے کا سرا تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ملائکہ و انبیاء وغیرہم کو اس نے محض ایک ذریعہ اور اپنی مرضی کا آلۂ کار بنا رکھا ہے۔ مستقل اور بالادست شافع نہ کوئی ہے نہ ہو سکتا ہے۔

فرشتوں والا شرک دنیا میں بہت پھیلا رہا ہے۔ اسی لئے اس کی تردید کی مفصل اور بار بار ضرورت ہوئی۔ ہندوستان میں دیوتا پرستی کے نام سے جو شرک چلا ہوا ہے، وہ حقیقۃً یہی ملائکہ پرستی ہی ہے۔

ھم سے مراد وہی ملائکہ ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔

یعنی الملائکۃ (قرطبی۔ روح)

۳۸ف یعنی جس طرح اور مخلوقات تمام تر خدا کے قابو اور اختیار میں ہے، فرشتے بھی ہیں۔

ان کا یہ قول کہ ہم بھی معبود ہیں، ظاہر ہے کہ بطور فرض محال نقل ہوا ہے۔

ومن یقل منھم علی سبیل الفرض (روح)

وذلک علی سبیل العرض والتمثیل مع علمہ بانہ لایکون کقولہ ولو اشرکوا لحبط عنھم ماکانوا یعملون۔ (بحر)

اور قرآن مجید میں ایسے مفروضات اور بعید ترین احتمالات کا استعمال بار بار ہوا ہے۔

۳۹ف (اپنی ابتدائے آفرینش کے وقت)

چنانچہ نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے پیداوار۔ آسمان اور زمین جامد محض ہیں۔ کوئی دیوی، دیوتا یا صاحب اختیار مخلوق ہی سرے سے نہیں کہ خود بخود اپنے ارادہ و مرضی سے کسی کے کام آنے لگیں۔

رتقا۔ رتق کے معنی ہیں ملے ہوئے اور جڑے ہونے کے۔

الضم والالتحام۔ (راغب)

اس لحاظ سے ترجمہ یہ ہوگا کہ آسمان و زمین جڑے ہوئے تھے، پھر ہم نے پھاڑ کر دونوں کو الگ کردیا۔ گویا بتایا یہ جارہا ہے کہ یہ سارا تودۂ کائنات ایک ہیولا کی شکل میں تھا۔ یعنی ابتداءً وہ ایک مخلوط، عظیم الشان تودہ ایک بھنڈا تھا۔ کوئی فضا یا خلا درمیان میں حائل نہ تھی۔ پھر اللہ نے اپنے دست قدرت سے اس وحدت میں تعدد پیدا کیا۔ زمین و آسمان الگ الگ کرکے بنائے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي

اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے۔ ؎۴۰ سو کیا پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟ ؎۴۱ اور ہم نے زمین میں

الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا

پہاڑ اس لئے رکھ دیئے کہ وہ لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے ؎۴۲ اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ لوگ راستہ

ومعنى ذلك ان السماء كانت لاصقة بالارض لافضاء بينهما ففتقها الله وفرج بينها۔ (كشاف)

اور قرآن مجید نے صیغۂ واحد استعمال کیا ہے۔ رتقًا۔ ایک تودہ یا ایک ہیولا تھا۔ رتقین صیغۂ تثنیہ نہیں استعمال کیا ہے۔ جس سے یہ نکلا کہ دو تودے نہیں تھے۔ اسی لئے علاوہ دوسرے مفسروں کے تابعین کی ایک جماعت مع ابن عباسؓ صحابی کے اس طرف گئی ہے کہ ابتداءً ساری کائنات ایک ہی تودہ تھی، پھر ہوائی فضا پیدا کر کے انہیں جدا جدا کیا گیا۔

قال ابن عباس والحسن وعطاء والضحاك وقتادة يعني أنها كانت شيئًا واحدًا ملتزقتين ففصل الله بينهما۔ (قرطبي)

وهو قول الحسن وقتادة وسعيد بن جبير ورواية عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهم أن المعنى كانتا شيئًا واحدًا ملتزقتين ففصل الله بينهما۔ (كبير)

اولم یر الذین کفروا ۔ سے مراد یہ ہے کہ مشرکین جو توحید کے منکر ہیں، کیا طبعیات یا مادیت کے بھی ان حقائق پر غور نہیں کرتے؟ آسمان و زمین جیسے قوی الجثہ مخلوقات تک میں یہ قدرت کب تھی کہ اپنے ارادہ و اختیار سے وہ کچھ کرنے لگیں؟

رویۃ ۔ سے مراد رویت عینی نہیں رویت عقلی یا علم ہے۔

المراد من الروية هو العلم (كبير)

روية القلب۔ (بحر)

سمٰوٰت صیغۂ جمع ہے، مراد یہاں مجموعۂ سماوات یا طبقۂ سماوات ہے۔ اسی لئے اسے بطور مفرد لا کر اس کے اور ارض کے لئے ضمیر تثنیہ کی لائی گئی۔

السموات لفظ الجمع والمراد به الواحد الدال على الجنس قال الاخفش السموات نوع والارض نوع (كبير)

المراد جماعة السموات وجماعة الارض۔ (كشاف)

؎۴۰ چنانچہ آسمان سے بارش ہونے لگی اور زمین سے نباتات پیدا ہونے لگی۔

زمین میں قوت نمو وغیرہ اور آسمان سے نزول بارش وغیرہ۔ یہ سب کس کے حکم، ارادہ و انتظام سے ہو رہا ہے؟ بجائے خود تو یہ ساری مخلوقات جامد محض ہیں۔

لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ

پاتے رہیں۔ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا۔ ۴۳ف

۴۱ف (اور توحید کے قائل نہیں ہو جاتے)

پانی یہاں اگر اپنے مطلق معنی میں ہے، تو بارش کے پانی سے نہ صرف انسان بلکہ ہر حیوان یا ذی حیات کا براہ راست یا بالواسطہ ناگزیر طور پر مستفید ہونا ظاہر ہی ہے۔

ای خلقنا من الماء کل حیوان (کشاف)

ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ جسم انسانی میں ۳/۴ حصہ پانی ہی کا ہوتا ہے۔ اور انسانی خلیے والے پانی کے علاوہ کتنے مشروبات خصوصاً چائے، قہوہ، کافی، کوکو، دودھ، دہی شربت وغیرہ اور غذائی ترکاریاں کدو، مولی، لوکی، ککڑی، گاجر، تری، چچینڈا، چقندر، شلجم، بیگن، کتنی پانی سے بھرپور رہتی ہیں۔ اور غذائی پھل جیسے آم، خربوزہ، تربوز، سردا، ناریل، مزید گنا، کھجور، انجیر، انگور، ناشپاتی تو کہنا چاہئے کہ پانی سے لدے رہتے ہیں۔

اور اگر مراد نطفہ حیوانی لی جائے تو اس سے بھی ہر جانور کا وجود میں آنا مشاہد ہے۔

قال قطرب وجماعة المراد بالماء النطفة (روح)

وخلقنا من الماء کل حیوان ای مادته النطفة قاله قطرب وجماعة (بحر)

ماہرین حیاتیات کی تحقیق ہے کہ ہر جاندار کی ترکیب میں عنصر اصلی پروٹوپلازم (تخمایہ) ہوتا ہے۔ اگر اسی کو مانا جائے تو اس جوہر میں بھی حصہ غالب پانی ہی کا ہوتا ہے! ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

کل۔ لفظ کل محاورہ میں تقریباً کل یا بہت بڑی اکثریت کے مراد ف مستعمل ہے۔ اور قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں بعض یا اکثر کے معنی میں آیا ہے۔ ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (سورۃ النحل-۶۹) أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً۔ (سورۃ الشعراء-۱۲۸) اس لئے اگر کسی جاندار کی پیدائش کا استثناء اس قاعدہ سے ثابت ہو جائے تو یہ عمومی قانون کے منافی نہیں۔

۴۲ف مراد یہاں ڈانواڈول حرکت سے ہے، نفی یہاں مطلق حرکت ارض کی نہیں، بلکہ اس کی اضطرابی حرکت کی ہو رہی ہے۔ یہ پہاڑ جو ہیں گویا زمین کا توازن برابر رکھنے کا کام دے رہے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ ایک طرف کو جھک جائے۔ یا اپنی حرکت میں پٹنانے لگے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۶ سورۃ الحجر آیت نمبر ۱۹

فیہا۔ ضمیر ھا، الارض کی طرف ہے۔

لعلھم یھتدون۔ زمین کی کشادہ سڑکوں راستوں سے چلنے والوں، سفر کرنے والوں کا راہ یاب ہونا ظاہر ہی ہے۔ یہ معنی بھی لئے گئے ہیں کہ اللہ کی ان ساری نعمتوں پر غور کرکے راہ حق بھی پا سکتا ہے۔

۴۳ف محفوظ، ہر طرح کی شکست، ریخت، نقصان سے۔

وقیل محفوظا من الھدم والنقض (قرطبی)

آسمان کے چھت یا عمارت ہونے پر حاشیہ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲ میں گزر چکا۔ عدیم المثال بلندی

وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ الَّيْلَ

اور یہ لوگ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں ۴۴ اور وہ وہی تو ہے جس نے رات کو اور دن کو

وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٣﴾

اور سورج کو اور چاند کو پیدا کر دیا ہے۔ سب ایک مدار میں تیر رہے ہیں۔ ۴۵

اور عدیم المثال احاطت دونوں کے لحاظ سے آسمان کو جو بہترین صفاتی نام دیا جاسکتا ہے، وہ چھت ہی کا ہو سکتا ہے۔ کائنات کی بلند ترین چھت۔ ہیئت و فلکیات کی ہر علمی اصطلاح سے کہیں بہتر اور کہیں واضح تر۔

۴۴ مقصود ان سارے مادی و طبعی حقائق کی طرف اشارہ کرنے سے یہ ہے کہ یہ سب اللہ کی توحید اور کمال صناعی ہی پر دلالت کر رہے ہیں ـــ طبعیات، ارضیات، فلکیات کوئی سا بھی مادی علم و فن بجائے خود بتانا یا سکھانا ہرگز قرآن مجید کا موضوع نہیں۔ اس کا مقصود ہر جگہ ان علوم و حقائق سے توحید، قدرت و حکمت پر استدلال کرنا اور اخلاقی و دینی نتیجہ نکالنا ہے۔

اٰیٰتھا۔ ضمیر ھا، سماء کی طرف ہے۔ مراد یہی ہے کہ جو نشان اور دلائل آسمان میں جمع کر دیئے گئے ہیں لوگ ان سے سبق نہیں لیتے۔

والمعنی وھم عن الاعتبار بآیاتھا معرضون (بحر)

ھم سے مراد منکرین توحید ہیں۔

۴۵ (اور جو قاعدہ قانون ان کے لئے گردش کا بنا دیا گیا ہے، اس سے ذرا بھی باہر نہیں جا سکتے)

فلک اور یسبحون دونوں کے لئے ملاحظہ ہو سورہ یٰسٓ آیت ۴۰ کا حاشیہ۔ فلک کے مفہوم میں صاف خلا کا تخیل پایا جاتا ہے، نہ کہ کسی ٹھوس جسم یا ہیئت کا۔ ضحاک تابعی سے ایک قول اس آیت کے تحت میں منقول ہے۔

قال الضحاک الفلک لیس بجسم وانما ھو مدار ھذہ النجوم۔ (بحر۔ کبیر)

اور یہ قول بھی اسی وقت یعنی تیسری صدی ہجری سے منقول چلا آ رہا ہے کہ فلک کے معنی گھری ہوئی فضا کے ہیں۔

قال آخرون الفلک موج مکفوف تجری الشمس والقمر والنجوم فیہ (ابن جریر)

وقال اکثر المفسرین ھو موج مکفوف تحت السماء یجری فیہ الشمس والقمر۔ (روح۔ مدارک)

اور فلک اپنے لغوی معنی میں اردو کے دائرہ یا مدار کے مترادف ہے۔

الفلک فی کلام العرب ھو کل شیء دائر (ابن جریر)

فلک۔ مرادف آسمان یا سماء کے نہیں بلکہ ستاروں کی گردش گاہ یا رہ گزر کا نام ہے اور اسے

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ

اور ہم نے آپ سے قبل بھی کسی بشر کو ہمیشگی کے لئے نہیں بنایا تھا۔۴۶ف

یہ کہتے بھی اس لئے ہیں کہ وہ فلک (کشتی) سے مشابہت رکھتا ہے۔

والفلک مجری الکواکب وتسمیتہ بذالک لکونہ کا لفُلک (راغب)

اور یسبحون میں تو صاف اشارہ اجرام فلکی کی گرم رفتاری کی طرف ہے، نہ کہ آسمان میں ان کے جڑے ہونے کی جانب فعل سبح کا اطلاق خشک زمین پر چلنے پر نہیں، فضائے آبی یا ہوائی میں تیرنے ہی پر ہوتا ہے۔

السبح المر السریع فی الماء وفی الھواء واستعیر لمر النجوم فی الفلک (راغب)

ای یجرون ویسیرون بسرعۃ کالسابح فی الماء (قرطبی)

المر السریع فی الماء والھواء (اقرب)

سرعتِ رفتار ہر معنی میں مشترک اور ہر موقع استعمال کا لازمی جز ہے۔ سورج، چاند، ستاروں (بشمول کرۂ ارض) کی جو حیرت انگیز تیز رفتاریاں ہیں، ان کا حال ہر ہیئت کی کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ محض گزرنے یا مرور کے لئے عربی میں اور لفظ بھی ہیں، آخر ان سب کو چھوڑ کر قرآن اسی لفظ کو کیوں لایا؟ جس میں زیادہ زور سرعت پر دیا گیا ہے؟ کیا یہی ایک دلیل اعجاز قرآنی کے لئے کافی نہیں؟

مفسرین نے اس پہلو سے سرعت کو نمایاں کیا ہے۔

یسرعون علی سطح الفلک۔ (بیضاوی)

یجیرون ویسیرون بسرعۃ (معالم، قرطبی)

یسبحون۔ کے اندر معنی گردش کرتے چکر کھانے کے لئے گئے ہیں۔

ای یدرون (ابن کثیر مدارک)

اور ابن کثیر میں قول تدور کا انتساب تو ابن عباسؓ صحابی اور مجاہد تابعی کے ساتھ ہی کیا گیا ہے۔

کلٌ کی تنوین حذف مضاف کے ظاہر کرنے کو ہے۔ تقدیر کلام کلھم ہے۔

التنوین فیہ عوض من المضاف الیہ ای کلھم۔ (کشاف۔ مدارک)

اور اس سے اشارہ جنس طوالع کی جانب ہے جس میں سورج، چاند، ستارے، سبھی آگئے۔

الضمیر للشمس والقمر والمراد بھما جنس الطوالع۔ (کشاف۔ مدارک)

یعنی من الشمس والقمر والنجوم والکواکب واللیل والنہار۔ (قرطبی)

۴۶ف (سو آپ بھی غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں، اور نہ کوئی اور انسان مدارج قرب میں ترقی کرتے کرتے غیر فانی دیوتا بن سکا ہے۔)

آیت میں تردید ہے یونان، ہندوستان وغیرہ کے اس مشرکانہ عقیدہ کی کہ فلاں فلاں انسان ترقی کرتے کرتے دیوتا بن گیا، اور غیر فانیوں (HEROES) کی صف میں شامل ہو گیا۔

اَفَاۡئِنۡ مِّتَّ فَهُمُ الۡخٰلِدُوۡنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ

سو کیا اگر آپ کی وفات ہو جائے تو یہ ہمیشہ رہیں گے؟ ۴۷ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔

وَنَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ فِتۡنَةً ؕ وَاِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۵﴾

اور ہم تم کو آزماتے ہیں برائی اور بھلائی سے خوب طرح، اور ہماری ہی طرف تم لوٹ کر آؤ گے۔ ۴۸

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ يَّتَّخِذُوۡنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ

اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ ۴۹

موت و وفات کا تعلق جسم سے ہے۔ جسم کے اندر روح کیسی ہی لطیف و پاکیزہ ہو، جسم بہرحال ایک مدت معین کے بعد کام چھوڑ دے گا اور روح اس کے اندر سے نکل کر اپنی اگلی منزل کو روانہ ہو جائے گی، اسی کا نام موت ہے ــــ اور یہ واقعۂ طبعی مدارج قرب میں ذرا بھی حائل نہیں ــــ سارے بنی آدم کو حضرت آدمؑ کے نزول ارض کے وقت ہی یہ صاف جتا دیا گیا تھا کہ تمہیں دنیا میں بس کم ہی مدت کے لئے رہنا ہوگا۔ ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین۔ (سورۂ بقرہ۔۳۶)

۴۷ (سو یہ کافر معاند آپ کی وفات کا خیال کر کر کے خوش کیوں ہو رہے ہیں؟ آخر ان میں سے بھی تو ایک ایک کو ہمارے پاس آنا اور جواب دہ ہونا ہے۔)

۴۸ (حساب کتاب اور جزائے عمل کے لئے)

یہاں انسان کے لئے تین قانون بیان کر دیئے۔

(۱) ایک یہ کہ ہر ذی حیات کے لئے موت لازمی ہے، خواہ جلد خواہ طویل مدت کے بعد۔

(۲) انسان جب تک زندہ رہے گا، اس کا امتحان برابر ہوتا رہے گا کہ کن کن حالات میں وہ ایمان و طاعت کے تقاضے پورے کرتا ہے اور کن کن حالات میں کفر و معصیت کی طرف جھک جاتا ہے۔

بالشر والخیر۔ شر سے مراد انسان کے مخالف طبع حالات ہیں مثلاً مرض، افلاس وغیرہ۔

خیر۔ سے مراد اس کے مواقف طبع حالات ہیں صحت، خوشحالی وغیرہ۔

ای بالمکروہ والمحبوب۔ وتفسیر الشر والخیر بما ذکر مروی عن ابن زید وروی عن ابن عباس انہما الشدۃ والرخاء، وقال الضحاک الفقر والمرض والغنی والصحۃ و التعمیم اولی۔ (روح)

(۳) ہر انسان کو اللہ ہی کے حضور میں واپس جا کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے نہ کہ کسی اور کے پاس پیش ہونا یا سرے سے پیش ہی نہ ہونا۔

اَھٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِھَتَکُمْ ۚ وَھُمْ بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

کیا یہی وہ (حضرت) ہیں جو تمہارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کیا کرتے ہیں، درآنحالیکہ یہ لوگ خدائے رحمٰن کے ذکر ہی سے کفر

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ

کرتے رہتے ہیں ۵۰ انسان کی خلقت ہی جلدی (کے خمیر) سے ہوئی ہے ۵۱

فتنۃ ۔ مصدر فتنۃ فعل نبلوکم کی تاکید کے لئے ہے، اور تاکید کے موقع پر کبھی تو اس فعل کا مصدر دہرا دیا جاتا ہے اور کبھی اس کا کوئی مرادف۔

مصدر موکد لنبلوکم من غیر لفظہ ۔ (کشاف)

مصدر علی غیر اللفظ ۔ (قرطبی)

۴۹ (آپس میں)

کافروں کی اخلاقی پستی کا نقشہ ہے ــــ آج بھی کتنے ہی بدنفس کافر ایسے موجود ہیں جو شریعت اسلامی کے احکام و مسائل کو کبھی سنجیدگی سے سنتے ہی نہیں۔ سرے سے تمسخر ہی کرتے رہتے ہیں۔

مکہ میں رسولؐ کے جو ہمسائے تھے، اپنی بدتمیزی اور تمسخر میں سب سے پیش پیش رہتے تھے، مثلاً ابولہب عبدالعزیٰ، عقبہ بن ابی معیط، وغیرہما۔

اور ابن حبیب نے اپنی کتاب المحبر میں مستہزئین قریش کے تحت میں نام حسب ذیل گنائے ہیں:

عاص بن وائل، حارث بن قیس، اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل اللہ کی بے قدری اس تشنیع کے عموم میں آجاتی ہے بلاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۵۰ تو تمسخر و استہزا کے مستحق اگر ہیں تو خود یہ لوگ ہیں، جو دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے اہم حقیقت کو یوں ٹھکرائے ہوئے، یوں بھلائے ہوئے ہیں۔

یذکر سے مراد ہے کہ برائی سے ذکر کرتے ہیں۔

ای بسوء ۔ (بیضاوی)

ای یعیبھا ۔ (معالم)

أھذا الذی یسب الھتکم ۔ (ابن کثیر)

ھم کفرون ۔ ضمیر ھم کی تکرار تاکید کلام کے لئے ہے۔ یعنی یہ کٹے کافر خدائے رحمٰن سے کفر پر کفر کرتے رہتے ہیں۔

ھم الثانیۃ لتوکید کفرھم ای الکافرون مبالغۃ فی وصفھم بالکفر ۔ (قرطبی)

تاکید ۔ (جلالین)

۵۱ انسان سے مراد کافر قسم کا انسان ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے۔ مراد یہ کہ اس قسم کا انسان کچھ ایسا

سَاُورِیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ﴿۳۷﴾ وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ھٰذَا

میں عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھا دوں گا سو تم مجھ سے جلدی مت مچاؤ۵۲ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب

الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾ لَوۡ یَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا حِیۡنَ

پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۵۳ کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جب

لَا یَکُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡہِہِمُ النَّارَ وَ لَا عَنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ وَ لَا ہُمۡ

آگ کو نہ روک سکیں گے نہ اپنے چہروں سے اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ انھیں

یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۳۹﴾

مدد پہنچ سکے گی۔ ۵۴

جلد باز ہوتا ہے کہ گویا عجلت پسندی اس کے اجزاء عنصری اور ہیئت ترکیبی میں شامل ہے ـــــ نتائج کو جلد سے جلد بلکہ فی الفور دیکھ لینے کی خواہش طبعی ہے۔ البتہ جن کو صحیح تربیت ایمانی نصیب ہو جاتی ہے ان میں یہ خواہش بھی توازن و اعتدال کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔

آج کل کے دہریے اور اپنے کو مختلف ناموں سے یاد کرنے والے نیم دہریے انسانوں کا حق تعالیٰ کے وجود پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ کیسا قادر مطلق و متصف مزاج خدا ہے، جو ظالم کی گرفت اس کے ظلم پر فی الفور نہیں کر گزرتا؟ اور قاتل کو معاً مقتول کے وارثوں کی گرفت میں کیوں نہیں دے دیتا۔ ان لوگوں کی ذہنیت ٹھیک اسی انداز کی ہوتی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ طریق تصوف میں اکثر تشویشات اسی عجلت پسندی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

۵۲ قدرت کا قہر کا ہر نشان اپنے وقت پر قانون حکمت کے ماتحت ظاہر ہو کر رہے گا، خود کسی عذاب کی فوری آمد کا مطالبہ کرتے رہنا حماقت محض ہے۔

اٰیٰتی۔ ایات سے مراد اس سلسلے میں وہ تکوینی واقعات و حوادث ہیں جو اعجازی رنگ میں ظاہر ہو کر پیام قرآن و اسلام کی تائید ہی کرتے رہے۔

والمراد بالآیات ما دلّ علی صدق محمد علیہ السلام من المعجزات۔ (قرطبی)

۵۳ "وعدہ" سے مراد وعدۂ قہر و عذاب ہے۔

قیل معنی الوعد ھنا الوعید، ای الذی یعدنا من العذاب (قرطبی)

قیامت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

قیل القیامۃ (قرطبی)

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ

بلکہ وہ (آگ تو) انہیں یک بیک آلے گی سو انہیں بدحواس کردے گی پھر نہ انہیں اس کے دور کرنے کی سکت ہوگی اور نہ انہیں

يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ

مہلت ہی دی جائے گی۔ ۵۵ے اور یقیناً آپ سے پہلے بھی پیمبروں کے ساتھ تمسخر کیا جا چکا ہے پھر جن لوگوں نے ہنسی اڑائی

بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع قُلْ مَنْ ۳ ع ۱۲ ۴

تھی ان کے اوپر وہی (عذاب) آ واقع ہوا جس پر وہ تمسخر کر رہے تھے۔ ۵۶ے آپ کہئے وہ کون ہے جو

يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ

تمہاری حفاظت کرتا رہتا ہے رات اور دن میں خدائے رحمٰن سے ؟ لیکن نہیں وہ اپنے پروردگار کے ذکر

رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

کی طرف سے روگرداں ہی ہیں۔ ۵۷ے

مشرکین معاندین یہ سوال مسلمانوں سے تمسخر اور بے یقینی کے لہجہ میں کیا کرتے۔

۵۴ے (کسی طرف سے کسی درجہ میں بھی)

یعنی کاش ان منکروں کو اس وقت کا استحضار ہوتا، جب آتش دوزخ ان پر ہر طرف سے بے پناہ حملہ کرے گی، اور انہیں بچاؤ کا، یا مدد کا، کسی طرف سے کوئی ادنیٰ بھی سہارا نہ مل سکے گا، تو آج یہ اس طرح کی بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناتے۔

۵۵ے وہ عذاب شدید اگر ان کے معلوم و متعین وقت پر آتا، جب بھی کچھ غنیمت تھا، وہ تو بالکل دفعۃً نازل ہوگا کہ یہ بالکل ہکا بکا رہ جائیں گے، اور کچھ بھی ان کے بنائے بن نہ پڑے گی۔

تاتیھم بغتۃً۔ اس اچانک آجانے والی چیز سے اشارہ کس جانب ہے؟ قیامت، سزا، آگ، سب ہی مراد ہو سکتی ہیں۔

یعنی القیامۃ، وقیل العقوبۃ وقیل النّار (قرطبی)

۵۶ے ساری تاریخ انبیاء، مکذّب، منکر، معاند قوموں کی تباہی و بربادی سے بھری پڑی ہے اور ہر دنیوی و مادّی عذاب تو محض ایک ہلکا سا نمونہ ہے آخرت کے اشد العذاب کا۔

منکرین کے سلاح خانہ میں سب سے زیادہ زبردست حربہ تمسخر، واستہزاء، طنز و تشنیع ہی کا رہا ہے۔

۵۷ے (اس لئے دلائل توحید پر غور ہی نہیں کرتے)

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ

کیا ان کے پاس ہمارے سوا (کوئی اور) معبود ہیں۔ جو ان کی حفاظت کر لیتے ہوں؟ وہ تو خود اپنی نصرت کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور

مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰی طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ؕ

نہ ہمارے مقابلہ میں ان کا ساتھ ہی دیا جا سکتا ہے۔ لیکن نہیں ہم نے تو انھیں اور ان کے باپ (دادوں) کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا۔ ۵۸ف

اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ

سو کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم (ان کی) زمین کو (برابر) اس کی ہر طرف سے گھٹاتے ہی چلے آتے ہیں ۵۹ف

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ ۖؗ وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ

بھلا یہ لوگ غالب آنے والے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو وحی کے ذریعہ سے تمہیں صرف ڈراتا ہوں۔ ۶۰ف اور بہرے تو

الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

پکار سنتے ہی نہیں جب ڈرائے جاتے ہیں ۶۱ف

مَنْ ..... الرَّحْمٰن ۔ یعنی اگر خدائے رحمٰن تمھیں گرفت میں لینا ہی چاہے تو دن رات میں کون اتنی مجال رکھتا ہے جو تمھارے بچاؤ میں کام دے سکے؟

بعض عارفین نے لکھا ہے کہ اپنے نفس کی حفاظت کی طرف سے بے اختیاری میں تو مومن و کافر سب برابر ہیں، البتہ فرق یہ ہے کہ مومن کی تائید، حفاظت و نصرت من اللہ و مع اللہ ہوتی رہتی ہے، اور کافر کی آس ادھر سے ٹوٹی رہتی ہے۔

۵۸ف (اور انھوں نے اپنے عیش و عشرت میں کوئی خلل پڑتے نہ دیکھا۔)

سو ان کے اصرار علی الکفر اور جمود کی اصل بنیاد ان کی طویل غفلت ہے۔

لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ..... یُصْحَبُوْنَ ۔ مشرکوں کے مزعوم معبودوں کی عین بے بسی دکھائی ہے کہ خود اپنی مدد تو کر نہیں سکتے تو کسی دوسرے کی کیا کریں گے۔

تذکر غائب کی ضمیریں الٰهة کی طرف ہیں انھیں صاحب عقل فرض کر کے۔

فالضمائر للالهة بتنزیلهم منزلة العقلاء (روح)

۵۹ف (فتوح اسلامیہ کے ذریعہ سے)

سو ان کی بیداری اور تنبیہ کے لئے اور انھیں غفلت کی نوم طویل سے، چونکانے کے لئے تو یہی امر کافی ہو جانا چاہئے۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا

اور اگر ان کو آپ کے پروردگار کے عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو جائے، تو یوں کہنے لگیں ہائے ہماری کمبختی بیشک

كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا

ہم ہی خطاوار تھے۔ ۶۲ اور ہم قیامت کے دن میزان عدل قائم کریں گے ۶۳ سو کسی پر

تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ

ذرا بھی ظلم نہ ہو گا۔ اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی (کسی کا کوئی) عمل ہو گا، تو ہم اسے بھی لا حاضر

وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

کریں گے۔ اور ہم ہی حساب لینے والے کافی ہیں۔ ۶۴

"ابتدا میں اسلام کا مغلوب ہونا، اس کی اشاعت میں مخل تھا اور جب اس کی تبلیغ و اشاعت کافی ہو چکی جو اصل مقصود تھی اب مغلوب ہونے سے وہ مفقود نہیں ہو سکتا، چنانچہ مشاہد ہے"۔ (تھانوی)

۶۰ (باقی عذاب لانا نہ لانا میرے اختیار میں بالکل نہیں)

مختصر سے فقرہ میں دو تعلیمیں الگ الگ ملتی ہیں:۔

(۱) رسول کا کام محض آگاہ کر دینا، متنبہ کر دینا، کان کھول دینا ہے۔ زبردستی کسی کا ہاتھ پکڑ کر اسے راہ حق پر چلا دینا نہیں۔

(۲) رسول یہ کام جو کچھ کرتے ہیں، محض وحی و امر حق کے ماتحت کرتے ہیں، اپنے دل و دماغ سے نہیں۔

۶۱ (سو یہ بہرے جنھوں نے ہر دعوت حق کی طرف سے اپنے کان بہرے کر رکھے ہیں، ان پر بھلا میری تنبیہ کا کیا اثر ہو گا؟)

الصُّمّ۔ سے مراد اس تشبیہ میں وہ پیدائشی بہرے نہیں جو معذور ہیں، بلکہ مراد وہ ارادی بہرے ہیں، جو دانستہ اپنے کان بند کر لیتے ہیں۔

۶۲ یعنی وہ پورا عذاب تو الگ رہا اس کا ایک شمہ بھی اگر ان پر نازل ہو جائے تو ان کی آنکھیں کھل جائیں، ہوش درست ہو جائیں، اور ساری غفلت اور تعلّی رفو چکر ہو جائے۔

۶۳ (اور اعمال کا وزن کریں گے) وزن اعمال پر حاشیہ سورۂ اعراف آیت ۸ کے تحت گزر چکا۔

الموازین۔ "موازین کا جمع لانا یا تو اس وجہ سے ہے کہ ہر شخص کے لیے جدا میزان عمل ہو یا چونکہ ایک ہی میزان میں بہت سے لوگوں کے اعمال کا وزن ہو گا اس لئے وہ ایک قائم مقام متعدد کے ہو گی"۔ (تھانوی)

موازین کے صیغۂ جمع کے ظاہری اقتضاء سے بعض نے یہ کہا ہے کہ قیامت میں میزانیں متعدد

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور بالیقین ہم موسیٰ وہارون کو عطا کر چکے ہیں ایک چیز فیصلہ کی اور روشنی کی اور نصیحت کی پرہیز گاروں کے لیے ۶۵

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ہیبت میں رہتے ہیں اور وہ قیامت سے (اور بھی) ڈرتے رہتے ہیں۔ ۶۵ الف

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۚ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

الربع ع ۹

اور یہ (قرآن) ایک برکت والی (کتاب) نصیحت ہے کہ ہم نے اس کو اتارا ہے سو کیا تم اس سے بھی ناشناس ہو؟ ۶۶

ہوں گی، مثلاً ہر اُمّت کے لئے الگ الگ، ہر مکلف کے لئے الگ الگ۔

وجمع الموازین ظاهر فی تعدد المیزان حقیقة۔ (روح)

لیکن قول معتبر یہ ہے کہ یہ تعدد حقیقی نہیں مجازی ہے اور صیغۂ جمع محض اظہار عظمت کے لئے۔

والاصح الاشهر انه میزان واحد لجمیع الامم ولجمیع الاعمال، والتعدد اعتباری وقد یعبر عن الواحد بمایدل علی الجمع للتعظیم۔ (روح)

انما جمع الموازین لکثرة من توزن اعمالهم وهو جمع تفخیم۔ (کبیر)

الاکثر علی انه انما هو میزان واحد وانما جمع باعتبار تعدد الاعمال الموزونة فیه۔ (ابن کثیر)

۶۴ (بغیر میزان وغیرہ کی مدد کے بھی)

مطلب یہ ہے کہ یہ سارے انتظامات تو تمہارے مزید اطمینان کے لئے ہوں گے، ورنہ رتّی رتّی کے حساب کے لئے تو ہم خود ہی بلا ان آلات و وسائط کی مدد کے کافی ہیں۔

بعض مشرک قوموں (مثلاً اہل مصر) نے ایک الگ دیوتا اعمال کے حساب کتاب کے لئے بھی گڑھ رکھا تھا۔ آیت میں ضمناً ان مشرکانہ توہمات کی بھی تردید آگئی۔

۶۵ یعنی نصیحت سے نفع پرہیز گار ہی اٹھائیں گے، ورنہ کتاب ہے تو سب ہی کے لئے۔

۔ الفرقان۔ سے مراد کتاب توریت ہے۔ اس کا نزول حضرت موسیٰؑ پر اصالۃً ہوا، اور حضرت ہارونؑ پر بہ طور ان کے نائب و شریک کے۔

وتفسیر الفرقان التوراة (قرطبی)

هو التوراة (کبیر)

والمراد بالفرقان التوراة۔ (روح)

یعنی به الکتاب الذی یفرق بین الحق والباطل۔ (ابن جریر)

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد فتح و نصرت ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ج (۵۱)

اور بالیقین ہم (اس سے بھی) پہلے ابراہیم کو فہم سلیم عطا کر چکے تھے ۶۷ اور ہم ان کو خوب جانتے تھے ۶۸

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (۵۲)

(وہ وقت یاد کرو) جب انھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم والوں سے کہا یہ کیا (واہیات خرافات) مورتیں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو ۶۹

قال ابن زید الفرقان هنا هو النصر (قرطبی)

قال ابن عباس الفرقان هو النصر الذی موسٰی ۔ (کبیر)

ضیاء و ذکرا۔ بھی اسی کی صفات ہیں۔

۶۵ الف متقین کے دو وصف خصوصی بیان ہوئے ہیں، ایک ان کی خشیت رب، دوسرے یوم حشر سے ان کا خوف ـــ کاش ہمارے بے قید اور آزاد صوفیہ و مشائخ، اس پر غور کرتے! نصیحت سے نفع یاب ہونے کا راز اسی دل کی کھٹک میں ہے۔

۶۶ یعنی تم ایسی کتاب سے انجان ہو رہے ہو جس کا نصیحت نامۂ خداوندی ہونا توریت سے بھی روشن تر ہے

بالغیب۔ غیب کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ بغیر ایمان بالغیب کے انسان مسلم نہیں ہوتا، اور بغیر خشیت بالغیب کے اس کا مرتبۂ تقویٰ مسلّم نہیں ہوتا۔

مبٰرک۔ یعنی جس کا نفع بہت کثیر ہو۔

۶۷ (ان کے مرتبہ و حیثیت کے لائق و متناسب)

رشد۔ سے مراد ہدایت بھی ہو سکتی ہے اور مرتبۂ نبوت بھی۔

فی الرشد قولان الاول انه النبوة والثانی انه الاهتداء لوجوه الصلاح فی الدین وفیه قول ثالث وهو ان تدخل النبوة والاهتداء تحت الرشد۔ (کبیر)

من قبل۔ رشد سے مراد اگر محض صلاحیت ہے تو قبل سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا دور قبل نبوّت ہوگا۔

ای من قبل النبوة ای وفقناه للنظر والاستدلال۔ (قرطبی)

اور اگر رشد سے مفہوم نبوّت لیا جائے تو مراد ہوگی کہ عہد موسیٰؑ و ہارونؑ سے قبل۔

ای من قبل موسٰی وهارون (ابن جریر۔ کشاف)

حضرت ابراہیمؑ کا عہد، حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کے عہد سے بہت قبل کا ہے۔

۶۸ (کہ وہ کیسی سعادتیں اور صلاحیتیں اور کیسے کمالات علمی و عملی رکھنے والے ہیں)

ای انه اهل لایتاء الرشد وصالح للنبوة۔ (قرطبی)

اللہ کی بخششیں اندھا دھند اور اٹکل پچو نہیں ہوتیں، تمام تر ظرف و محل کی حکیمانہ و عارفانہ، صحیح و متعین رعایتوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ

وہ بولے ہم نے تو اپنے باپ (دادوں) کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے ۔ ۶۹ (ابراہیم نے) کہا یقیناً صریح گمراہی

وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ

میں مبتلا رہے تم (بھی) اور تمہارے باپ (دادا) بھی ۔ ۷۰ وہ بولے کیا تم سنجیدگی سے ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا

مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دل لگی ہی کر رہے ہو ۔ ۷۱ ابراہیم نے کہا ارے (دل لگی کیسی) تمہارا پروردگار تو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے

الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾

ان (سب) کو پیدا کیا ۔ اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں ۔ ۷۲

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اشیاء جو اپنے کمالات کے ساتھ مرتبہ علم الٰہی میں متصف رہتی ہیں ان کا نام اصطلاح صوفیہ میں اعیان ثابتہ ہے ۔

۶۹ ملک بابل (موجودہ عراق) کی ایک قدیم قوم شرک میں خوب مبتلا تھی ۔ مظاہر پرستی، کواکب پرستی وغیرہ کے علاوہ مورتی پوجا کا بھی رواج ان میں پھیلا ہوا تھا حضرت ابراہیمؑ اسی قوم کے درمیان پیدا ہوئے آپ کے والد تارح (عربی تلفظ میں آزر) ایک بڑے صناع بُت تراش و بُت فروش تھے ۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن ۔

عاکفون ۔ عاکفون کے اصل معنی کسی شئے پر جم جانے کسی شئے کے ساتھ ہو جانے کے ہیں ۔

شیخ اسمٰعیل شہید دہلویؒ نے اسی آیت سے صوفیہ کے تصور شیخ کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا ہے ۔

مرشد تھانویؒ کی تحقیق ہے کہ جو تصور شیخ غالی صوفیوں میں پھیلا ہوا ہے وہ تو بے شک ممنوع ہے ۔ لیکن اگر تصور شیخ ایسا ہو کہ نہ وہ بالاستقلال مقصود ہو اور نہ اس پر عکوف ہو، بلکہ محض غلبۂ محبت سے، مثل دوسرے محبوبات کے، وہ بھی ذہن میں آجائے، اور جب وہ ذہن سے غائب ہونے لگے تو اہتمام اس کے باقی رکھنے کا بھی نہ کیا جائے تو ایسے تصور شیخ میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

۷۰ (تو اصلی اور قدیم دین، اور اس لئے صحیح دین تو ہمارا ہی ہے تم البتہ خواہ مخواہ ایک نئی بات لے کر اُٹھے ہو ۔)

جاہلی مذہبوں کا بڑا سہارا ہمیشہ یہی باپ دادوں کی ریت رسم کا رکھ رکھاؤ رہا ہے ۔

۷۱ یعنی مجرد تقلید آباء و اجداد بھی بھلا کوئی دلیل ہے؟

آیت میں رد ہے جاہل مریدین و مقلدین کا جو اکابر کی تقلید و اتباع میں غلو رکھتے ہیں ۔ اور دلیل صحیح مل جانے پر بھی ان ہی کے قول یا عمل کو حجت بنائے رکھتے ہیں ۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور بخدا میں تمہارے بتوں کی گت بنا ڈالوں گا جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ ۷۴ ف

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

چنانچہ آپ نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے ہی کر ڈالا بجز ان کے بڑے (بت) کے تاکہ وہ لوگ اسی کی طرف رجوع کریں۔ ۷۵ ف

۷۲ ف مشرک قوم توحید سے اس درجہ ناآشنا بیگانہ ہو چکی تھی کہ اسے یہ آواز ہی بالکل عجیب و غریب اور افسانہ نامعلوم ہوئی، اور وہ لوگ یہی سمجھے کہ معلوم ہوتا ہے یہ ہمارے ساتھ ہنسی دل لگی کر رہے ہیں، ورنہ سنجیدگی سے تو کوئی ایسا انوکھا پیام پیش ہی نہیں کر سکتا۔

بالحقّ۔ ای بجدٍ۔ (ابن عباس)

ای بالجد (روح)

۷۳ ف یعنی میں اس عقیدۂ توحید پر دلیل بھی رکھتا ہوں۔

مسلمان ناظرین کو جو شروع ہی سے عقیدۂ توحید کے خوگر ہیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا کہ دنیائے شرک میں اس آواز سے کیسی ہلچل پڑ گئی ہوگی! سارے آسمان و زمین ساری مخلوقات کا ایک خالق اور ایک پروردگار ہونے کا مشرکوں کو کسی طرح یقین ہی نہیں آتا۔

۷۴ ف یہ ضرور نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ فقرہ مجمع عام کو مخاطب کر کے اور پکار کر کہا ہو —— غالب ہے کہ زیر لب کہا ہو۔ اور صرف آس پاس کے دو ایک شخصوں نے سن لیا ہو۔

قال مجاھد وقتادۃ انما قال ذلک ابراھیم فی سرّ من قومہ ولم یسمعہ الا رجل واحد وھو الذی افشاہ علیہ۔ (قرطبی)

فقہاء نے لکھا ہے کہ دشمن کو مغالطہ دینا جائز ہے بشرطیکہ اس سے نقض عہد و تائید باطل لازم نہ آجائے۔

۷۵ ف (اور حضرت ابراہیمؑ کو ان پر تشنیع و تعریض اور گرفت کا پورا موقع ہاتھ آجائے)

الیہ۔ میں ضمیر کا مرجع اکثر نے اسی بڑے بت ہی کو لیا ہے۔

ای الی کبیرھم (کشاف)

قیل ای الصنم الاکبر (قرطبی)

ای الی الکبیر۔ (جلالین)

لیکن اگر اس کا مرجع خود حضرت ابراہیمؑ کو مانا جائے، جب بھی نتیجہ وہی رہے گا کہ جب میری طرف تحقیق حال کے لئے رجوع کریں گے اس وقت خوب موقع مجھے قائل کرنے کا مل جائے گا۔

فیحتمل رجوعھم الی ابراھیم علیہ السلام (کبیر)

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥٩ قَالُوْا سَمِعْنَا

وہ لوگ (آکر) بولے یہ (حرکت) کس نے ہمارے ٹھاکروں کے ساتھ کی ہے؟ بیشک اس نے تو بڑا ہی غضب کر دیا۔۷۶ (بعض ان میں سے)

فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝٦٠ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ

بولے کہ ہم نے تو ایک نوجوان کو جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ان کا ذکر برائی سے کرتے سنا تھا۔۷۷ (وہ لوگ) بولے تو پھر اس کو

النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝٦١ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا

سب لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ دیکھیں۔۷۸ وہ بولے کہ ارے تم ہی وہ ہو جس نے ہمارے ٹھاکروں

بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝٦٢ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا

کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ اے ابراہیم؟ (آپ نے) کہا کہیں اس نے نہ کیا ہو۔ ان کے اسی بڑے نے۔ سو ان ہی

فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝٦٣

سے پوچھ دیکھو اگر یہ بولتے ہوں۔ ۷۹

ای الی ابراھیم ودینہ (قرطبی)

۷۶ حضرت ابراہیمؑ ادھر اپنے ارادہ کو قوت سے فعل میں لا چکے ہیں۔ اور اب منظر یہ ہے کہ مندر میں پوجا پاٹ کرنے والے جب پوجا کے لئے جمع ہوئے ہیں تو انھوں نے باقی مورتیوں کی یہ گت بنی دیکھی ہکّا بکّا رہ گئے اور ایک دوسرے سے لگے کہنے کہ ایسی شدید گستاخی کی جرأت آخر ہوئی کس کو؟

۷۷ یہ اکّا دکّا کہنے والے وہی تھے جنھوں نے اس روز حضرت ابراہیمؑ کا وہ فقرہ سن لیا تھا۔

یذکرھم۔ یعنی بتوں کا ذکر وہ نوجوان مذمت کے ساتھ کر رہا تھا۔

یذکرھم بالکسر ویعیبھم (ابن عباسؓ)

یعیبھم ویسبھم (قرطبی۔ معالم)

ای یذکرھم بسوء (بحر)

۷۸ (اور گواہی دیں)

یشھدون کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہی کہ سب لوگ مشاہدہ کریں۔ یعنی یہ آکر دیکھیں کہ ہم ایسے مجرم کو کیسی سخت سزا دیتے ہیں۔

یحضرون عقوبتنا (کشاف)

وقیل عقابہ فلا یقدم أحد علی مثل ما اقدم علیہ (قرطبی)

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ

اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچنے لگے۔ پھر بول اٹھے بے شک تم ہی (سرتاسر) ناحق پر ہو۸۰ ؎

نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾

پھر اپنے سروں کو جھکا لیا۸۱ ؎ (اے ابراہیم) تمھیں تو خوب معلوم ہے کہ یہ (ٹھاکر) کچھ بولتے نہیں۸۲ ؎

اور دوسرے یہ کہ لوگ اس مجرم کا اقرار جرم سن کر اس کے گواہ بن جائیں۔

یشھدون علیہ بما سمع منہ (کشاف)

یشھدون علیہ بما قال لیکون ذلک حجۃ علیہ (قرطبی)

۷۹ ؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طنزیہ انداز گفتگو شروع ہی سے ظاہر ہے۔ اسی لب ولہجہ میں آپ نے اس وقت بھی فرمایا، کہ جی اور کیا۔ اور کہیں ان بڑے ٹھاکر جی ہی نے یہ حرکت نہ کی ہو۔ آپ ان ہی سے کیوں نہیں دریافت کر لیتے؟

حدیث صحیح میں ابراہیم خلیل اللہ کے اس قول کو "کذب" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس سے منکرین حدیث کو بخاری مسلم ترمذی کے خلاف خود ایک طومارِ کذب باندھنے کا موقع مل گیا ہے۔ حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ کذب صرف صورۃً تھا نہ حضرتؑ کی نیت کسی غلط بات کہنے کی تھی، نہ اس کلام سے اس بڑے مجمع میں کسی ایک متنفس کو بھی دھوکا یا مغالطہ ہوا۔ مقصود تمام تر مشرکین پر حجت الزامی قائم کرنا تھی۔ اور اس کے لئے آپ اعلان پیشتر سے کر ہی چکے تھے۔ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ۔ یہ تو صرف ایک بلیغ، موثر، خطیبانہ پیرایۂ گفتگو، اسلوب بیان تھا، موقع کے مناسب حال۔ ایسا کذب (اور "کذب" جو عربی میں اردو کے "جھوٹ" کے مرادف نہیں، بلکہ اس سے کہیں زیادہ وسیع معنی رکھتا ہے) ہرگز عصمت انبیاء کے منافی نہیں۔

امام رازیؒ نے ایک توجیہ بھی یہی نقل کی ہے کہ فاعل کبیرھم ھذا کو نہ مانا جائے بلکہ بجائے اس کے تقدیر کلام یوں مانی جائے، فعلہ من فعلہ یعنی یہ حرکت تو کی جس نے کی۔ اور کبیرھم ھذا کا تعلق صرف عبارت مابعد سے جوڑا جائے۔

انہ کنایۃ عن غیر مذکور ای فعلہ من فعلہ (کبیر)

اور کسائی نحوی سے منقول ہے کہ وہ بل فعلہ پر پورا وقف کر لیتے تھے۔ اور کبیرھم ھذا سے نیا فقرہ شروع کرتے تھے۔

ویروی عن الکسائی انہ کان یقف عند قولہ بل فعلہ ثم یبتدئ کبیرھم ھذا (کبیر)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کسی مصلحت دینی کے سبب سے بعض بزرگوں سے جو کلام بطور توریہ منقول ہے اس کی اصل یہی آیت ہے۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾

(آپ نے) کہا تو کیا تم اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکیں اور نہ تمہیں نقصان ہی پہنچا سکیں

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

تف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ ۸۳ے تو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے ؟

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾

(وہ لوگ) بولے اس شخص کو تو جلا دو، اور اپنے ٹھاکروں کا بدلہ لے لو اگر تمہیں (کچھ) کرنا ہے۔ ۸۴ے

۸۰ے یعنی سوچنے کے بعد جی میں تو قائل ہی ہوگئے کہ بے شک غلطی ہماری ہی ہے اور آپس میں کہنے بھی لگے۔

ای فتفکروا وتدبروا وتذکروا۔ (روح)

۸۱ے (جیسا کہ شرمندگی کے وقت انسان سر جھکا ہی لیتا ہے)

لفرط اطراقهم خجلاً وانکسارًا۔ (کشاف)

۸۲ے (سوان سے پوچھنا ہی کیا)

یہ جواب ظاہر ہے کہ بالکل مغلوبانہ لہجہ میں تھا۔

۸۳ے تف ہے تمہاری مورتیوں کی بے بسی و بیچارگی پر، اور تف ہے تمہاری عقل و دانش پر کہ ایسوں کو اپنا خدا مانے ہوئے اور بنائے ہوئے ہو۔

مالا ینفعکم شیئًا ولا یضرکم۔ اس میں صاف اثبات ہے اس حقیقت کا کہ مسلمانوں کا جو معبود ہے پوری قدرت ہر نفع اور ہر نقصان پہنچانے کی وہی رکھتا ہے ـــــ صحابہؓ کو شعوری طور پر استحضار اس حقیقت کا رہا کرتا تھا۔ اور دنیا و آخرت دونوں میں وہ کامیاب ہو کر رہے۔ کاش آج مسلمان اسی ایک سبق کو سیکھ لیتے۔ اور ان کے دین و دنیا دونوں کے کام بن جاتے!

اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ۔ جب تبلیغ میں نرمی و شیرینی کلام نہ چلے تو اس حد تک سختی کی اجازت اس آیت سے نکلتی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مبغوضین فی اللہ کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی جو عادت بعض بزرگوں کی ہوتی ہے، اس کا ماخذ یہی آیت ہے۔

۸۴ے مجرموں کو آگ میں ڈال کر جلا دینے کی سزا اس وقت مختلف قوموں کے قانون میں عام تھی۔ روایات یہود میں آتا ہے کہ بادشاہ بابل نے ایک خاص بھٹی اس کے لئے تیار کرائی۔ پانچ پانچ گز کے دور میں لکڑی کا ڈھیر لگا کر اس میں آگ لگائی گئی، اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینکا گیا۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا

ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں ۵۸۵ اور (لوگوں نے)

بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى

ان کے ساتھ برائی کرنا چاہی تھی، سو ہم نے ان ہی (لوگوں) کو ناکام کر دیا ۵۸۶ اور ہم نے ان کو اور لوط کو

الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

ایسی سرزمین کی طرف بھیج کر بچا لیا جس کو ہم نے دنیا جہان والوں کے واسطے بابرکت بنا دیا ہے ۵۸۷

۵۸۵ جو خدا آگ کو جلانے کا حکم دیتا رہتا ہے۔ وہ اس پر بھی اسی آسانی سے قادر ہے کہ اسے نہ جلانے کا بھی حکم دیدے۔ یہ کہنا کہ آگ تو جاد لا یعقل و بے شعور ہے' اس سے خطاب کیوں کر ہوا ہوگا، عجیب احمقانہ اعتراض ہے۔ آگ کی جمادیت، بے شعوری وغیرہ اگر ہے تو ہماری نسبت سے ہے' یا خود خالق کائنات کی نسبت سے بھی؟

فلنا ینار۔ آگ میں بالطبع و مستقل خاصیت جلانے کی ہے، یہ اسلامی عقیدہ نہیں ــــ آگ کیا معنی کسی چیز میں بھی کوئی مستقل و بالطبع خاصیت موجود نہیں۔ ہر خاصیت ہر وقت امر الٰہی سے پیدا ہوتی رہتی ہے' اور امر الٰہی کا سلسلہ ہر لمحہ و ہر آن بلا توقف و انقطاع جاری رہتا ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ۔

علٰی ابراھیم۔ کی قید سے قرینہ اس کا نکلتا ہے کہ آگ کی تبدیل ماہیت نہ ہوئی ہو' وہ وہی پرشور آگ ہی ہو البتہ موذی حضرت ابراہیمؑ کے حق میں نہ رہی ہو۔ یا اس کے علاوہ بھی کوئی صورت فرض کی جائے واقعہ خارق عادت تو بہر حال و بہر صورت تھا۔

سلٰما۔ حذف مضاف کے ساتھ ہے یعنی سلامتی والی۔

والمعنی ذات برد وسلام۔ (کشاف)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض اولیاء امت سے جو اس قسم کی کرامتیں منقول ہیں وہ اسی قصہ کی نظیر ہیں۔

۵۸۶ (کہ ان کا مقصود یعنی ہلاکت ابراہیمؑ تو حاصل نہ ہوا۔ بلکہ الٹے حقانیت ابراہیمؑ اور زیادہ روشن ہو گئی)

۵۸۷ مراد ہے سرزمین شام، جو دینی و دنیوی برکتوں اور رحمتوں کی جامع ہے دینی برکتیں یہ کہ حضرات انبیاء کثرت سے اس سرزمین پر آئے۔ اور دنیا کے پھیلے ہوئے شرک کے مقابلہ میں یہاں توحید کی اشاعت خوب ہوئی۔ اور دنیوی برکتوں سے مراد اس ملک کی خوشگوار صحت بخش آب و ہوا اور اس زمین کی سرسبزی و شادابی ہے۔

توریت میں بھی زمین شام کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

لُوْطًا۔ حضرت لوطؑ بن حاران (متوفی ۲۰۶۱ ق م) آپؑ کے بھتیجے تھے' اور آپؑ پر ایمان لا چکے تھے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا

اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب پوتا عطا کیا اور ہر ایک کو ہم نے صالح

صٰلِحِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَاۤ

بنایا ۵۸۸ اور ہم نے ان (سب) کو پیشوا بنایا۔ ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے ۵۸۹ اور

اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ

ہم نے ان کے پاس وحی سے حکم بھیجا نیک کاموں کے کرنے کا اور نماز کی پابندی کا اور ادائے زکوٰۃ کا۔

وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۳﴾

اور وہ ہماری ہی عبادت کرنے والے تھے ۵۹۰

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ فریق مخالف کے ملک کو چھوڑ کر ہجرت کر جانا توکل کے منافی کے نہیں، بلکہ سنت انبیاء کے موافق ہے۔

۵۸۸ یعنی صالحیت کے درجۂ کمال پر تھے۔ اس تصریح کی ضرورت اس لئے پڑی کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب میں عجیب عجیب لغو بلکہ گندے الزامات ان مقدس حضرات کی جانب منسوب کر رکھے ہیں۔ قرآن ان سب سے ان حضرات کی تبری کرتا ہے ـــ ساتھ ہی تعلیم عرب و آل اسمٰعیل کو بھی مل رہی ہے تاکہ کہیں تم اسرائیلیوں کی ضد میں آکر اور ان کی بدگوئی سے مشتعل ہو کر ان کے بزرگوں اسحٰق و یعقوب و لوط علیہم السلام کی شان میں زبان درازی نہ کر بیٹھنا، وہ انبیاء صالحین ہر حال میں واجب الاحترام ہوتے ہیں۔

نافلةً۔ کے معنی علاوہ زیادہ اور عطیہ کے پوتے کے بھی آتے ہیں۔

ولد الولد (کشاف)

وھو ولد الولد (راغب)

۵۸۹ (خلق کو)

صالحین، میں ضمناً یہ بیان آچکا کہ یہ حضرات تکمیل نفس کے مدارج طے کئے ہوئے تھے۔ اب بیان اس کا ہو رہا ہے کہ دوسروں کی بھی تکمیل کر دیتے تھے، گویا اعلیٰ درجہ کے صالح ہی نہ تھے، اعلیٰ درجہ کے مصلح بھی تھے۔

۵۹۰ (اور ان کی عبادت الٰہی و توحید خالص میں کوئی شائبہ بھی شرک اور عبادت غیر اللہ کا نہ تھا) عابدین۔ کی تقدیم لنا پر تاکید تخصیص کو مقتضی ہے۔ یعنی وہ بلا شائبۂ دو رنگی بس ہماری ہی عبادت کرتے تھے۔

”صالحین میں کمال نبوت کی طرف اور اوحینا الیھم فعل الخیرات میں کمال علم کی طرف اور کانوا لنا عابدین میں کمال عمل کی طرف اور ائمة یھدون میں تکمیل للغیر کی طرف اشارہ ہے۔“ (تھانوی)

وَ لُوۡطًا اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا وَّ نَجَّيۡنٰهُ مِنَ الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡ

اور لوط کو ہم نے حکمت اور علم عطا کیا۔۹۱ اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے

كَانَتۡ تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فٰسِقِيۡنَ ﴿۷۴﴾

رہنے والے گندے کام کرتے رہتے تھے، بے شک وہ لوگ بڑے ہی بدکار تھے۔۹۲

وَاَدۡخَلۡنٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۷۵﴾ ع ۵ ۲۵/۵

اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا بے شک وہ بڑے نیک کاروں میں تھے۔۹۳

اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا ذکر جہاں کہیں بھی انبیاء سابقین اور ان کی اُمتوں کے سلسلہ میں آیا ہے، وہاں مراد ان کی وہ تفصیلات و جزئیات نہیں جو فقہ اسلامی میں داخل ہیں، بلکہ مراد ان عبادتوں سے صرف اصولی اور عام ہیئتیں ہیں۔ سابقہ اُمتوں کی نماز اور نماز محمدی کے درمیان فرق بہت ہے۔ لیکن بہرحال نماز کے عمومی تصور کے اندر دونوں شامل ہیں۔ یہی حال روزہ، زکوٰۃ وغیرہ دوسری عبادتوں اور تعبدی اداؤں کا ہے۔

توریت موجودہ میں انبیاء کرام کو عموماً بس اس حیثیت سے پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک قسم کے کاہن یا پیشگوئیاں کرنے والے تھے۔ قرآن مجید کو اس کی تردید میں بار بار یہ وضاحت کرنی پڑی کہ پیمبروں کا اصلی کام ہدایت خلق اور اپنے تزکیۂ نفس کی تکمیل کے بعد دوسروں کے تزکیۂ نفس کی تکمیل ہے۔

۹۱ (ان کے مرتبہ و شانِ نبوت کے تناسب)

مسیحی و یہودی نوشتوں سے حضرت لوطؑ کی جو تصویر پیدا ہوتی ہے، وہ اس عظمت و احترام سے کوئی نسبت نہیں رکھتی ہے، جو قرآن نے آپؑ کی قائم کرائی ہے۔

حکمًا و علمًا۔ حکم کی تفسیر حکمت و نبوت سے کی گئی ہے اور علم کی معرفت دین و فہم سے

والحکم النبوۃ والعلم المعرفۃ بامر الدین، وقیل علمًا فهمًا (قرطبی)

ای حکمۃ أو نبوۃ، وعلماء بما ینبغی علمه للانبیاء علیهم السلام۔ (روح)

دونوں پر تنوین حکم و علم کی تعظیم و شان کے لئے ہے۔

اعلم ان ادخال التنوین علیهما یدل علی علو شان ذلک العلم وذلک الحکم (کبیر)

۹۲ خود لوط علیہ السلام پر اور آپؑ کی اُمت کی بدکاریوں پر حاشیے سورہ اعراف میں گزر چکے۔

ان کی اصلی اور سب سے بڑی بدکاری کا شارح تو خود لفظ لواطت ہے۔ باقی وہ قوم اور بھی اخلاقی پستیوں میں پڑی ہوئی تھی۔ روایات یہود میں آتا ہے کہ خیر و خیرات کرنا، غریبوں کو کھلانا پلانا ان کے معاشرہ میں ایک شدید جرم تھا۔ ملاحظہ تفسیر انگریزی۔

وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّیۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗ مِنَ

اور نوح (کا تذکرہ کیجئے) جیسا (اس سے) قبل ۹۴ جبکہ انہوں نے (ہم کو) پکارا تھا سو ہم نے انکی سن لی اور انہیں اور انکے گھر

الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا

والوں کو بہت بڑے غم سے نجات دی۔ ۹۵ اور ہم نے ان کا بدلہ لے لیا ایسے لوگوں سے جنھوں نے ہماری نشانیوں کو

بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۷۷﴾

جھٹلایا تھا بے شک وہ لوگ بہت ہی بُرے تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا ۹۵ الف

قریۃ التی الخ سے مراد اہل قریہ ہیں۔ (ابن عباس)

۹۳ (جیسا کہ ایک پیمبر کو ہونا ہی تھا۔ نہ کہ معاذ اللہ جرائم کار و شہوت پرست۔ جیسا کہ یہود نے ان کے متعلق اپنی روایات میں گڑھ رکھا ہے۔ اور توریت تک میں ان کی زندگی کو شرمناک جرائم سے داغدار کر کے دکھایا گیا ہے) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

رحمتنا۔ سے مراد ہے وہ لوگ جن پر رحمت نازل ہوئی۔

فی رحمتنا ای فی اھل رحمتنا (کشاف)

حضرت لوطؑ کے متعلق بدنامی کے چرچے چونکہ یہودیوں ہی کے پھیلائے ہوئے تھے۔ اس لئے قرآن مجید کو آپؑ کی صالحیت کے اثبات کی ضرورت پڑی۔

۹۴ یعنی زمانہ ابراہیمؑ و لوطؑ سے بھی قبل ــــ نوحؑ پر حاشیہ سورۃ الاعراف آیت ۵۹ میں گزر چکا۔ آپؑ کا زمانہ توریت کے دیئے ہوئے زمانوں کے لحاظ سے اغلباً ۲۹۴۸ تا ۱۹۹۸ ق م ہوا ہے۔

۹۵ (جس میں وہ کافروں کی تکذیب و ایذا سے مبتلا تھے۔)

کرب عظیم۔ سے مراد طوفان و غرقابی بھی ہو سکتی ہے اور قوم کی طرف سے مسلسل تکذیب آپؑ کے لئے کرب عظیم میں کیا کچھ کم تھی!

دھو الطوفان او اذیۃ قومہ (روح)

قال ابن عباس من الغرق وتکذیب قومہ (معالم)

اھل سے مراد محض نوحؑ کے خاندان والے نہیں، دین والے ہیں۔

فالمراد بالاھل ھھنا اھل دینہ (کبیر)

ای المومنین منھم۔ (قرطبی)

۹۵ الف (ان کی بدکاری کی بنا پر)

اٰیات سے مراد احکام بھی ہو سکتے ہیں۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ

اور داؤد و سلیمان (کا بھی ذکر کیجیے) جب وہ کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ اس میں لوگوں کی بکریاں

غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَکُنَّا لِحُکْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ﴿۷۸﴾

رات کو جا پڑی تھیں ۹۶ اور ہم ان لوگوں سے متعلق فیصلہ کو دیکھ رہے تھے ۹۷

من القوم۔ یہاں مرادف ہے علی القوم کے (ابن عباسؓ) اور من یہاں علی کے معنی میں ہے، قبیلۂ ہذیل کی زبان سند ہے۔

زمخشری نے لکھا ہے کہ میں نے ایک ہذلی کو علی کے موقع پر من بولتے سنا ہے وہ چور کو بددعا دے رہا تھا، اور کہہ رہا تھا۔ اللھم النصرھم منه۔

ای اجعلھم منتصرین منه۔ (کشاف)

قال ابو عبیدۃ من بمعنی علی۔ (کبیر۔ قرطبی)

۹۶ (اور کھیت کو چر گئی تھیں)

حضرت داؤدؑ و حضرت سلیمانؑ دونوں پر مفصل حاشیے سورہ بقرہ آیت ۲۵۱ اور ۱۰۲ میں گزر چکے ہیں۔

یہ دونوں حضرات پیمبر ہونے کے ساتھ ہی حاکم و فرمانروا بھی تھے، اور لازمی طور پر مقدمات کے فیصلے بھی کیا کرتے تھے۔

نَفَشَتْ۔ نفش رات میں جا پڑنے اور حملہ کرنے کو کہتے ہیں۔

قال الزھری النفش لایکون الا باللیل (جصاص)

وقال شریح والزھری وقتادۃ: النفش لایکون الا باللیل (ابن کثیر)

آیت سے صاف ظاہر ہے کہ فرمانروا اور حکمراں ہونا نبوت تک کے منافی نہیں، چہ جائیکہ ولایت کے۔ اس لئے یہ خیال کرنا کہ فلاں چونکہ رئیس یا بادشاہ ہے، اس لئے بزرگ اور مقبول، اور ولی اللہ نہیں ہو سکتا جہل محض ہے۔

۹۷ (جیسا کہ ہر فیصلہ کو دیکھتے رہتے ہیں۔)

حکمھم۔ میں ضمیر ھم کس کی جانب ہے؟ جائز ہے کہ القوم کی جانب ہو یا اس کے مفہوم اھل الحرث یا اھل الغنم کی جانب، اور یہ بھی جائز ہے کہ داؤدؑ و سلیمانؑ اور القوم تینوں کی جانب ہو منقول یہ سب صورتیں ہیں۔

قیل المراد الحاکمان والمحکوم علیه (قرطبی)

وجمع الضمیر لانه ارادھما والمتحاکمین (کشاف)

ای لحکم داؤد وسلیمان والقوم الذین حکما بینھم۔ (ابن جریر)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ صیغۂ جمع کے لئے اقل قلیل تعداد دو کی ہی ہو سکتی ہے۔

دلیل علی ان اقل الجمع اثنان (قرطبی)

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ؗ

سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دیدی ۹۸ اور حکمت و علم تو ہم نے ہر ایک کو دیا تھا۔ ۹۹

استدل بذلك من قال ان اقل الجمع اثنان (روح)

ایک ترکیب کلام محذوف پر بھی سمجھی گئی ہے۔

وكنا للحكم الواقع بينهم شاهدين۔ (روح)

۹۸ یہاں یہ ارشاد نہیں کہ صحیح فیصلہ بذریعہ وحی حضرت سلیمانؑ پر القاء کیا گیا تھا۔ نبا در یہ ہوتا ہے کہ اصابت رائے وصحت فہم کی قوت حضرت سلیمانؑ کو زائد عطا ہوئی تھی۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ سلیمانؑ کی حکمت و دانائی، خوش فہمی، اور قوت فیصلہ آج تک یہود و مسیحی اقوام میں بہ طور ضرب المثل کے چلی آتی ہے۔

عارفین نے یہاں سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ صحت نظر وجودت قیاس بھی محض فضل ربانی ہے۔ چنانچہ اسے اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ ہم نے سمجھا دیا۔

"صورت مقدمہ کی یہ تھی کہ جسقدر کھیت کا نقصان ہوا تھا اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی، داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو وہ بکریاں دلوادیں، اور اصل قانون شرعی کا یہی مقتضا تھا جس میں مدعی یا مدعی علیہ کی رضا کی شرط نہیں، مگر چونکہ اس میں بکری والوں کا بالکل ہی نقصان ہوتا تھا، اس لیے سلیمان علیہ السلام نے بطور مصالحت کے جو کہ موقوف تھی تراضی جانبین پر یہ صورت جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی، تجویز فرمائی کہ چند روز کے لئے بکریاں تو کھیت والے کو دی جائیں کہ ان کے دودھ وغیرہ سے اپنا گزر کرے اور بکری والوں کو وہ کھیت سپرد کیا جاوے کہ اس کی خدمت آب پاشی وغیرہ سے کریں جب کھیت پہلی حالت پر آجاوے کھیت اور بکریاں اپنے اپنے مالکوں کو دیدی جاویں، پس اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کی عدم صحت کو مقتضی ہو، اس لئے كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا بڑھا دیا گیا۔" (تھانوی)

۹۹ (دونوں میں سے اور دونوں نے فیصلہ اپنے اپنے اجتہاد سے کیا)

اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت داؤدؑ کا بھی فیصلہ غلط یا علم و حکمت سے خالی نہ تھا، البتہ فیصلۂ سلیمانی اس سے بہتر اور صائب تر رہا ـــــ مجتہد کے حق اجتہاد اور دونوں پیمبروں کی حرمت و اکرام کے تحفظ کے لئے اس قرآنی فقرہ کا اضافہ ضروری تھا۔

دليل على ان الاصوب كان مع سليمان عليه السلام۔ (كشاف)

قال الحسن: لولا هذه الآية لرأيت أن القضاة هلكوا، ولكنه تعالى اثنى على سليمان بصوابه وعذر داود باجتهاده۔ (قرطبی)

فقہاء نے اس سے متعدد مسائل مستنبط کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ:-

(۱) اظہار حق میں شرم و ادب نہ چاہیئے، ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کبھی اپنے والد بزرگوار کے فیصلہ کے خلاف زبان نہ ہلاتے۔

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾

اور ہم نے داؤد کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ وہ تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی۔ اور یہ کرنے والے ہم تھے ۱۱۱

(۲) اظہار امرِ حق بہ مصلحت شرعی کبھی واجب ہو جاتا ہے، اور کبھی مستحب۔
(۳) ایک قاضی کا فیصلہ دوسرے قاضی کے فیصلہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔
(۴) ایک مجتہد کو چاہیئے کہ اپنے فیصلہ سے رجوع کر لے، جب اسے دوسرا فیصلہ اپنے فیصلہ سے ارجح نظر آئے۔

۱۱۱ (ان عجائب واقعات کے نہ کہ کوئی اور۔ تو پھر ان کے واقع ہوتے میں کوئی تعجب کیوں کرے!)

یسبّحن۔ یہ پہاڑوں کی تسبیح کس نوعیت وکیفیت کی تھی، اس کے جاننے کے نہ ہم مکلف، نہ اس کے علم کا کوئی ذریعہ۔ بہر حال جس کیفیت کے ساتھ اور جس نوعیت کی بھی ہو قرآن مجید نے اسے بیان کر دیا، اس لئے اس پر ایمان رکھنا واجب۔ گو ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے اور یہ بعض اگلوں سے منقول چلی آتی ہے کہ پہاڑوں کی یہ تسبیح نطق و صدا سے نہ تھی، بلکہ دلالت حال سے تھی ـــ حالانکہ دلالت حال تو ایک طبعی کیفیت کا نام ہے۔ اور ایک تاویل بعض ائمہ معتزلہ سے منسوب یہ چلی آرہی ہے کہ یسبحن مشتق ہے سباحۃ سے اور اس کے معنی چلنے کے ہیں، گویا پہاڑ آپؑ کے ساتھ چلتے تھے۔

الجبال۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے حدود مملکت میں پہاڑی حصہ اچھا خاصہ شامل تھا ـــ ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ جبال سے مراد اہلِ جبال ہیں۔ اور یہ پہاڑی تو میں بھی آپ کے ساتھ ہی تسبیح الٰہی کرتی تھیں۔

سب سے آسان وبے تکلف تفسیر وہ ہے جو وہب تابعی سے منقول ہے کہ آپؑ اللہ کے ترانے گاتے ہوئے پہاڑوں سے گزرتے تھے، اور پہاڑ اپنی گونج سے گویا جوابی تسبیح خوانی کرتے تھے۔

قال وھب کان داؤد یمر بالجبال مسبحا والجبال تجاوبہ بالتسبیح۔ (قرطبی)

قیل کان یمر بالجبال مسبحا وھی تجاوبہ۔ (بحر)

اور اسی کو بڑی خوش اسلوبی سے ابن کثیر نے اپنا لیا ہے۔

وکان اذا ترنم بہ تقف الطیر فی الھواء فتجاوبہ وترد علیہ الجبال تاویبا۔ (ابن کثیر)

مع ـ تسخیر سے مراد محض تبعیت واقتدا فی التسبیح ہے نہ یہ کہ ان کے فرمانے سے تسبیح کرتے تھے گو ممکن یہ بھی ہے مگر محتاج دلیل ہے۔" (تھانوی)

یہ نکتہ اکثر مفسرین کی نظر سے اوجھل رہ گیا کہ مع داؤد ہے نہ کہ لداؤد۔

والطیر۔ عطف الجبال پر ہے۔ یعنی پہاڑ ہی کی طرح پرندے بھی مسخر تھے۔ اور پرندوں کی تسخیر یہ ہے کہ جیسا ابن کثیر سے ابھی نقل ہوا ہے، آپ کے ترانوں کو سن کر یہ ہوا ہی میں رک جاتے۔

والطیر عطف علی الجبال (روح)

وذلک لطیب صوتہ بتلاوۃ کتابہ الزبور۔ (ابن کثیر)

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ

اور ہم نے انھیں زرہ کی صنعت تمہارے (نفع کے) لئے سکھلا دی تھی، تاکہ وہ تم کو تمہاری لڑائی میں بچائے ۱۰۱ ؎

فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝۸۰

سو کیا تم شکر ادا کرو گے۔ ۱۰۲ ؎

اور ایک قرات الطیر کے رفع کے ساتھ بھی آئی ہے۔ اس صورت میں خبر محذوف مسخرات ہے۔

وقرئ الطیر بالرفع علی الابتداء والخبر محذوف ای والطیر مسخرات (روح)

توریت کی کتاب زبور میں حضرت داؤدؑ کی زبان سے ہے: "پہاڑ اور سارے ٹیلے میوہ دار درخت اور سارے دیودار، جنگلی جانور اور سارے مواشی اور کیڑے مکوڑے اور پرندے ۔۔۔۔ وہ خداوند کے نام کی ستائش کریں، کہ اس کا نام اکیلا عالی شان ہے، اسی کا جلال زمین اور آسمان کے اوپر پھیلا ہے"۔
(زبور ۱۴۸ : ۹ ـ ۱۳)

۱۰۱ ؎ (دشمن کی ضرب سے)

علمنا۔ صنعت زرہ سازی کی تعلیم کا اللہ تعالیٰ کا اپنی جانب منسوب کرنا بجائے خود ایک دلیل اس صنعت کی بلندی و برتری کی ہے زرہ کی اہمیت فن حرب کے سلسلے میں بڑے درجہ کی رہی اور اب بھی بالکل غائب نہیں ہوئی ہے۔

قرآن کے اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت داؤدؑ زرہ کے موجد بھی ہوں اور یہ صنعت آپ سے قبل نامعلوم ہو۔ بس اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپؑ زرہ سازی کے ماہر تھے ــــ جن لوگوں نے علماء ومشائخ اور اہل اللہ کے لئے کسی دنیوی پیشہ کا اختیار کرنا مذموم اور ان کے لئے دون مرتبہ سمجھا ہے وہ دیکھیں کہ قرآن مجید ایک پیمبر جلیل کا نام زرہ سازی میں لے رہا ہے۔

لکم۔ یعنی تم سب کے نفع کے لئے، انسانوں کے لئے کارآمد۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں، ایک دستکاری سے معاش حاصل کرنا دوسرے اسباب عادیہ کا استعمال توکل کے منافی نہ ہونا۔

۱۰۲ ؎ (اس نعمت کا)

صنعت زرہ سازی کو قرآن نے خاص محل نعمت میں بیان کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فنون وصنائع حرب بجائے خود ہرگز حرام نہیں، بلکہ اگر انھیں حرام ولغو مقاصد کے لئے نہ استعمال کیا جائے تو عین مستحسن وقابل قدر ہیں۔ اس زرہ سازی پر ہر جائز صنعت وصناعت کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ھل۔ کلمۂ استفہام ہے، لیکن کام امر کا دے رہا ہے۔

(استفهام بمعنى الامر ای فاشكروا الله علی ذلك (مدارك)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

اور ہم نے سلیمان (کے تابع) زوردار ہوا کو (بنا دیا تھا) کہ وہ ان کے حکم سے چلتی اس سرزمین کی طرف جس میں

بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

ہم نے برکت رکھ دی تھی ۱۰۳؎ اور ہم تو ہر ایک چیز کا علم رکھتے ہیں ۱۰۴؎

استفهام يتضمن الامر (بحر)

امر وارد صورة الاستفهام (روح)

فقہاء مفسرین نے آیت کو صنعت و حرفت کے استحباب میں زور کے ساتھ پیش کیا ہے۔

هذه الاية اصل فى اتخاذ الصنائع والاسباب وهو قول اهل العقول والالباب لا قول الجهلة الاغبياء القائلين بأن ذلك انما شرع للضعفاء۔ (قرطبی)

۱۰۳؎ یعنی جب وہ فلسطین سے شام کی طرف آتے جاتے تو ذریعۂ سفر تیز و تند ہوا کو رکھتے۔

امام رازیؒ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ باپ کا مسخر کثیف ترین جسم کیا گیا یعنی پتھر اور چٹان۔ اور بیٹے کا مسخر لطیف ترین جسم کیا گیا یعنی ہوا۔

لسلیمٰن الریح۔ قرأت مشہور کے مطابق تقدیر کلام یوں ہوگی وسخرنا لسلیمٰن الریح ایک دوسری قرأت وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحُ کی ہے (رفع حاء کے ساتھ) اس صورت میں تقدیر کلام بہ طور مبتدا و خبر یوں ہوگی۔ وَلِسُلَیْمٰنَ تَسْخِیْرُ الرِّیْحِ۔

الریح عاصفة تجری بامرہ۔ قرآن مجید اس تفصیل سے خاموش ہے کہ ہوا سے حضرت سلیمانؑ کن کن طریقوں سے کام لیتے تھے۔ آیا ہوائی جہاز ہوتے تھے، یا کیا۔ تفصیلات اسرائیلی روایات میں ملتی ہیں، جو ممکن ہے کہ صحیح ہوں، اور ممکن ہے کہ مبالغہ آمیز یا مسخ شدہ ہوں، بہرحال ان کی ذمہ داری قرآن مجید پر نہیں۔

ملاحظہ ہو سورۃ السبا کی آیت ۱۲ ولسلیمٰن الریح غدوھا شھر الخ

بعض جدید مفسروں نے جو یہ معنی لئے ہیں کہ ہوائے موافق آپؑ کے قبضہ میں آجانے سے مراد آپ کا ہوائی سفر نہیں، بلکہ صرف یہ کہ آپؑ کے تجارتی جہازوں کے بیڑے، جو مغرب میں بحر روم اور جنوب میں بحر احمر میں کام کرتے تھے، ان کی آمد و رفت تمام تر آپؑ کے قبضہ میں آگئی تھی، تو یہ تاویل اگرچہ بعید ہے، تاہم الفاظ قرآنی کے اندر اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ دخانی جہاز کی ایجاد سے قبل بادبانی جہازوں سے سفر کا دارومدار بڑی حد تک ہوا ہی کی موافقت پر رہتا تھا۔

الارض التی بٰرکنا فیھا۔ ملک شام کا ذکر برکت والی سرزمین کی حیثیت سے قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔

وَ مِنَ الشَّیٰطِیۡنِ مَنۡ یَّغُوۡصُوۡنَ لَهٗ وَ یَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِكَ ۚ

اور شیطانوں میں ایسے بھی ہوئے ہیں جو ان کے (یعنی سلیمانؑ کے) لئے غوطہ لگاتے تھے ۱۰۵ اور وہ (اور) کام بھی اس کے علاوہ

وَ كُنَّا لَهُمۡ حٰفِظِیۡنَ ﴿۸۲﴾ وَ اَیُّوۡبَ

کرتے رہتے تھے ۱۰۶ اور ہم ہی ان کے سنبھالنے والے تھے ۱۰۷ اور ایوب (کا تذکرہ کیجئے) ۱۰۸

۱۰۴ (سو ہم جانتے تھے کہ سلیمانؑ کو یہ قوت عطا کرنا کسقدر مفید اور موافق مصالح ہوگا۔)
علامہ آلوسی بغدادی نے آیت کے تحت میں ۱۲۴۶ھ میں لکھا کہ اہل لندن (یورپ والے) مدت سے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ دخانی آبی کشتی کی طرح دخانی ہوائی کشتی بھی تیار کریں، لیکن ابھی تک کامیابی خاطر خواہ نہیں ہوئی ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ کوئی ہوائی کشتی انھوں نے بنا تو لی ہے، لیکن اس کی اڑان ابھی تمام تر ان کے قابو میں نہیں آئی ہے۔ (روح المعانی)

۱۰۵ (سمندر اور دریا میں کہ موتی نکال نکال کر لائیں)

فیخرجون من البحر الجواهر. (ابن عباس)،

شیطان سے مراد یہاں جن ہیں۔

الشَّیٰطِیۡن۔ مراد جن ہیں، جو اغلباً کافر تھے۔ شیطان کے لفظی مفہوم میں تو انسان، حیوان، جن، ہر وہ مخلوق شامل ہے، جو سرکش و خبیث ہو۔

قال ابو عبیدة الشیطان اسم لکل عارم من الجن والانس والحیوانات. (راغب)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں اصل ہے اس قول کی کہ ؎

ہر کہ نترسید از حق و تقویٰ گزید — ترسد ازوے جن و انس و ہر کہ دید۔

اور اگر اس کے خلاف کہیں واقع ہو تو وہ کسی عارض کی بنا پر ہوگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر جنات و شیاطین کا ذکر روایات یہود میں بھی ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۰۶ مثلاً یہ کہ حضرت سلیمانؑ کے لئے تعمیری خدمات انجام دیں، جیسا کہ کلام مجید میں بھی تصریح ہے، یَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَ تَمَاثِیۡلَ وَ جِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَ قُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ (سبا: ۱۳)

۱۰۷ ایک تو جن، اور پھر سرکش و شیطانی قسم کے۔ ارشاد فرمایا کہ ان کے سنبھالنے والے، انھیں قابو میں رکھنے والے، سلیمانؑ نامی انسان نہیں بلکہ ہم خود تھے۔

توحید کی تاکید کا ہر پہلو سے کس درجہ اہتمام قرآن مجید کو رہتا ہے۔

۱۰۸ ایوب علیہ السلام اسرائیلی تو نہ تھے، لیکن اسحاقی و ابراہیمی تھے۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ سے پانچویں پشت میں حضرت اسحٰقؑ کے بڑے صاحبزادے اور حضرت یعقوبؑ کے بڑے بھائی عیص کی اولاد میں تھے۔
توریت میں ہے کہ "عوض" کی سرزمین کے رہنے والے تھے، اور عوض سے متعلق علماء فرنگ کی تحقیق ہے

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۸۳﴾

جبکہ انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو توسب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ۱۰۹

کربہ عرب کے شمال و مغرب فلسطین کی مشرقی سرحد کے قریب کا ملک تھا۔ زمانہ آپؑ کا متعین نہ ہو سکا۔ علماء یہود کا بیان ہے کہ آپ کی عمر ۲۱۰ سال کی ہوئی اور آپ فرزندان یعقوبؑ کے ہمعصر ہیں، یعنی کوئی ۱۸، ۱۸½ سو سال قبل مسیح۔ پیغمبر ہونے کے ساتھ ہی آپ امیر کبیر بھی تھے، اور کثیر الاولاد بھی۔ اس وقت اور اس ملک کے تمدن میں انسان کے تمول و ثروت کا اندازہ زر نقد سے نہیں بلکہ پالو جانوروں خصوصاً مویشی کی کثرت تعداد سے کیا جاتا تھا۔

توریت میں ہے:۔

”عوص کی سرزمین میں ایوب نام ایک شخص تھا، اور وہ شخص کامل اور صادق تھا، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا، اس کے سات بیٹے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں، اس کے مال میں سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار اونٹ اور پانچ سو جوڑے بیل اور پانچ سو گدھیاں تھیں، اور اس کے نوکر چاکر بہت تھے ایسا کہ اہل مشرق میں ایسا مالدار کوئی نہ تھا“ (ایوب۔ ۱: ۱۔۳)

۱۰۹ (سو تو میری تکلیف کو بھی دور کر ہی دے گا۔)

توریت میں آتا ہے کہ شیطان نے ایک روز دربار خداوندی میں عرض کیا کہ ایوب کے جس صبر و تشکر کی اتنی دھوم مچی ہوئی ہے، وہ تو بس اسی بنا پر ہے کہ تو نے اسے ہر طرح کی نعمتوں سے نواز رکھا ہے، ذرا یہ نعمتیں چھن جائیں، تو حال معلوم ہو جائے۔ حکم ہوا اچھا تجھے اختیار ہے، جا اور جس طرح ان کی آزمائش کر دیکھ۔ چنانچہ شیطان نے آکر ان پر طرح طرح کی مصیبتوں کے پہاڑ توڑنے شروع کیے۔ کہاں اتنے امیر کبیر تھے، کہاں دفعتہً مفلس قلاش ہو گئے، ساری کھیتیاں جل گئیں، سارے گلے مر گئے، سارے نوکروں چاکروں کو دشمنوں نے مار ڈالا، ساری اولاد یکبارگی مکان میں دب کر مر گئی۔ ان ناقابل یقین مصائب کے بھی یک بیک ٹوٹ پڑنے پر ایوبؑ نے کیا تو صرف اتنا کیا کہ ”اٹھ کے اپنا پیراہن چاک کیا اور سر منڈایا اور زمین پر جھک پڑا اور سجدہ کیا اور کہا، اپنی ماں کے پیٹ سے میں ننگا نکل آیا اور پھر ننگا وہاں جاؤں گا خداوند نے دیا اور خداوند نے لیا خداوند کا نام مبارک ہے، اس سارے مقدمے میں ایوب نے گناہ نہ کیا اور نہ خدا پر بے وقوفی کا عیب لگایا (ایوب ۱: ۲۱،۲۲)

اس کے بعد شیطان نے ان پر پھوڑوں کی گندی بیماری مسلط کی، اور وہ سر سے پیر تک پھوڑوں سے لد گئے توریت میں ہے ”ایسا کہ تلوے سے لے کے چاندی تک اسے جلتے پھوڑے ہوئے، اور وہ ایک ٹھیکرا لے کے اپنے تئیں کھجلانے لگا اور راکھ پر بیٹھ گیا“ (ایوب ۲: ۷ و ۸)

محققین نے کہا ہے کہ حضرت ایوبؑ کی یہ دعا حقیقت توحید و عبدیت کی عجیب و جامع دعا ہے۔

جمع فی ھذا الدعاء بین حقیقۃ التوحید واظہار الفقر والفاقۃ الی ربہ والتوسل الیہ لصفاتہ سبحانہ شدۃ حاجتہ ھو وفقرہ۔ (ابن قیم)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ

ہم نے ان کی (دعا) قبول کرلی اور انھیں جو تکلیف تھی اس کو دور کردیا۱۰ اور ہم نے انھیں ان کا کنبہ عطا کردیا۔

مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاص کے باعث اور تاکہ یادگار رہے اہل عبادت کے لئے۱۱

بعض سطح بینوں نے یہ عجب اعتراض کردیا ہے کہ حضرت ایوبؑ تو بڑے صابر تھے، پھر انھوں نے اللہ کے حضور میں اپنی جسمانی بیماریوں یا مادی سختیوں کے لئے شکوہ و شکایت کیسے پیش کردیئے اعتراض تمام تر لغو ہے۔ صبر و ثبات کے خلاف و معارض تو بے صبری، بے ہمتی اور ناشکری ہوتی ہے۔ اُن چیزوں کا اس عرض نیاز مندانہ میں شائبہ تک نہیں۔ یہ تو سرتاسر اپنی عبدیت و حاجت مندی کا اظہار تھا، جو حق تعالیٰ کے ہاں عین مطلوب ہے۔ آیت میں اس کی بھی تعلیم ملتی ہے کہ تمام صالحین و ابرار کا کیا ذکر ہے، نبی مرسل تک اللہ کے فضل و رحمت کے محتاج رہتے ہیں۔

۱۱ (یعنی تاکہ اہل تقویٰ و عبادت یاد رکھیں اور اس سے ان کی ہمت افزائی ہوئی کہ صابروں کو کیسے کیسے صلے ملتے ہیں)

وَاٰتَيْنٰهُ... مَعَهُمْ قرآن مجید میں ذکر صرف اتنا ہے کہ حضرت ایوبؑ کو ان کی ساری گم شدہ نعمتیں (جسمانی اور جانی اور مالی) واپس مل گئی تھیں مع اضافہ۔ باقی اس کی تفصیل سے قرآن مجید خاموش ہے، اور کوئی قطعی و مضبوط روایت بھی اس باب میں موجود نہیں۔

رَحْمَةً... لِلْعٰبِدِيْنَ۔ رحمۃ اور ذکریٰ دونوں بہ طور سبب بیان ہوئے ہیں، فرق یہ ہے کہ رحمت کی حیثیت علّت فاعلی موثر کی ہے، اور وہ زماناً متقدم ہے اور **ذکری** کی حیثیت علت غائی مؤخر کی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ماجرا **رحمت** تھا خود حضرت ایوبؑ کے حق میں، اور یادگار ان کے بعد والوں کے لئے کہ وہ بھی ان کے نقش قدم پر چل کر ان کے سے مرتبے حاصل کریں۔

یعنی رحمۃ لایوب وتذکرۃ لغیرہ من العابدین لیصبروا کصبرہ (مدارک)

واتیناہ ما ذکر لرحمتنا ایوب علیہ السلام وتذکرۃ لغیرہ من العابدین (روح)

توریت میں ہے:۔

"اور خداوند نے ایوب کی طرف توجہ کی.... اور خداوند نے ایوب کو آگے کی نسبت سے دونی دولت عنایت کی، اور اس کے سب بھائی اور سب بہن اور اس کے اگلے سب جان پہچان اس کے پاس آئے اور اس کے گھر میں انھوں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا.... اور خداوند نے ایوب کے آخر عمر میں ابتدا کی نسبت سے بہت برکت عطا کی، اور وہ چودہ ہزار بھیڑوں اور چھ ہزار اونٹوں اور ایک ہزار جوڑے بیل اور ایک ہزار گدھوں کا مالک ہوا۔" (ایوب۔ ۴۲: ۱۰-۱۳)

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِدۡرِيۡسَ وَذَا الۡكِفۡلِ‌ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝۸۵

اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کا (تذکرہ کیجئے) ۱۱۱الف ۔ (یہ) سب ثابت قدم رہنے والوں میں تھے ۱۱۱

حضرت یعقوبؑ اور حضرت ایوبؑ دونوں کے معاملۂ عبدیت، شدت حزن و تضرع پر غور کیا جائے تو یہ صوفیہ ومشائخ کے عوامی اور چلے ہوئے قصوں سے کسقدر مختلف نکلے گا۔ پیروی واقتدا کے قابل صرف یہ قرآن کے بیان کئے ہوئے پیمبروں کے واقعات ہیں، جو عین فطرت بشری کے موافق ہیں، اور جن پر عمل بھی بالکل سہل ہے۔ نہ کہ وہ صوفیہ ومشائخ کی چلی ہوئی روایات جو اول تو بے سند مجہول ضعیف و موضوع۔ اور پھر ان پر عمل کس درجہ دشوار۔ ایسی روایتیں اگر سند صحیح سے ثابت بھی ہو جائیں، جب بھی قابلِ تاویل ہی رہیں گی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے دو مسئلے نکلتے ہیں، ایک یہ کہ دعا منافی توکل نہیں ۔ دوسرے یہ کہ احساس حاجت مندی سے (جو غلبۂ عبدیت سے پیدا ہوتی ہے) اللہ سے شکوہ کرنا رضا کے منافی نہیں۔

۱۱۱الف۔ تقدیر کلام یوں ہے واذکر اسمٰعیل الخ

۱۱۱ (احکام تشریعی پر بھی اور تکوینی پر بھی)

اسمٰعیل وادریس۔ حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر بار بار آچکا ہے اور حضرت ادریسؑ پر بھی حاشیے سورہ مریم آیت ۵۶ میں گزر چکے۔

وذا الکفل۔ حضرت ذوالکفل سے متعلق مختلف اقوال ہیں، کسی نے کہا کہ یہ یوشع نبی تھے کسی نے کہا کہ الیاس اور کسی نے کہا کہ زکریا۔ اور کسی نے کہا کہ آپ نے جس بادشاہ کنعان نامی کو دعوت ایمان دی تھی اس کے لئے آپ جنت کے 'کفیل' وضامن ہو گئے تھے، اور اس کے لئے آپ نے کفالت نامہ (ضمانت نامہ) لکھ کر دے دیا تھا، اس بنا پر آپ کا لقب 'ذوالکفل' (صاحبِ ضمانت) پڑ گیا ــــ اور ہمارے ہاں کے حال کے ایک فاضل بزرگ (علامہ مناظر احسن گیلانیؒ) کا خیال ادھر گیا کہ ممکن ہے یہ اشارہ گوتم بدھ کی طرف ہو، اور ذوالکفل معرب ذوالکپل (کپل والے) کا ہو۔

ترجیحی قول یہ ہے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے، اور عہد عتیق میں آپ کا نام حزقیل نبی آیا ہے۔

"اور تیسویں برس کے چوتھے مہینے کی پانچویں تاریخ میں ایسا ہوا کہ جب میں نہر کبار کے کنارے پر اسیروں کے درمیان تھا تو آسمان کھل گیا اور میں نے خدا کی رویتیں دیکھیں اور اس مہینے کے پانچویں دن یعنی یہویکین بادشاہ کی اسیری کے پانچویں برس میں ایسا ہوا کہ خداوند کا کلام بوزی کاہن کے بیٹے حزقی ایل کو جو کسدیوں کے ملک میں نہر کبار کے کنارے پر تھا پہنچا اور وہاں خداوند کا ہاتھ اس پر تھا۔" (حزقی ایل ۱: ۱-۳)

بخت نصر تاجدار اسیریا جب یروشلم پر حملہ شدید کر کے ہزار ہا اسرائیلیوں کو اپنے ساتھ لے گیا ۵۹۷ق م میں تو ان میں سے ایک آپ بھی تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (۸۶)

اور ہم نے ان سب کو اپنی رحمت (خاص) میں داخل کرلیا تھا۔ بے شک وہ (سب) صالح لوگوں میں سے تھے ۱۱۱۲

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا

اور مچھلی والے (پیغمبر کا بھی ذکر کیجئے) جبکہ وہ خفا ہو کر چلے گئے ۱۱۱۳

کسدیوں کے ملک سے مراد کلدانیہ (کالڈیا) یا عراق کا ہونا ظاہر ہے۔ اور بوزی نام کے کوئی کاہن یا ہیکل کے مجاور، یروشلم میں رہے ہوں گے۔ کاہنوں یا مجاوروں میں ہیکل کی نسل میں ہونا خود اسرائیلیوں کے ہاں بڑی عزت اور عالی نسبی کی دلیل تھی —— نہر کبار (CHEBAR) کوئی چھوٹی ندی اس زمانہ میں ہوگی۔ بعض نے اسے دریائے فرات کی باجگذار بنایا ہے، لیکن متاخرین نے اس کی تردید بھی کردی ہے۔

عہد عتیق کے مجموعہ میں ان کے نام کی کتاب یعنی حزقی ایل نبی کی کتاب ۲۶ ویں نمبر پر ہے۔ اس سے ان کی بابت مزید تفصیلات یہ معلوم ہوتی ہیں، کہ یہ شادی شدہ تھے۔ اور اپنے مکان واقع تل ابیب میں رہتے تھے۔ اپنی جلا وطنی کے پانچویں سال میں یہ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ یعنی عبرانیوں کے حساب سے ۵۹۲ق م میں۔ کتاب میں ان کی جلاوطنی کے ۲۷ ویں سال تک کا ذکر ہے۔ گویا اس میں ان کی نبوت کا ۲۲ سالہ دور آگیا ہے۔

اسرائیلیوں ہی میں سے بعض کا قول ہے کہ بوزی دوسرا نام یرمیاہ نبی کا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ نبی ہونے کے علاوہ نبی زادہ بھی تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کی تربت نابلس (شام) کے قریہ کفل میں ہے —— اسرائیلی روایتوں میں ہے کہ مزار برز نمرود کے قریب قریۂ کفل میں ہے اور صدیوں سے زیارت گاہ خلائق۔ سبب وفات ان ہی اسرائیلی روایتوں میں دشمنوں کے ہاتھ سے شہادت پانا ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ ۲۲ سال تک فرائض نبوت انجام دیتے رہے تو اس حساب سے سال وفات ۵۷۰ق م ہوتا ہے۔

مفسرین نے لقب ذوالکفل کے معنی لئے ہیں "دُہرا اجر پانے والا" اور اشارہ یہ سمجھا ہے کہ آپ نے شام و بابل (عراق) دو ملکوں میں نبوت کی۔ اور امت اسرائیل پر متاخرین میں سب سے زیادہ اور گہرا اثر آپ ہی کا پڑا۔

۱۱۱۲ مسلمان کے لئے تو ان کی صالحیت کو یہ عقیدہ کافی ہے کہ یہ حضرات نبی تھے۔ جب نبی تھے تو صالح بدرجۂ کمال ضرور ہی ہوں گے لیکن اسے کیا کیجئے کہ یہود اور نصرانی دونوں نے اپنے پیمبروں کو بُری طرح گناہوں میں مبتلا دکھایا ہے۔ نبوت ان کے یہاں گویا محض ایک قسم کی کہانت یا اشراقیت تھی۔ اور اس کا تعلق اخبار بالغیب سے تو تھا لیکن تزکیۂ نفس و تطہیر اخلاق سے بالکل نہیں۔ بائبل تک ان انبیاء کے گناہوں کے

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ

اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے۱۱۴ پھر انھوں نے اندھیروں میں کہا۱۱۵

قصوں سے بھری پڑی ہے۔ قرآن مجید اسی عام غلط فہمی رفع ان کی صالحیت کا اثبات تکرار وتاکید کے ساتھ کرتا ہے۔ اور یہ قرآن ہی کا دعویٰ ہے کہ وہ تحفظ ہر قوم وملّت کے پیمبروں کا کرتا ہے۔

۱۱۳ (اپنی قوم سے جبکہ وہ ایمان نہیں لائے)

مغاضبا لقومہ (بیضاوی)

ای غضبان علی قومہ (روح)

قال الضحاک مغاضبا لقومہ وھو روایۃ العوفی وغیرہ عن ابن عباس (ابن کثیر)

بعض صحابہ وتابعین سے جو تفسیر مغاضبا لربہ منقول ہے سو یہ تفسیر خود تشریح طلب ہے۔ لربہ کے معنی یہاں کئے جائیں گے لاجل ربہ حمیۃ لدینہ، یعنی اپنے پروردگار کی خاطر اور اپنی غیرت دینی کے باعث۔ اور کلمہ ل کو موصولہ نہیں بلکہ لام علت کے معنی میں لیں گے۔

وقال النحاس والمعنی مغاضبا من اجل ربہ کما تقول غضبت لک ای من اجلک (قرطبی)

لم یفعلہ الا غضبا للہ وانفۃ لدینہ وبغضا للکفر (کشاف)

ذوالنّون۔ (مچھلی والے) سے مراد حضرت یونسؑ ابن متّٰی ہیں، جن پر حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ سورہ یونس آیت ۹۸ میں

مغاضبا۔ پیمبر کے لئے حیرت خوف، رنج ومسرت کی طرح غضب (غصہ) سے متاثر ہونا بھی بالکل جائز بلکہ عین مطابق واقعہ ہے۔ اور کسی پیمبر کے لئے یہ عقیدہ رکھنا کہ اسے کہیں اور کسی حال میں غصہ آیا ہی نہیں، اسے پیمبری کے منصب سے اتار کر "مہاتمائی" کے تخیل کے ماتحت لے آتا ہے۔

۱۱۴ (ان کے بلا انتظار وحی چلے جانے پر)

حضرت یونس علیہ السلام اپنے اجتہاد سے یہ سمجھے کہ جب قوم پر سے عذاب ٹل گیا تو اب یہاں ٹھہرنا ضروری نہیں اور نہ میرے چلے جانے میں کوئی ہرج ہے۔ اس لئے بلا انتظار نص ووحی وہاں سے چلے گئے۔ حالانکہ مرتبۂ نبوت کے شایان شان یہی تھا کہ انتظار وحی کیا جاتا۔

لن نقدر۔ قدر بہ معنی استطاعت وقابو نہیں، تضییق وتنگی کے مفہوم میں ہے۔ یہ قدرت سے نہیں تقدیر سے ہے۔

وذکر الثعلبی وقال عطاء وسعید بن جبیر وکثیر من العلماء معناہ فظن ان لن نضیق علیہ (قرطبی)

ای ان لن نضیق علیہ۔ (کبیر)

اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾

کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی (سب نقائص سے) پاک ہے۔ بے شک میں ہی قصور وار ہوں ۱۱۶

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾

سو ہم نے ان کی (پکار) سن لی اور انھیں غم سے نجات دیدی۔ اور ہم ایمان والوں کو ایسی ہی نجات دیا کرتے ہیں ۱۱۷

وَ زَكَرِیَّاۤ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ

اور زکریا (کا ذکر کیجئے) ۱۱۸ جب کہ انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا۔ کہ اے میرے پروردگار مجھے لاوارث مت رکھ

الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾

اور بہترین وارث تو تو (خود ہی) ہے۔ ۱۱۹

ای لن نقضی علیه بالعقوبة قال مجاهد وقتادة والضحاك والكلبي هو رواية العوفی عن ابن عباس (معالم)

کانه جعل ذلك بمعنی التقدیر فان العرب تقول قدر وقدّر بمعنی واحد (ابن کثیر)

اور یہ کسی مفسر کا اجتہاد نہیں، لغوی معنی بھی یہ ہیں۔ فعل قدر کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آئے گا تو معنی یہی تنگی کے ہوں گے، نہ کہ قدرت کے۔

القدر التضییق (قاموس)

یقال قدر علیه الشیٔ ضیّقه (تاج) فظن ان لن نقدر علیه، أی لن نضیّق علیه قاله الفراء وأبو الهیثم۔ (تاج)

وقدرت علیه الشیٔ ضیقته (راغب)

وقدر علی عیاله قدرًا مثل قتر وقدر علی الانسان رزقه قدرًا مثل قتر (جوهری)

اور بعض قرأتیں بھی نقدّر علیه اور یُقَدِّرَ عَلَیْهِ (صیغۂ مجہول) کی ہیں۔ حسب روایت قرطبی۔ اور یہ جو جاہلانہ مفہوم کسی نے چلا دیا تھا کہ اللہ آپ پر قادر نہ ہو سکے گا۔ تو اس کی بابت محققین کی صراحت موجود ہے کہ یہ قول مردود و کافرانہ ہے۔

وهذا قول مردود مرغوب عنه لانه کفر۔ (قرطبی)

۱۱۵ سورہ صافات میں یہ قصہ ذرا تفصیل سے آئے گا۔ مختصر یہ کہ آپ جس جہاز پر تھے، اس کے جہاز رانوں نے آپ کو مجرم سمجھ کر طوفان کے وقت سمندر میں پھینک دیا تھا اور کوئی بڑی مچھلی، شارک یا وہیل قسم کی آپ کو نگل گئی۔ یہ مناجات آپ شکم ماہی سے فرما رہے ہیں۔

ظلمٰت۔ صیغۂ جمع ہے۔ دریا کے نیچے کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کے اندر کا اندھیرا، صیغۂ جمع

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ

سو ہم نے ان کی (پکار) سن لی۔ اور ہم نے انھیں یحییٰ کو عطا کیا ۱۲۰ اور ان کی خاطر ہم نے ان کی بیوی کو صحیح کر دیا ۱۲۱

سے متعدد تاریکیاں مراد ہیں۔

آج ۲۷ جون ۱۹۷۲ء کے روزناموں میں یہ خبر نظر سے گزری ہے کہ دریائے تاپتی میں شہر سورت کے قریب ایک ایسی دیو ہیکل مچھلی ملی جس کی لمبائی تقریباً ۱۹ فٹ ہے اور چوڑائی تقریباً ۶ فٹ ہے تو اس جثہ و قامت کی مچھلی کا دریائے دجلہ میں نمودار ہونا اور کسی انسان کو زندہ نگل لینا محال ہونا تو کیا، کچھ ایسا مستبعد بھی تو نہیں۔

۱۱۶ (کہ میرے منصب کے شایان وحی الٰہی کا انتظار کرنا تھا میں بغیر اس انتظار کے نکل کھڑا ہوا) آپؑ کا اپنے کو ظالم کہنا اس معنی میں ہے کہ میں ترک عزیمت و افضلیت کا مرتکب ہوا۔ ہر نعمت ایک خاص مقام عبودیت کو مقتضی ہوتی ہے، اور ایک خاص درجہ ادائے حقوق کا چاہتی ہے، اس درجہ و مرتبہ کے ادائے حقوق میں کمی یا کوتاہی رہ جانا "ظلم" ہے۔ آپؑ ظلم کا اطلاق اپنے حق میں اسی معنی میں کر رہے ہیں ـــــ پیمبروں کے لہجہ کی یہ لجاجت اور شکستگی بعض مغلوب الحال اہل دعویٰ صوفیہ و مشائخ کی انانیت سے کتنی دور اور اس سے کتنی مختلف ہے!

نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ۔ غم سے متاثر ساری بشری مخلوق کی طرح حضرات انبیاء بھی ہوتے ہیں، اور اس سے نجات کی تمنا انھیں بھی رہا کرتی ہے۔

۱۱۷ یعنی ایک یونسؑ ہی پر کیا موقوف ہے۔ جو مومن بھی ہم سے دعا کرے، اسے غم سے نجات دیدی جاتی ہے، بشرطیکہ اسے غم میں رکھنا ہی مصلحت نہ ہو۔

۱۱۸ حضرت زکریاؑ پر حاشیے سورۂ آل عمران آیت ۳۷ میں گزر چکے۔

تقدیر کلام یہاں بھی وہی ہے واذکر زکریا۔

۱۱۹ یعنی حقیقی وارث تو اللہ ہی ہے جسے کبھی فنا نہیں لیکن میں دعا تو ظاہری اور مادّی وارث کے لئے کر رہا ہوں۔

اولاد کی تمنا ایک بالکل طبعی و فطری تمنا ہے اور اولاد سعید و صالح کے لئے الحاح سے دعا کرنا مرتبۂ نبوت کے بھی منافی نہیں چہ جائیکہ مرتبۂ صالحیت و ولایت کے۔ یہ تو صرف ناقص قسم کے صوفیہ ہیں جنھوں نے اولاد سے بیزاری ظاہری کی ہے۔ اولاد صالح تو ایک نعمت ہے قدر کے قابل نہ کہ بے قدری کی مستحق۔

۱۲۰ (بہ طور فرزند صالح اور وارث کے)

یحییٰ ابن زکریا علیہ السّلام (متوفی ۳۰ء) پر بھی حاشیے پہلے گزر چکے۔

۱۲۱ (کہ وہ عاقر تھیں، اب انھیں قابل اولاد بنا دیا)

ای اصلحها للولادة (کبیر)

كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ط

بے شک یہ (سب) نیک کاموں میں دوڑتے والے تھے۔ اور ہم کو پکارتے رہتے تھے شوق اور خوف کے ساتھ۔

وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

اور ہمارے سامنے دب کر رہتے تھے۔ ۱۲۲ ل

بان جعلها ولودًا (ابن جریر)

له۔ یہیں ضمیر زکریا علیہ السلام کی طرف ہے۔ اور اصلح سے مراد ہے کہ ان بی بی صاحبہ میں صلاحیت اولاد کی پیدا کردی سعید ابن جبیر، قتادہ وغیرہ تابعین سے مروی ہے کہ بیوی صاحبہ کا شباب لوٹا دیا گیا تھا۔

یرد شبابها الیها وجعلها ولودًا کما روی عن ابن جبیر وقتادۃ۔ (روح)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس تفسیر سے یہ نکلتا ہے کہ استجابت دعا کے وقت اکثر عادت الٰہی یہ ہے کہ جو چیزیں عمومًا و عادتًا جن اسباب سے پیدا ہوتی ہیں، اکثر ان کے وجود میں لانے کے لئے وہی اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں، گو وہ قادر مطلق بلا اسباب بھی تکوین پر قادر ہے۔

۱۲۲ ل (کہ اس سے ان کی کمال عبدیت وعبودیت اور ہماری کمال عظمت و معبودیت ثابت ہوتی ہے۔

اہل خشوع کی مدح قرآنی سے رد نکل آیا ان ناقص صوفیہ و مشائخ کا جنھوں نے بیباکی اور شوخ چشمی ہی کو دلیل کمال سمجھا ہے۔

اہل خشوع و اہل تواضع کی مدح سے توریت و انجیل بھی لبریز ہیں۔ مثلاً۔

"خداوند انھیں جو جھک گئے ہیں سیدھا کھڑا کرتا ہے"۔ (زبور ۱۴۶ : ۸)

"خداوند حلیموں کو سنبھالتا ہے، پر شریروں کو زمین پر پٹک دیتا ہے"۔ (زبور۔ ۱۴۷ : ۶)

"خداوند اپنے لوگوں سے خوش ہوتا ہے، وہ حلیموں کو نجات کی زینت بخشتا ہے"۔ (زبور ۱۴۹ : ۴)

"مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں، کیونکہ وہ زمین کے وارث ہوں گے"۔ (متی۔ ۵ : ۵)

انهم۔ میں انهم سے مراد وہ سب لوگ ہیں، جن کا ذکر اس آیت میں آچکا ہے۔

قیل الکنایة راجعة الی زکریا وامرأته ویحیٰی (قرطبی)

اراد به الله زکریا وولده وزوجه (کبیر)

اور بعض نے یہ اشارہ ان تمام انبیاء کی طرف سمجھا ہے جن کا ذکر اوپر کی آیتوں میں آچکا ہے۔

یعنی الانبیاء المسمین فی هذه السورۃ (قرطبی)

فضمائر الجمع للانبیاء المتقدمین (روح)

رغبًا و رهبًا۔ یعنی عبادت کمال امید و بیم کے ساتھ کرتے رہتے ہیں، جو عین علامت ہے ایمان

وَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِیۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا

اوران بیوی کا بھی (ذکر کیجیے) جنھوں نے اپنے ناموس کو بچائے رکھا ۱۲۳ پھر ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی ۱۲۴

کامل کی۔ یہ مسئلہ عقلاً بھی اپنی جگہ بالکل ثابت ہے، ہر بشری عملِ اختیاری کی طرح نفسیاتی اعتبار سے عمل عبادت کے بھی اصل محرک یہی دو جذبات ہو سکتے ہیں۔ ایک خوف، دوسرا شوق۔

کاملین کے ہاں شوق وخوف دونوں کا اجتماع رہتا ہے۔ اور اسی سے نقص بلکہ بطلان نکل آیا ان شاعروں اور صوفیوں کا جنھوں نے خوف خدا کی ہنسی اڑائی ہے اور عذاب جہنم وغیرہ کو قابلِ مضحکہ سمجھا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں انھم یسارعون فی الخیرات سابق نعمتوں کی علت کے موقع پر آیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ طاعت نعمت دنیوی کا بھی سبب بن جاتی ہے۔

۱۲۳ (ہر ناجائز صورت سے)

تقدیر کلام یہاں یوں بھی سمجھی گئی ہے واذکر مریم التی احصنت فرجها۔ (قرطبی)

احصنت فرجها۔ تحصین فرج، حفاظت ناموس سے مراد اگر ہر برائی سے حفاظت نہ ہو بلکہ محض مرد کی مطلق صحبت سے ہو، تو اس کا اطلاق ولادت اوّل یعنی حضرت عیسیٰؑ تک محدود رہے گا، اور مسیحی روایات اور انجیلوں میں ذکر حضرت عیسیٰؑ کے بھائی بند کا آتا ہے، وہ اس میں شمار نہ ہوں گے۔

مراد ہیں مریم بنت عمران علیہا السلام۔ حاشیے سورۂ آل عمران آیت ۴۲ میں گزر چکے۔

یہود جو گندے الزامات آپ پر لگا چکے تھے، اور جو آج تک ان کی کتابوں میں منقول چلے آتے ہیں ان کے پیش نظر ایسی ہی وضاحت وتصریح سے آپؑ کی صفائی پیش ہونے کی ضرورت تھی۔

فرجها معنی معروف مراد نہیں۔ بلکہ کنایہ ہے فرج قمیص سے۔ یعنی اپنی قمیص کے اندر کا بھی جسم کسی کو دیکھنے نہ دیا۔

وقیل الفرج هنا جیب قمیصها منعته من جبریل علیه السلام..... وعبر عنها بما ذکر لتفخیم شانها وتنزیهها عما زعموه فی حقها۔ (روح)

قیل ان المراد بالفرج فرج القمیص ای لم تعلق بثوبها ریبة۔ (قرطبی)

اور محدث سہیلی اس باب میں بڑے سخت تھے۔

قال السهیلی: فلا یذهبن وهمك الی غیر هذا فانه من لطیف الکنایة، لأن القرآن انزه معنی وازن لفظا، والطف اشارة، واحسن عبارة من ان یرید ما یذهب الیه وهم الجاهل (قرطبی)

۱۲۴ (بہ واسطۂ جبرئیل۔ اور اس سے ان کو بے شوہر حمل رہ گیا۔)

روحنا۔ میں ضمیر متکلم صیغۂ جمع میں اظہار عظمت کے لئے ہے۔

فیها۔ ضمیر ها حضرت مریمؑ کی جانب ہے۔

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ

اور ہم نے ان کو اور ان کے فرزند کو دنیا جہان والوں کے لئے ایک نشان بنا دیا۱۲۵ لے بے شک یہی ہے تمہارا طریقہ

اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫

طریقۂ واحد۔۱۲۶لے

نفخنا فیھا من روحنا۔ نفخ روح تو ہر انسان کے لئے ہوتا ہی رہتا ہے یہ نفخ روح ایک خاص طریقہ پر معمول عام سے الگ، بہ واسطہ جبرئیلؑ کیا گیا۔ اس کی تفصیلی کیفیت نہ معلوم ہو سکتی ہے نہ معلوم کرنے کی ضرورت۔ یہاں تفہیم قرآنی کے سلسلہ میں صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ نفخ روح کی اضافت حق تعالیٰ کی طرف صرف حضرت عیسیٰؑ کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔

واضافۃ الیہ تعالیٰ لتشریف عیسی علیہ السلام (مدارک)

واضاف الروح الیہ تشریفا لعیسیٰ علیہ السلام (معالم)

والاضافۃ الیٰ ضمیرہ تعالیٰ للتشریف۔ (روح)

۱۲۵لے (اپنی کمال قدرت کا، کہ ہم ہر چیز کی تکوین پر قادر ہیں اسباب عادیہ کے واسطہ سے بھی اور بلا واسطہ بھی)

ابنھا۔ فرزند مریم سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں — عقیدۂ ابن اللہ کی تردید میں ابن مریم کی صراحت بار بار ضروری تھی۔

اٰیۃً۔ بعض مفسروں نے اس نکتہ پر توجہ خوب دلائی ہے کہ یہاں اٰیۃً بہ صیغۂ واحد وارد ہوا ہے نہ کہ اٰیتین بہ صیغۂ تثنیہ۔ حالانکہ یہاں ذکر دو شخصیتوں کا ہے۔ اور جواب یہ دیا ہے کہ اللہ کی قدرت کی جو خاص نشانی ظاہر ہوئی وہ تو دونوں شخصیتوں کو ملا کر پیدا ہوئی اور وہ ایک ہی ہے۔

ولم یقل اٰیتین لأن معنی الکلام وجعلنا شانھما وامرھما وقصتھما اٰیۃ للعالمین

وقال الزجاج ان الاٰیۃ فیھما واحدۃ (قرطبی)

حالھما بمجموعھما اٰیۃ واحدۃ۔ (کبیر)

للعٰلمین۔ اٰیۃ کی عظمت کے لئے یہ نشانی بھی کوئی چھوٹی موٹی نہیں، کسی مخصوص ملک و قوم کے لئے نہیں سارے عالم کے لئے۔

۱۲۶لے (جس میں کسی نبی اور کسی شریعت کا اختلاف نہیں اور جس پر قائم رہنا تمہیں واجب ہے)

اُمّۃ سے مراد یہاں دین اسلام ہے۔

فالامۃ ھنا بمعنی الدین الذی ھو الاسلام قال ابن عباسؓ ومجاھد وغیرھما۔ (قرطبی)

ای ان ملۃ التوحید والاسلام ملتکم التی یجب علیکم ان تکون علیھا۔ (بیضاوی)

ای یجب ان تکونوا علیھا۔ (جلالین)

وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا

اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو تم میری ہی پرستش کرو۔ لیکن لوگوں نے آپس میں اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ سب

رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ ۸/۶ ع ۶

ہمارے پاس واپس آنے والے ہیں ۱۲۷ سو جو کوئی کچھ بھی نیک کام کرے گا اور وہ ایمان والا بھی ہوگا

لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

سو اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی۔ اور ہم تو اسے لکھ (بھی) لیتے ہیں ۱۲۸

طریقہ سے مراد ہے عقیدۂ توحید۔ البتہ گفتگو اس میں ہے کہ یہاں خطاب کس سے ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ مسلمانوں سے، اور ھذہٖ سے مراد اُمّت مسلمہ ہے۔

والظاھر ان خطاب لمعاصری الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وھذہ اشارۃ الی ملۃ الاسلام (بحر)

دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ خطاب عام ہے ساری نسل انسانی کے لئے۔ اور طریقہ سے مراد ہے طریق انبیاء، جن کا ذکر اوپر ہوتا چلا آیا ہے۔

خطاب للناس قاطبۃ (روح)

ویحتمل ان تکون ھذہ اشارۃ الی الطریقۃ التی کان علیھا الانبیاء المذکورون من توحید اللہ تعالیٰ۔ (بحر)

امۃ واحدۃ۔ یعنی وہ طریقہ جس کے اندر کسی شریعت کا اختلاف نہیں۔

غیر مختلفۃ فی ما بین الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام۔ (بیضاوی)

۱۲۷ (اور آکر دین اصلی سے اپنے انحراف کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔)

تَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ۔ کسی نے حقیقت کا ایک ٹکڑا لے لیا کسی نے دوسرا۔

آیت عام ہے، تمام اہل زیغ وضلال کے لئے، جو توحید کی صراط مستقیم سے الگ ہٹ ہٹ گئے ہیں۔

۱۲۸ (سو ایک ذرہ بھی مومن کے عمل کا ضائع نہ جائیگا، اور بلا اجر نہ رہے گا۔)

من الصّٰلحٰت۔ میں مِن تبعیض کا ہے نہ کہ جنس کا۔ یعنی جو کوئی طاعات میں سے کچھ بھی بجا لائے۔

فالمعنی من یعمل شیئًا من الطاعات فرضًا و نفلًا (قرطبی)

فمن یعمل بعضًا من الصالحات (روح)

وھو مومن۔ ایمان ہر حسن عمل کے لئے بنیادی شرط ہے، بغیر ایمان کے کوئی بھی عمل مقبول نہیں، اگرچہ صورۃً کیسا ہی صالح نظر آئے۔

انّا لہ کٰتبون۔ یہ فرشتوں کی کتابتِ اعمال کے فعل کو اپنی جانب منسوب کر کے فرمایا ہے۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا

اور ہم جس بستی کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ ناممکن ہے کہ وہ لوگ پھر لوٹ کر آئیں ۱۲۹ یہاں تک کہ

فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾

یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں ۱۳۰

لہ۔ ضمیر سعی کی جانب ہے، یعنی وہ سعی لکھ لی جاتی ہے — سعی کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے۔

ای لسعیہ (روح)

ای نحن کاتبوا ذلک السعی۔ (کشاف)

۱۲۹ (اس دنیا میں حساب کتاب کے لئے)

حرام۔ یہاں واجب کے معنی میں ہے۔

قریۃ۔ قریہ بہ معنی اہلِ قریہ ہے۔

ای علی اھل قریۃٍ۔ (روح)

اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ یعنی جو مر چکے ہیں اب ان کے لئے قیامت تک واپسی ممکن نہیں۔

لا یرجعون الی الدنیا (کبیر عن قتادۃ ومقاتل)

لا یرجعون الی الدنیا قبل یوم القیٰمۃ (ابن کثیر عن عباس والوجعفر وقتادۃ وغیر واحد)

آیت کی ایک تفسیر یہ بھی آئی ہے کہ جن قوموں کے لئے ہلاکت علم الٰہی میں مقدر ہو چکی ہے وہ توبہ و ہدایت کی جانب کسی طرح بھی رجوع نہ کریں گی۔

لا یرجعون عن الشرک ولا ینتولون عنہ۔ (کبیر عن الحسن ومجاھد)

اھلکنٰھا۔ اس دوسری تفسیر کی صورت میں اھلاک سے مراد صرف عزم اہلاک ہوگا، اور یرجعون میں رجوع سے مراد کفر سے ایمان کی طرف رجوع ہوگا۔

ومعنی اھلکناھا عزمنا علی اھلاکھا وقدرنا اھلاکھا ومعنی الرجوع الرجوع من الکفر الی الاسلام۔ (کشاف)

۱۳۰ تقدیر کلام یوں ہے۔ حتی اذا فتح سدّ یاجوج وماجوج۔

ہلاک شدہ قوموں کا عدم رجوع ایک خاص وقت تک کے لئے ممنوع و ممتنع ہے۔ البتہ قیامت کے وقت سب از سرِ نو زندہ ہو کر سامنے آئیں گے۔ اور اس وقت موعود کے قرب کی ایک خاص علامت یہ ہوگی۔ کہ یاجوج و ماجوج سد ذوالقرنین سے رہائی پا جائیں۔ چھوٹ کر نکلیں۔ اور ہر بلند مقام سے دندناتے ہوئے ابل پڑیں۔ انجیل کی عبارت ابھی آگے آ رہی ہے۔ کہ "ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا۔"

یاجوج وماجوج۔ یاجوج وماجوج کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۳۴ سورۃ الکہف آیت نمبر ۹۴۔

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ

اور سچا وعدہ قریب آلگے تو بس یک بیک کافروں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی۔

كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا

ہائے ہماری کمبختی ہم اس کی طرف سے غفلت میں پڑے تھے نہیں بلکہ ہم ہی قصوروار

ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ

تھے۔۱۳۱ بے شک تم (خود) اور جو کچھ تم اللہ کے سوا پوجتے رہے ہو (سب) جہنم کے کندے ہیں۔

جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾

اس میں تم (سب) کو داخل ہونا ہو گا۔۱۳۲

یاجوج و ماجوج کا خروج، انجیل میں بھی قرب قیامت کی علامت بتایا گیا ہے۔ چنانچہ مکاشفہ یوحنا میں ہے:-

"اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائیگا، اور ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لئے جمع کرنے کو نکلے گا، ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا، اور وہ تمام زمین پر پھیل جائیں گی، اور مقدسوں کی لشکرگاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی، اور آسمان پر سے آگ نازل ہو کر انھیں کھا جائے گی، اور ان کا گمراہ کرنے والا ابلیس آگ اور گندھک کی اس جھیل میں ڈالا جائے گا، جہاں وہ حیوان اور جھوٹا نبی بھی ہوگا، اور وہ رات دن ابدالآباد عذاب میں رہیں گے"۔ (۲۰-۷-۱۰)

من کل حدب ینسلون۔ ینسلون کے مفہوم میں داخل ہے کہ وہ بھیڑیوں کی طرح جھپٹتے ہوئے آئیں گے۔
ویختص وضعا بالذئب۔ (روح)

گویا اردو میں یوں کہا جائے گا کہ "وہ ہر بلندی سے ٹوٹ پڑیں گے"۔

یاجوج و ماجوج واقعۃً کون ہیں اور کب ان کا خروج ہوگا، یہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے۔ باقی آج جو قومیں مجازی و صفاتی اعتبار سے ان کے رنگ میں ہیں ان کا دنیا کے ہر بلند مقام پر حاوی و مسلط ہونا اور باقی قوموں پر شکاری درندوں کی طرح جھپٹتے رہنا تو مشاہد ہے۔

۱۳۱ جب وہ وقت موعود بے سان و گمان اور اچانک آپڑے گا، تو جو اس کے وقوع و آمد ہی کے منکر تھے، ان کی آنکھیں فرط دہشت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اور وہ پکار اٹھیں گے کہ ہائے ہماری کیسی شامت کہ ہم اس گھڑی کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے۔ اور غفلت کیسی، غفلت تو جب ہوتی جب کسی نے ہم کو آگاہ نہ کیا ہوتا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ قصور سرتاسر ہمارا ہے۔ ہم تنبیہ کرنے والوں کے باوجود بیدار نہ ہوئے!

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۤءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

اگر یہ لوگ (واقعی) خدا ہوتے تو اس میں کیوں جاتے۔ (لیکن اب تو) سب کو اس میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا۔

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ

اس میں ان کا شور ہوگا اور وہ اس میں (کوئی اور بات) سنیں گے (بھی) نہیں ۱۳۳ بے شک جن لوگوں کے لئے

لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ اس سے (بالکل) دور رکھے جائیں گے۔ اس کی آہٹ بھی

حَسِيْسَهَا ۚ

نہ سنیں گے ۱۳۴

۱۳۲ یہ اس وقت مشرکین سے کہا جائے گا۔

ما تعبدون۔ کا ترجمہ "جو کچھ ہے" یعنی جن چیزوں کو نہ کہ "جس کسی کو" یعنی نہ کہ جن انسانوں یا فرشتوں کو۔

ما۔ عام قاعدہ کے لحاظ سے لا یعقل اور بیان جمادات کے لئے آتا ہے، نہ کہ ذوی العقول کے لئے کھلی ہوئی مراد پتھروں، مورتیوں یا لکڑیوں سے ہے جنھیں مشرکین پوجتے رہتے تھے۔

فما عبارة عن اصنامهم والتعبير عنها بما على بابه لانها على المشهور لما لا يعقل (روح)

لم يقل ومن تعبدون بل قال ما تعبدون وكلمة ما لا تتناول العقلاء۔ (کبیر)

اور جو "حدیث" اس بارے میں نقل ہوتی چلی آرہی ہے کہ اہل مکہ نے اس آیت کو انسانوں کے لئے بھی سمجھ کر سوال کر دیا تھا تو وہ حدیث ہی سرے سے بے اصل ہے۔ اور محدث شہیر ابن حجر نے صراحت سے لکھ دیا ہے کہ یہ مسند و غیر مسند کسی کتاب حدیث میں نہیں پائی گئی، اور اس کا موضوع ہونا بالکل ظاہر ہے۔

وتعقبه ابن حجر فی تخریج احادیث الکشاف بانه اشتهر على السنة كثير من العلماء العجم وفي كتبهم وهو لا اصل له ولم يوجد في شيء من كتب الحديث مسندا ولا غير مسند والوضع عليه ظاهر والعجب ممن نقله من المحدثين۔ (روح)

بیجان معبودوں کا اپنے پجاریوں کے ساتھ داخل جہنم ہونا پجاریوں کے لئے مزید تکلیف و حسرت کے لئے ہوگا۔

۱۳۳ (اپنے ہی شور و غل، چیخ و پکار میں)

دوزخیوں کی خود ہی چیخ و پکار اتنی ہوگی کہ کسی دوسرے کی کان پڑی آواز نہ سنائی دے گی۔

کل فیہا خلدون۔ اہل دوزخ کو دوزخ میں رہنا ہی نہیں، بلکہ ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا۔

باقون الى الابد (روح)

وَهُمۡ فِي مَا ٱشۡتَهَتۡ أَنفُسُهُمۡ خَٰلِدُونَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحۡزُنُهُمُ ٱلۡفَزَعُ

اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے ۱۳۵ انھیں (یہ) بڑی گھبراہٹ

ٱلۡأَكۡبَرُ وَتَتَلَقَّىٰهُمُ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ هَٰذَا يَوۡمُكُمُ ٱلَّذِي كُنتُمۡ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾

(ذرا بھی) غم میں نہ ڈالے گی اور ان کا تو استقبال فرشتے کرینگے۔ یہ ہے آپ کا وہ دن جس کا آپ سے وعدہ کیا جاتا تھا ۱۳۶

۱۳۴ (اس لئے کہ وہ جنت میں ہوں گے اور جنت دوزخ سے بالکل الگ اور بڑے فاصلہ پر ہوگی۔)

الحسنیٰ۔ بھلائی سے مراد عاقبت بخیر ہونا ہے۔

عنها۔ ضمیر مؤنث غائب النار کی طرف ہے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ سَبَقَتۡ لَهُم مِّنَّا ٱلۡحُسۡنَىٰٓ۔ سے معنی بعض صوفیہ نے یہ لئے ہیں کہ سبقت محبتنا ایاہ فی الازل یعنی ہماری محبت ان کے ساتھ ازل میں سابق ہوئی ــــ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ یہی وہ استعداد سابق ہے جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ محبت کی ابتدا محبوب کی جانب سے ہوتی ہے۔

لَا يَسۡمَعُونَ حَسِيسَهَا۔ یعنی کسی تکلیف والم کا شائبہ تک انھیں محسوس نہ ہونے پائیگا۔ ہر قسم کی اذیت سے نجات کامل انھیں حاصل ہوگی۔

۱۳۵ جنت کی ایک خاص اور امتیازی خصوصیت یہاں بہ کمال بلاغت ایک مختصر فقرہ میں بیان کردی گئی یعنی وہ جگہ ایسی ہوگی جہاں سب کچھ انسان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوگا۔ جو ہوا بھی چلے گی اس کی مرضی کے موافق۔ جو موسم بھی وہ چاہے گا وہی پیدا ہوجائے گا۔ جو غذا وہ چاہے گا وہی حاضر ہوگی۔ جو مشغلہ اسے پسند ہوگا وہی اس کے لئے موجود ہوگا۔ جو پڑھنا وہ چاہے گا وہی کتابیں اس کے لئے فراہم ہوجائیں گی۔ وقس علی ہذا۔ دنیا کی چندروزہ زندگی میں اپنے کو احکام الٰہی کے ماتحت کردینے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جنت میں سارے قوانین تکوینی خود اسی کے ماتحت ومحکوم ہوں گے۔ اور پھر سرور ونشاط کی یہ انتہائی کیفیت عارضی نہیں، وقتی نہیں، دائمی۔ دائمی، لازوال، غیر منقطع ہوگی!ــ کوئی انسانی دماغ پورا تصور بھی ان لذتوں، راحتوں اور مسرتوں کا آج نہیں کرسکتا۔

مَا ٱشۡتَهَتۡ أَنفُسُهُمۡ۔ سے صاف اشارہ ہوگیا کہ جنت میں دائمی لذتیں علاوہ روحانی قسم کے مادی قسم کی بھی ہوں گی۔

دائمون فی غایة التنعم۔ (روح)

شهوة کے معنی خواہش نفس کے ہیں۔

والشهوة طلب النفس للذة (کشاف۔ کبیر)

وفی المصباح الشهوة اشتیاق النفس الی الشیٔ۔ (تاج)

عارفوں نے کہا ہے کہ شہوت نفس کی بھی ہوتی ہے اور دل کی بھی اور روح کی بھی۔

قال العارفون للنفوس شهوة وللقلوب شهوة وبالارواح شهوة۔ (کبیر)

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ

وہ دن (یاد رکھنے کے قابل ہے) جس روز ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جس طرح طومار کا غذات لپیٹ لیا جاتا ہے جس طرح

خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ

ہم نے اوّل بار پیدا کرنے کے وقت ابتدا کی تھی۔ اسی طرح اسے دوبارہ کر دیں گے، یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم ضرور اسے کر کے رہیں گے [۱۳۷]

كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ

اور ہم نے کتب آسمانی میں لکھ رکھا ہے [۱۳۸] لوح محفوظ (میں لکھنے) کے بعد [۱۳۹]

۱۳۶ یہ وہی استقبال کرنے والے فرشتے مومنین سے کہیں گے۔ دہشت اور ہول کا وہ انتہائی وقت یقیناً ہوگا لیکن اہل ایمان کو دہشت کیوں ہونے لگی۔ انھیں تو خواب موت سے جاگتے ہی تسکین و تشفی، دلدہی کے لئے فرشتے مل جائیں گے، جو اعزاز و اکرام سے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں سے تائید ہوتی ہے' اس مقولہ کی کہ اہل اللہ کو فرح دائم میسر رہتا ہے اور عظمت کبریا سے جو خوف ان کے دلوں پر طاری رہتا ہے وہ اس کے منافی نہیں' بلکہ وہ تو عین مقتضا عبدیت کا ہے۔

۱۳۷ قرآن مجید وقوع قیامت' اور اس روز کی ہولناکیوں اور بشارتوں، دونوں کا ذکر اس کثرت اور اس قطعیت کے ساتھ اس لئے کرتا ہے کہ مخاطبین کے دل میں عقیدۂ آخرت پوری طرح راسخ ہو جائے ان کی رگ رگ میں سما جائے۔ ساری نیکیوں کی جڑ اور بنیاد یہی ہے کہ عقیدۂ آخرت محض ایک نظریہ یا وہم و گمان کی طرح نہ رہے' بلکہ جزم کامل و وثوق کے ساتھ' دل کی گہرائیوں میں اتر جائے' اور قال حال بن جائے۔

۱۳۸ زبور کہتے ہیں ہر لکھی ہوئی کتاب کو۔ اور الزبور اسم جنس ہے ہر کتاب آسمانی کے لئے۔ لغت کے حوالے کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نساء حاشیہ نمبر ۴۱۴۔ یہاں بھی محققین نے مراد الزبور سے کل کتب آسمانی بطور اسم جنس لی ہیں۔

- عنی بالزبور کتب الانبیاء کلھا التی انزلھا اللہ علیھم۔ (ابن جریر)
- قیل اسم لجنس ما انزل علی الانبیاء من الکتب (کشاف)

اللام فیہ للجنس ای کتبنا فی جنس الزبور (روح

اللام فیہ للجنس ای کتبنا فی جنس الزبور۔ (روح)

الزبور اور الکتاب مترادف ہیں۔

مجاہد و ابن زید تابعین سے منقول ہے کہ الزبور کتب آسمانی ہیں۔

الزبور الکتب التی انزلت علی الانبیاء (ابن جریر عن ابن زید)

عن مجاھد و ابن زید الزبور کتب الانبیاء علیھم السلام۔ (قرطبی)

أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ ﴿١٠٥﴾

کہ زمین (جنت) کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے ۱۴۰ھ

۱۳۹ھ ذکر کے معنی حدیث صحیح میں لوح محفوظ کے آچکے ہیں۔ ایک حدیث کے درمیان آتا ہے
کان اللہ ولم یکن شیٔ غیرہ وکان عرشہ علی الماء وکتب فی الذکر کل شیٔ وخلق السموات
والارض (صحیح بخاری۔ کتاب بدء الخلق) یہی حدیث خفیف فرق کے ساتھ کتاب التوحید میں
بھی نقل ہوئی ہے جہاں ذکر کے صریح معنی لوح محفوظ کے ہیں۔
ای فی محل الذکر ای فی اللوح المحفوظ (فتح الباری)
ای اللوح المحفوظ (عینی)
ای فی اللوح المحفوظ (مجمع البحار)
آیت میں بھی مراد اس نوشتہ سے لی گئی ہے جو آسمان پر ہے یعنی اسی لوح محفوظ سے۔
عنی بالذکر ام الکتاب التی عندہ فی السماء (ابن جریر)
ابن زید تابعی، مجاہد تابعی، سعید بن جبیر تابعی سے یہی منقول ہے۔
الذکر الذی فی السماء (ابن جریر عن سعید) الذکر ام الکتاب الذی تکتب فیہ
الاشیاء قبل ذلک (ابن جریر عن ابن زید) الذکر ام الکتاب عند اللہ (ابن جریر عن مجاھد)
خود ابن جریر نے بھی ترجیح اس معنی کو دی ہے۔
واولی ھذہ الاقوال عندی بالصواب فی ذلک ما قالہ سعید بن جبیر ومجاھد۔
اور ثوری تابعی نے صراحت کے ساتھ اس کے معنی لوح محفوظ کے بتائے ہیں۔
ھو اللوح المحفوظ (ابن کثیر عن الثوری)

۱۴۰ھ قرآن میں الارض کا اطلاق ارض جنت پر بھی ہوا ہے، جیسا کہ اس آیت میں۔
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ (الزمر ۷۴)
چنانچہ یہاں بھی یہی معنی محققین سے منقول ہیں۔ اور اس طبقہ میں حضرت ابن عباسؓ سے لے کر
اکابر تابعین تک سب ہی شامل ہیں۔
قال مجاھد عن ابن عباس قال ارض الجنۃ وقال کذا ابو العالیۃ ومجاھد وسعید بن
جبیر والشعبی وقتادۃ والسدی وابو صالح والربیع بن انس والثوری (ابن کثیر)
احسن ما قیل فیہ انہ یراد بھا ارض الجنۃ۔ (قرطبی)
یعنی بذلک ان ارض الجنۃ یرثھا عبادی العاملون بطاعتہ (ابن جریر)
دوسرے معنی الارض کے ملک شام بھی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک بڑا گروہ ادھر بھی گیا ہے۔
شام صحابہؓ ہی کے زمانہ میں مملکت اسلام کا جزو بن چکا تھا۔ زبور سے ملک شام کا تعلق خصوصی ہونا ظاہر ہے۔

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً

بے شک اس (قرآن) میں (بڑی) تبلیغ ہے بندگی کرنے والے لوگوں کے لئے۔ اور ہم نے آپ کو (اے پیمبر) دنیا جہان پر (اپنی)

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ

رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے ۱۴۱؎ آپ کہدیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آئی ہے ۱۴۲؎ کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا

وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾

ہے۔ سو اب بھی تم مانتے ہو؟

ای الشام۔ (مدارک)

ارض الجنۃ او الارض المقدسۃ (بیضاوی)

قیل الارض المقدسۃ (کشاف۔ بحر)

الفاظ کی اس تشریح کے بعد مطلب بالکل صاف ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھ دینے کے بعد ہم نے کتب آسمانی میں بھی یہ قاعدہ لکھ دیا ہے کہ زمین بہشت کے مالک تو بندگان صالح، شریعت پر چلنے والے ہی ہوں گے۔ گویا آیت تمام تر مومنین کے حق میں ایک بڑی بشارت اخروی ہے ـــــ علامہ آلوسی نے اسی تفسیر کو سب پر ترجیح دی ہے۔

والاولیٰ ان تفسیر الارض بارض الجنۃ کما ذھب الیہ الاکثرون وھواوفق بالمقام (روح)

لیکن یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ "ہم نے کتاب زبور (صحیفۂ داؤد نبیؑ) میں لکھ رکھا ہے بعد نصیحت کے، کہ زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے"۔ چنانچہ بہت سے اہل تفسیر ادھر بھی گئے ہیں۔ اس صورت میں یہ آیت مومنین کے حق میں ایک بشارت ہے دنیوی نعمت یعنی زمینی بادشاہت کی۔ اور اگر الارض سے مراد ارض موعود لی جائے یعنی ملک شام (جیسا کہ بہت سے اہل تفسیر نے مراد سمجھی ہے) جب تو یہ پیشگوئی عہد صحابہ میں پوری طرح پوری ہوکر رہی۔ الصالحون۔ کی حکومت پوری طرح الارض پر قائم ہوگئی۔

صحیفۂ زبور میں بھی یہ الفاظ ملتے ہیں:ـــ

صادق زمین کے وارث ہوں گے۔ (۳۷ : ۲۹)

۱۴۱؎ (کہ جو کوئی بھی اپنے کو آپ کے لائے ہوئے پیام کے سانچے میں ڈھال دے گا، دنیا و عقبیٰ کی فلاح اس کے حصہ میں آجائے گی، اور یہ حکم فرد و جماعت دونوں کے لئے عام ہے)

آپؐ کے غزا و قتال تک دنیا کے حق میں سرتاسر رحمت ہی ہوئے ہیں۔ یہ قول اقبالؒ ؎

لطف و قہر او سراپا رحمتے   آں بہ یاراں ایں با عدا رحمتے

العالمین۔ لفظ العالمین کی وسعت اور عموم بہت قابل غور رہے محض ملک عرب نہیں، آپؐ کے

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ

پھر بھی اگر یہ لوگ سرتابی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو نہایت صاف اطلاع کر چکا ۱۴۳ اور میں نہیں خبر رکھتا کہ تم سے جو وعدہ

بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ

کیا گیا ہے، آیا وہ قریب آگیا ہے یا دور دراز ہے۔ ۱۴۴ بے شک اللہ پکار کر کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ

اور اسے بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ ۱۴۴ الف اور میں خبر نہیں رکھتا شاید کہ وہ ۱۴۵

معاصرین ہی نہیں، ہر قوم، ہر ملک کے لوگ آپؐ کی لائی ہوئی رحمت سے یکساں مستفید ہو سکتے ہیں۔
مرشد تھانویؒ نے آیت سے ایک نکتہ یہ بھی استنباط کیا ہے کہ مقبولین کی برکات ان کے قصد کے بغیر ہی عالم کو پہنچتی رہتی ہیں، جیسے آفتاب کی شعاعیں کہ بلا اس کے قصد و علم کے سب کو پہنچتی رہتی ہیں۔

۱۴۲ (اہلِ توحید و اہلِ شرک کے اختلافات کے باب میں)
عقائد کی اصل اصول بھی ایک وحی ہے۔ باقی کل کتنی بار آپؐ پر وحی نازل ہوئی اس کی تعداد کون جان سکتا ہے۔

۱۴۳ (احکام الٰہی کی بھی، اور ان احکام کی عدم تعمیل کے نتائج کی بھی۔ اس کے بعد اب نہ میرے اوپر کوئی ذمہ داری باقی رہی نہ تمہارے پاس کوئی عذر معذرت)
ھل۔ صورۃً استفہام حکم میں امر کے ہے، یعنی اسلام ضرور لاؤ۔
علیٰ سواء۔ سے مراد ہے خوب مفصل و مدلل۔
لقیام الادلۃ علیھا۔ (روح)

۱۴۴ پیمبر کو قطعی علم صرف وقوعِ عذاب اور وقوعِ آخرت کا رہتا ہے۔ باقی اس کے آگے کا نہیں۔ اس کے وقوع قریب یا وقوع بعید کا بھی علم نہیں دیا گیا۔ ٹھیک اس متعین زمانہ کا ذکر ہی نہیں۔
ان یہاں نافیہ ہے ما کے معنی ہیں۔
نافیۃ بمعنی ما (قرطبی)
علم کامل کی نفی جب پیمبر اور پیمبر بھی کون؟ اشرف الانبیاء سے کی جا رہی ہے، تو کسی مرشد یا ولی کے لئے علم غیب کا اعتقاد رکھنا ظاہر ہے کہ کیسی کھلی ہوئی نادانی و جہالت ہے۔

۱۴۴ الف یہ شان عالم الغیبی تو صرف اسی ذات واحد کے لئے مخصوص ہے۔

۱۴۵ یعنی تاخیر عذاب۔
یعنی لعل بتاخیر العذاب عنکم کنایتہ من غیر مذکور (معالم)
لعل تاخیرہ ذلک عنکم (ابن کثیر)

فِتۡنَةٌ لَّكُمۡ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ

تمہارے لئے امتحان ہی ہو اور ایک (خاص) وقت تک کے لئے تمتع ۔۱۴۶ (پیغمبر نے کہا)

احۡكُمۡ بِالۡحَـقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى

کہا کہ ۱۴۷ اے میرے پروردگار تو فیصلہ کر دے حق کے موافق ۔۱۴۸ اور ہمارا پروردگار مددگار بڑا رحمت والا ہے جس سے

مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

مدد چاہی جاتی ہے ان باتوں کے مقابلہ میں جو تم بیان کرتے ہو ۔۱۴۹

النصف ۳۴۸

ای لعل الامهال ۔ (قرطبی)

۱۴۶ امتحان اس لحاظ سے کہ شاید اب یہ ایمان لے آئیں ۔ یہ ظہور رحمت ہے ۔ عارضی مہلت اس اعتبار سے کہ غفلت اور بڑھتی جائے اور تحقق عذاب کے اسباب اور بڑھ لیں ، یہ ظہور قہر ہے ۔

پیمبر کی زبان سے یہ کہلایا جا رہا ہے کہ مجھے ان مصالح تکوینی کا علم نہیں ۔

امتحان الٰہی سے مراد ہمیشہ دنیا کی نظروں میں نتائج کا آجانا ہوتا ہے ، ورنہ علم الٰہی میں تو ظاہر ہے کہ سب کچھ پہلے سے موجود ہی ہے ۔

۱۴۷ یہ اس وقت کہا جب تبلیغ کے سارے مرحلے ختم ہو چکے ، اور اصلاح خاطر خواہ نہ ہوئی ۔

۱۴۸ فیصلہ سے مراد ہے عملی فیصلہ ، جو اندھوں کو بھی نظر آجائے یعنی کافروں کی شکست دنیا ہی باوجود ہر ساز و سامان کے ۔

بالحق ۔ یعنی ٹھیک ٹھیک ۔ قطعی ۔ جچا تلا ۔

۱۴۹ (مثلاً تمہارا یہی زعم کہ ہم عنقریب مسلمانوں کا نام و نشان مٹا کر رکھ دیں گے یا اور نہمالے کلمات کفر و الحاد)

علیٰ ما تصفون ۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو ، اس کے مقابلے میں ، اس کے جواب میں ۔

(۲۲)

آیاتہا ۷۸ — ۷۸ آیتیں

سُورَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ

رکوعاتہا ۱۰ — ۱۰ رکوع

سورہ حج مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ بار بار رحمت کرنے والے نہایت مہربان کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو (کیونکہ) قیامت (کے دن) کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے [1]

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ

جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی (فرطِ ہیبت سے) اپنے دودھ پیتے (بچہ) کو بھول جائے گی اور جتنی حمل

ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى

والیاں ہیں سب اپنا حمل ڈال دیں گی اور لوگ تجھے نشہ میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔

[1] (جیسے کوئی صحیح الحواس انسان نہ بھلائے رہ سکتا ہے اور نہ اسے کوئی معمولی بات سمجھ سکتا ہے)

یٰاَیُّھَا النَّاس۔ خطاب کل نوع انسانی سے ہے۔

ربکم۔ اسی شانِ ربوبیت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس واقعۂ عظیم کی خبر اتنے قبل سے دی جا رہی ہے۔

ان.... عظیم۔ بعض قدیم گمراہ فرقوں نے آیت کے ان الفاظ سے یہ نکالا ہے کہ شئ کا اطلاق معدوم پر بھی ہو سکتا ہے، جیسے کہ زلزلۂ حشر جو اس وقت معدوم ہے ـــــ علماء اہل سنّت نے اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ دیا ہے کہ شئ تو یہاں اس زلزلہ کو کہا گیا ہے جو اس وقت موجود ہوگا۔ آج کے زلزلہ معدوم کو کہاں کہا گیا ہے۔

رونے کا مقام ہے کہ جس چیز سے قرآن مجید نے انتہائی تخویف کا کام لیا ہے' اسی واقعہ کے ذکر کو آج غیروں نے نہیں' خود مسلمانوں نے ایک موضوع تفریح و تفنّن بنا لیا ہے۔ بدنصیب شاعروں کے ہاں تو روزِ ہجر و شبِ فراق کا طول روزِ قیامت سے بڑھا ہوا تو ایک زمانہ سے چلا آ رہا تھا اب نثر نویسوں نے قدم اس سے بھی آگے بڑھایا ہے' اور روزِ جزا پر تفریحی ڈرامے لکھنے شروع کر دیئے ہیں!

وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿۲﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ

بلکہ اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔ ۲ے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں

فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿۳﴾

جو اللہ کے باب میں بغیر علم (و دلیل) کے جھگڑا کیا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ ۳ے

۲ے اور اس کی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کی شدت سے حالت لوگوں کی متوالوں کی سی معلوم ہوگی۔ یہ نقشہ سب اس وقت کا کھینچا ہے جب صور پہلی بار پھونکے گا اور قیامت شروع ہوگی۔ اور یہ سب چیزیں محض بطور مثال، اندازہ کے لیے بتائی گئی ہیں — "مقصود یہ نہیں کہ بس اس زلزلہ کی ہیبت اتنی ہی ہوگی، بلکہ مخاطبین کے اذہان میں چونکہ یہ ہیبت بھی عظیم ہے جس پر آثار مذکورہ مرتب ہوں اس لئے اس کو ذکر کر دیا پس زائد کی نفی نہیں ہے" (تھانوی ؒ)

مرضعة۔ یہاں بجائے مرضع کے مرضعة لائے ہیں۔ ماہرین عربیت صاحب کشاف و صاحب کبیر وغیرہ نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ یہاں دودھ پلانے والی کی عام حالت کا بیان نہیں کہ رضاعت کرنے والی مائیں اپنے شیر خوار بچوں کو بھول جائیں گی بلکہ مراد یہ ہے کہ جو ماں عین اس وقت دودھ پلا رہی ہوگی اور بچہ اس کی چھاتیوں کو اپنے منھ میں لئے ہوگا، وہ بھی مارے ہول کے اس وقت اپنے بچہ کو چھوڑ بھاگے گی۔ یعنی مرضعہ بالفعل و فی الحال نہ کہ محض بالقوۃ۔

فان قلت: لم قيل مرضعة دون مرضع؟ قلت المرضعة التي هي في حال الإرضاع ملقمة ثديها الصبي والمرضع التي شأنها أن ترضع، وان لم تباشر الإرضاع في حال وصفها به۔ (کشاف۔ کبیر)

اس نکتہ کی طرف اشارہ امام ابن جریر طبری کے ہاں بھی ملتا ہے۔

مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ جو غیر سکر کو تشبیہاً فرما دیا گیا اس سے صوفیہ کی اس اصطلاح کی اصل نکل آئی کہ بعض حالات باطنی کو بھی اسی مشابہت و مماثلت کی بنا پر سکر کہہ دیا جاتا ہے۔

۳ے شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ آیت نضر بن حارث ایک مشہور معاصر کافر کے حق میں نازل ہوئی ہے یا پھر ابوجہل یا ابی بن خلف کے حق میں لیکن آج تو اس آیت کے مصداق ایک دو نہیں، صدہا ہزارہا "پڑھے لکھے" نظر آئیں گے۔ کہیں نثر میں مضامین، ڈرامے اور افسانے لکھے جا رہے ہیں، طنز و استہزاء کے پورے حربوں سے مسلح ہو کر کہ خدا مزدوروں مفلسوں کو مصیبت میں دیکھتا ہے اور اسے ذرا رحم نہیں آتا۔ کہیں نظم میں طبع آزمائی ہو رہی ہے ہر شاعرانہ ادا کی کمک لے کر کہ خدا سرمایہ داروں کے ظلم کو روکتا نہیں،

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَ يَهْدِيْهِ اِلٰى

اس (مردود) کی نسبت تو یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو کوئی بھی اسے دوست رکھے گا تو اسے وہ گمراہ ہی کر کے رہے گا

عَذَابِ السَّعِيْرِ ④ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ

اور اس کو عذاب دوزخ کی راہ دکھادے گا۔ ۴ اے لوگو اگر تم (دوبارہ) جی اٹھنے کی طرف سے شک میں ہو تو

الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

(اس میں غور کرلو) کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ۵

اور ان کی اعانت کر رہا ہے۔ وقس علیٰ ہذا ___ گویا ان بے مغز، بے ہودہ نگاروں کے حسب مشورہ اگر کسی دنیا کی تخلیق ہوئی ہوتی تو اس میں نہ کوئی چھوٹا ہوتا نہ کوئی بڑا۔ نہ کوئی سردار و امیر نہ کوئی محکوم و ماتحت۔ نہ کوئی دولت مند نہ کوئی مفلس۔ نہ کوئی بیمار نہ کوئی مجرم! اور اس لئے قدرۃً اس دنیا میں کوئی معنی نہ اطاعت کے ہوتے نہ سخاوت کے، نہ دادرسی کے نہ حذاقت فن کے، نہ ہمدردی کے۔ اس لئے کہ یہ چیزیں تو اپنے ظہور کے لئے محتاج ہی ہیں حاجتمندی کی، غربت کی، بیماری کی، مظلومیت کی ___ ایسی عجیب و غریب مساوات کی دنیا کا تصور بھی جن دماغوں میں آسکتا ہے ان سب کی ذہنیت بس ایسی ہی ہوتی ہے کہ ہر شیطان کی دست رس ان پر بہ آسانی ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہر با تونی، لفّاظ شیطان کی گمراہیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

صاحب کشاف نے یہاں خاصی تفصیل سے لکھا ہے کہ سب سے بڑے شیطان تو ہوا پرستوں اور بدعتی فرقوں اور حشویہ کے سردار ہیں جنھوں نے کس کس طرح زیبن کلام کر کے گمراہیوں کے راستے ہموار اور خوشنما بنا رکھے ہیں۔

شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ۔ مراد ابلیس و ذریات بھی لی گئی ہے اور سرداران کفر و طغیان بھی۔

والمراد به اما ابليس وجنوده واما رؤساء الكفرة (روح)

۴ یعنی شیطان مردود اپنے ہر پیرو کو گمراہ کر کے عذاب دوزخ تک پہنچا دے گا۔

ضمیر (مذکر واحد غائب) اللہ کی جانب لے کر یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اللہ اپنی مشیت تکوینی سے اسے عذاب دوزخ کی راہ دکھا دے گا۔

كتب عليه۔ یعنی اس کی بابت یہ مقدر ہو چکا ہے، طے ہو چکا ہے۔

۵ یعنی نوع انسانی کی ترکیب میں عنصر غالب مٹی کا ہے۔

فی ریب من البعث۔ وقوع حشر سے انکار کا مرض جیسا آج کی مادہ پرست دنیا میں کثرت سے پھیلا ہوا ہے، ایسا ہی عرب مادہ پرستوں میں تھا۔

فانا خلقنٰکم۔ تقدیر کلام یوں ہے کہ میں تمھیں تمھاری خلقت سے متعلق یہ خبر دیتا ہوں یا یہ کہ تم اپنے آغاز خلقت کو سوچو۔

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ

پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے (کہ بعض) پوری (ہوتی ہیں) اور (بعض) ادھوری

وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى

تاکہ ہم تمہارے سامنے ظاہر کردیں ۶ اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ٹھہرائے رکھتے ہیں

اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ

ایک مدت مقررتک ۷ پھر ہم تمہیں بچہ (بنا کر پیٹ سے) باہر لاتے ہیں تاکہ تم اپنی بھری جوانی تک

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى

پہنچ جاؤ۔ اور تم میں وہ بھی ہیں جو مرجاتے ہیں ۸

ای فانظروا فی بدء خلقکم (بیضاوی)

قیل النقد یرفاخبرکم واعلمکم انا خلقنکم۔ (روح)

یٰاَیُّھَا النَّاسُ۔ کھلا ہوا خطاب روئے زمین کے انسانوں سے ہے۔ خدا معلوم اسے مشرکین مکہ تک کیوں محدود رکھا گیا ہے۔

۶ وجود انسانی کی اس ساخت، ترکیب و ترتیب کی ایک طرف یکسانی و ہم آہنگی دوسری طرف باہمی تفاوت و اختلاف دونوں چیزیں جس طرح قدرت، حکمت و صنعت پر شاہد ہیں، اسی طرح اس پر بھی کہ جو پہلے اس طرح عدم مطلق سے وجود میں لاچکا ہے اسے اب اجزاء منتشر کو جوڑ بٹور کر درست کردینا کیا مشکل ہے۔

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ نوعی ترکیب کے بعد، تخلیق انفرادی کا یہ پہلا قدم ہے۔ نطفہ غذائے انسانی کا خلاصہ در خلاصہ ہوتا ہے۔

عَلَقَةٍ۔ اس حالت کا نام ہے جب نطفہ میں سرخی اور غلظت پیدا ہوجائے۔

مُضْغَةٍ۔ اس حالت کا نام ہے جب علقہ مرتب اور سخت ہوجائے۔

مُخَلَّقَةٍ۔ یعنی وہ حالت جب کہ پورے اعضاء ترکیب پاجائیں۔

غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ۔ یعنی وہ حالت جب بعض اعضاء ناقص رہ جائیں۔

۷ (یعنی وضع حمل کے عام اور معمولی وقت تک)

اور جس کو ٹھہرانا ہی نہیں منظور ہوتا اس کا اسقاط اور اخراج قبل ہی کردیتے ہیں۔

نُقِرُّ .... مَا نَشَآءُ۔ یہاں یہ یاد دلادیا کہ استقرار حمل کا تعلق براہ راست مشیت تکوینی الٰہی

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ

اور تم میں وہ بھی ہیں جنھیں نکمی عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے جس سے وہ ایک چیز سے با خبر ہو کر بے خبر

عِلْمٍ شَيْئًا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

ہو جاتے ہیں ۹ے اور تو زمین کو دیکھتا ہے ۱۰ے کہ خشک ہے، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ

الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤

ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔

سے ہے، انسان اسے تمام تر اپنی سعی و تدبیر کا نتیجہ نہ سمجھ لے۔

۸ے (جوانی تک پہنچنے سے قبل ہی)

انسان کے دو طبقے بہ لحاظ ان کی عمر کے بیان ہوئے۔ ایک وہ جو اپنی پختگی کو پہنچائے جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اس سے قبل ہی اٹھا لئے جاتے ہیں۔ حکمت تکوینی دونوں ہی صورتوں میں عامل و مؤثر رہتی ہے۔

۹ے یہ تیسری قسم کے لوگ ہوئے۔ شدت ضعیفی میں قوت حافظہ کا ضعف اور عام قوائے دماغی میں انحطاط روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔

لِكَيْلَا۔ میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی اس کا نتیجہ عملاً آخر کار یہ ہوتا ہے۔

۱۰ے (اے مخاطب) پہلے استدلال کا خلاصہ یہ تھا کہ انسان کی خلقت پر غور کرو۔ تدریج و آہستگی کے ساتھ اس کو کتنی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور ہر ہر منزل کس حکیمانہ نظم و انتظام کے ساتھ گزاری جاتی ہے پھر عمر کے لحاظ سے بھی ایک خاص ترتیب نظر آتی ہے۔ مصالح تکوینی کے ماتحت کسی کو نوعمری ہی مار دیا جاتا ہے کسی کو اچھے سن و سال تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور کسی کو اتنی عمر تک کہ قوت ضعف میں اور اختیار و اقتدار انحطاط و بیکسی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ آدمی ان کی تفصیلات پر جتنا زیادہ غور کرتا جائے گا، یہ حقیقت روشن ہوتی جائے گی کہ یہ نظام کائنات بخت و اتفاق کے ماتحت نہیں چل رہا ہے۔ بلکہ اس پر کوئی عاقل ترین، قادر ترین، کامل ترین ہستی ہی حکمراں ہے!

اب اس صنعت و حکمت الٰہی پر دوسرا استدلال نظام فضائی و کائنات جوّی سے پیش ہو رہا ہے ــــــــ زمین کا ایک خاص حالت میں ہونا، موسم میں ایک متعین کیفیت کا پیدا ہو جانا، آفتاب میں ایک خاص درجہ کی گرمی، سمندر کا اس سے ایک خاص درجہ کا تاثر، بخارات کا صعود، ہوا میں ایک خاص قسم کی حرکت اور ایک خاص درجہ کی برودت، پانی کا ایک متعین مقدار میں اور ایک خاص صورت میں یعنی قطرہ قطرہ ہو کر نزول، زمین میں بارش کا جذب ہونا، نباتات کا

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَالْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

یہ سب اس سبب سے کہ اللہ ہی (کی ہستی) حق ہے ۱۱ اور وہی بیجانوں میں جان ڈالتا ہے۔ اور وہی ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ۝ ۶ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ

قادر ہے۔ اور (اس سبب سے بھی کہ) قیامت آنے والی ہے، اس میں ذرا شبہ نہیں۔ اور اللہ (دوبارہ)

مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ ۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اٹھائے گا انھیں جو قبروں میں ہیں ۱۲ اور انسانوں میں کوئی کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کے باب میں حجت کرتا رہتا ہے بغیر

وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ۸ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

علم کے اور بدون دلیل کے اور بدون کسی روشن کتاب کے۔ تکبر و گردن کشی کرتا ہوا تاکہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے بے راہ کردے ۱۳

اس سے اپنی غذا کا کام لینا، ان میں نشو نما کا ہونا، وغیرہا، علوم طبعی، کیمیاوی، ارضیاتی کے صدہا مسائل کو عملاً اس نظم و تدبیر کے ساتھ حل کرتے رہنا، کام یقیناً حکیم مطلق ہی کا ہو سکتا ہے۔

۱۱ (اور وہی یہ سب تغیرات ہر لمحہ و ہر آن کرتی رہتی ہے)

مشاہدات کائنات سے قرآن مجید کا مقصود ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے، یعنی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات۔ چنانچہ یہاں بھی مقصود ارشادی یہی ہے کہ یہ سارے واقعات دلیل ہیں، اللہ کی قدرت، حکمت، صنعت، وحدانیت کے۔ اور انسان (فاعل بالارادہ مخلوق) کی مسئولیت کے۔

۱۲ مذاہب مشرکیہ تو بہت سے ایسے ہیں جو عقیدۂ جزا و سزا، حشر و نشر کے منکر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر جو اہل کتاب تھے، یعنی یہود و نصاریٰ ان میں بھی یہ عقیدۂ آخرت بہت ضعیف ہو چلا تھا۔ اور ان کے بعض بعض فرقے تو سرے سے منکر ہی ہو گئے تھے —— اور موجودہ توریت تک میں یہ ذکر نمایاں ہو کر مشکل ہی سے کہیں ملتا ہے۔

من فی القبور۔ سے مراد کل وہ لوگ ہیں جو عالم قبر یا برزخ میں پہنچ چکے ہیں۔ خواہ پانی میں ڈوب گئے ہوں یا آگ میں جل گئے ہوں، یا جانوران کے جسم کو کھا گئے ہوں، وقس علیٰ ہذا —— مراد صرف مدفون ہی نہیں۔

۱۳ یعنی یہ بے عقلی و بے علمی کی راہ سے ضلالت پھیلاتے رہنے کے یہ شخص نہ کوئی عقلی دلیل اپنے پاس رکھتا ہے نہ نقلی۔

ھُدًی۔ سے مراد ہے دلیل عقلی اور کتاب منیر سے وحی الٰہی۔

ای لاسند لہ من الاستدلال او وحی۔ (بیضاوی)

ثانی عطفہ۔ لفظی معنی ہیں اپنا شانہ پھیر لینے والا۔ مراد ہے تکبر کرنے والا، زعم و پندار میں

لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾

ایسے شخص کے لئے دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اسے جلتی آگ کا عذاب چکھائیں گے ۱۴؎

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ ع ۸

کہ یہ تیرے ہی ہاتھ کے کرتوتوں کا بدلہ ہے اور یہ (تو ثابت ہی ہے) کہ اللہ بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ۱۵؎

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ

اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ کی پرستش کنارہ پر (کھڑا ہو کر) کرتا ہے پھر اگر اسے کوئی نفع پہنچ گیا

خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ

(تو) وہ اس پر جما رہا۔ اور اگر (کہیں) اس پر کوئی آزمائش آ پڑی تو وہ منہ اٹھا کر چل دیا۔ ۱۶؎

مبتلا رہ کر اکڑنے والا۔

ثنی العطف عبارۃ عن الکبر والخیلاء (کشاف)

شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ آیت میں اشارہ خصوصی ابوجہل سے متعلق ہے۔

آج "روشن خیال" "تجدد نواز" "طبقات" جو اسی ذہنیت کو لئے ہوئے ابھرے ہیں، صفات الٰہی پر بڑی بلند آہنگی سے گفتگو کے لئے نکلے ہیں، اور حال یہ ہے کہ جس طرح عقل و منطق سے تہی دامن ہیں، اسی طرح کسی محقق کے اتباع سے بھی۔ فقہاء نے آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ بغیر علم و واقفیت کسی مسئلہ میں بحث و مباحثہ جائز نہیں۔

۱۴؎ دنیا میں رسوائی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ایسا شخص گفتگو و مناظرہ کے سلسلہ میں ٹھہر نہ سکے۔

له فی الدنیا خزی۔ الفاظ کی ترتیب فقرے میں زور و تاکید پیدا کرنے کے لئے ہے۔

۱۵؎ (جیسا کہ جاہلی قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں کو سمجھ رکھا ہے)

ذلک بما قدمت یداک۔ میں ب سببیہ ہے۔

بما قدمت یداک۔ بندہ پر یہ واضح کر دیا جائے گا کہ یہ سب تیرے ہی ہاتھوں کا کیا دھرا ہے۔ یہ انجام تیرے ہی کرتوتوں کا ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ فرشتے قیامت میں یہ پکار پکار کر مجرموں سے کہیں گے۔

ای یقال له یوم القیامة (بیضاوی)

یقال هذا تقریعًا و توبیخًا۔ (ابن کثیر)

وان الله ... للعبید۔ یعنی تبلیغ و تفہیم کے ان مرحلوں سے گزارے بغیر اگر اللہ اپنے بندوں کو عذاب دینے لگے تو وہ شدید ترین ظالم ٹھہرے اور ایسا اللہ ہے نہیں۔

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا

(یعنی) دنیا و آخرت (دونوں) کو کھو بیٹھا۔ یہی تو ہے انتہائی محرومی۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ

ایسے کو پکار رہا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچا سکے اور نہ اسے نفع پہنچا سکے۔ یہی تو ہے انتہائی

الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ

گمراہی ۱۷ؔ وہ ایسے کو پکارتا ہے جس کا ضرر (واقعی) قریب تر ہے اس کے نفع (موہوم) سے۔

ظلام۔ کے لئے ملاحظہ ہو سورۃ الانفال آیت ۵۱ کا حاشیہ ۸۰۔

۱۶ؔ (کفر کی طرف)

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک مذہب کی صداقت وحقانیت بجائے خود کوئی معنی ہی نہیں رکھتی۔ اگر مسلمان رہنے سے انھیں کوئی دنیوی منافع حاصل ہو رہے ہیں، تو یہ بھی اپنے کو مسلمان کہیں گے، اور سمجھیں گے۔ لیکن اگر دقتوں اور دشواریوں کا سامنا ہوا، تو بس یہ جھٹ سے الگ ہو گئے، اور کھلم کھلا اپنی بے دینی کا اظہار کرنے لگے ــــــ آج دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے اندر بھی یہ مرض کس کثرت سے پھیلتا جا رہا ہے کہ اسلام کی قدر گویا صرف منافع دنیوی کے لحاظ سے اور اس کی قیمت صرف مصالح مادی کے تناسب سے ہے۔

من یّعبد اللّٰہ علیٰ حرفٍ۔ یعنی اسلام اس نے قبول تو کر لیا ہے لیکن ایسی بے دلی کے ساتھ اور ایسے اوپری دل سے کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کے کنارے کھڑا ہوا، اور جیسے موقع پاتے ہی اسے چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہو ــــ ذکر منافقین کا ہو رہا ہے۔ اور اس میں منافق طبع افراد اور جماعتیں (پارٹیاں) سب شامل ہیں حرف مَن کا اطلاق واحد جمع دونوں پر ہوتا ہے۔

خیر۔ مراد کوئی فوری نفع مادی و دنیوی ہے۔ مال، جاہ، صحت، اولاد، وغیرہ۔ یہ ضرور نہیں کہ لالچ کوئی بہت بڑا مل رہا ہو۔

فتنۃ۔ خیر کے مقابل ہر ادنیٰ و حقیر سی آزمائش پر بھی شامل ہے۔ یہ لازمی نہیں کہ قربانی کوئی بڑی سی دینی پڑے گی۔

۱۷ؔ توحید کی کھلی ہوئی شاہراہ کو چھوڑ کر انسان کا یہی حال ہو جاتا ہے وہ کیسے کیسے معبودانِ باطل کو پکارنے لگتا ہے۔ یورپ کی "روشن خیال"، "عقل نواز" قوموں نے توحید و خدا پرستی کی راہ چھوڑ کر بے شمار مخلوقات کو اپنا معبود بنا لیا ہے، اور عملاً ان کے ساتھ وہی معاملہ شروع کر دیا ہے، جو معبود کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یعنی ان ہی کو نافع اور ضار سمجھنے لگے ہیں۔

ھو الضّلٰل البعید۔ الضلال البعید وہ دور دراز کی گمراہی ہے جس سے رجوع کی کوئی توقع باقی نہیں رہ جاتی۔

لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کیا ہی بُرا ہے (ایسا) کارساز، اور کیا ہی بُرا ہے (ایسا) رفیق! ۱۸ بے شک اللہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور نیک عمل بھی کیے داخل کرے گا ایسے باغوں میں جن کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

بے شک اللہ کر ڈالتا ہے جو کچھ ارادہ کر لیتا ہے ۱۹

ای الضلال الذی یصعب الرجوع منہ الی الھدیٰ۔ (راغب)

ذلک۔ یعنی اس کی یہ پکار غیر اللہ سے مخلوق سے۔

ای الدعاء (روح)

۱۸ یعنی نہ بڑے کی حیثیت سے کچھ کام آرہا ہے، نہ برابر والے کی حیثیت سے کچھ نفع پہنچا رہا ہے۔

لمن۔ میں ل قسم اور تاکید کا ہے۔ اور اسی لئے فقرے کے شروع میں لایا گیا ہے۔

اللاّم للیمین والتوکید فجعلھا اول الکلام۔ (قرطبی)

نحویوں نے قرأت لِمَنْ (کسرۂ ل کے ساتھ بھی) جائز رکھی ہے۔

قال الفراء یجوز لِمَنْ ضرہٗ بکسر اللام۔ (قرطبی)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ل محض صلہ کا ہے۔

قال الفراء ایضا والقفال: اللام صلۃ، ای یدعو من ضرہ اقرب من نفعہ۔ (قرطبی)

من ضرّہٗ۔ جس کا ضرر یعنی جس کا سبب ضرر ہونا۔

اقرب من نّفعہٖ۔ محاورۂ عرب میں بے اصل اور غیر موجود شے پر بھی اطلاق بعید کا ہوتا ہے۔ جس نفع کا ابعد ہونا بمعنی اس کے معدوم ہونے کے ہے۔

ھذا علی عادۃ العرب فانھم یقولون لما لایکون اصلا بعید کقولہ ذلک رجع بعید ای لارجع اصلاً (معالم) کان نفع الصنم بعیداً علی معنی انہ لا نفع فیہ اصلاً۔ (معالم)

۱۹ (اور اس نے جزا و سزا کا ارادہ کر لیا ہے)

خدا ہی قادر مطلق ہے۔ اس کا ارادہ سب پر غالب ہے۔ وہ خود ہی قانون ساز ہے کوئی قانون اس کے اوپر حاکم نہیں ـــــ اس میں رد آگیا بہت سی مشرک قوموں اور مشرک فلسفیوں کا جنھوں نے خدا کو محدود الاختیار مانا ہے۔ اور قادر کے اوپر بھی کسی "قانون قدرت" کو حاکم و نافذ سمجھا ہے!۔

انّ اللہ.... مایرید۔ معتزلہ اور اہل سنت کے درمیان ایک بحث خلق افعال کی چلی آتی ہے۔

مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ

جو شخص یہ خیال رکھتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی مدد دنیا و آخرت میں نہ کرے گا تو اسے چاہئے کہ ایک رسّی آسمان تک

إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾

تان لے پھر سلسلۂ وحی کو کاٹ دے تو غور کرنا چاہئے کہ آیا اس کی تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو موقوف کرا سکتی ہے؟ ۲۰

اہلِ سنت اس کے قائل ہیں کہ خالق افعال (اور اس لئے خالق ایمان بھی) اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اس باب میں استدلال اس آیت سے بھی کیا ہے۔

واحتج أصحابنا في خلق الافعال.... قالوا اجمعنا على انه سبحانه يريد الايمان ولفظة ما للعموم فوجب ان يكون فاعلا للايمان۔ (کبیر)

سارے نظام کائنات میں دخل صرف اسی کے ارادہ و مشیت کا ہے کسی اور کا مطلق نہیں۔

۲۰ (اور ظاہر ہے کہ نہیں کرسکتی)

ما یغیظ۔ ناگواری کی چیز سے مراد ہے وحی الٰہی۔

غاظهم الله به من نصرة النبي صلى الله عليه وسلم وما ينزل عليه (ابن جریر عن ابن زید)

اى الذين يغيظ من نصر الله۔ (بیضاوی)

ینصرہ۔ میں اہم سوال ضمیر ہ سے متعلق ہے۔

ابن عباس صحابیؓ اور متعدد تابعین اور نحویوں کا اتفاق ہے کہ رسول کی جانب ہے۔

الضمير في ينصره لرسول الله صلى الله عليه وسلم على ما روى عن ابن عباس والكلبي ومقاتل والضحاك وقتادة وابن زيد والسدى واختاره الفراء والزجاج۔ (روح۔ کبیر)

عن قتادة اى لن ينصر الله نبيه (ابن جریر) عن ابن زيد اى لن ينصر الله نبيه (ابن جریر)

عن ابن عباس اى لن ينصر الله والمعنى محمدا صلى الله عليه وسلم (ابن کثیر)

والمعنى ان الله ناصر رسوله في الدنيا والآخرة۔ (کشاف)

ضمیر ہ کا مرجع دین یا اسلام بھی مانا گیا ہے۔

قيل الضمير عائد على الدين والاسلام۔ (بحر)

لیقطع۔ میں مفعول "وحی" مقدر ہے ____ بعض نے مفعول النصر مقدر مانا ہے۔

عن ابن زيد اى ليقطع عن النبي صلى الله عليه وسلم الوحى (ابن جریر)

اى فليقطع الوحى ان ينزل عليه (کشاف)

اى لم ليقطع النصر۔ (قرطبی)

"حاصل یہ ہوا کہ نصرت الٰہیہ آپ کے ساتھ بوجہ نبوت و وحی کے ہے سو آپ کی ناکامی کی سعی کرنا

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾

اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے کھلی ہوئی نشانیاں (بناکر) اور بات یہ ہے کہ اللہ جس کے لئے ارادہ کرتا ہے اسے ہدایت کر ہی دیتا ہے ۲۱

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ

بے شک جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی اور نصاریٰ اور مجوس

وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

اور جو مشرک ہیں بے شک اللہ ان (سب) کے درمیان فیصلہ کردے گا قیامت کے دن۔

اس وقت مفید ہو سکتی ہے کہ جب اس نبوت اور وحی کے قصہ کو پاک کردیا جاوے سو یہ ہونے کا نہیں پس دین کے خلاف میں سعی کرنا موقوف ہے ظن عدم نصرت الٰہیہ للنبی پر اور اس میں کامیابی کا سامان مجتمع کرنا موقوف ہے قدرت علی قطع النبوۃ پر پس کلام میں اصل شرط اور جزا دونوں امر موقوف ہیں اور عبارت میں دونوں امر موقوف علیہ کو ان کے قائم مقام کردیا گیا۔" (تھانوی)

وھو احسن التفاسیر وابعد عھما عندی (تھانوی)

ابن جریر نے بھی ترجیح اسی تفسیر کو دی ہے۔ دوسرے اقوال جو نقل ہوئے ہیں مقصود وما حصل ان کا بھی یہی ہے۔

واعلم ان المقصد علی کل ھذہ الوجوہ معلوم فانہ زجر للکفار عن الغیظ فی مالافائدۃ فیہ۔ (کبیر)

بعض عارفین نے کہا ہے کہ آیت سے رضا بہ قضاء کی ترغیب نکلتی ہے، اور کراہت قضاء الٰہی کی مذمت۔

۲۱ ف (تو یہ ہدایت بھی ارادۂ الٰہی کے تابع اور اسی پر معلق ہے۔)

علق وجود الھدایۃ بارادتہ فھو الھادی لاھادی سواہ۔ (قرطبی)

دلیل علی ان الھدایۃ غیر واجبۃ علیہ بل ھی معلّقۃ بمشیئتہ۔ (کبیر)

یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو کوئی اپنی ہدایت یا اس پر استقامت چاہتا ہے تو اللہ اسے ہدایت یا قیام ہدایت نصیب کر ہی دیتا ہے۔

لان اللہ تعالیٰ یھدی بہ ابتداءً او یثبت علی الھدیٰ او یزید فیہ من یرید ھدایتہ او ثباتہ او زیادتہ فیھا۔ (روح)

اور ہدایت الٰہی کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ جو بندہ اس کے لئے سعی وطلب رکھتا ہے، اس کے حق میں اللہ ہر ارادہ پورا کر ہی دیتا ہے۔

کذلک۔ یعنی اس میں بھی صرف ہمارے ہی ارادہ وقدرت کو دخل ہے۔

انزلنہ ضمیرہ قرآن مجید کی طرف ہے۔

یعنی القرآن (قرطبی)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾

بے شک اللہ ہر شے سے واقف ہے۔ ۲۲ھ

۲۲ھ (چنانچہ ان سب کے کفر و ایمان سے بھی خوب واقف ہے۔)

ان اللہ .... القیمۃ۔ اس فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ کا ظہور ہے۔ یعنی یہ کہ قیامت میں مسلمان جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ اور منکرین اسلام دوزخ میں۔ ورنہ جہاں تک دلائل کا فیصلہ ہے، فیصلہ تو آج بھی ہوچکا ہے۔

المجوس۔ وہ اہلِ عجم ہیں، جن کا دعوی ہے کہ ہم ایک نبی زرتشت نامی کی امت ہیں! لیکن اب وہ عملاً توحید کے بجائے ثنویت کے معتقد ہیں یعنی ایک کے بجائے دو خدا قرار دے لئے ہیں۔ ایک یزداں یعنی خدائے نور و خدائے خیر۔ اور یہی ان کے ہاں خدائے اکبر ہے۔ دوسرا اہرمن یعنی خدائے ظلمت اور خدائے شر۔ جو ان کے عقیدے میں خدائے اصغر ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کائنات ان ہی دونوں کی کشمکش کی رزمگاہ ہے، اور بالآخر خدائے اکبر ہی کی فتح ہو کر رہے گی ___ اسی مذہب کے بانی کوئی صاحب زرتشت نامی ہوئے ہیں، جن کے لئے احتمال یہ ہے کہ پیمبر ہوں۔ یہ ایرانی تھے۔ پیدائش مشرقی ایران یعنی صوبہ آذربائیجان میں ہوئی۔ قیام زیادہ تر مغربی ایران میں رہا۔ زمانہ ان کا ۵، ۵½ سو سال قبل مسیح کہا جاتا ہے۔ بعض نے آٹھ سو سال قبل مسیح تسلیم کیا ہے۔ جزا و سزا، جنت و دوزخ، ملائکہ کا وجود ان کے ہاں بھی مسلم ہے، مگر بہت ہی مسخ شدہ صورت میں۔ آگ کے تقدس کے قائل ہیں، اسے مظہر خدا سمجھتے ہیں اور اس لئے آتش پرست کہے جاتے ہیں۔ فقہاء اُمت نے انھیں بھی اہل کتاب کے حکم میں رکھا ہے، چنانچہ اہلِ کتاب کی طرح یہ بھی جزیہ دے کر اور ذمی بن کر رہ سکتے ہیں۔

مفسرین کرام نے واللہ اعلم کیوں مجوس پر بہت ہی کم کچھ لکھا ہے۔ امام رازی و حافظ ابن کثیر سے توقع اس باب میں بڑی، لیکن یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ جصاص رازی اور صاحب روح المعانی ان دونوں نے کچھ البتہ لکھا ہے، مگر یہ بھی بہت کم بلکہ ناتمام سا۔

مجوسیت جس دین کا نام ہے اس کے داعی ایک ایرانی زرتشت نامی ہوئے ہیں جن کا زمانہ ۶۳۰ھ تا ۵۵۲ھ ق م سمجھا جاتا ہے۔ وطن مشرقی ایران میں خوارزم کا کوئی حصہ تھا۔ ان کی تعلیم مشہور یہ ہے کہ ایک خدائے اعظم نیکی و نیک کرداری کا ہے۔ جس کا نام یزداں ہے اور جس کا بڑا مظہر آسمان میں آفتاب اور زمین پر آگ ہے۔ دوسرا اور نسبتہً چھوٹا خدا، بدی کا ہے۔ جس کا نام اہرمن ہے، اور جس کا مظہر ظلمت ہے۔ اور کائنات ان ہی دونوں خداؤں کی آویزش کی تماشہ گاہ ہے۔ آخری کامیابی یزداں کی یقینی ہے۔ ان کی عبادت گاہیں، ان کے آتش کدے ہوتے ہیں۔ اور یہ اپنے مُردوں کو بجائے دفن کرنے کے یا جلانے کے انھیں بلا چھت کھلی ہوئی عمارتوں میں جاکر رکھ دیتے ہیں، تاکہ چیل گدھ وغیرہ انھیں نوچ نوچ کر کھالیں۔ عرف عام میں یہ لوگ آتش پرست کہلاتے ہیں۔ اور مورتی پوجا کے قسم کا شرک ان کے ہاں نہیں۔

ان کی مذہبی کتاب کا نام اوستا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ

کیا تو دیکھتا نہیں (اے مخاطب) کہ اللہ ہی کو سجدۂ (تسلیم) کرتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ

اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے

وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ

اور کثرت سے انسان بھی ۲۳؎

یہ لوگ ہندوستان میں پارسی کہلاتے ہیں۔ اور دنیا میں ان کی سب سے بڑی آبادی ہندوستان ہی میں ہے خصوصاً شہر بمبئی میں۔ ایران کے بھی دو ایک شہروں میں ان کا وجود باقی ہے۔ ان کی مجموعی آبادی ایک لاکھ کے اندر ہی ہے۔ اصل دھوکہ انھیں شیطان یا ابلیس کے تخیل میں لگا۔ اور شاعرانہ مبالغہ سے کام لے کر اسے انھوں نے چھوٹا خدا فرض کر لیا۔

الذین اٰمنوا۔ الذین ھادوا۔ الصابئین۔ النصاریٰ۔ الذین اشرکوا۔

ان سب پر حاشیے پہلے گزر چکے سورۃ البقرہ آیت ۶۲ کے تحت میں۔ صابئین پر مزید حاشیہ سورۃ المائدہ آیت ۶۹ کے تحت میں بھی۔

۲۳؎ سجدہ سے مراد یہاں سجدۂ شرعی نہیں، بلکہ لفظی معنی مراد ہیں یعنی امور تکوینیہ میں انقیاد و اطاعت اور اس اعتبار سے اپنے اپنے درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے ساری غیر مکلف مخلوق مطیع و منقاد ہے۔ لیکن انسان چونکہ عقل کی بنا پر مکلف مخلوق ہے، اس سے اس کے درجہ و مرتبہ کے متناسب، علاوہ انقیاد تسخیری کے انقیاد تشریعی بھی مقصود و مطلوب ہے۔ اور وہ ساری نوع انسانی میں نہیں پایا جاتا۔ اس لئے انسان کے مطیع و منقاد ہونے کو بہ طور کلیہ کے نہیں بلکہ محض بہ طور اکثریہ کے ارشاد فرمایا گیا۔

" اور مخلوقات مذکورہ آیت چونکہ مکلف نہیں ہیں اس لئے ان کے مناسب صرف انقیاد تکوینی و تسخیری ہے، اور وہ ان سب میں متحقق ہے، اور انسان مکلف ہے اس لئے اس کے مناسب علاوہ انقیاد تسخیری و تکوینی کے انقیاد تشریعی و اختیاری بھی ہے، بس یسجد میں مناسب کی قید لگا دینے سے سجدہ کا تحقق دیگر مخلوقات کے لئے عام ہو گیا، اور انسان کے لئے صرف بعض افراد کے اعتبار سے ہوا۔" (تھانوی)

سجدہ کے لغوی معنی پر حاشیے پہلے گزر چکے ــــــ جہاں تک اعمال غیر ارادی، اضطراری و تشریعی کا تعلق ہے، انسان و حیوانات بھی غیر مکلف مخلوقات، جمادات و نباتات اور اجرام فلکی کی طرح قانون تکوینی کی اطاعت و انقیاد پر مجبور ہیں۔ اور یہی لغوی معنی اور اصلی معنی سجدہ کے۔ سجدۂ اصطلاحی و شرعی تو زبان میں بہت بعد کو داخل ہوا۔

وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ط وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط

اور بہتوں پر عذاب (الٰہی) ثابت ہوگیا ہے۔ ۲۴ اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کا کوئی عزت دینے والا نہیں

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (۱۸) السجدۃ ۲ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ

بے شک اللہ جو چاہے کرے ۲۵ یہ دو فریق ہیں ۲۶ جنھوں نے اپنے پروردگار

رَبِّهِمْ ز فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ط

کے باب میں اختلاف کیا، سو جو لوگ کافر ہیں ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے۔

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ (۱۹) ج يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ

ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی چھوڑا جائے گا۔ اس سے گل جائیں گی ان کے

من فی السمٰوٰت ومن فی الارض ۔ من ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ اس لیے مراد ہے آسمان وزمین کی وہ ساری مخلوق جو مکلف ہے۔

کثیر من الناس ۔ مراد وہ انسان ہیں جو انسان کہے جانے کے مستحق ہیں۔

والناس قد یذکر ویراد بہ الفضلاء دون من یتناولہ اسم الناس تجوّزًا (راغب)

۲۴ (اس لئے کہ وہ غیر ساجد یعنی غیر منقاد ہیں)

یعنی نوع انسان (اللہ کی مکلف مخلوق) میں، جس طرح ایک بڑی تعداد مُطیعوں ومنقادوں کی ہے، اسی طرح ایک بڑی تعداد سرکشوں اور نافرمانوں کی بھی ہے۔

حق علیہ العذاب ۔ عذاب سے مراد استحقاق عذاب ہے۔

ای ثبت وتقرر۔ (روح)

۲۵ (اس کی مشیت تکوینی ہر چیز پر غالب وحاکم ہے)

وہ حکیم مطلق بھی ہے، قادر مطلق بھی۔ وہ جسے چاہے اپنی قدرت سے ہدایت دے دے، اور جسے چاہے اقتضائے حکمت سے توفیق نہ نصیب کرے ـــ ارادۂ الٰہی اور مشیت الٰہی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ ہاں اگر کچھ فرق کیا جاسکتا ہے، تو ہر ارادہ کا اطلاق فرداً فرداً ہر فعل الٰہی پر ہوسکتا ہے اور مشیت کا اس پورے نظام وسلسلہ پر۔

ومن یھن اللہ ۔ اللہ کا کسی کو ذلیل کرنا یہی ہے کہ اسے توفیق ہدایت نہ دے۔

۲۶ یعنی ایک طرف مسلم مومن، دوسری طرف منکر کافر مع اپنے تمام تحتانی اقسام وانواع کے۔

قال شعبہ عن قتادۃ قال مصدق ومکذب۔ (ابن کثیر) قال فی راویۃ ھو مجاھد وعطاء ھم المومنون والکافرون۔ (ابن کثیر)

فالمراد بھذان فریق المومنین وفریق الکفرۃ (روح)

بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٣٠﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَآ

پیٹ کی چیزیں اور کھالیں ۲۷ اوران کے (مارنے کے) لئے گرز ہوں گے لوہے کے۔ وہ لوگ

اَرَادُوْآ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

جب کبھی گھٹے گھٹے اس سے باہر نکلنا چاہیں گے اسی میں ڈھکیل دیئے جائیں گے۔(اب) جلنے کا عذاب

الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ع ۲ ۱۲ ۹

چکھتے رہو ۲۸ بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ

باغوں میں داخل کرے گا کہ ان کے نیچے ندیاں بہ رہی ہیں وہاں ان کو کنگن سونے

مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوْآ

کے اور موتی پہنائے جائیں گے۔ اور وہاں ان کی ریشم کی پوشاک ہوگی۔ ۲۹ اور ان کو

اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْآ اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿٢٤﴾

ہدایت ہوگئی تھی کلمۂ طیبہ کی طرف اور انہیں ہدایت ہوگئی تھی (خدائے) لائق حمد کے راستہ کی جانب ۳۰

۲۷ غرض یہ کہ تعذیب کی جو ہولناک ترین صورتیں ہیں، سب ان بدنصیبوں کو پیش آکر رہیں گی۔
توریت کا تو خیر ذکر ہی نہیں، انجیل جو عام طور پر تمام تر رحم وکرم، شفقت ورحمانیت ہی کی کتاب سمجھی جاتی ہے، اس میں بھی دوزخ کے ہولناک مناظر بار بار پیش کئے گئے ہیں۔ حوالے بیشتر گزر چکے۔
ما فی بطونھم۔ یعنی انتڑیاں وغیرہ۔

۲۸ (ہمیشہ کے لئے۔ اور تمھیں کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا)
یہ فرشتے اہل دوزخ سے کہیں گے۔ تقدیر کلام یوں ہے وقیل لھم ذوقوا۔
منھا۔ فیھا۔ دونوں جگہ ضمیر ھا۔ النار کی طرف ہے۔

۲۹ زیور اور ریشم اس دار العمل میں مردوں کے لئے ناجائز ہیں۔ جنت میں جو صرف دار الجزاء ہے اور اس کے قانون اور ضابطے دار العمل سے بالکل مختلف ہوں گے، وہاں بالکل جائز ہو جائیں گے۔

۳۰ (اسی دنیا میں۔ اور یہ جنت کا انعام واکرام سب اسی ہدایت کا نتیجہ ہے)
الطیب من القول۔ طیب کا اطلاق ہر پاکیزہ ونافع چیز پر ہو سکتا ہے۔ یہاں مراد ہے

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ

بے شک جو لوگ کافر ہیں، اور (لوگوں) کو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے ۳۱

وَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ الَّذِیۡ جَعَلۡنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَۨ الۡعَاکِفُ

اور مسجد حرام سے ۳۲ جس کو ہم نے مقرر کیا ہے لوگوں کے واسطے کہ اس میں

فِیۡہِ وَ الۡبَادِ ؕ

رہنے والا اور باہر سے آنے والا (سب) برابر ہیں۔ ۳۳

کلمۂ طیبۂ توحید۔ بعض نے مراد کل قرآن لیا ہے بعض نے کوئی خاص آیت قرآنی۔ ماحصل ہر تفسیر کا ایک ہی ہے۔
صراط الحمید۔ مراد دین اسلام ہے، یا طریق الجنۃ۔
۳۱ یعنی دین کے کام سے۔ یہاں مراد عمرہ ہے ۶ھ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کثیر کے ساتھ مدینہ سے عمرہ کا قصد کیا تھا تو مشرکین مکہ نے آپ کو مقام حدیبیہ پر آ کر آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ اشارہ اسی طرف ہے۔ مفصل ذکر سورہ فتح کے ذیل میں آئے گا۔
۳۲ یعنی حرم مکہ سے۔ شریعت کی مخالفت تو سب ہی جگہ موجب عذاب ہے۔ حرم کے اندر اور زیادہ موجب عذاب ہے۔
المسجد الحرام۔ مسجد حرام سے مراد یہاں بقول امام ابوحنیفہ اور اکثر فقہاء کے پورا رقبۂ حرم ہے۔
والمراد بالمسجد الحرام مکۃ وعبر بہ عنہا لانہ المقصود المہم منہا۔ (روح)
وقال الآخرون المراد منہ جمیع الحرم .... وھو قول ابن عباس وسعید بن جبیر وقتادۃ وابن زید۔ (معالم)
قیل انہ المسجد نفسہ .... وقیل الحرم کلہ (قرطبی)
۳۳ (اس کے مامن و معبد اور مرجع کی حیثیت سے)
العاکف فیہ والباد۔ حرم محترم کے حدود کے دروازے ہر مومن و موحد کے لیے کھلے ہوئے ہیں کسی کے ساتھ اسے کوئی خصوصیت نہیں۔ پردیسی اور وطنی، مکی اور آفاقی دونوں اس پر یکساں حق رکھتے ہیں۔
فقہاء حنفیہ نے اسی آیت سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ حرم کی سرزمین مثل وقف کے ہے کسی کو اس میں ملک کا دعویٰ کرنا، یا کسی کو ان حدود میں انتفاع سے روکنا جائز نہیں۔ نہ وہاں کی آراضی کا کرایہ لینا درست ہے۔
مکہ کے مکانات کی بیع کی کراہت پر خود تابعین اور صحابہؓ کی روایات موجود ہیں۔ اور یہ بجائے خود دلیل ہے اس امر کی کہ ان کے نزدیک بھی مسجد الحرام سے یہاں مراد سارا حرم مکہ ہے، نہ کہ محض مسجد حرام۔

ع ۳ ۱۰

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ ع

اور جو کوئی بھی اس کے اندر کسی بے دینی کا ارادہ ظلم سے کرے گا ہم اسے عذاب دردناک چکھائیں گے ۳۴ ؎

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَيْـًٔا

اور (وہ وقت یاد دلائیے) جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ بتادی ۳۵ ؎ اور (حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو

وَّطَهِّرْ بَيْتِیَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

شریک نہ کرنا ۳۶ ؎ اور میرے گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے ۳۷ ؎

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا

اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے

روی عن الصحابۃ والتابعین ما وصفنا من کراھۃ بیع بیوت مکۃ وان الناس کلھم فیہا سواء وھذا یدل علی ان تاویلھم لقولہ تعالٰی (والمسجد الحرام) للحرم کلہ۔ (جصاص)

۳۴ ؎ جو کوئی ایسے خلاف دین کام کا ارادہ کرے گا، اور پھر ظلم کے ساتھ، اسے یقیناً عذاب شدید ہی بھگتنا ہے۔

من ..... بظلم۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ من یرد فیہ الحادًا بظلم۔ (ابن جریر)

بظلمٍ۔ ظلم سے مراد شرک بھی لی گئی ہے۔

ای بشرکٍ (ابن عباس)

ھو ان یعبد فیہ غیر اللہ (ابن جریر عن مجاھد)

وکذا قال قتادۃ وغیر واحد (ابن کثیر)

بالحاد۔ میں ب کو کسی نے باء ملابست ٹھہرایا ہے اور کسی نے باء تعدیہ۔

والباء للملابسۃ (روح)

والاحسن ان یضمن معنی یرد یلتبس فیتعدی بالباء (نہر)

۳۵ ؎ البیت۔ بیت اللہ یعنی خانۂ کعبہ۔

بوّانا۔ یعنی خانہ کعبہ کی عمارت اس وقت موجود نہ تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہدایت غیبی پاکر خود وہاں تعمیر شروع کی۔

یہ سارا بیان حرم محترم کی عظمت مزید ظاہر کرنے کو اور مجرموں کی مزید تہدید کے لئے ہو رہا ہے۔

۳۶ ؎ (جیسا کہ اب تک بھی تم نہیں کیا ہے)

ذکر بیت کے ساتھ ہی ممانعت شرک کا ذکر اس لئے نہایت ہی مناسب ہوا کہ کسی نافہم کو تعظیم بیت سے

وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾

اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی۔ ۳۸ے

پرستش بیت کا اور اس کے معبد ہونے سے اس کے معبود ہونے کا وہم نہ پیدا ہو جائے۔ (تھانوی)

ان مفسرہ ہے۔ اور قائلین لہ یہاں مقدر مانا گیا ہے۔

ان ھی المفسرۃ للقول المقدر ای قائلین لہ۔ (مدارک)

۳۷ے اس حکم تطہیر میں نجاستیں مادی ومعنوی دونوں طرح کی آ گئیں یعنی نہ شرک وبت پرستی کی گندگی باقی رہے اور نہ ظاہری کثافتیں پڑی رہیں۔

المراد بالطہارۃ ما یشمل الحسیۃ والمعنویۃ ای وطہر بیتی من الاوثان والاقذار۔ (روح)

الفاظ آیت سے بعض عارفوں نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ بعض اوقات طالب کی بھی بعض خدمتیں شیخ کے ذمہ واجب ہو جاتی ہیں۔

۳۸ے مقصود یہ ہے کہ جو آنے والے ہیں، بہرحال آئیں گے۔ خواہ سواری نصیب نہ ہو، پیدل ہی آنا پڑے۔ یا سواری کے جانور ملیں مگر مشقت سفر سے وہ ہلکان ہو ہو جائیں۔ یا مسافت بہت دور دراز کی طے کرنا پڑے۔

ابراہیمؑ کو اس اعلان کا حکم اس وقت ملا تھا، جب دنیا نہ تار سے واقف تھی نہ ٹیلیفون سے، نہ مائکروفون سے نہ لاؤڈ اسپیکر سے لیکن ابراہیم علیہ السلام نے خدا معلوم کس لاہوتی اسٹیشن سے اور کس ملکوتی میٹر پر اس پیام کو نشر کیا کہ روئے زمین سے ہر بر اعظم کے ایک ایک گوشہ میں، سمندر کے ایک ایک جزیرہ میں یہ آواز پہنچ گئی، اور ہزاروں برس گزر چکے کہ خلقت آج تک اس "بے آب وگیاہ" سرزمین کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ حکم ملا ہے تو حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے پروردگار، "میری آواز کون سب کے کانوں تک پہنچائے گا؟" جواب ملا کہ ہم!— اتنا بلیغ، موثر، سچا جواب مخلوق کی زبان سے نکل ہی نہیں سکتا، خالق ہی کے لئے ممکن تھا۔

یاتوک رجالا وعلی کل ضامر۔ مطلب یہ ہوا کہ سفر حج پیدل بھی اور سواری پر بھی دونوں طرح جائز ہے۔

یقتضی اباحۃ الحج ماشیا وراکبا ولادلالۃ فیہ علی الافضل منہما۔ (جصاص)

الحج۔ حج پر مفصل حاشیے سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۹۶ میں گزر چکے — حج عرب کا ایک قدیم ترین ادارہ ہے۔ جاہلیت میں بھی ادا ہوتا رہتا تھا۔ عام اہل عرب عرفات میں حاضری دیتے اور وقوف کرتے۔ قریش البتہ اس میں اپنی کسر شان سمجھتے، اور مزدلفہ سے آگے نہ بڑھتے۔ نشانوں پر کنکریاں مارتے، چار مقدس مہینوں کی تعظیم کرتے، صرف دو قبیلے البتہ اسے نہ مانتے۔ ابن حبیب کی کتاب المحبر میں ہے:۔

وکانت العرب تقف بعرفات ویدفعون منہا والشمس حیۃ۔ فیاتون مزدلفۃ وکانت قریش لاتخرج من مزدلفۃ ولاتقف بعرفات یقولون لانعظم من الحل ما نعظم من الحرم فبنی قصی المشعر فکان یسرج علیہ لیہتدی بہ اہل عرفات اذا اتوا مزدلفۃ،

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ

تاکہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں ۳۹؎ اور تاکہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں، ان مولیشی

عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ

چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں ۔ ۴۰؎

فأبقاه الله مشعرًا وامر بالوقوف عنده.... وكانوا يهدون الهدايا، ويرمون الجمار ويعظمون الاشهر الحرم ويحرمون نها الاطيبًا وختعم فانهم كانوا يجلونها۔

۳۹؎ فوائد سے مراد اصلاً تو منافع اخروی ہیں، مثلاً حج، عمرہ، رضاء حق۔ اور ضمناً دنیوی ہیں مثلاً تجارت۔ البتہ منافع دنیوی کو مستقل مقصود بنا لینا ممنوع ہے۔

ظاهره يوجب ان يكون قد اريد به منافع الدين وان كانت التجارة جائزة ان تراد. (جصاص)

ويدخل فيها منافع الدنيا على وجه التبع والرخصة فيها دون ان تكون هى المقصودة بالحج (جصاص)

حج کا سلسلہ زمانۂ جاہلیت میں بھی قائم تھا، اور منیٰ میں بہت بڑا میلہ اور بازار لگا کرتا تھا جس سے تجارتی فوائد خوب جی بھر کر حاصل ہوتے رہتے تھے۔ اسلام نے ان مادی پہلوؤں کو برقرار رکھا صرف ان کے اخلاقی و دینی مفاسد کو دور کر کے انھیں ایک اصلاحی صورت دے دی۔

اسلام کے ہر بڑے رکن اور ہر عبادت کی طرح حج کے فوائد و مصالح دنیوی بھی بے شمار ہیں۔ انفرادی و شخصی بھی، اور ملّی و اجتماعی بھی، اور روحانی کے علاوہ مادی بھی۔ احکام الٰہی کی تعمیل بجائے خود ایک سب سے بڑی روحانی لذت ہے۔ پھر اسلام کے مولد، سردار اسلامؐ کے وطن، اور ان تمام مقامات کی زیارت جن سے اسلام اور سردار اسلامؐ دونوں کی اولین تاریخ وابستہ ہے کس درجہ سبق آموز، ولولہ انگیز و مؤثر ہو سکتی ہے۔ دینوی و ملی حیثیت کو لیجئے تو مسلمانان عالم کے درمیان تبادلۂ خیالات اور یکجہتی پیدا کرنے کے لئے نیز بین الاقوامی تجارت و سیاست کے لئے اس سالانہ عالمگیر اجتماع سے بہتر ذریعہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور افراد کو جو تجربے لمبے اور اکثر بحری سفر کے ہو جاتے ہیں، وہ اس سب کے علاوہ۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۴۰؎ مولیشی چوپایوں سے مراد قربانی کے جانور، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری ہیں۔

اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ۔ ایام معلوم سے مراد قربانی کی تاریخیں ۱۰ر۱۱ر۱۲ر ذی الحجہ ہیں۔ اور ان ایام کی تعیین حدیث رسولؐ ہی سے ہوئی ہے۔ جو اس گروہ کے لئے قابل غور ہے، جو حدیث کو دین کا ماخذ سرے سے سمجھتا ہی نہیں۔

اى عشر ذى الحجه عند ابى حنيفة واخرها اليوم النحر وهو قول ابن عباس واكثر المفسرين۔ (مدارك)

روى عن على وابن عمران المعلومات يوم النحر ويومان بعده (جصاص)

فَكُلُوا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ

سو تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ ۴۱ھ پھر لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا میل کچیل

وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

دور کریں۔ ۴۲ھ اور اپنے واجبات کو پورا کریں۔ ۴۳ھ اور چاہیئے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔ ۴۴ھ

قربانی کا منکر جو سطحی دماغ والا گروہ مسلمانوں میں حال میں پیدا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن میں کہیں قربانی کا ذکر نہیں ملتا، کاش وہ قرآن ہی پر غور کرنا سیکھے۔ اور اس آیت سے قربانی کی اہمیت کا سبق لے۔

۴۱ھ فقہاء مفسرین نے تصریح کی ہے کہ امر یہاں استحبابی ہے فرضیت کے مفہوم میں نہیں۔

الامر للاباحۃ (مدارک)

ظاھرہ یقتضی ایجاب الاکل الا ان السلف متفقون علی ان الاکل منہا لیس علی الوجوب (جصاص) ولا خلاف بین السلف و من بعدھم من الفقہاء ان قولہ (فکلوا منہا) لیس علی الوجوب (جصاص)

صیغۂ غائب سے دفعۃً صیغۂ حاضر شروع ہو جانا عربی ادب کی صنعت التفات کے ماتحت ہے۔

منہا سے مراد من لحومہا ہے۔

فکلوا من لحومہا۔ (روح)

۴۲ھ یعنی احرام (حج کی وردی) اتار دیں، حجامت بنوائیں، غسل کریں، وقس علی ہذا۔ احرام ولبیک کے ساتھ ہی حاجی پر ایک عاشقانہ ومستانہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے، ہزار ہا انسانوں اور جانوروں کے ہجوم میں دھکم دھکا، گرد وغبار جسم اور جامۂ احرام گرد آلود، اجازت نہ خط بنوانے کی، نہ ناخن کٹانے کی نہ تیل لگانے کی۔ اب حکم ہوتا ہے کہ وہ ممانعت کا زمانہ ختم ہوا، اب آزادی سے نہائیں دھوئیں، کپڑے بدلیں، تیل لگائیں، خط بنوائیں وغیرہ۔

۴۳ھ نذر کے تحت میں ہر وہ چیز داخل ہے جو اپنے اوپر واجب کر لی گئی ہو۔ یہاں وہ تمام افعال مراد ہیں جو خود عمل حج کے ضمن و ذیل میں لازم ہوں، مثلاً منیٰ میں تین نشانوں پر کنکریاں پھینکنا یا جو قربانیا وغیرہ از خود اپنے اوپر لازم کر لی گئی ہوں۔

ولیوفوا صیغۂ امر وجوب کے معنی میں ہے

والامر علی الوجوب (جصاص)

نذر جس مراد کے لئے بھی مانی جائے۔ چاہیئے کہ ہمیشہ اللہ ہی کے نام کی ہو۔ کسی اور کے نام کی نذر حرام ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ

یہ بات ہو چکی۔ اور جو کوئی بھی اللہ کے محترم احکام کا ادب کریگا سو یہ اس کے حق میں اس کے پروردگار کے پاس بہتر ہوگا ۴۵

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور اللہ نے حلال کر دیئے ہیں تمہارے لئے چوپائے بجز ان کے جو تم کو پڑھ کر بتا دیئے گئے۔ ۴۶

۴۴ یہ طواف فرض ہے، اور اصطلاح فقہ میں طواف الزیارت یا طواف الافاضہ کہلاتا ہے۔

ولیطوّفوا۔ یہاں بھی صیغۂ امر وجوب ہی کے لئے ہے۔

ظاھرہ یقتضی الوجوب لانہ امر والاوامر علی الوجوب (جصاص)

البیت العتیق۔ کے ایک معنی تو خانۂ قدیم کے ہیں۔

قیل للقدیم عتیق (راغب)

العتیق القدیم (ابن جریر عن ابن زید)

العتیق القدیم قالہ الحسن وابن زید (بحر)

سمی بہ لانہ قدیم (معالم عن الحسن وابن زید)

یعنی وہ گھر جو شروع ہی سے معبد الٰہی ہے۔ خانۂ کعبہ کی تاریخ اتنی پرانی ہو چکی ہے کہ خود تاریخ کو بھی اب یاد نہیں رہی ہے، اور اس کی قدامت کی شہادت خود مخالفین ہی دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ دوسرے معنی خانۂ محفوظ کے ہیں۔ یعنی وہ گھر جو امن کی جگہ بنا دیا گیا ہے اور جباروں کی گرفت سے آزاد رہا ہے۔

من الجبابرۃ قالہ ابن الزبیر وابن ابی نجیح وقتادۃ (بحر)

۴۵ یعنی احکام مخصوص کا بیان تو ہو چکا، اب ایک عام کلیہ یہ بیان ہوتا ہے کہ جو بھی احکام الٰہی ہیں، جو کوئی ان کا ادب و لحاظ رکھے گا، علماً اس طرح کہ انھیں حاصل کرے اور عملاً اس طرح کہ ان کی خلاف ورزی نہ کرے۔ سو یہ احکام الٰہی کا ادب و احترام اسی کے کام آئے گا، اور سبب بن جائے گا بلندی درجات کا، حصول خیر و برکات کا، عفو سیئات کا۔

ذٰلک۔ ھذا کی طرح یہ لفظ بھی کلام کے دو حصوں کے درمیان فصل کے موقع پر لایا جاتا ہے۔

ای الأمر والشأن ذلك كما يقدم الكاتب جملة من كتابه في بعض المعاني ثم اذا اراد الخوض في معنى آخر قال هذا وقد كان كذا۔ (کشاف)

حُرُمٰتِ اللّٰہ۔ جو چیزیں بھی محبت و تقرب سے اللہ کی جانب منسوب ہیں، وہ سب اس میں داخل ہو گئیں۔ مثلاً احکام الٰہی، کتب دین، مکانات مقدس، اوقات متبرک، بندگان مقرب (ملائکہ، انبیاء، صالحین) آثار کاملین وغیرہ۔

لہ۔ میں لام تخصیص کا ہے۔ یعنی فائدہ خود اسی کا ہے کسی اور کا نہیں۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿٣٠﴾

سو تم بچے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچے رہو جھوٹی بات سے ۵۴۷

۵۴۶ یعنی بجز ان چوپایوں کے جن کی حرمت قرآن ہی کی دوسری آیتوں میں مذکور ہے۔ اور سب چوپائے تمہارے لئے حلال ہیں۔ حدود حرم کے اندر ممانعت شکار کی ہے نہ کہ ذبح کی۔

۵۴۷ (خصوصاً شرک جیسے کذب اعظم سے)

من الاوثان۔ من یہاں بیان جنس کے لئے ہے تبعیض کا نہیں۔

قیل انہا لبیان الجنس (قرطبی)

من۔ کو روح میں بھی بیانیہ قرار دیا گیا ہے لیکن دو قول اور بھی نقل کر دیئے گئے ہیں، ایک تبعیضیہ ہونے کا دوسرا ابتدائیہ ہونے کا۔

قول الزّور۔ جھوٹی بات کے تحت میں ہر جھوٹ آجاتا ہے لیکن دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ کلمۂ توحید کے برخلاف کلمۂ شرک کا اقرار ہے ـــــ اشارہ ہے کہ زبان و قلب کو شرک سے پاک رکھو۔

الرّجس من الاوثان۔ گندگی یہی کہ بتوں کو معبودیت میں شریک کر لیا جائے ـــ اشارہ ہے کہ اعضا و جوارح کو عمل بت پرستی سے پاک رکھو۔

الاوثان۔ وثن اور صنم میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ وثن پتھر ہی کی مورتی کو کہتے ہیں، اور صنم لکڑی، سونے، چاندی ہر چیز کا بنا ہوا بت ہو سکتا ہے۔

ھو حجارۃ کانت تعبد (راغب)

اذا کان معمولا من خشب او ذھب او من فضۃ صورۃ انسان فھو صنم واذا کان من حجارۃ فھو وثن (کتاب الاصنام للکلبی)

لیکن اس بے علم و کم سواد کے ذہن میں ایک اور بات آرہی ہے۔ دنیا کی تاریخ شرک و بت پرستی کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف بت پرست قوموں کے دو مختلف طریقے جاری رہے ہیں۔ مصر، یونان، روما، وغیرہ زیادہ تر قوموں میں تو طریقہ یہ رائج رہا ہے کہ اپنے دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں پتھر، لکڑی، سونے چاندی وغیرہ کی انسانوں اور جانوروں کی شکل میں گڑھ کے ان کی پوجا کی جاتی رہی ہے۔ اور ہندوستان میں بھی مندروں اور شوالوں میں عموماً یہی دستور جاری ہے لیکن ہندوستان ہی میں ایک دوسرا دستور یہ بھی ہے کہ معمولی پتھروں کو اٹھا لیا اور انھیں بغیر انسانی یا حیوانی قالب میں گڑھے ہوئے یوں ہی ان کی پوجا شروع کر دی۔ عرب جاہلیت کی بت پرستی عموماً اسی قسم کی تھی۔ چنانچہ وہاں کی دیویوں، لات و عزیٰ کی جو تصویریں دیکھنے میں آئی ہیں وہ اسی طرح کے ان گڑھے پتھر کی تھیں، بغیر کسی انسانی یا حیوانی شکل میں ڈھالے ہوئے۔ اور اسی خیال کی بنا پر اس تفسیر میں صنم کا ترجمہ "مورتی" سے کیا گیا، اور وثن کا "بت" سے۔ راغب نے بھی وثن کی تشریح "پوجے جانے والے پتھر" سے کی ہے۔ وھو حجارۃ کانت تعبد۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

جھکے رہو اللہ کی طرف اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرکے۔ اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے

فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ

تو جیسے وہ گر پڑا آسمان سے پھر پرندوں نے اسے نوچ ڈالا یا اس کو ہوا نے

الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (۳۱) ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ

کسی دور دراز جگہ جا پٹکا ۴۸؎ یہ بات ہو چکی۔ اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (۳۲)

رکھےگا سو یہ (ادب) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے ۴۹؎

اور اسی معنی میں یہ قول نہایہ ابن اثیر میں نقل ہوا ہے کہ قد یطلق الوثن علی غیر الصورۃ اور تاج نے بھی اسے نقل کیا ہے، اور بڑی تائید اسی معنی کی اس حدیث نبویؐ سے ہوتی ہے، جس میں آپؐ نے عدی بن حاتم نومسلم مسیحی سے کہا، جب وہ آنحضورؐ کی خدمت میں اس صورت سے حاضر ہوئے کہ صلیب ان کے گلے میں پڑی ہوئی تھی۔ والق ھذا الوثن عنک، اپنے سے اس "وثن" کو اتار پھینک۔ اور ظاہر ہے کہ صلیب میں تصویر نہیں ہوتی۔

۴۸؎ غرض یہ کہ بُری طرح ہلاک ہی ہوا۔ تو جس طرح وہ بدنصیب منزل مقصود سے بہ مراحل دور پڑ گیا، اسی طرح یہ بدنصیب مشرک بھی راہ حق بالکل کھو بیٹھا۔

کعبہ و متعلقات کعبہ کے بیان میں توحید کے اجزاء کو کس کس طرح سکھایا ہے، اور شرک جلی و خفی کی صورتوں کو کس کس طرح دھتکار بتائی ہے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تشبیہ میں، شکاری پرندوں سے مراد نفس کے اوہام اور وسوسے ہیں، اور ہوا کے جھکڑ سے مراد شیطان کا حملہ ہے۔

۴۹؎ شعائر اللہ۔ شعائر جمع شعیرہ کی، اور معنی ہیں علامت خصوصی سے یہاں مراد خصوصی قربانیوں سے ہے۔

فانھا۔ ضمیر ھا یا تو شعائر اللہ کی جانب ہے، یا پھر تعظیم شعائر اللہ کی جانب۔

الضمیر فی انھا عائد علی الفعلۃ التی یتضمنھا الکلام وقیل انھا راجعۃ الی الشعائر۔ (قرطبی)

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ احکام الٰہی کی عام تعظیم و احترام کا کلیہ تو بیان ہو چکا۔ اب تاکیدی حکم

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ

تمھارے لئے ان سے فوائد حاصل کرنے جائز ہیں ایک مدت معین تک ۵۰ پھر اس (کے ذبح) کا موقع بیت

ع ۸ / ۱۱ الْعَتِيقِ ﴿۳۳﴾ ع وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ

عتیق کے قریب ہے۔ ۵۱ اور ہم نے ہر ایک اُمّت کے لئے قربانی رکھ دی تھی ۵۲ تاکہ وہ لوگ اللہ

عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ط

کا نام ان مویشی چوپایوں پر لیں جو اس نے ان کو عطا کر رکھے ہیں۔

قربانیوں کے باب میں دیا جا رہا ہے۔ اوپر شرک کی مذمت بار بار ہو چکی تھی۔ اس آیت میں اسے کھول دیا کہ شرک بُری چیز ہے، لیکن ہر غیر اللہ کی تعظیم بُری نہیں۔ بلکہ جو چیزیں اللہ کی جانب منسوب و منتسب ہیں ان کی تعظیم و تکریم تو عین جزء دین ہے۔

ذٰلِكَ۔ یعنی یہ کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ یا یہ کہ اس کی تعمیل کرو۔

ای ذلك امر اللہ او ای اتبعوا ذلك (قرطبی)

فقہاء نے کہا کہ تعظیم غیر اللہ مستقلاً ممنوع و ناجائز ہے لیکن بہ لحاظ نسبت و تقرب ذات الوہیت جائز و مشروع ہے۔

تقوی القلوب۔ دل ہی کا تقویٰ اصلی اور حقیقی تقویٰ ہے۔ ورنہ محض اعضائے ظاہری کا تقویٰ تو منافق بھی کر سکتے ہیں۔

بعض عارفوں نے یہاں سے دو مسئلے نکالے ہیں، ایک یہ کہ تقوی کا اصل محل قلب ہے۔ دوسرے یہ کہ شعائر دین کی (جن کے اندر انبیاء و اولیاء کے آثار بھی شامل ہیں) تعظیم حدود شرعی کے اندر خود مشروع ہے۔

۵۰ یعنی جب تک وہ جانور بہ قاعدہ شرعی "ہدی" نہ بنا دیا جائے، اس جانور سے اور کام لینا مثلاً اس پر سواری، باربرداری، دودھ وغیرہ سب جائز ہے۔

فیہا۔ ضمیر ھا، البدن کی طرف ہے۔

یعنی البدن من الرکوب والدّر والنسل والصوف وغیر ذلك، اذا لم یبعثها ربها هدیًا فاذا بعثها فهو الاجل المسمّٰی قاله ابن عباس۔ (قرطبی)

۵۱ یہاں البیت العتیق سے مراد کل حرم ہے یعنی ذبح کی جگہ حدود حرم کے اندر ہے اس سے باہر نہیں۔

فالبیت مراد بنفسه قال مالك فی الموطا، وقال عطاء ینتهی الی مكة۔ وقال الشافعی الی الحرم۔ (قرطبی)

ای منتهیة الی البیت والمراد به ما یلیه بعلاقة المجاورة (روح)

البیت العتیق۔ کے لفظی معنی کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ۴۴

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾

سو تمہارا خدا تو خدائے واحد ہی ہے ۵۳ تم بس اسی کے آگے جھکو ۵۴ اور آپ خوشخبری سنا دیجئے گردن جھکا دینے والوں کو ۵۵۔

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي

جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ۵۶ اور جو مصیبتیں ان پر پڑتی ہیں ان پر

مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

صبر کرنے والوں کو اور نماز کی پابندی کرنے والوں کو اور (ان کو) جو خرچ کرتے رہتے ہیں اس میں سے جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے ۵۷

۵۲ قربانی کا حکم کسی نہ کسی صورت میں ہر پچھلی شریعت میں موجود رہا ہے۔ یہ شریعت اسلامی کا کوئی نیا اور انوکھا قانون نہیں۔ اور اہل کتاب کے مذہب (یعنی مذہب بنی اسرائیل) میں تو قربانی مذہب کا اہم رکن ہے، حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

آج منکرین قربانی کا جو گروہ کہہ رہا ہے کہ قربانی کا حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں، کاش وہ آیت ۲۸ کی طرح اس آیت پر بھی غور کرنا سیکھے!

۵۳ مقصود اصلی بس اسی کی تعظیم ہے۔ حرم، ہدی وغیرہ کے آداب و احکام سب اسی غایت کے لئے ہیں۔ لیذ کروا.... الانعام۔ یعنی مقصود اصلی تو بس اللہ کے نام کی تعظیم اور اللہ سے حصول تقرب رہا ہے۔ مذبوح و مذبح کی حیثیت صرف آلہ و ظرف کی ہے۔

بعض اہل علم صوفیہ نے مفہوم آیت کے عموم و اطلاق سے اہل باطن کے مسلکوں میں اختلاف کے باوجود اتحاد مقصود کا نکتہ بھی نکالا ہے۔

۵۴ (سو نہ تو کسی غیر اللہ کے آگے بھینٹ چڑھاؤ۔ اور نہ کسی مکان وغیرہ کو معظم بالذات سمجھ کر ہرگز اپنے اندر شائبۂ شرک پیدا ہونے دو)

۵۵ (جنت و رضائے الٰہی کی)

المخبتین۔ یعنی احکام شریعت کے آگے گردن جھکا دینے والوں کو۔

المخبت المتواضع الخاشع من المومنین۔ (قرطبی)

۵۶ یعنی جب اس کی ذات کا، صفات کا، احکام کا، وعدہ و وعید کا ذکر کیا جاتا ہے۔

"آزاد" فقراء و مشائخ اور اپنی بے باکی اور نڈر پن پر فخر کرنے والوں کا گروہ ذرا اس آیت، اور اس کی ہم مضمون بیسیوں دوسری آیتوں پر غور کرلے ـــــ یہ خشیت استحضار عظمت سے پیدا ہوتی ہے اور عین مقصود و مطلوب ہے۔ یہ وہ وہم پرستانہ اور بزدلانہ ڈر نہیں جو کسی خوفناک بھوت پریت یا کسی درندے اور مہلک کیڑے مکوڑے سے پیدا ہوتا ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ

اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ (کے دین) کی یادگاریں بنا دیا ہے ۵۸ تمہارے حق میں ان کے اندر ہی

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ

بھلائی (رکھ دی گئی) ہے ۵۹ سو تم (انہیں) کھڑے کر کے ان پر اللہ کا نام لیا کرو۔ ۶۰

۵۷ (کار خیر میں)

گویا توحید خالص چیز ہی ایسی بابرکت ہے کہ اس سے یہ تمام کمالات اخلاقی و روحانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ صراحت کے ساتھ ذکر یہاں چار چیزوں کا ہے۔ (۱) دل میں خوف خدا (۲) مصائب پر صبر (۳) پابندئ نماز (۴) راہ خدا میں صرف زر۔ اور ان سب سے بھی مقدم اخبات یعنی گردن کا جھکنا۔

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ انفاق مال یا خرچ زر کا جہاں جہاں ذکر آیا ہے، وہاں اکثر یہ یاد دلا دیا ہے کہ یہ رزق ہمارا ہی دیا تو ہے۔

رزقنا۔ اہل طریق نے آیت کے اتنے جزو سے یہ معنی بھی لیے ہیں کہ اہل باطن انوار معرفت کا انفاق دوسروں پر کرتے رہتے ہیں۔

۵۸ (اور اس کی عظمت توحید کو اور زیادہ ظاہر کرنے والے، چنانچہ یہی حکم کہ اللہ کی جانب منسوب و نامزد ہو جانے کے بعد پھر اس جانور پر حکم اس کے مالک کا نہیں چل پاتا، مالک مجازی کی عبدیت اور مالک حقیقی کی معبودیت ظاہر کرنے کو بالکل کافی ہے۔ سو کہیں تم ان قربانی کے جانوروں ہی کو معظم بالذات نہ سمجھ بیٹھنا)

البدن۔ بدن جمع ہے بدنہ کی۔ اصلی معنی ہیں موٹے تازے تیار اونٹ کے۔

الابل العظام الاجسام الضخام (ابن جریر)

لیکن اہل عربیت نے اس سے گائے اور اونٹ دونوں مراد لئے ہیں۔ اور یہی مذہب فقہاء حنفیہ کا ہے۔

البقرۃ والبعیر (ابن جریر عن عطاء)

من الابل والبقر کالاضحیۃ من الغنم۔ (قاموس)

وھو مذاھب الحنفیۃ ۔۔۔۔ وھو قول عطاء وسعید بن المسیب (روح)

ھل تطلق علی غیر الابل من البقر ام لا ء ۔۔۔ قال مالک وابو حنیفۃ نعم۔ (قرطبی)

قربانی کے دوسرے جانور یعنی بھیڑ اور بکری بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔

۵۹ اصل بھلائی تو یہی ہے کہ ان کے ذریعہ سے حصول اجر و رضاء الٰہی کا موقع ملتا ہے اور ضمناً دنیوی فوائد بھی ہیں۔ مثلاً ان کا گوشت کھانا، کھلانا وغیرہ۔

ای نفع فی الدنیا واجر فی الاخرۃ (روح عن ابن عباس والسدی)

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ

پھر جب وہ کروٹ کے بل گر پڑیں ۶۱ تو خود بھی ان میں سے کھاؤ، اور بے سوالی اور سوالی کو بھی کھلاؤ ۶۲

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۳۶)

ہم نے اسی طرح اُن (جانوروں) کو تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ۶۳

ای اجر ومنافع (ابن جریر عن مجاھد)

۶۰ یہ خاص ذکر اونٹ کی قربانی کا ہے، اس کو اس طریقہ پر ذبح کیا جاتا ہے۔ بدنہ کا اصل اطلاق بھی اسی پر ہوتا ہے اور اسی کی قربانی افضل بھی ہے۔

لفظ صواف سے بعض صوفیہ نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ حق تعالیٰ عبادات میں صف بندی کو پسند کرتا ہے مثلاً نماز میں، جہاد میں قربانی میں۔ اسی لئے صوفیہ و مشائخ کے حلقۂ ذکر بھی، جو درحقیقت غیر اللہ کے مقابلہ کے لئے میدانِ جہاد اور خودی کے حق میں قربانگاہ ہیں، اسی اصل کی ایک فرع ہیں۔

۶۱ (اور گر کر ٹھنڈے ہو جائیں)

ابھی اونٹ کے طریق ذبح کا بیان چل رہا ہے۔

۶۲ (کہ یہ دو قسمیں ہیں اہل حاجت کی)

قانع۔ وہ ہے جو صبر کئے بیٹھا ہے۔ جو کچھ بھی مل جائے اسے قبول کر لیتا ہے۔

معتر۔ وہ ہے جو بے قرار ہو ہو کر مانگتا رہتا ہے۔

کلوا و اطعموا۔ آیت میں صیغۂ امر دو آئے ہیں، دونوں امر وجوب کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں میں سے ایک جواز و اباحت کے لئے اور دوسرا ندب و استحباب کے لئے۔

کلوا۔ "خود کھاؤ"۔

امر معناہ الندب، وکل العلماء یستحب ان یاکل الانسان من ھدیہ، وفیہ اجر وامتثال (قرطبی)

امر کلوا للاباحۃ (روح)۔

اطعموا۔ "دوسروں کو کھلاؤ"۔

قال مجاھد وابراھیم والطبری واطعموا امر اباحۃ (قرطبی)

وامر اطعموا للندب (روح)

بعض عارفین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کا گوشت اہتمام کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ جو دلیل ہے اس کے مندوب ہونے کی۔ راز اس کا یہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ کی جانب منسوب ہو جائے، وہ ہی ہے اس قابل کہ اس سے رغبت کی جائے، اور اسی بنا پر مباحات سے اس نیت کے ساتھ منتفع ہونا مطلوب ٹھہرا۔ (تھانوی)

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ

اللہ تک نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون ٦٤ البتہ اس کے پاس تمہارا

التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ

تقویٰ پہنچتا ہے۔ ٦٥ اسی طرح اللہ نے انھیں تمہارے زیرِ حکم کردیا ہے

ان سطور کے راقم کے ایک فہیم و صاحبِ اخلاص دوست اپنے ذاتی تجربہ سے یہ بات بیان کرتے ہیں کہ قربانی کا گوشت لذت میں دوسرے گوشتوں سے بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

٦٣ (اس نعمتِ تسخیر پر)

اونٹ اور گائے، بیل کا انسان سے قوی تر ہونا ظاہر ہے۔ انسان کا باوجود اپنے ضعف کے ان پر قادر ہوجانا ایک مخصوص نعمتِ الٰہی ہے۔ قربانی دوسرے مذاہب میں ایک مشرکانہ رسم ہے۔ لیکن اسلام میں آکر تمام تر ایک توحیدی عبادت بن گئی ہے۔ خدائے واحد کی طرف سے دھیان ہٹانے والی نہیں، عین اس کی طرف توجہ جمانے والی، رشتۂ عبودیت کو اور محکم کرنے والی۔

٦٤ (جیسا کہ مشرک قوموں کا عقیدہ بھینٹ چڑھا کر اپنے دیوتاؤں، خداؤں سے متعلق ہے) اہلِ کتاب تک قربانی یعنی جانوروں کے خون بہانے کو ایک ذریعہ کفارہ کا سمجھتے تھے۔

عہدِ عتیق میں ہے:۔

”بدن کی حیات لہو میں ہے، سو میں نے مذبح پر وہ تم کو دیا ہے کہ اس سے تمہاری جانوں کے لئے کفارہ ہو کیونکہ وہ جس سے کسی جان کا کفارہ ہوتا ہے، سو لہو ہے۔“ (احبار ۱۷ : ۱۱)

اور عہدِ جدید میں ہے:۔

”تقریباً ساری چیزیں شریعت کے مطابق خون سے پاک کی جاتی ہیں، اور بغیر خون بہائے معافی نہیں ہوتی۔“ (عبرانیون ۹ : ۲۲)

اور مشرک قوموں کا تو ذکر ہی کیا۔ چنانچہ اہلِ بابل کا عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں کی دعوت آسمان پر ہوتی ہے۔ ان کے نام پر جو بھینٹ چڑھائی جاتی ہے۔ وہ اس کی خوشبو محسوس کرتے ہیں، اسے کھاتے ہیں۔ وقس علیٰ ہٰذا۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

- فقہاء نے کہا ہے کہ نفس ذبح کی نیت، جو ایک فعل قلب ہے، باری تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص رہنا چاہیئے۔ اور غیر اللہ کی رضا و تقرب کی خاطر جانور ذبح کرنا ایک صورت شرک کی ہے۔ البتہ گوشت کھانا کھلانا، یا اس قسم کے اور فوائد حاصل کرنے کے لئے ذبح بالکل جائز ہے۔ کہ لحم و دم وغیرہ سے وہ ذات بالکل بے نیاز و بری ہے۔

٦٥ یعنی اجر تو تمہارے اخلاص و نیت تقرب پر ملتا ہے، اور جس درجہ اخلاص نیت کا ثبوت دو گے اسی درجہ کا تمہارا تقویٰ ثابت ہوگا۔

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت دی ۶۶ اور آپ اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے ۶۷

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

بے شک اللہ ایمان والوں سے دور کردے گا (مشرکوں کے غلبہ و اقتدار کو) ۶۸ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا کسی دغاباز

خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ

کفر والے کو ۶۹ (اب لڑنے کی) اجازت دی جاتی ہے انھیں جن سے لڑائی کی جاتی ہے ۷۰ اس لئے کہ ان پر بہت ظلم ہو چکا ۷۱

الثلثۃ ۵ ع ۵ ۱۲

آیت نے قربانی کے سلسلہ میں ایک بڑی اہم اصل کا بیان کردیا۔

۶۶ (اور راہ حق پر قائم رکھا۔ ورنہ تم بھی مسیحیوں کی طرح کفارہ وغیرہ کے عقائد باطلہ و شرکیہ میں مبتلا ہو کر راہ حق سے بھٹک گئے ہوتے)

۶۷ (اے ہمارے پیغمبر)

احسان۔ یہاں اخلاص کے معنی میں ہے۔

(المحسنین ای المخلصین (بیضاوی)

ای المخلصین فی کل ما یاتون ویذرون فی امور دینھم (روح)

۶۸ (مستقبل قریب میں۔ چنانچہ مشرکین مکہ کو اس پر قدرت نہ باقی رہے گی کہ مسلمانوں کو ادائے حج و عمرہ وغیرہ سے روک سکیں)

آیت کا زمانۂ نزول وہ ہے جب مکہ کی مشرک ریاست ہر طرح غالب و چیرہ دست تھی۔ اور مسلمان اقلیت اس کے مقابلہ میں ہر طرح کمزور اور بےبس۔

۶۹ (سو وہ نصرت ان کی نہیں اہل ایمان کی کرے گا۔)

کافروں، منکروں، بے دینوں کو جو مہلت مل جاتی ہے، وہ اول تو عارضی ہوتی ہے۔ دوسرے کسی مصلحتِ تکوینی کے ماتحت۔ ورنہ نصرت الٰہی کے اصلی اور مستقل مستحق تو اہلِ ایمان ہی ہیں۔

۷۰ (خواہ مخواہ اور چھیڑ چھیڑ کر کافروں کی طرف سے)

یعنی مسلمانوں کو اب تک مقابلہ اور لڑائی کی اجازت نہ تھی۔ ان پر ہر طرح کے ظلم وستم ہوتے رہے۔ اور وہ یعنی خدائی فوج والے خدائی نظم و اطاعت کے ماتحت ان مظالم اور چیرہ دستیوں کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ اب پہلی بار انھیں بھی جواب دینے کی اجازت مل رہی ہے۔

یہ آیت احکام قتال و جہاد میں اولین آیت ہے، اور مکی اسلام کے آخری زمانہ میں ہجرت نبوی سے کچھ ہی قبل نازل ہوئی۔

۷۱ (اور یہی مظلومیت چاہے وہ بالفعل ہو یا بالقوۃ، حالی ہو یا امکانی، علت ہے مشروعیت جہاد کی)

وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ (۳۹) الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا

اور بے شک اللہ ان کی نصرت پر (ہر طرح) قادر ہے۔ ۷۲ جو اپنے گھروں

مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا

سے بے وجہ نکالے گئے محض اس بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ۷۳ اور

دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ

اگر اللہ لوگوں کا زور ایک دوسرے سے نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کی خانقاہیں اور عبادت خانے اور یہود

وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ

۷۴

کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے (سب) منہدم ہوگئے ہوتے۔

بانّھم ظلموا۔ کی علت ہونے سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جو کفار ظالم نہ ہوں مگر اسلام کے زیر فرمان بھی نہ ہوں، وہ محل قتال نہیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اس علت میں انحصار کی کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ یکون الدین کلہ للہ کو غایت قرار دینے سے دوسری علت یہ بھی معلوم ہوئی۔ (تھانوی) ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

بانّھم میں ب سببیہ ہے۔

ای بسبب انّھم ظلموا۔ (روح)

۷۲ (چنانچہ عنقریب وہ انھیں باوجود ان کی ظاہری بے سروسامانی کے غالب کر کے رہے گا۔) دعوی کے ساتھ اس قسم کے بیانات دے دینا خصوصاً جبکہ ظاہری قرائن وقیاسات سب مغلوبیت ہی کے ہوں، بجز کلام الٰہی کے اور کس کا کام ہو سکتا تھا؟

۷۳ ذکر مسلمانان مکہ کا ہے۔ ان سے مشرکوں کو کوئی یہ شکایت تھوڑے ہی تھی کہ یہ لوگ شورش پسند ہیں، یا چوریاں کرتے ہیں، یا ڈاکے ڈالتے ہیں۔ الزام تھا تو صرف یہی کہ یہ ہمارے آبائی دھرم اور باپ دادا کے وقت کے دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کے ہو رہے ہیں! بس اسی قصور پر بیچاروں کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اور ہجرت پہلے حبشہ کی جانب اور پھر مدینہ کو کرنی پڑی۔

۷۴ یعنی اگر یہ سنت اللہ ہمیشہ سے نہ چلی آئی ہوتی کہ ظالموں، سرکشوں، زبردستوں کا زور انسانوں ہی کے بعض گروہوں کے ہاتھ سے تڑوا دیا جاتا رہتا۔ تو اب تک جو جو عمارتیں توحید کی مرکز رہی ہیں، مثلاً مسجدیں جو اب بھی اسی غرض کے لئے ہیں، اور اہل کتاب کی مذہبی عمارتیں، جو اپنے اپنے زمانہ میں یہ کام انجام دے چکی ہیں، سب ختم ہی ہوگئی ہوتیں۔ گویا جہاد کی مشروعیت ومطلوبیت اقامت توحید ہی کی خاطر ہے۔

صوامع۔ مسیحیوں کے عبادت خانے اور خانقاہیں دونوں اس کے اندر آگئے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾

اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے ۷۵ بے شک اللہ قوت والا، غلبہ والا ہے۔ ۷۶

الصومعۃ بیت للنصاری ومنار للراھب (تاج)

یہاں مراد خانقاہیں ہیں۔

بیع۔ مراد مسیحیوں کے عبادت خانے ہیں۔

البیعۃ متعبد النصاری (قاموس۔تاج)

صلوات۔ مراد یہود کے عبادت خانے ہیں۔ اور عام اہلِ کتاب کے عبادت خانے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

کنائس الیھود (تاج)

صلوات الیھود: کنائسھم.... الصلاۃ بیت لاھل الکتاب یصلون فیہ (لسان)

خوب خیال رہے کہ پرانی عبادت گاہوں کے سلسلہ میں بھی ذکر مندروں، شوالوں، ٹھاکر دواروں کا نہیں، بلکہ صرف ان ہی مذاہب کا آتے پایا ہے، جو بعد کو عملاً جیسے بھی کچھ ہو گئے ہیں لیکن اصلاً بہر حال توحیدی ہی مذہب تھے۔ اس نکتہ کی طرف اشارہ ازہری لغوی کے حوالہ سے صاحب لسان العرب کے ہاں ملتا ہے عنوان بیع کے تحت میں۔

.... لھدمت متعبدات کل فریق من اھل دینہ وطاعتہ فی کل زمان فبدا بذکر البیع علی المساجد لان صلوات من تقدم من انبیاء بنی اسرائیل وامھم کانت فیھا قبل نزول الفرقان۔

"کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ گاہ گاہ اہلِ حق بھی مغلوب ہوتے ہیں، اصل یہ ہے کہ اتنا غلبہ جس میں حق محو نہ ہو جائے مقصود بالحکمت ہے، سو یہ حاصل رہا ہے۔" (تھانوی)

۷۵ یعنی بہ شرط ثبات، انجام میں غلبہ اہلِ حق ہی کو ہوتا ہے۔ اور اعتبار ہر کام میں انجام ہی کا ہوتا ہے۔ جیسا دورانِ علاج میں مریض کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں، مگر انجام اگر صحت ہے تو علاج کو نافع کہیں گے (تھانوی)

ینصرہ۔ میں اللہ کی مدد سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے۔

ینصرہ ای ینصر دینہ (بیضاوی)

انما المراد من نصرۃ اللہ نصرۃ دینہ (کبیر)

امام راغب نے لکھا ہے کہ اللہ کی 'نصرت' تو بندہ کے ساتھ ظاہر ہی ہے لیکن بندہ کی 'نصرت' اللہ کے ساتھ یہ معنی رکھتی ہے کہ وہ اس کے بندوں کی نصرت کرے، اور اس کے مقرر کئے ہوئے حدود پر قائم رہے، اور اس کے احکام کی اطاعت کرتا رہے۔

ونصرۃ اللہ للعبد ظاھرۃ ونصرۃ العبد للہ ھو نصرتہ لعبادہ والقیام بحفظ حدودہ ورعایۃ عھودہ واعتناق احکامہ واجتناب نھیہ۔

۷۶ قوت و غلبہ کی آخری باگ اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کا ارادہ ہر مادی سامان اور ہر ظاہری

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ

(یہ ایسے لوگ ہیں) کہ اگر ہم انھیں زمین میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کام کا حکم دیں اور بُرے کام سے منع کریں۔ ۵۷۷

وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

اور انجام (سب) کاموں کا اللہ ہی (کے ہاتھ) میں ہے۔ ۵۷۸

تدبیر سے بالاتر ہے۔

آیت سے اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ وہ جو ہر قوت اور ہر غلبہ کا سرچشمہ ہے اسے کسی بندے کی مدد کی احتیاج ہو ہی کیا سکتی ہے۔ اس کی نصرت کرنے والا بندہ درحقیقت خود اپنی ہی نصرت کرتا ہے۔ اور یہ محض بندہ کی دلداری اور عزت افزائی کی خاطر ہے کہ اسے بھی لفظ نصرت سے تعبیر کردیا گیا۔

۵۷۷ یہ ہے اصلی اور سچی تصویر اسلامی طرز حکومت کی۔ گورنمنٹ اگر مسلمانوں، سچے مسلمانوں کی قائم ہوجائے تو مسجدیں آباد و پر رونق ہوجائیں، ہر طرف سے صدائیں تکبیر و تہلیل کی گونجا کریں۔ بیت المال کے بعد کوئی ننگا بھوکا نہ رہ جائے۔ عدالتوں میں انصاف بکنے کے بجائے ملنے لگے۔ رشوت جعلسازی، دروغ حلفی کا بازار سرد پڑ جائے۔ امیر کو کوئی حق، کوئی موقع غریب کی تحقیر کا، ایذا کا نہ باقی رہ جائے۔ غیبتیں، بدکاریاں، چوریاں ڈاکے خواب و خیال ہوجائیں۔ آبکاری کے محکمہ کو کوئی پانی دینے والا بھی نہ رہے۔ مہاجنی کوٹھیوں، سود خوار ساہوکاروں، سودکار بینکوں کے ٹاٹ الٹ جائیں۔ گویئے بجنیئے اگر تائب نہ ہوں، شہر بدر کردیئے جائیں سینما، تھیٹر، تمام شہواتی تماشہ گاہوں کے پردوں کو آگ لگا دی جائے۔ گندہ، فحش افسانہ، شاعری کی جگہ صالح و پاکیزہ ادبیات لے لیں۔ غرض یہ کہ دنیا، دوبارہ کر بھی نمونۂ جنت بن جائے۔

مَكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ۔ کی مناسبت سے بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے اہل تمکین کے مقام کی طرف کہ ان کے یہاں شطحیات نہیں ہوتے، اور ان کے کلمات سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔

محققین نے آیت سے خلفاء اربعہ کی صحت امارت و امامت پر بھی استدلال کیا ہے۔ کہ ان چاروں مہاجرین (یعنی الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق کے مصداقوں) کے دور حکومت میں ان اوصاف کا تحقق پوری طرح پایا گیا۔

وھو صفۃ الخلفاء الراشدین الذین مکّنھم اللہ فی الارض وھم ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنھم وفیہ الدلالۃ الواضحۃ علی صحۃ امامتھم لاخبار اللہ تعالیٰ بانھم اذا مکّنوا فی الارض قاموا لفروض اللہ علیھم (جصاص)

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ

اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (کیا ہوا) ان کے قبل قوم نوح و عاد

وَّثَمُودُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿۴۳﴾ وَّأَصْحَابُ مَدْيَنَ

و ثمود اور قوم ابراہیم و قوم لوط اور اہل مدین بھی (تو اپنے اپنے پیمبروں کو)

وَكُذِّبَ مُوسَىٰ فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ

جھٹلا چکے ہیں۔ اور موسیٰ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں۔ ۷۹ء سو (پہلے تو) میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے انہیں پکڑ

كَانَ نَكِيرِ ﴿۴۴﴾ فَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ

لیا۔ سو (دیکھو) میرا عذاب کیسا ہوا۔ ۸۰ء غرض کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر ڈالا

ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ

جو نافرمان تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں۔ اور کتنے ہی بیکار کنویں

وَّقَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿۴۵﴾

اور بہت سے قلعی چونے کے محل۔ ۸۱ء

۷۸ء (سو عارضی ناکامی و مغلوبیت سے اہل حق کو ہراساں و دل شکستہ نہ ہونا چاہئے)

۷۹ء یعنی آپ کی قوم جو آپ کے پیام کی اور آپ کی پیامبری کی تکذیب کر رہی ہے، یہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں۔ سارے پیمبروں کو یہی معاملہ اپنی قوم کی طرف سے پیش آتا رہا ہے، اور یہ تو محض تاریخ اپنا اعادہ کر رہی ہے۔ نوحؑ، عاد، ثمود، ابراہیمؑ، لوطؑ، مدین، موسیٰؑ، ان سب پر حالتیں گزر چکے ہیں۔

۸۰ء (یعنی وہ بڑی بڑی مہذب و متمدن، پرقوت و پرشوکت، دولت اور تموّل والی قومیں تباہ و بے نشان ہی ہو کر رہیں۔ اور اُن کے علوم و فنون، ان کی صناعی اور انجینری، ان کی سپاہ اور ان کی خوش تدبیریاں کچھ بھی ہلاکت سے ان کے آڑے نہ آسکیں)

فاملیت۔ عام سنت اللہ یہی ہے کہ معاندوں و منکروں پر گرفت فی الفور نہیں ہوتی۔ بلکہ پہلے انھیں مہلت دی جاتی ہے۔

۸۱ء یعنی ان کے ٹوٹے ہوئے قلعے اور محل، اور ان کے اجڑے ہوئے کنویں اب تک ان کے گزشتہ تمدن کی نشان دہی کر رہے ہیں۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا

سو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہوجاتے جن سے یہ سمجھنے لگتے

اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ

یا کان ایسے ہوجاتے جن سے یہ سننے لگتے ۸۲ اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دل

تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ

جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں ۸۳ اور آپ سے یہ لوگ عذاب کی

بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ

جلدی مچا رہے ہیں درآنحالیکہ اللہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا۔ اور آپ کے پروردگار کے پاس کا

رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

ایک دن مثل ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے مطابق ۸۴

بئر معطلۃ۔ کنوؤں کو قدیم تمدّن و معاشرت میں مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ اب بھی جہاں پانی کے نلوں اور پمپوں کا رواج نہیں، کنواں آبادی و بستی کے اندر بڑی اہم چیز ہوتا ہے۔

۸۲ اگر انسان کی طبیعت آج کے متمدن و مہذب انسان کی طرح تمام تر غفلت و خود فراموشی کی عادی نہیں ہوگئی ہے تو سفر و سیاحت سے بڑے بڑے اخلاقی و روحانی سبق حاصل ہوسکتے ہیں اور توحید و قدرت الٰہی کے دلائل حاصل ہوسکتے ہیں ــــ ملاحظہ ہو سورۃ توبہ کی آیت ۱۱۲ کے تحت میں لفظ السائحون پر حاشیہ ۲۰۸۔

جغرافیہ، تاریخ، اثریات (آرکیالوجی) کا علم اگر محض "علم و فن" کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبرت پذیری اور سبق آموزی کی غرض سے پڑھا جائے تو داخل عبادت ہے۔

۸۳ سبق عبرت و موعظت حاصل کرنے کی جگہ دل ہے۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ ان نہ سمجھنے والوں کے دل ہی اندھے ہوگئے ہیں۔ ظاہری آنکھوں سے دیکھتے سب کچھ ہیں، گزشتہ برباد شدہ قوموں کے حالات اور ان کی تہذیب و تمدّن بھی، لیکن سبق ان سے کچھ نہیں حاصل کرتے۔ آیت کا مضمون آج کے مہذّب و شائستہ انسان کے دل و دماغ پر بہر طرح صادق ہے۔

۸۴ (بہ لحاظ امتداد و بہ لحاظ اشتداد)

مراد یہاں یوم قیامت ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں میں نے مہلت دی تھی، اور وہ نافرمان تھیں، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا۔

وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ　ع ۱۰/۶ ۱۳

اور میری ہی طرف (سب کی) واپسی ہے ۸۵ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تو تمھارے لئے صرف ایک

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾

صاف صاف ڈرانے والا ہوں ۸۶

مقدار الحساب یوم القیمۃ الف سنۃ (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) ای من ایام الاخرۃ (ابن جریر۔ عن مجاہد) ھذہ ایام الاخرۃ (ابن جریر۔ عن عکرمۃ)

وقت آفرینش عالم کے "دن" تھے، ان سے بھی مراد لی گئی ہے۔

قال ابن عباس ومجاھد یعنی من الایام التی خلق اللہ فیھا السمٰوٰت والارض (قرطبی)

امام رازی نے کہا ہے کہ یہ لوگ جو عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اگر جان لیتے کہ یوم عذاب کے کیا معنی ہیں تو کبھی یہ فرمائش نہ کرتے، عذاب کا ایک دن ہی ہزار سال کے برابر انھیں معلوم ہوگا — امام نے کہا ہے کہ یہ توجیہ ابومسلم اصفہانی کی ہے۔ اور یہ بہترین توجیہ ہے۔

وھذا قول ابی مسلم وھو اولی الوجوہ (کبیر)

عالم ناسوت کے ہزار سال کا عنداللہ ایک دن کے برابر ہونے کا محاورہ قدیم صحیفوں میں بھی آیا ہے:۔

"ہزار برس تیرے آگے ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گزر گیا۔" (زبور ۹۰: ۴)

اور انجیل میں ہے:۔

"اے عزیزو یہ خاص بات تم پر پوشیدہ نہ رہے کہ خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے، اور ہزار برس ایک دن کے برابر۔" (۲ پطرس۔ ۳ - ۸)

مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ یعنی تم اہل ناسوت کے حساب کے مطابق۔

مطلب یہ کہ کسی کی جلدی کرنے یا تقاضا کرنے سے کیا ہوتا ہے، عذاب موعود تو اپنے وقت پر آکر رہے ہی گا۔ اللہ کے احکام میں کسی تغیر و تبدل کا امکان کچھ تھوڑے ہی ہے۔

۸۵ اس مہلت سے انھوں نے فائدہ یہ اٹھایا تھا کہ بجائے اپنی حالت کی اصلاح کے، الٹے اسی استہزاء و استعجال میں لگی رہیں۔

۸۶ (اور اس سے زیادہ میرا کوئی اختیار نہیں۔ سو اگر تمھاری حسب فرمائش میں عذاب نہ لاسکوں تو اس سے نفس وقوع عذاب کی تکذیب کیسے ہوگی؟)

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۵۰

سو جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝۵۱

اور جو لوگ کوشش کرتے رہتے ہیں ہماری نشانیوں کے باب میں ہرانے کے لئے ۸۷؎ وہی لوگ دوزخی ہیں۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی

اور ہم نے آپ سے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا مگر یہ کہ جب اس نے کچھ پڑھا ہو ۸۸؎

۸۷؎ یعنی نبی کو اور اہل ایمان کو ہرانے کے لئے۔
اہل باطل کی کوششیں حق و اہل حق کی مخالفت میں، خواہ وہ فلسفہ یا سائنس کے نام سے ہوں یا ادب و شاعری کے، یا معاشیات و سیاسیات کے پردے میں، غرض جس نام سے بھی ہوں سب اس آیت کے تحت میں آجاتی ہیں۔

۸۸؎ (احکام الٰہی میں سے)
اذا تمنّیٰ۔ تمنّی کے معنی جس طرح تمنا کرنے کے ہیں، پڑھنے کے بھی ہیں۔
وقال رواۃ اللغۃ الامنیۃ القراءۃ (کبیر)
وفی امنیتہ ای فی تلاوتہ (راغب)
ای قرأ وتلا۔ (لسان) تمنی الکتاب قرأہ (لسان)
چنانچہ شاعر اسلام حضرت حسانؓ کا ایک شعر حضرت عثمانؓ کے مرثیہ کا، اور ایک دوسرا شعر بھی بہ کثرت نقل ہوا ہے۔ لسان العرب کے الفاظ یہ ہیں۔

تمنی کتاب اللہ اوّل لیلۃ　　　وآخرہ لاقی حمام المقادر

والتمنی التلاوۃ وتمنیٰ اذا تلا القراٰن۔
وقال آخر۔

تمنی کتاب اللہ آخر لیلہ　　　تمنی داؤد الزبور علی رسل

ان تینوں موقعوں پر تمنی صاف تلاوت وقرات کے معنی میں ہے، اور یہاں یہی مراد ہے۔
یعنی یا لتمنی التلاوۃ والقراءۃ (ابن جریر عن الضحاک) ھذا القول اشبہ بتاویل الکلام (ابن جریر)
واکثر المفسرین قالوا یعنی قولہ تمنی یعنی تلا وقرأ کتاب اللہ تعالیٰ (معالم)
من قبلک من رّسول۔ پہلا من ابتدائیہ ہے اور دوسرا من مزیدہ ہے استغراق جنس کے لئے۔
من الاولیٰ ابتدائیۃ ومن الثانیۃ مزیدۃ لاستغراق الجنس (روح)
من رسول ولا نبی۔ رسول اور نبی کے درمیان جو واؤ عطف آیا ہے، بعض نے اسے

اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ ۚ

تو شیطان نے اس کے پڑھنے کے باب میں شبہ ڈالا۔ ۸۹

تفسیری قرار دے کر دونوں کا مفہوم متحد قرار دیا ہے۔ لیکن محقق قول اس بارے میں یہ ہے کہ نزول وحی، نبی و رسول دونوں میں مشترک ہوتا ہے۔ باقی رسول وہ نبی ہوتا ہے جو شریعت کے ساتھ بغرض تبلیغ احکام بھیجا جاتا ہے۔ رسول صاحب شریعت (واضع شرع) ہوتا ہے۔ اور نبی محافظ شریعت (محافظ شرع) ہوتا ہے۔ رسول کے ساتھ کتاب و شریعت ہوتی ہے۔

والفرق بينهما ان الرسول من جمع الى المعجزة الكتاب المنزل عليه والنبي من لم ينزل عليه كتاب وانما امر ان يدعوا الى شريعة من قبله وقيل الرسول واضع شرع والنبي حافظ شرع غيره۔ (مدارک)

نبی اصطلاح شرع میں، (أما مسماہ فی العرف) وہ ہوتا ہے (فھو)، جو

آزاد ہو (حرٌ) غلام نہ ہو۔

مرد ہو (ذکر) عورت نہ ہو۔

انسان ہو (من بنی آدم) جن یا فرشتہ نہ ہو۔

ایسا نہ ہو جس کے دیکھنے سے کراہیت آئے (سلیم من منفر)

قبل نبوت بھی معصوم رہا ہو (معصوم ولو من صغیرۃ سھوا قبل النبوۃ)

اپنے زمانہ میں سب سے بہتر انسان ہو (اکمل معاصریہ)

اللہ نے اس کا اپنے بندوں سے انتخاب کرلیا ہو (اصطفاہ اللہ من بین عبادہ)

اپنی مشیئت سے، اسے وہبی رحمت سے سرفراز کیا ہو (وخصہ بہ بمشیئۃ موھوبۃ منہ رحمۃ)

یہ سب تصریحات کلیات ابو البقاء کی ہیں۔ لغت 'نبی' کے تحت میں۔

نبی پر حاشیہ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۴۸) وقال لھم نبیھم .... الخ پر گزر چکا۔

۸۹ (متکبرین و مذبذبین کے قلب ہیں)

اور اہل باطل نے اسی شیطانی حربہ سے کام لے کر مجادلہ و مقابلہ کیا، اپنے اپنے عہد کے رسل اور انبیاء سے۔ سو آپؐ کے معاصر منکرین کا بھی آپؐ سے اسی القاء شیطانی سے مجادلہ و مقابلہ کرنا کوئی انوکھی مثال تاریخ انبیاء میں نہیں۔

الشیطٰن۔ شیطان سے یہاں مراد جنس شیطان لی گئی ہے۔ جو سارے شیاطین جن و انس کو شامل ہے۔ یعنی وہ سارے انسان صورت شیطان بھی جو دوسروں کو قرآن، اسلام اور حق کے خلاف بھڑکاتے، اکساتے رہتے ہیں۔

وقیل ان الشیطان ھنا ھو جنس یراد بہ شیاطین الانس (بحر)

سمٰی الذی القٰی ذلک فی حال تلاوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیطانا لأنہ کان من شیاطین الانس (جصاص)

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ

سو اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہ کو مٹا دیتا ہے ۹۰ پھر اللہ اپنی آیات کو (اور زیادہ) مضبوط کر دیتا ہے ۹۱

وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً

اور اللہ خوب علم والا ہے خوب حکمت والا ہے ۹۲ (اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے) تاکہ اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے

لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

(شبہات) کو آزمائش بنا دے ان کے حق میں جن کے دلوں میں روگ ہے ۹۳ اور ان کے دل بالکل سخت ہیں۔ اور

لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

بے شک ظالم لوگ بڑی دور کی مخالفت میں (پڑے ہوئے) ہیں ۹۴

اس موقع پر بعض سادہ دل حضرات کی بے خیالی سے ایک لغو قصہ بھی نقل ہو گیا ہے۔ لیکن محققین نے اس کی پوری تردید کر دی ہے۔ اور وہ قصہ نہ روایۃً قابلِ قبول ہے نہ درایۃً۔ چنانچہ مشہور و قدیم ترین سیرت نگار رسولؐ ابن اسحٰق کا قول ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کا گڑھا ہوا ہے۔

قال هذا وضع من الزنادقة (کبیر)

اور انھوں نے اس کے رد میں ایک پوری کتاب لکھ دی ہے۔

وصنف فيه كتابا۔ (کبیر)

اور مشہور محدث امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ قصہ روایۃً بے اصل ہے، اس کے راوی مطعون ہیں، اور یہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نقل نہیں ہوا ہے (بحر)

هو مردود عند المحققين (بیضاوی)

اما اهل التحقيق فقد قالوا هذه الرواية باطلة موضوعة واحتجوا عليه بالقرآن والسنة والمعقول (کبیر)

الاحاديث المروية في نزول هذه الاية وليس منها شئ يصح۔ (قرطبی)

روایت جتنے طریقوں سے بھی آئی ہے کوئی سی بھی ان میں سے سند متصل کے ساتھ نہیں ہے۔

كلها مرسلات ومنقطعات (ابن کثیر)

۹۰ (جوابات قاطعہ سے، براہین ساطعہ سے، دلائل قاہرہ سے)

عارفین صوفیہ کہتے ہیں کہ شیطان کے پیدا کئے ہوئے وسوسے اسی سنت الٰہی کے مطابق، خود بخود مضمحل و نابود ہو جاتے ہیں۔ اور محققین اہل تربیت اسی لئے ان کے لئے کسی خاص مستقل تدبیر کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

۹۱ یعنی ان کی قوت اور دلالت کو اور زیادہ واضح و روشن کر دیتا ہے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

اور (یہ سب اس لئے بھی) تاکہ جن لوگوں کو فہم عطا ہوا ہے وہ یقین کر لیں کہ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے

فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ

حق ہے سو اس کے ایمان پر اور زیادہ قائم ہو جائیں ۹۵ پھر اس کی طرف (ان کے دل اور بھی) جھک جائیں۔ اور بے شک

اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ ایمان والوں کو راہ راست دکھا کر رہتا ہے ۹۶ اور جو کافر ہیں وہ تو ہمیشہ اس کی طرف

فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ

سے شک ہی میں پڑے رہتے ہیں ۹۷

۹۲ اس کے علم و حکمت کے سامنے ان خرافاتی اعتراضات کی حقیقت ہی کیا ہے۔

۹۳ (شک، تذبذب یا کھلے ہوئے انکار کا)

یہ مصلحت تکوینی بیان ہو رہی ہے شیطان کے اختیار وسوسہ اندازی کی ـــــــ یہاں اس کی بھی صراحت ہو گئی کہ ایسی چیزوں سے متاثر ہونے بھی وہی لوگ ہیں جن کے دل پہلے سے زنگ خوردہ ہیں۔ اور شک و نفاق کے مرض میں مبتلا۔ ورنہ سلیم الفطرت اہلِ ایمان کو ان سے کیا ڈر۔

۹۴ (کہ حق کو باوجود اس کے وضوح کے قبول نہیں کرتے، اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ ہی اس کے خلاف ڈھونڈھتے رہتے ہیں۔

۹۵ یعنی یہ شیطان کو جو حق تصرف شبہات ڈالنے کا دیا گیا ہے، یہ ایک طرف تو منکرین و مذبذبین کے حق میں آزمائش کا ذریعہ ہے۔ دوسری طرف اہلِ حق کے لئے ان کے ایمان میں اضافہ اور نورِ ہدایت میں ترقی کا باعث ہے۔

۹۶ راہ راست پر تو ایمان والے شروع ہی سے ہوتے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ اس زیادتِ یقین کی برکت سے انھیں راہ راست کے انتہائی مقامات تک پہنچا کر رہتا ہے۔

۹۷ شک، یعنی وہی شکوک و شبہات جو شیطان نے احکام الٰہی سے متعلق ان کے دلوں میں ڈال دیئے تھے۔ جس طرح ایمان کی برکت سے قلب کی نورانیت روز بروز کامل تر ہوتی جاتی ہے، اسی طرح کفر کی نحوست و شامت سے ظلمانیت بھی برابر بڑھتی ہی اور ترقی کرتی جاتی ہے۔

منه میں ضمیر "اس" سے مراد وہ پڑھا ہوا حکم بھی ہو سکتا ہے، جس سے متعلق شیطان نے وسوسہ اندازی کی ہے۔ اور خود قرآن یا رسول اللہ ﷺ بھی مراد ہو سکتی ہے۔

(الضمیر للقرآن او للرسول صلی اللہ علیہ وسلم (کشاف)

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾

یہاں تک کہ ان پر قیامت یک بیک آپہنچے یا ان پر بے برکت دن کا عذاب آپہنچے ۹۸

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی ۹۹ وہ ان سب کے درمیان فیصلہ کردے گا۔ سو جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے۔ اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری

بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ع وَالَّذِيْنَ

آیتوں کو جھٹلایا سو ان کے لئے تو عذاب ذلت والا ہوگا۔ اور جن لوگوں نے

هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ

اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑا پھر وہ مارے گئے، یا مر گئے، اللہ انھیں یقیناً ایک بہترین

اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ

رزق دے کر رہے گا ۱۰۰

ای من القرآن او الرسول او مما القی الشیطان فی امنیتہ۔ (بیضاوی)

۹۸ یعنی قیامت کا محض آپہنچنا ہی اپنی ہولناکیوں کے لحاظ سے کیا کم تھا، چہ جائیکہ اس کا عذاب بھی ان پر واقع ہو جائے۔ قیامت کا بالکل دفعتہً برپا ہونا انجیل میں بھی مذکور ہے:۔
خداوند کا دن چور کی طرح آجائے گا، اس دن آسمان بڑے شور وغل کے ساتھ برباد ہو جائیں گے" (۲ پطرس ۳:۱۰)

۹۹ (براہ راست وبلا وسائط)
حکومت تو اللہ کی آج بھی ہے مگر آج اس پر صدہا پردے درمیانی وسائط کے پڑے ہوئے ہیں۔ اس روز یہ حجابات دور ہو جائیں گے۔ اور ہر کس وناکس کو مشاہدہ حکومت حق کا براہ راست ہونے لگے گا۔

۱۰۰ (جنت میں)
یعنی جو لوگ راہ دین میں ترک وطن کے بعد شہید ہو گئے یا اپنی طبعی موت سے مر گئے غرض کسی سبب سے بھی اہل کفر پر غلبہ وفتحمندی کے ثمرات سے اس دنیا میں محروم رہ گئے۔ وہ اطمینان کامل رکھیں کہ وہ جنت میں ضرور اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں سے مستفید ومحظوظ ہوں گے۔

وَ اِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۵۸﴾ لَیُدْخِلَنَّھُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَہٗ ؕ

اور اللہ ہی سب رزق دینے والوں سے بہتر (اور سب سے بڑھ کر) ہے۔ وہ انھیں ایسی جگہ داخل کرے گا جسے وہ (بہت ہی)

وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِکَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ

پسند کریں گے۔ اور بے شک اللہ بڑا علم والا ہے ۱۰۱ بڑا حلم والا ہے ۱۰۲ یہ بات (تو) ہو چکی اور جو شخص اسی قدر

مَا عُوْقِبَ بِہٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْہِ

تکلیف پہنچائے کہ جتنی اسے پہنچائی گئی اور پھر اس پر زیادتی کی جائے ۱۰۳

قتلوا او ماتوا۔ کسی کے ہاتھ سے مارے جائیں یا اپنی طبعی موت سے مریں۔

فی سبیل اللہ۔ اللہ کی راہ سے مراد اللہ کے دین کی راہ میں ــــ یہ قید خوب یاد رہے، کہ اجر موعود محض ترک وطن پر نہیں، ترک وطن فی سبیل اللہ پر ہے۔

رزق۔ کا مفہوم بہت وسیع ہے صرف کھانا پینا ہی مراد نہیں ہوتا نعمتیں، راحتیں اور آسائشیں دنیوی و اُخروی ہر قسم کی اس میں شامل ہیں۔

الرّزق ھو یقال للعطاء الجاری دنیویًا کان او دینیًا (ابوالبقاء)

یقال للعطاء الجاری تارۃً دنیویًا کان ام اخرویًا وللنصیب تارۃً (راغب)

یہاں ظاہر ہے کہ شہادت یا موت طبعی کے جس رزق کا ذکر ہے اس سے جنت ہی کی ساری نعمتیں مراد ہیں۔

۱۰۱ ہر واقعہ کی حکمت و مصلحت اس پر خوب روشن رہتی ہے۔ اہلِ ایمان کو دنیا میں اگر ناکامی رہی تو اس سے مایوس و بد دل ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔

خیر الرّازقین۔ آخرت ہی کے عقیدہ کی طرح اس خیر الرازقین کے عقیدہ کو بھی آج کس درجہ بھلا چکے ہیں! یہ عقیدہ دلوں میں زندہ اور تازہ ہوتا تو اُمت کو آج نہ اس معاشی ابتری کی آئی ہوتی، اور نہ حرام و ناجائز پیشوں میں اس درجہ ابتلاء کی!

۱۰۲ چنانچہ بڑے سے بڑے مجرموں، غدّاروں، باغیوں کو بھی ہمیشہ فوری ہی سزا نہیں دیتا۔ اور اس کے حلم ہی سے بڑا دھوکا اہلِ باطل کو ہو جاتا ہے ــــ اسم علیم کے بعد اور اس سے متاخر اسم حلیم کے آنے سے ذہن ادھر منتقل ہوتا ہے کہ حلم کامل خود نتیجہ و اثر ہے صفت علم کامل کا۔ جب اس ہستی مطلق کو اپنے علم کامل کی بنا پر اطمینان ہے کہ ہر مجرم و غدّار آخر گھوم پھر کر چار و ناچار اسی کے پاس حاضر ہوگا تو گرفت کرنے اور سزا دینے میں عجلت ہی کیوں ہو!

۱۰۳ یعنی ایک شخص پر اس کے دشمن نے ظلم کیا، اور اس نے اپنا انتقام لے لیا، اور معاملہ برابر سرابر ہو گیا۔ لیکن اس پر بھی اس مظلوم پر از سر نو زیادتی شروع ہوئی ــــ اور دنیا میں اکثر یہی ہوتا رہتا ہے، جو ابتداءً مظلوم ہوتا ہے، وہ انتقام میں اتنی شدت اور حدود سے

لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

تو اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا ؕ بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے ؕ یہ (یعنی مومنین کی نصرت

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ

و غلبہ) اس سبب سے ہے کہ اللہ رات کو داخل کر دیتا ہے دن میں اور دن کو داخل کر دیتا ہے رات میں ؕ اور

سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾

اس سبب سے کہ اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا دیکھنے والا ہے ؕ

انتا تجاوز کر جاتا ہے کہ اب وہ خود ہی ظالم بن جاتا ہے۔

۱۰۴ (دنیا میں نصرت شرعی ہے آخرت میں نصرت معنوی ہے)

"اور یہ جو اوپر قید لگائی گئی بمثل ما عوقب الخ سو اس مماثلت کی مراعات مظلوم کے اجتہاد پر ہے، جس میں اس نے اپنی وسعت حتی الامکان مبذول کی ہو، اور اس پر بھی اگر مماثلت سے قدرے بیشی ہو جائے جو بوجہ غایت غموض وخفاء کے ضبط میں نہ آسکے تو وہ موجب مواخذہ ومخل وعدۂ نصرت نہیں" (تھانویؒ)

"یہ رعایت مماثلت کا وجوب معاملات معاشرت میں ہے نہ کہ جہاد میں، چنانچہ ادلۂ شرعیہ سے یہ امر ظاہر ومشہور ہے، اور نیز جو افعال ہر حال میں معصیت ہیں وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً کوئی کسی کے والدین کو برا کہے تو عوض میں اس کے والدین کو برا کہنا جائز نہ ہوگا۔" (تھانویؒ)

۱۰۵ (سو وہ حقی ونازک دقائق پر گرفت نہیں کرتا)

اور اس لئے جو کوئی جوش انتقام وشدت غیظ میں تھوڑا بہت آگے بڑھ جائے وہ قابل معافی ہی ٹھہرے گا۔

۱۰۶ (سو جس کی قدرت اس قدر کامل، اور جس کا انتظام اس قدر مستحکم ہو اس کے لئے نصرت مومنین میں تعجب کی کون سی بات ہے۔)

رات جیسی مہیب، سنسان، کامل تاریکی والی ہستی کو روز روشن میں، اور دن جیسی چہل پہل، ہنگامہ وحرکت اور روشنی کامل والی ہستی کو شب تاریک میں تبدیل کرنا، قدرت کا کوئی معمولی نہیں، نہایت درجہ غیر معمولی کرشمہ ہے۔ بے حسی اس کی طرف سے ہم میں صرف اس سبب سے پیدا ہو گئی ہے کہ اس دائمی معجزہ کو دن رات آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہی رہتے ہیں۔ دن کی روشنی کا رات کی سیاہی میں، اور رات کی تاریکی کا دن کے اجالے میں، تبدیلی کا نظارہ ہر شام وصبح کو ہر کھلے میدان سے کیا جا سکتا ہے لیکن پوری وضاحت کے ساتھ یہ نظارہ ان لوگوں کے حصہ میں آتا ہے، جو ہوائی جہازوں میں سفر کیا کرتے ہیں۔ دن کا میل رات سے اور رات کا میل دن سے ہوائی جہاز رانوں کے لئے ایک بہترین و دلچسپ ترین نظارہ رہا ہے۔

۱۰۷ وہ ظالموں کے اقوال کو سن رہا ہے، ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح مظلوم کی مظلومیت

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ

یہ (نصرت) اس لئے بھی (ہوگی) کہ اللہ ہی تو بس حق ہے، اور اس کے سوا جس کو بھی پکار رہے ہیں وہ (بالکل)

الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ

باطل ہے ۱۰۸ اور بس اللہ ہی تو عالی شان ہے سب سے بڑا ہے۔ ۱۰۹ کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ اللہ ہی

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؗ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آسمان سے پانی برساتا ہے، سو زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ بڑا مہربان ہے بڑا خبر رکھنے

لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ ج لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

والا ہے۔ ۱۱۰ بس اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ ع ع ۸ ۷ ۱۵

اور بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے اور وہی ہر تعریف کا سزاوار ۱۱۱

قولی و فعلی سب اس پر روشن ہے ـــــ مظلوم کی تسکین و تسلی کا کتنا بڑا سامان اس عقیدۂ سمیع و بصیر کے استحضار میں ہے!

۱۰۸ ابھی قبل والی آیت میں مضمون یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ کی اطلاع بھی کامل، قدرت بھی کامل۔ اب بیان یہ ہو رہا ہے کہ وہی تو ایک کامل موجود ہستی ہے، واجب الوجود ـ اس کے مقابلہ میں جن معبودوں کی حمایت و نصرت پر بھروسہ کئے ہوئے یہ اہل شرک بیٹھے ہوئے ہیں، وہ تو خود ہیچ محض ہیں۔ وہ کسی کی نصرت و حمایت کیا کریں گے!

۱۰۹ قدرت اسی کی کامل، نصرت اسی کی حقیقی، اختیارات اسی کے اصلی ـــــ ایک اسی عقیدہ کا استحضار بندہ میں کتنی قوت بھر دینے کو کافی ہے!

۱۱۰ وہی اپنے بندوں کی ساری ضرورتوں سے، خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، قومی ہوں یا ذاتی، جسمانی ہوں یا روحانی، مادی ہوں یا اخلاقی، ذرہ ذرہ واقف ہے۔ اور ان ہی کی مناسبت سے بہ کمال مہربانی بڑے بڑے باریک طریقوں سے انتظام کرتا رہتا ہے ـــــ اسے کسی دیوی دیوتا پر نہ قیاس کر لینا۔ جاہل و مشرک قوموں ہی نے نہیں بعض جاہلی فلاسفہ نے بھی خدا کی قدرت اور علم دونوں کو محدود و ناقص تسلیم کیا ہے۔ اس قسم کی آیتیں ایسے ہی عقائد کی تردید میں ہیں۔

مِنَ السَّمَآءِ ـ سماء کے معنی جیسا کہ شروع تفسیر کے کسی حاشیہ میں واضح کیا جا چکا ہے، ہمیشہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى

کیا تونے اس پر نظر نہیں کی کہ اللہ ہی نے تمہارے واسطے کام میں لگا رکھا ہے اس کو بھی جو زمین پر ہے اور کشتی کو بھی کہ

الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا

وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے، اور وہی آسمان کو اس سے روکے ہوئے ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے مگر ہاں کہ اسی کا

بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٥﴾ وَ هُوَ الَّذِىْٓ

حکم دے دیا جائے ۱۱۲ بے شک اللہ انسانوں پر بڑا شفقت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔ ۱۱۳ وہ وہی تو ہے جس نے

اَحْيَاكُمْ ؗ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾

تم کو زندگی دی، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تم کو جلائے گا۔ بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے۔ ۱۱۴

آسمان ہی کے نہیں ہوتے مطلق بلندی کا بھی مراد ہو سکتی ہے۔

ای من جہۃ العلو (روح)

۱۱۱ یعنی وہی سب کا مالک بھی ہے، اور وہی ہر ضرورت سے ہر حاجت سے پاک و بالاتر ہے۔ اور ہر ایک کی عبادت سے اور اعانت سے بے نیاز، اور وہی سرتاسر محمود، ستودہ صفات ہے۔ جامع کمالات ہے ؎

من نکردم امر تا سودے کنم — بلکہ تا بر بندگان جودے کنم
من نگردم پاک از تسبیح شان — پاک ہم ایشاں شوند و درفشاں

وہ کسی طرح بھی جاہلی قوموں کے دیوی دیوتاؤں کے مثل و مانند نہیں ہے۔

۱۱۲ یعنی اس سارے کارخانۂ حیات کو انسان کے کام میں لگا دینے والا، بحری قوتوں کو انسان کا مسخر کر دینے والا، زمین آسمان کو ان کی موجودہ ہیئتوں کے ساتھ، موجودہ حالتوں پر قائم و برقرار رکھنے والا اکیلا ہے، کوئی اور دیوی دیوتا ان کاموں میں شریک نہیں۔ جیسا کہ بہت سی مشرک قوموں کا مفروضہ ہے۔ اصل مقصود توحید ہی پر استدلال ہے۔ زمین کو اجرام فلکی کے ٹکراؤ سے روکے ہوئے کون سی چیز ہے؟ محض اسی کے قانون اور ضابطے۔

سماء کے ایک معنی ابر کے ہونا پہلے درج ہو چکا ہے۔ بارش بھی اس سے مراد لی جا سکتی ہے۔

وسمی المطر سماء لخروجہ منہا۔ (راغب)

۱۱۳ اسی کی صفات رافت و رحمت کی تجلیاں ہیں، جو انسان کو کارگاہِ حیات میں اس منزل و مرتبہ پر قائم رکھے ہوئے ہیں ـــــ ظالم معاندین نے اسی پیکرِ رحم و شفقت، اسی قرآنی و اسلامی

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي

ہم نے ہر اُمّت کے واسطے ایک طریقہ (ذبح وغیرہ کا) مقرر کر رکھا ہے کہ وہ اس پر چلنے والے ہیں سو انھیں نہ چاہئے کہ

الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾

آپ سے جھگڑا کریں (اس) امر میں ۱۱۵ اور آپ ان کو اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہئے بے شک آپ ہی سیدھے راستے پر ہیں ۱۱۶

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا نکالتے رہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ۱۱۷

خدا کو ڈراؤنا اور خونخوار کہا ہے!

۱۱۴ (کہ اس یکتا و قابلِ پرستش معبود کی توحید کی ناقدری کر کے کفر و شرک کی طرف ڈھل جاتا ہے)

هو... یحییکم۔ یہاں اس عقیدہ کا اثبات ہے کہ پیدا کرنے، مارنے، اور پھر جلا اٹھنے کی ساری قوتیں ایک ہی معبود یکتا کی ذات بے ہمتا میں جمع ہیں۔ اور سارے تصرفات کی مرکز اسی کی ذات ہے۔ اور اس میں ہندی مشرکوں کے اس عقیدہ کا رد آگیا کہ پیدا کرنے والا کوئی اور ہے، اور باقی رکھنے والا کوئی اور، اور ہلاک کرنے والا اس کے بھی علاوہ کوئی اور۔

۱۱۵ یعنی یہ منکرین تو تقلید محض کے پجاری ہیں، انھیں اصلاً کیا حق آپ پر اعتراض و گرفت کا ہے۔

منسكا هم ناسكوه۔ منسك سے مراد خصوصی اگرچہ موضع ذبح ہے لیکن لفظ جملہ عبادات کے لئے عام ہے۔

قال عكرمة ذبائح هم ذابحوه (جصاص) وليس يمتنع ان يكون المراد جميع العبادات ويكون الذبح احد ما اريد بالاية۔ (جصاص)

محققین نے کہا ہے کہ منسك یہاں شریعت کے مرادف ہے۔

قال ابن عباس شريعتهم عاملون بها (معالم)

اى شرعًا (قرطبى)

اى شريعة خاصّة (روح)

فی الامر۔ یعنی مسئلہ جواز ذبیحہ میں۔

اى فى امر الذبائح۔ (معالم)

شانِ نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ بعض مشرکوں نے مسلمانوں سے یہ عجیب کٹھ حجتی شروع کی تھی کہ تم لوگ اپنے مارے ہوئے (ذبح کئے ہوئے) کو جائز اور اللہ کے مارے ہوئے (مردار) کو ناجائز سمجھتے ہو۔

۱۱۶ الخیر آپ کو ٹوکنے کا کوئی حق نہیں، البتہ آپ کو حق انھیں ٹوکنے کا ہے کہ آپ تو راہ صحیح پر ہیں۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کردے گا، اس باب میں جس میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو ۱۱۸

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ

کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ واقف ہے ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ سب

ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَيَعْبُدُوْنَ

نامۂ اعمال میں (بھی درج) ہے۔ بے شک یہ (یعنی فیصلہ) اللہ کے نزدیک آسان ہی ہے ۱۱۹ اور یہ لوگ

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ

اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے جواز عبادت) پر اللہ نے کوئی حجت نہیں اتاری اور نہ ان کے

بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾

پاس اس کے لئے دلیل ہے۔ اور نہ ان ظالموں کا کوئی مددگار ہوگا ۱۲۰

آنکھوں والے کا فرض ہے کہ وہ اندھوں کو راستہ بتلائے، اندھوں کو یہ حق آنکھوں والوں کے مقابلہ میں نہیں پہنچتا۔

وادع الی ربّك۔ یعنی اپنے پروردگار کے دین کی طرف بلائیے۔

ای الی الایمان بربّك۔ (معالم)

۱۱۷ (اور آپ خود زیادہ ردّ و قدح میں نہ پڑیئے۔)

صوفیہ عارفین نے منکر معاند سے جو طالب حق نہ ہو، ترکِ جدال کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کا مبنیٰ و ماخذ منجملہ اور آیتوں کے یہ آیت بھی ہے۔

۱۱۸ فیصلہ سے مراد عملی، مشاہد فیصلہ ہے۔ ورنہ دلائل و شواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ دنیا ہی میں ہوچکا ہے۔

۱۱۹ یعنی جب حکومت و حاکمیت کے ساتھ ساتھ علم بھی اللہ کا کامل ہے، تو اسے فیصلہ صادر کردینے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔

کتاب۔ سے مراد نامہ اعمال بھی لیا گیا ہے اور لوح محفوظ بھی۔

ای کل مایجری فی العالم فهو مکتوب عند الله فی ام الکتاب (قرطبی)

هو کما روی عن ابن عباس اللوح المحفوظ.... وانکر ذلك ابو مسلم وقال المراد من الکتاب الحفظ والضبط ای ان ذلك محفوظ عنده تعالیٰ والجمهور علی خلافه (روح)

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ

اور جب ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو آپ کافروں کے چہروں پر بُرے آثار

كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ

دیکھتے ہیں ۱۲۱؎ گویا یہ لوگ ان پر حملہ کر دیں گے جو انھیں ہماری آیتیں پڑھ کر

اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ

سناتے ہیں ۱۲۲؎ آپ کہہ دیجئے کیا میں تمہیں اس سے بڑھ کر ناگوار چیز بتاؤں ۱۲۳؎ (وہ) دوزخ ہے۔

ذلك ۔ سے مراد فیصلہ ہے۔

ای ان الفصل بین المختلفین علی اللّٰہ یسیر (قرطبی)

۱۲۰؎ یعنی جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہرائے ہوئے ہیں، ان کی معبودیت پر نہ کوئی دلیل اللہ نے اپنی کتابوں، صحیفوں کے ذریعہ سے نازل کی ہے، نہ اس پر کوئی دلیل علمی وعقلی قائم ہے۔ اور ان معبودوں کی بیکسی اس سے ظاہر ہے کہ قیامت کے دن وہ ان کی ذرا بھی مدد نہ کرسکیں گے۔

به ۔ یہ دونوں مقام پر ضمیر ہ سے اشارہ غیر اللہ کے جواز عبادت کی طرف ہے۔

سلطانا ۔ سے مراد ہے دلیل عقلی وسمعی۔

ای اشارۃ الی الدلیل السمعی الحاصل من جھۃ الوحی (روح)

علم ۔ سے مراد ہے دلیل عقلی۔

اشارۃ الی الدلیل العقلی (روح)

۱۲۱؎ (ان کی ناگواری اور غصہ کو ظاہر کرنے والے مثلاً ان کے تیور پر بل پڑ جانا) قرآن مجید کے واضح احکام اور ہدایت سے تسلی حاصل کرنے کے بجائے منکرین شدتِ عناد سے، اُلٹے غصہ سے بھر بھر جاتے تھے۔ اور ان کے دلی بغض کے آثار ان کے چہرے سے ظاہر ہو ہو کر رہتے تھے ــــــ آج بھی بہت سے دشمنانِ دین اور بعض "روشن خیالوں" کے چہروں کا انقباض سے کیا حال ہو جاتا ہے، جب ان پر احکام الٰہی کی تبلیغ کی جاتی ہے۔

المنکر ۔ منہ بنانا، چہرے پر ناگواری اور غصہ کے آثار طاری کرنا، سب اس کے اندر آ گیا۔

الغضب والعبوس ۔ (قرطبی)

۱۲۲؎ یکادون ۔ کے لفظی معنی ہیں کسی فعل سے عمل کے قریب ہو جانا، منکرین معاندین جب قرآن کی آیتیں سنتے تو غصہ سے بھر جاتے، معلوم ایسا ہوتے لگتا کہ بس اپنے سنانے والوں پر حملہ کر ہی بیٹھیں گے، اور کبھی کبھی حملہ کر بیٹھتے بھی۔

وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

اللہ نے اس کا کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے، وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ اے لوگو ایک بڑی بات

ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

بیان کی جاتی ہے ۱۲۴ سو اسے سنو۔ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک

اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ

مکھی (تک تو) پیدا کر نہیں سکتے، چاہے سب ہی اس غرض کے لئے جمع ہو جائیں۔ اور اگر مکھی ان کے

الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ

سامنے سے کچھ چھین لے جائے تو وہ اس سے چھڑا تک نہیں سکتے ۱۲۵ طالب اور مطلوب (دونوں)

وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

کیسے گئے گزرے! ان لوگوں نے تعظیم نہ کی اللہ کی جو اس کی تعظیم کا حق تھا ۱۲۶ بے شک

لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

اللہ بڑا قوت والا ہے غالب ہے ۱۲۷

۱۲۳ "ناگوارتر تمہارے نقطۂ خیال سے" یعنی تم پر اس قرآن سے بڑھ کر گراں گزرنے والی۔ قرآن سے جو ناخوشی پیدا ہوتی ہے، اس کا تو خیر کچھ تدارک کر ہی لیتے ہو۔ دوزخ کے بے پناہ عذاب کے مقابلہ میں کیا کرو گے؟

ای اکرہ الیکم من ھذا القراٰن الذی تسمعون۔ (معالم)

۱۲۴ (یہ بالکل واضح ہے اور ہر ایک کی سمجھ میں آجانے والی)

۱۲۵ تو ایسی عاجز اور درماندہ مخلوق کو معبود ٹھہرالینا کس درجہ حماقت و سفاہت ہے! یہ ساری مورتیاں مل ملا کر ایک مکھی جیسی حقیر و بے حقیقت مخلوق کو پیدا کبھی تو نہیں کر سکتیں۔ اور پیدا کرنا تو پھر بڑی چیز ہے، ان کے آگے نذر اور چڑھاوے کے جو ڈھیر لگے رہتے ہیں، ان میں سے اگر وہ کچھ اٹھالے جائے تو ان میں اتنی سکت بھی تو نہیں کہ اسی کو اس سے واپس لے لیں۔

۱۲۶ یعنی اس کی وہ عظمت جو اس سے رشتۂ عبدیت تعلق عبودیت پیدا کرنے کے لئے کافی ہے، انسان اسی کا مکلف ہے، اور اسی درجہ کی عظمت نہ محسوس کرنے کا کافروں پر الزام ہے۔ باقی اللہ کی شایانِ شان

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ چن لیتا ہے پیام پہنچانے والے فرشتوں میں سے اور آدمیوں میں سے بھی ۱۲۸ بے شک اللہ

سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى

خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ۱۲۹ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا

اللہ ہی پر (تمام) کاموں کا مدار ہے ۱۳۰ اے ایمان والو رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو

وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ (السجدۃ ۸)

اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، اور نیکی کرتے رہو تاکہ فلاح پا جاؤ ۱۳۱

(السجدۃ عند الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲)

اور سزاوار الوہیت عظمت کا اندازہ، تو وہ کون کر سکتا ہے، اور نہ اس کا کوئی بشر یا کوئی مخلوق مکلف ہے۔ آیت کے مخاطب تمام منکرین توحید ہیں، خواہ ثنویہ ہوں یا اہل تثلیث ہوں یا مشرکین ہوں۔

۱۲۷ معبودیت والوہیت کا حق صرف اسی قدرت والے، غلبہ والے کو پہنچتا ہے۔ نہ کہ بے قدرت بے بس مخلوقات میں سے کسی کو۔

۱۲۸ من الملٰئکة رسلاً۔ فرشتے اللہ کا پیام انبیاء تک لانے والے اور انھیں احکام پہنچانے والے۔

ومن النّاس۔ اور نوع انسان میں سے اللہ کا پیام نوع انسانی کو پہنچانے والے اور اسے اس کے احکام سنانے والے۔ (اصطلاحی نام ان ہی کا رسل وانبیاء ہے۔)

اللّٰه یصطفی۔ ان دونوں قسم کے سفیروں کا انتخاب تمام تر دست خداوندی میں ہے، وہ جس کا جی چاہے انتخاب کرے۔

ملائکہ میں سفیر اعلیٰ حضرت جبرئیلؑ ہیں۔ قرآن مجید تمام تر انہی کا لایا ہوا ہے۔ باقی نفس سفارت کچھ ان ہی پر منحصر وموقوف نہیں۔

۱۲۹ وہی سب کی ظاہری وباطنی صلاحیتوں سے خوب واقف ہے۔ اور اس کے انتخاب میں کسی غلطی کا امکان نہیں۔

۱۳۰ ہر معاملہ، چھوٹا ہو یا بڑا، وہ آخر میں ختم اسی پر ہوتا ہے اور آخری سہارا ہر چیز کا وہی ہے۔ قرآن مجید کی ساری تعلیمات کا خلاصۃ الخلاصہ یہی ہے۔

یعلم... خلفھم۔ اسی پر سب کا مستقبل وماضی مثل حال کے عیاں وروشن ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط

اور اللہ (کے کام) میں کوشش کرتے رہو، جو اس کی کوشش کا حق ہے ۱۳۲ ۔

ایدیھم اور خلفھم۔ دونوں میں ضمیر جمع غائب، جملہ مکلفین کے لئے ہے۔

وضمیر الجمع للمکلفین۔ (روح)

یہ بھی منقول ہے کہ ضمیر رسل ملائکہ والناس کی جانب راجع ہے۔

وعن علی بن عیسٰی ان الضمیر لرسل الملائکۃ والناس (روح)

۱۳۱ یعنی یہ سب اعمال اصل ایمان کی شاخیں ہیں۔ قبولِ اسلام کے بعد نماز اور سب عبادتوں کو بجا لاتے رہو۔ اور دوسری نیکیوں میں بھی لگے رہو۔

وارکعوا واسجدوا۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس آیت کو آیت سجدہ نہیں تسلیم کیا ہے۔ اس دلیل سے کہ اس میں سجدہ کا حکم رکوع کے ساتھ ہے، اس لئے یہاں مراد سجدۂ نماز ہے نہ کہ سجدۂ تلاوت۔

وابوحنیفۃ واصحابہ رضی اللہ عنھم لایرون فیھا الاسجدۃ واحدۃ لانھم یقولون قرن السجود بالرکوع فدل ذلک علی انھا سجدۃ صلاۃ لاسجدۃ تلاوۃ۔ (کشاف)

وافعلوا الخیر۔ خیر۔ یہاں اپنے وسیع ترین مفہوم میں ہے۔

ہر فعل مباح رضائے الٰہی کی نیت کے بعد عبادت ہی بن جاتا ہے۔ حقوق العباد کی ادائی اس خیر عمومی کا ایک خصوصی باب ہے۔

عن ابن عباس صلۃ الارحام ومکارم الاخلاق۔ (کشاف)

لعل۔ سے متعلق شروع تفسیر میں تصریح کی جا چکی ہے کہ جب حق تعالیٰ کی زبان سے ادا ہوگا، تو معنی صرف امید کے نہیں یقین کے دے گا۔ اور اللہ کی طرف سے وعدہ کا مفہوم پیدا کر دے گا۔

تفلحون۔ فلاح پر بھی حاشیہ شروع تفسیر میں گزر چکا۔ کہ ہر قسم کی دنیوی و اُخروی خیر و برکت کا جامع ہے۔

۱۳۲ مطلب یہ ہے کہ دین کے کاموں میں سستی اور بے دلی کو دخل نہ دو، بلکہ ہر کام اللہ کا کام سمجھ کر پوری مستعدی، توجہ و استحضارِ قلب اور اخلاص نیت کے ساتھ کرتے رہو۔

قال الضحاک یعنی اعملوا بالحق للہ عزوجل (جصاص)

قال اکثر المفسرین حق الجھاد ان یکون نیتہ خالصۃ صادقۃ للہ عزوجل (معالم)

ای جھادا فیہ حقا خالصا لوجھہ (بیضاوی)

فی اللہ کو یہاں للہ کے بھی مرادف لیا گیا ہے۔

ای للہ ومن اجلہ (بیضاوی)

ای اللہ تعالیٰ او فی سبیلہ سبحانہ (روح)

ای فی ذات اللہ ومن اجلہ (کشاف)

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ

اس نے تمہیں برگزیدہ کیا ۱۳۳ اور اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی ۱۳۴

حقّ جهاده۔ کی ترکیب معکوس سمجھی گئی ہے۔ اور حق کی اضافت جہاد کی طرف تاکید اور زورِ کلام کے لئے خیال کی گئی ہے۔

عکس واُضیفَ الحق الی الجھاد مبالغۃ (بیضاوی)

ای جھادًا فیہ حقًا (روح)

صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ یہ آیت ہر قسم کے مجاہدات پر شامل ہے، مثلاً مجاہدۂ نفس، مجاہدۂ قلب، مجاہدۂ روح۔ مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں۔

جاھدوا اعداء دینہ الظاھرۃ کاھل الزیغ والباطنۃ کالھوی والنفس (بیضاوی)

قال عبد اللہ بن المبارک حق جھادہ مجاھدۃ النفس والھوی۔ والأولی ان یحمل ذلک علی کل التکالیف فکل ما أمر بہ ونھی عنہ فالمحافظۃ علیہ جھاد۔ (کبیر)

والجھاد کما قال الراغب استفراغ الوسع فی مدافعۃ العدو وھو ثلاثۃ اضرب مجاھدۃ العدو الظاھر کالکفار ومجاھدۃ الشیطان ومجاھدۃ النفس وھی اکبر من مجاھدۃ العدو الظاھرۃ (روح)

۱۳۳ (دوسری امتوں اور قوموں کے مقابلہ میں۔ اور تمہیں عالمگیر دعوت توحید کا حامل بنایا)

اس میں یہ اشارہ بھی آگیا کہ امت اسلامیہ کو اس مرتبہ پر ممتاز کرنے کا فعل خود حق تعالیٰ کا ہے۔ کسی اور کا نہیں۔

اور اسی کے تحت میں اہلِ بدعت و اہلِ فسق کے خلاف بھی مجاہدہ شامل ہے۔

ویشمل ذلک جھاد المبتدعۃ والفسقۃ فانھم اعداء ایضًا ویکون بزجرھم عن الابتداع والفسق۔ (روح)

دنیا کی اور ساری دینی دعوتیں جغرافی یا نسلی قیود سے محدود رہیں صرف اسلام ہی کی دعوت ان قیود و حدود سے بالاتر، صحیح معنی میں عالمگیر دعوت ہے۔

بعض نے اس خطاب کو مسلم معاصرین رسول ؐ تک محدود مانا ہے، اور پھر اس سے مدحِ صحابہ اور ان کی تطہیر ثابت کی ہے۔

واختار بعض ان الشھادۃ یدل ذلک علی بعض الأمۃ وھم الذین کانوا موجودین فی وقتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (روح)

وفی ذلک مدح للصحابۃ المخاطبین بذلک ودلیل علی طھارتھم۔ (جصاص)

۱۳۴ یعنی اسے دوسرے ادیانِ مروّج کی طرح محدود و مقید نہیں رکھا،

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ

تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت (پر قائم رہو) ۱۳۵ؑ اسی نے تمہیں مسلم قرار دیا

مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی ۱۳۶ؑ

دنیا جن مذہبوں کو جانتی پہچانتی ہے، ان میں کثرت سے تو مذاہب شرکیہ ہی ہیں۔ مثلاً ہندو مذہب، بودھ مذہب، مجوسی مذہب، موجودہ عیسائی مذہب۔ اور شرک نام خود محدودیت و تنگ نظری کا ہے۔ مشرک کے مطمح نظر میں جب تک کہ وہ مشرک ہے، ہمہ گیر وسعت پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔

مذاہب توحید لے دے کے صرف دو ہیں۔ ایک یہودیت، دوسرے اسلام۔ یہودیت کا غیر تبلیغی ہونا، اور نسل اسرائیل تک محدود رہنا بالکل ظاہر ہے۔ اس کے بعد صرف اسلام ہی ایسا دین باقی رہ جاتا ہے جس کی دعوت کسی ملک، قوم نسل و قبیلہ کے ساتھ محدود نہیں۔ اس کا خطاب دنیا کے ہر فرد بشر سے ہے۔ اس کی تعلیم چھوٹے بڑے ہر انسان کے لئے ہے — پھر اس عالمگیری کے ساتھ ہمہ گیری بھی تعلیم اسلام کی ہے۔ یعنی زندگی کا کوئی شعبہ چھوٹے سے چھوٹا بھی اس کے دائرے سے باہر نہیں۔

بعض صوفیہ نے اس نفی حرج سے استدلال کیا ہے تربیت میں سالکین کی سہولت پر۔

۱۳۵ؑ اسلام دوسرا نام ہے ملت ابراہیمی کا۔

ابیکم ابراھیم۔ قرآن کے مخاطبین اول یعنی اہل عرب تو نسل ابراہیم سے تھے ہی۔ اور ان کے لئے یہ رشتہ یاد دلا دینے سے ایک خاص پہلو تشویق و ترغیب کا بھی نکل رہا ہے۔ یعنی یہ مذہب کوئی انوکھا اور بیرونی نہیں، یہ تو عین تمہارے جد امجد ہی کا مذہب ہے۔ اور اگر مخاطب عامۂ مسلمین سمجھے جائیں، تو اس لفظ کے لانے سے خاص تعلیم حضرت ابراہیمؑ کے تعظیم و احترام کی مل رہی ہے۔

لان حرمۃ ابراھیم علی المسلمین کحرمۃ الوالد علی الولد (قرطبی)

وابراھیم اب لھم علی معنی وجوب احترامہ وحفظ حقہ بما یجب احترام الاب (معالم)

روی عن الحسن انہ اراد ان حرمۃ ابراھیم علی المسلمین کحرمۃ الوالد علی الولد (جصاص)

پہلے حکم ہوا تھا ایمان لانے کا۔ اب حکم مل رہا ہے اس دین پر قائم رہنے کا۔

محققین نے شروع فقرہ میں کوئی فعل مثلاً اتبعوا یا الزموا محذوف مانا ہے۔

۱۳۶ؑ (اور امت محمدیؐ کا سرکاری اور خدائی لقب بھی مسلم ہی ہے)

ھو۔ ضمیر ھو سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، ابراہیمؑ مراد نہیں، خود سیاق کلام بھی اسی کا مقتضی ہے اور ایک صحابی اور متعدد تابعین سے منقول بھی یہی ہے۔

ای اللہ تعالیٰ کما روی عن ابن عباس ومجاھد والضحاک وقتادۃ وسفیان ویدل علیہ ما سیاتی بعد

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى

تاکہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں ۱۳۷ اور تم (سب) لوگوں کے مقابلہ میں

النَّاسِ ۖ فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ وَاعْتَصِمُوا

گواہ ٹھہرو ۱۳۸ سو تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو ۱۳۹ اور اللہ ہی کو مضبوط

بِاللَّهِ ۖ هُوَ مَوْلَىٰكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٧٨﴾ ع

پکڑے رہو وہی تمہارا کارساز ہے ۱۴۰ سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ۱۴۱

ع ۱۰ / ۱۷

فی الآیۃ۔(روح)

عن ابن عباسؓ قال: اللہ عزوجل وکذا قال مجاھد وعطاء والضحاک والسدی ومقاتل بن حیان وقتادۃ (ابن کثیر)

من قبل۔ یعنی قرآن مجید سے پہلے۔

وفی ھذا۔ یعنی قرآن میں۔

قال مجاھد من قبل القرآن وفی القرآن (جصاص)

یعنی من قبل نزول القرآن فی الکتب المتقدمۃ (ای وفی ھذا) الکتاب ھذا قول اکثر المفسرین (معالم)

(قلت) وھذا ھو الصواب (ابن کثیر)

۱۳۷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک و پاکیزہ سیرت، مکمل زندگی بہ طور معیار کے کام دے گی حشر میں تمہیں اسی معیار سے جانچا جائے گا کہ تم نے اپنی زندگیوں کو کہاں تک اس نمونہ پر ڈھالا ــــ سیرت نبویؐ سے مکمل اور صحیح واقفیت کے وجوب پر استدلال اسی آیت سے کیا جاسکتا ہے لیکن سیرت سے مراد اس معیاری زندگی کے تمام واقعات چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہیں خوارق ہرگز مراد نہیں، خوارق تو ذاتِ رسولؐ کے ساتھ مخصوص تھے۔

۱۳۸ یعنی دوسری اُمتوں اور قوموں کے مقابلہ میں ــــ کتنی بڑی ذمہ داری اس میں اُمت اسلامیہ کے سر رکھ دی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی کتنے اونچے مرتبۂ امتیاز پر بھی اسے پہنچا دیا گیا ہے!

مسلمانوں کو دین حق کی تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی ہے اور مسلمانوں کے واسطہ سے دین حق ساری نسل انسانی کو پہنچا ہے۔

۱۳۹ اس میں خلاصہ اور لب لباب آگیا تمام بدنی اور مالی عبادتوں کا۔

۱۴۰ عزم و ہمت کو قائم رکھنے والی، اور کشاکش حیات میں ہر مصلحت نفس پر غالب رکھنے والی

چیز یہی عقیدۂ توحید ہے۔ جسقدر یہ اعتماد علی اللہ قوی ہوگا، اسی درجہ میں انسان مراتب معرفت و قرب میں ترقی کرتا جائے گا۔ اور ہر غیر الہی قوت کے مقابلہ میں دلیر تر ہوتا جائے گا۔

۱۴۱لے انسان کو ضمیر کی پابندی سے ہٹانے والی چیز ہمیشہ یہی خوف ہوتا ہے کہ اگر فلاں کو میں نے خوش نہ رکھا تو وہ مجھے نقصان پہنچا دے گا۔ قرآن نے بار بار ضرب کاری اسی گمانِ فاسد پر لگائی ہے۔ اور بار بار اعلان کیا ہے کہ کام بنانے والا اور ہر طرح کی نصرت و اعانت کرنے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کی طرف خیال لے جانا ہی حماقت و نادانی ہے۔

نعم المولیٰ و نعم النصیر۔ ولایت و تولیت (امور کارسازی) اور نصرت (مدد) کا منبع و مرجع صرف اسی کی ذاتِ واحد ہے۔

(۲۳)

سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَکِّیَّۃٌ

اٰیَاتُہَا ۱۱۸ — ۱۱۸ آیتیں

رُکُوْعَاتُہَا ۶ — ۶ رکوع

سورۂ مومنون مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان باربار رحمت کرنے والے کے نام سے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ① الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ

یقیناً (وہ) مومنین فلاح پاگئے۔ ۱ جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے

خٰشِعُوْنَ ② وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ③

ہیں۔ ۲ اور جو لغو (بات) سے برکنار رہنے والے ہیں۔ ۳

۱ لعلکم تفلحون ابھی آچکا ہے۔ قد افلح کا بیان اسی کی مناسبت سے ہے۔

فلاح کے مفہوم کی وسعت وجامعیت پر حاشیہ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۵ میں المفلحون کے تحت میں گزر چکا۔

قد افلح۔ ذکر ظاہر ہے کہ مستقبل کا ہے۔ لیکن صیغہ اس کے لئے ماضی کا لایا گیا ہے، اور وہ بھی تاکیدی حرف قد کے ساتھ۔ گویا مومنین کی فلاح مستقبل میں اس درجہ قطعی ویقینی ہے کہ اسے بلا تکلف صیغۂ ماضی میں ادا کیا جا سکتا ہے۔

کأنہ قیل قد تحقق أن المؤمنین من أھل الفلاح فی الآخرۃ (روح)

المؤمنون۔ فلاح کی پہلی شرط مومن ہونا ہے۔ بغیر ایمان یا صحت اعتقاد کے کوئی سا بھی عمل مقبول نہیں۔ جو عمل بھی بغیر ایمان کے عمل خیر معلوم ہوتا ہے وہ خیر صرف صورۃً ہے محض قالب ظاہر کے لحاظ سے ہے۔ مغز وروح کے اعتبار سے اس پر اطلاق عمل خیر یا عمل صالح کا ہو نہیں سکتا ہے۔

۲ (اور نماز خواہ فرض ہو یا غیر فرض)

نماز کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ اعمال میں سب سے پہلے جگہ اسی کو ملی۔ اور خشوع کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ نماز کے سلسلہ میں سب سے پہلے اسی کو بیان کیا گیا۔

خٰشعون" خشوع کی حقیقت ہے سکون، یعنی قلب کا بھی کہ خیالات غیر کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرے، اور اس کی فرضیت میں کلام ہے، مگر حق یہ ہے کہ صحت صلوٰۃ کا

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾

اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔ ۵ ؎

تو موقوف علیہ نہیں، اور اس مرتبہ میں فرض نہیں، اور قبول صلوٰۃ کا موقوف علیہ ہے، اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔" (تھانوی)

روی عن ابراھیم ومجاھد والزھری الخشوع السکون (جصاص)

اور خشوع کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نماز میں قصداً غیر متعلق باتوں کو خیال میں نہ لایا جائے۔

گویا پوری فلاح یابی تو گروہ مؤمنین کا حصہ ہے۔ اور مؤمنین کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ نماز میں پکے اور سچے ہوتے ہیں ــــــ یہ نہیں کہ لکچر خوب دے لیتے ہیں، یا بڑے چرب زبان ہوتے ہیں، یا کتابوں کے بڑے پڑھنے والے ہوتے ہیں۔

۳ ؎ (خواہ وہ لغو فعلی ہو یا قولی)

لغو کہتے ہیں ہر اس حرکت کو جو عبث، بے حاصل، لایعنی ہو آخرت یا صرف دنیا کے اعتبار سے بھی۔

اللغو ما لا یعنیك من قول أو فعل (کشاف)

اللغو ھو الفعل الذی لا فائدۃ فیہ (جصاص)

زندگی بڑی ہی قیمتی شے اور بڑی سنجیدہ واہم حقیقت ہے مسلمان کی شان یہ نہیں کہ ایک لمحہ بھی کسی غیر مفید بات کی طرف توجہ کرے۔ سیر و تفریح، مشاغل نشاط، جس حد تک صحت و تفریح طبع کے لئے ضروری ہیں، ظاہر ہے کہ ان کا شمار لغو میں نہیں۔

"لغو کا ادنیٰ درجہ گو مباح ہو مگر ترک اس کا اولیٰ اور موجب مدح ہے اور معصیت لغو کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس کا ترک واجب ہے۔" (تھانوی)

امام رازیؒ نے کہا ہے کہ ہر لغویات سے بچنے کا ذکر جو خشوع صلوٰۃ کے معاً بعد اور حکم زکوٰۃ سے قبل ہی لے آیا گیا ہے، اس کا راز یہ ہے کہ لغویات سے اجتناب صلوٰۃ کی عین تکمیل کرنے والا ہے۔

الاعراض عن اللغو من متممات الصلوٰۃ (کبیر)

دوسری پہچان مؤمنین کی اللہ نے یہ بتائی کہ وہ لایعنی اور بے مقصد باتوں کے تارک اور ان سے پرہیز کرتے والے ہوتے ہیں ــــ آج اپنے کو مسلمان کہلانے والے اپنی حالت پر ذرا غور فرمالیں۔

۵ ؎ (اعمال میں، اخلاق میں)

الزکوٰۃ۔ یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں، لغوی معنی میں ہے۔ بمعنی تطہیر و تزکیہ۔ زکوٰۃ اصطلاحی تو مدینہ میں فرض ہوئی، اور یہ سورۃ مکی ہے۔ اکابر میں سے متعدد اس طرف گئے ہیں۔

ان فعل الزکوٰۃ یقع علی کل فعل محمود مرضی (کبیر)

الظاھر أن المراد بالزکاۃ المعنی المصدری أعنی التزکیۃ (روح)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ

اور جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں۔ ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں۔

اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۶ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

کہ (اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو کوئی اس کے علاوہ کا طلب گار ہوگا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷

تو بس ایسے ہی لوگ تو حد سے نکل جانے والے ہیں ۵ے

وقیل الزکاۃ ھھنا ھی العمل الصالح (معالم)

للزکوٰۃ۔ ل یہاں تعلیلیہ اور اظہار غایت کے لئے ہے۔

اللام فیہ للعلۃ والقصد (راغب)

یعنی ان کا مقصود اعمال و افعال سے یہی ہوتا ہے کہ اپنے کو پاک و صاف کریں۔

یفعلون ما یفعلون من العبادۃ لیزکیھم اللہ تعالیٰ أو لیزکوا انفسھم (راغب)

قال صاحب الکشف معنی الایۃ الذین ھم لاجل الطھارۃ وتزکیۃ النفس عاملون الخیر۔ (روح)

قیل الزکاۃ ھنا النماء والزیادۃ واللام لام العلۃ ومعمول فاعلون محذوف التقدیر والذین ھم لاجل تحصیل النماء والزیادۃ فاعلون الخیر۔ (بحر)

تیسری شان مومنین کی یہ ارشاد ہوئی کہ ان کے جملہ افعال کی غرض و غایت زکوٰۃ یا صفائے نفس ہوتی ہے ــــ آج کتنے مسلمان اس معیار پر پورے اتریں گے؟

۵ے (اور بڑے سخت نافرمان)

مطلب یہ ہے کہ قضائے شہوت بجائے خود ہرگز محل الزام نہیں۔ اور جس طرح بھوک، پیاس، نیند وغیرہ کی ضرورتیں فطری ہیں، یہ خواہش بھی طبعی ہے، قابل الزام صرف اس کا بے محل استعمال ہے۔

ما ملکت ایمانھم۔ باندیوں سے مراد ظاہر ہے کہ صرف شرعی باندیاں ہیں، نہ کہ عرفی۔ حاشیہ پہلے گزر چکا ہے۔ بیویوں اور باندیوں کے حلال ہونے سے مراد ان کی جنس کا حلال ہونا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

وراء۔ سوا یا علاوہ کے معنی میں ہے۔

ای من طلب سوی الأزواج والولائد المملوکۃ لہ (قرطبی)

وراء ذلک۔ فقہاء اہل سنت نے ان الفاظ سے متعہ کے حرام ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس لئے کہ متعہ والی عورت نہ ازواج کے حکم میں ہوتی ہے، نہ ما ملکت ایمانھم کے تحت میں۔

ویقتضی تحریم نکاح المتعۃ إذ لیست بزوجۃ ولا مملوکۃ یمین (جصاص)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے ہیں۔ ۵ ۶ اور جو اپنی نمازوں کی

صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ

پابندی رکھنے والے ہیں۔ ۵ ۷ بس یہی لوگ تو وارث ہونے والے ہیں۔ جو فردوس کے وارث

الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہوں گے۔ اور اس میں (ہمیشہ) رہیں گے۔ ۵ ۸

وراء ذلك۔ ان دو مختصر لفظوں کی وسعت و جامعیت قابل غور و محل حیرت ہے۔ ناجائز شہوت رانی کی قسمیں اور صورتیں کہنا چاہئے کہ بے شمار ہیں۔ اور یہ قرآن ہی کا کمال ہے کہ وہ سب کو اس دو لفظی فقرہ کی گرفت میں لے آیا۔

زناکاری اور غیر طبعی شہوت رانی کی جتنی بھی صورتیں رائج ہو گئی ہیں سب اسی کے حکم میں آجائیں گی۔

ولا يخفى ان كل ما يدخل في العموم تفيد الآية حرمة فعله على أبلغ وجه (روح)

وفيه دليل على أن الاستمناء باليد حرام (معالم)

فاولٰئك هم العادون۔ یعنی ان سب حرکتوں کے کرنے والے نافرمان مجرم ہیں۔

العادون۔ یعنی بڑے شدید نافرمان۔

الكاملون في العدوان المتناهون فيه۔ (روح)

چوتھی پہچان مومنین کی یہ ارشاد ہوئی کہ وہ شہوت رانی کی تمام ناجائز صورتوں سے بری اور محتاط رہتے ہیں ____ آج کے مسلمان ذرا اس آیت میں اپنا حال دیکھ لیں!

على ازواجهم۔ میں على مرادف ہے من کے۔ فراء نحوی، ابن مالک نحوی وغیرہ سے یہی منقول ہے۔

وقال الفراء وتبعه ابن مالك وغيره أن على ههنا بمعنى من أى الا من أزواجهم (روح، بحر)

۶ ۔ ان امانتوں سے مراد اپنی سپردگی میں لی ہوئی امانتیں ہیں۔

پانچواں وصف مومنین کا یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ نہایت درجہ امانت دار اور نہایت درجہ پابند عہد ہوتے ہیں ____ آج یہ وصف بھی کہاں کے مسلمانوں میں ملے گا؟

عهدهم۔ عہد کے تحت میں حقوق اللہ، حقوق العباد ہر قسم سے متعلق عہد آگیا۔ معاملات، عبادات کے سارے عہد اس میں شامل ہیں۔

والآية عند أكثر المفسرين عامة في كل ما ائتمنوا عليه وعوهدوا من جهة الله تعالى ومن جهة الناس (روح)

والأمانة والعهد يجمع كل ما يحمله الانسان من أمر دينه ودنياه قولا وفعلا (قرطبي)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ

اور بالیقین ہم نے انسان کو پیدا کیا مٹی کے جوہر سے۔ ۹ پھر ہم نے اسے نطفہ

نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا

بنایا ایک محفوظ مقام میں۔ پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا، پھر ہم نے خون کے

۷ مومنین صالحین کی صفات حسنہ کا آغاز خشوع نماز کے ذکر سے کیا تھا، اختتام بھی نماز ہی کی محافظت ومداومت پر کیا ـــــ گویا تاکید اس طرح کیفیت نماز اور کمیت نماز دونوں کی نکل آئی۔ نماز کے خشوع کی بھی، اور مداومت کی بھی۔

چھٹی صفت فلاح یاب مومنین کی یہ نکلی کہ وہ نماز میں نہ صرف جی لگاتے ہیں بلکہ اس کی ظاہری پابندی بھی کرتے رہتے ہیں۔

مقام عبرت ہے کہ جس امت کو انفرادی واجتماعی ہر حیثیت سے فلاح کے لئے نماز کی اس قدر تاکید ہوئی ہے، وہ نماز ہی کی طرف سے اس غفلت میں پڑجائے۔

۸ ایسے مومنین کی فلاح یا بی عارضی یا وقتی نہیں ہوتی، دائمی اور ابدی ہوتی ہے۔ وقت کی رفتار جو ہر لمحہ اور ہر آن ہمارے تجربہ میں آتی رہتی ہے اس عالم میں رک جائے گی اور عالم کو تغیر وفنا کے بجائے بقاو دوام حاصل ہوجائے گا۔

وارث ہونے کے معنی ہیں کہ جنت پر قابض ومتصرف ہوں گے۔ اور گویا اس کے مالک ہوجائیں گے۔

اُولٰئِكَ هُمْ۔ کی ترکیب نے معنی میں حصر پیدا کر دیا۔ یعنی بس یہی لوگ تو وارث ہوں گے۔

"اُولٰئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۔ میں جو حصر ہے وہ باعتبار استحقاق فردوس کے ہے جو بحسب احادیث جنت کا اعلیٰ درجہ ہے ورنہ نفس جنت مطلق مومنین کے لئے عام ہوگی گو صفات مذکورہ میں کمی ہو۔" (تھانوی)

الفردوس۔ فردوس کی لفظی تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو سورۃ الکہف کی آیت ۱۰۷ جنّٰت الفردوس نزلاً کا حاشیہ۔ بعض تابعین سے منقول ہے کہ یورپی زبانوں میں فردوس جنّت کو کہتے ہیں۔

وقد قال مجاھد و سعید بن جبیر الجنۃ بالرومیۃ ھی الفردوس (ابن کثیر)

قال مجاھد رومیۃ عربت (قرطبی)

بہر حال اسلامی اصطلاح میں وہ جنت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

الفردوس ربوۃ الجنۃ وأوسطھا وأفضلھا خرجہ الترمذی (قرطبی)

روی أبو أمامۃ عنہ علیہ السلام انہ قال سلوا اللّٰہ الفردوس فانھا اعلی الجنان (کبیر)

فیھا۔ ضمیر مؤنث جنۃ کی جانب ہے جو معنی ہیں فردوس کے۔

۹ "مٹی کا خلاصہ" یعنی غذاء۔ غذائے نباتی کا مٹی سے اگنا اور پیدا ہونا بالکل ظاہر ہے اور غذائے

الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق

لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا۔ پھر ہم نے بوٹی کو ہڈیاں بنادیا۔ پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا ۱۰ھ

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط

پھر ہم نے اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنادیا ۱۱ھ

حیوانی کا آخری ماخذ بھی جاکر نباتات کے واسطہ سے، مٹی ہی ٹھہرتی ہے۔

۱۰ھ (جس سے وہ ہڈیاں ڈھک گئیں اور ڈھانچہ پر جلد چڑھ گئی)

فی قرار مکین۔ یعنی رحم مادر میں۔ رحم کی مضبوطی اور محفوظیت پر تشریح الابدان کی کتابیں گواہ ہیں۔ اب حوالہ تو ذہن میں نہیں لیکن ان سطور کے راقم کو اتنا اچھی طرح یاد ہے کہ اپنے بچپن میں کسی بڑے ڈاکٹر کا یہ مقولہ سنا تھا کہ جسم انسانی میں سب سے محفوظ ترین عضو رحم ہے، اور دفن کے بعد جسم میں سب سے آخر میں یہی عضو بگڑتا ہے۔

فخلقنا المضغة عظمًا۔ یعنی بوٹی کے بعض اجزاء کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا۔

خلقت انسانی کے ان مراتب کی تفصیل طب قدیم و جدید کی کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے ——

حرف فاء کو ہر مرتبۂ تخلیق پر مقدم کرنے سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، کہ انسان کی خلقت اسی ترتیب زمانی سے ہوتی ہے۔ پہلے علقۃ پھر مضغۃ پھر عظم، اور پھر ہڈیوں پر گوشت کو چڑھادیا گیا یا لپیٹ دیا گیا۔

العظام۔ ہڈیاں۔ خون، گردش خون، اعصاب، نظام عصبی وغیرہ کی اہمیت تو فی الجملہ ہر پڑھے لکھے پر ظاہر ہے لیکن جسم انسانی میں نظام استخوانی بھی کچھ کم اہم نہیں۔ ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ ہڈیاں وقت کے ہر لمحہ خون کے مضبوط سرخ خلیے بنانے میں مصروف رہتی ہیں۔ اور ہر منٹ پر ۱۸۰ ملین سرخ خلیے فنا ہوتے رہتے ہیں، ان کے بجائے نئے خلیوں کی اتنی تعداد یہی پوری کرتی رہتی ہیں۔ خون کو گاڑھا رکھنے، اور حرکت قلب اور نظام عصبی کو رواں رکھنے کے لئے جسم میں چونا ایک خاص مقدار میں رہنا ضروری ہے، اور یہ چونا ہڈیوں ہی میں جمع رہتا ہے۔ غرض یہ کہ ہڈیاں بھی جسم انسانی کے لئے ایسی ہی ضروری ہیں جیسے خون، شریانیں، وریدیں، اعصاب اور اعضائے رئیسہ ہیں۔

۱۱ھ (روح انسانی ڈال کر، اور حالات سابق سے بالکل ممتاز بنا کر)

آفرینش انسانی کی جمادی نباتی حیوانی ساری منزلیں گنا کر آخر میں بتا دیا کہ اسے چیز ہی کچھ اور بنا دیا! جس کی نظیر و مثل سے سارا عالم حیوانات خالی ہے۔ اور حکمت و فلسفہ، صنعت و حرفت، ریاضی اور انجنیری شعر و ادب اور سب سے بڑھ کر علوم نبوی (معارف و حقائق) کے عجائبات اس کی ذات سے ظاہر کرائے گئے۔ جمادیت و نباتیت کا ذکر نہیں، حیوانیت بلکہ حیوانیت اعلیٰ سے بھی انسان جسقدر ممتاز و بلند ہے اس کی شرح کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ کچھ مختصر حوالے انگریزی تفسیر القرآن میں ملیں گے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾

سو کیسی شان والا ہے اللہ تمام صناعوں سے بڑھ کر۔ ۱۲ لے پھر تم اس (سب) کے بعد مردہ ہو کر رہو گے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

پھر تم قیامت کے دن از سر نو اٹھائے جاؤ گے۔ ۱۳ لے

یہ خلقاً اٰخر ہی وہ چیز ہے جہاں تک ڈارون غریب اور اس کے پیروؤں کی نظر نہ پہنچ سکی۔ اور یہ بچارے بس اسی منزل میں ٹامک ٹوئیں لڑتے رہ گئے کہ انسان ایک "بڑا اونچی ترقی یافتہ جانور" ہے۔ گھوڑے اور کتے ہاتھی اور بندر سے بھی بڑھ کر!

حیوان پردہ لاکھ ترقی یافتہ ہو جائے بہرحال جسمانیت ہی غالب رہتی ہے۔ اور وہ صفات جسمانی و مادی ہی کا ایک مرکب رہتا ہے۔ جسے عقل و فہم بھی بہ قدر اس کی مادی ضروریات کے دے دی جاتی ہے، بخلاف انسان کے کہ اس پر حکمراں روح رہتی ہے، اور جسم اس کا تمام تر ماتحت اور محکوم رہتا ہے۔ اس کی اخلاقی ذمہ داری اور مسئولیت کی بنا بھی تمام تر اس کی روحیت ہی ہوتی ہے۔

خلقاً اٰخر کی تفسیر صحابہ و تابعین کے کلام میں روح سے آئی ہے، اور محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

قال ابن عباس والشعبی وابو العالیۃ والضحاک وابن زید ھو نفخ الروح فیہ۔ (بحر)

وکذا قال مجاھد وعکرمۃ والشعبی والحسن وأبو العالیۃ والضحاک والربیع بن أنس والسدی وابن زید واختارہ ابن جریر۔ (ابن کثیر)

بلکہ حدیث صحیح میں تو ابو ہریرہ صحابیؓ کے واسطہ سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ثم انشا نہ خلقا اٰخر کی تفسیر ثم نفخنا فیہ الروح ارشاد ہوئی ہے۔

۱۲ لے (جس کی قدرت اور صناعی تک کسی بڑے سے بڑے بھی آرٹسٹ یا صناع کی رسائی ممکن نہیں۔ اور جس نے انسان کے قالب میں روح ڈال کر انسان کو ایک عجیب و غریب اور جامع کمالات مخلوق بنا دیا۔)

صناعوں کی قدرت صرف ترکیب و تحلیل تک محدود ہے۔ آفرینش جس چیز کا نام ہے، یہ خاص اللہ ہی کا حصہ ہے ـــــ خیر، آخر آیت میں تو صاف صاف کہہ ہی دیا۔ لیکن بیان کے شروع ہی سے دیکھتے آئیے۔ خلقنا (بار بار) جعلناہ، کسونا، انشانہ، ہر فعل کے آخر میں ضمیر متکلم لگی ہوئی۔ ہر عمل کا انتساب اپنی ہی جانب۔ ہم نے یہ کیا، ہم نے وہ کیا۔ کسی غیر اللہ کی شرکت کا شائبہ تک نہیں۔

خلق۔ عربی میں ایک تو ایجاد و ابداع یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنی میں آتا ہے (بمعنی الاختراع والایجاد من العدم) اور اس معنی میں یہ اللہ کا وصف خصوصی ہے، اور اسی معنی میں قرآن میں آیا ہے کہ أفمن یخلق کمن لا یخلق۔ (سورہ نحل آیت ۱۷)

احسن الخٰلقین میں خالق کو اگر صانع کے معنی میں لیا جائے تو اس کے صیغۂ جمع پر کوئی سوال ہی

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿١٧﴾

اور ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے۔ اور ہم مخلوق کے باب میں بے خبر نہ تھے۔ ۱۴

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى

اور ہم نے آسمان سے اندازہ کے ساتھ پانی برسایا پھر اسے ہم نے زمین میں ٹھہرایا۔ اور ہم اس کے

ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿١٨﴾

معدوم کرنے پر بھی قادر ہیں۔ ۱۵

نہیں پیدا ہوتا۔

ای احسن الصانعین (ابن جریر عن مجاهد)۔

احسن المصورین والمقدرین والخلق فی اللغۃ التقدیر۔ (معالم)

اور عربی میں ہر صانع کو خالق بھی کہا جاتا ہے۔

والعرب تسمی کل صانع خالقا۔ (ابن جریر) اور آگے سند میں زہیر کا کلام پیش کیا ہے۔

تخلیقی اور ایجادی پہلو سے قطع نظر جسم انسانی اپنی مادی ساخت و ترکیب کے لحاظ سے بھی انجینیری صناعت کا ایک لاجواب شاہکار ہے۔ دماغ کی حفاظت کے لئے کھوپڑی، آنکھوں کی حفاظت کے لئے پلکیں اور پپوٹے، مرکزی نظام اعصاب کی حفاظت کے لئے استخوان پشت یا ریڑھ کی ہڈی اور جسم کا وزن سنبھالنے کے لئے ٹانگوں کے کھوکھلے ستون۔ یہ ساری چیزیں انجینیری صناعت کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ پیش کر رہی ہیں۔

فتبارک اللہ احسن الخالقین جس حکیمانہ و بلیغ ترتیب و تدریج کے ساتھ خلقت انسانی کا بیان ہوا ہے اسے سن کر تو آخر میں قدرۃً اور کہنا چاہئے کہ اضطراراً پڑھنے والے سننے والے کی زبان سے یہ کلمۂ تحسین بطور فقرہ بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے۔

۱۳ (جب تمہیں ساری زندگی کا حساب دینا ہوگا۔)

یہاں ایجاد یا ابداع، اور افناء یا اہلاک، اور احیاء، تینوں مراتب کا بیان آگیا ــــ موت کے معنی ہیں روح کا ایک وقت متعین پر جسم کو خالی کر دینا، اور یہاں سے عالم آخرت کے لئے روانہ ہو جانا۔

۱۴ (کہ اناڑیوں کی طرح مخلوق کی ضرورتوں اور حکمتوں مصلحتوں کو نظر انداز کر جائیں) ہم نے چھوٹی بڑی ہر مخلوق کی اعلیٰ و ادنیٰ ہر ضرورت، ہر مصلحت کا پورا اور پختہ انتظام کر لیا ہے۔۔

مولوی نذیر احمد صاحب نے غافلین کا ترجمہ "اناڑی" سے کیا ہے اور خوب کیا ہے۔

طرائق۔ طریقۃ کے لفظی معنی راستہ کے ہیں متقدمین نے اس سے مفہوم فرشتوں کی گزرگاہ کا لیا تھا

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ

پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے تمہارے لئے کھجوروں کے اور انگوروں کے باغ اگائے۔ ان میں تمہارے لئے کثرت سے

كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ

میوے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو ۱۶؎ اور ایک اور درخت بھی (پیدا کیا) جو طور سینا میں پیدا

بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

ہوتا ہے۔ وہ اگتا ہے روغن لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن ہے۔ ۱۷؎

اور اسی لئے لفظ کا اطلاق آسمانوں پر کیا تھا۔

وقال علی بن عیسیٰ سمیت بذلک لأنها طرائق للملائکۃ (کبیر)

لیکن اس کے صاف معنی سیاروں کے راستے یا گزرگاہوں یا گھیروں کے بھی ہو سکتے ہیں اور متقدمین میں سے بھی بعض اسی طرف گئے ہیں۔

وقال اٰخرون لأنها طرائق الکواکب فیها مسیرها (کبیر)

قیل الافلاک لانها طرائق الکواکب فیها مسیرها (کشاف)

أو لانها طرائق الکواکب فی مسیرها (روح)

اور ائمۂ لغت و نحو خلیل و فراء و زجاج کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ ہر وہ چیز جو ایک دوسرے کے اوپر ہو طریقہ کہلاتی ہے۔ گویا زمین کے اوپر تہ بہ تہ سات گھیرے ہیں۔

۱۵؎ (چنانچہ اپنی قدرت کا اظہار کرتے بھی رہتے ہیں)

ان سب پُر حکمت افعال تکوینی کا خالق تنہا وہی ذات واحد ہے۔ اندر دیوتا یا کوئی اور دیوی دیوتا اس کے شریک نہیں۔ اور نہ یہ کارخانۂ کائنات بطور ایک خودکار مشین کے چل رہا ہے۔

السماء۔ کے لفظ میں بادل کا مفہوم بہ آسانی شامل ہے۔

وقال بعضهم المراد السحاب وسماه سماء لعلوه (کبیر)

والمراد بالسماء جهة العلو أو السحاب۔ (روح)

بقدر۔ یعنی مقدار معین و مناسب میں، اور وقت مناسب پر۔ پانی کی مقدار اٹکل پچو نہیں۔

وانا لقدرون۔ اس میں اشارہ اس سائنسی حقیقت کی طرف بھی ہو گیا کہ اس کا صرف ایک جزو زمین میں خشک کر دیا جاتا ہے، اور باقی سمندروں میں براہ راست و بالواسطہ پھر ہوا کے ذریعہ اوپر اڑا دیا جاتا ہے۔

۱۶؎ (کبھی ان کو خشک کر کے اور انھیں رکھ کر اور کبھی تر و تازہ)

کثرت سے پھل ایسے ہیں جو اپنے ذائقہ اور خوشبو کے لئے مشہور ہیں۔ اور کثرت سے پھل ایسے بھی ہیں،

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا

اور تمھارے لئے غور کا موقع مویشیوں میں ہے۔ ہم تمھیں پینے کو دیتے ہیں ان کے پیٹ میں کی چیز کو اور تمھارے لئے ان میں

مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۲۴

بہت سے فائدے ہیں ۱۸ اور ان میں سے (بعض کو) تم کھاتے بھی ہو۔ اور ان پر اور کشتی پر سوار پھرتے ہو ۱۹

جو بطور دوا استعمال ہوتے ہیں داخلاً بھی اور خارجاً بھی ۔ پھلوں کے فائدے طبی کتابوں میں بکثرت مذکور ہیں۔

فیھا۔ ضمیر ھا جنّٰت کی طرف ہے ۔

فی الجنات (بیضاوی)

یہاں یہ بتایا کہ یہ عمل تکوینی بھی تمام تر حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ کھیت پات، رزق کا دیوتا کوئی الگ نہیں۔

نخیل وّ اعناب۔ کھجور کی اہمیت اور اس لئے اس کے ذکر کی تخصیص اہل عرب کے لئے بالکل ظاہر ہے۔ انگور بھی عرب کے بعض حصّوں کا خاص میوہ ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۶۶ کا حاشیہ۔

کھجور اور انگور دونوں دنیا کے اکثر حصّوں میں خوب روشناس و متعارف ہیں۔

منھا۔ میں ضمیر ھا کا مرجع فواکہ ہے۔

اور جائز ہے کہ جنّٰت بھی سمجھا جائے۔

تاکلون۔ اکل کا مفہوم عربی میں ”کھانے“ تک محدود نہیں۔ تمتّع کی اور بھی جو صورتیں ہیں اس کے تحت میں آجاتی ہیں۔

عبر بالاکل عن انفاق المال لما کان الاکل اعظم ما یحتاج فیہ الی المال (راغب)

۲۰ یہاں درخت کے نام کی تصریح نہیں، لیکن سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زیتون ہے۔

یعنی بھا شجرۃ الزیتون (ابن جریر)

والمراد بہ ھنا الزیت (روح)

زیتون خاص پیداوار ہے ملک فلسطین اور اس سے ملحق جزیرہ نما سیناء کی۔ اور ترکی و یونان بلکہ حوالی بحر روم کے سارے علاقہ کی۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

اس کی عمر بڑی طویل ہوتی ہے۔ اور آم کی طرح اس کی بھی دو قسمیں تخمی اور قلمی ہوتی ہیں۔ اس کی بلندی ۲۵ سے ۴۰ فٹ تک ہوتی ہے۔ اس کی پتیاں چمڑے کی سی ہوتی ہیں۔ اس کا درخت ۴۰ سال کی عمر میں شباب کو پہنچتا ہے، اور اس میں پھل لگتے ہیں۔ پھل بڑے بیر کے برابر ہوتا ہے۔ رنگ یاقوتی سرخ اور پختہ ہوکر سیاہی مائل۔ طب کی کتابوں میں زیتون اور اس کے روغن دونوں کے فائدے بے شمار لکھے ہوئے ہیں، دواؤں میں استعمال خارجی و داخلی دونوں طرح ہوتا ہے۔ اس کے روغن کی قوت، کہا جاتا ہے ۴ ہزار سال تک قائم رہتی ہے، اور وہ خراب نہیں ہوتا۔ چنانچہ یورپ اور افریقہ میں ہزاروں سال قبل کے برتن ملے ہیں جن کے اندر روغن زیتون خراب نہیں ہوا تھا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور بے شک ہم نے نوح کو بھیجا ان کی قوم کی طرف سو انھوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو

مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

اس کے سوا کوئی تمھارا معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ ۲۰ تو ان کی قوم میں جو کافر رئیس تھے وہ کہنے لگے کہ ۲۱

مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ

یہ (شخص) اور ہے کیا بجز اس کے کہ تمھارے ہی جیسا انسان ہے۔ ۲۲ چاہتا ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے۔ اور اگر خدا

روغن زیتون کے فوائد غذائی بھی اور خارجی استعمال میں بھی طب قدیم وجدید دونوں کو مسلّم ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

زیتون کا ذکر توریت وانجیل دونوں میں بار بار آیا ہے۔ مثلاً استثناء ۸-۸ قاضیون ۹-۸ متی ۶-۱۷ و ۲۵-۳ لوقا ۱۰-۳۴ نیز ملاحظہ ہو سورۂ انعام آیت ۱۴۱۔

نخیل واعناب۔ پر ملاحظہ ہو سورۂ نحل آیت ۱۱ کا حاشیہ۔

طورسیناء۔ جزیرہ نمائے سیناء کی کوئی پہاڑی جس کا نام طور تھا۔ ملاحظہ ہو سورۂ والتین۔

۱۸ جمادات ونباتات کی طرح چوپائے جانور اور مویشی بھی انسان کی خدمت ہی کے لئے ہیں۔ انھیں اپنا معبود یا مخدوم سمجھ لینا انسان کی انتہائی پستی اور نافہمی ہے۔

انعام پر حاشیے سورۃ الانعام اور سورۃ النحل میں گزر چکے ہیں۔

نسقیکم مما فی بطونها۔ مراد دودھ کا ہونا ظاہر ہی ہے۔

ولکم فیها منافع کثیرۃ۔ علاوہ غذائی مصرف کے گائے بیل کی کھال، بھیڑی کی اون بعض جانوروں کے سینگ وغیرہ یہ سب انسان کے کام کی چیزیں ہیں۔ اور جانوروں کی تجارت ایک بڑی نفع بخش تجارت۔

۱۹ بحری سواریاں جتنی بھی ایجاد ہوں سب فلک کے تحت میں آجائیں گی۔ لفظ کی وسعت میں "سفینہ" کے علاوہ نفس سواری یا مرکب کا مفہوم بھی داخل ہے۔

۲۰ (دوسروں کو شریک خدائی بناتے سے، اور اپنے انجام سے)

حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کے معاملات پر حواشی کچھ سورۃ الاعراف میں گزر چکے۔ کچھ آئندہ سورہ نوح وغیرہ میں آئیں گے۔

۲۱ (اپنی قوم کی عام پبلک سے)

عوام میں گمراہی عموماً ان کے سرداروں اور پیشواؤں ہی کے اثر سے پھیلتی ہے۔ روزمرہ کا تجربہ بھی اسکا شاہد ہے، اور قرآن مجید نے باربار یہ کہا بھی ہے۔

اللّٰہُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِکَۃً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾

(یہی) چاہتا تو وہ فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم نے یہ بات اپنے پہلے بڑوں سے تو سنی ہی نہیں۔ ۲۳ھ

اِنْ ھُوَ اِلَّا رَجُلٌ ۢ بِہٖ جِنَّۃٌ فَتَرَبَّصُوْا بِہٖ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ

پس یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہوگیا ہے سو ایک خاص وقت تک انتظار کرو۔ ۲۴ھ (نوح نے) عرض کیا

انْصُرْنِیْ بِمَا کَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْہِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْکَ

اے میرے پروردگار میرا بدلہ لے۔ کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ ۲۵ھ پس ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا کہ کشتی ہماری نگرانی میں

بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُکْ فِیْھَا مِنْ کُلٍّ

اور ہمارے حکم سے تیار کرو پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچے گا اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہو جائے تو ہر قسم کے

۲۲ھ (اور جب خالی خولی انسان ہی ہے تو پھر خدا کا اوتار یا دیوتا کیسے ہوسکتا ہے۔)
مشرک قوموں کی بنیادی غلطی یہی عقیدۂ رسالت میں گمرہی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی ہدایت کے لئے جب کوئی آئے گا وہ یا تو خود خدا ہوگا بہ شکل انسان، اور یا کوئی دیوتا۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے اس بنیادی گمرہی پر ضرب لگائی۔ اور بار بار اعلان کیا کہ رسول تو محض بشر ہی ہوتا ہے مع تائید وحی کے بجز دولت وحی کے کوئی شے بھی اس میں عام انسانوں سے زائد نہیں ہوتی۔ اہل توحید کو اور مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والوں کو یہ بات بالکل موٹی سی معلوم ہوتی ہے، لیکن مشرکوں کی سمجھ میں اتنی سی بات بھی نہیں آتی۔
مثلکم۔ سے مقصود اس داعی کی بشریت پر زور دینا ہے یعنی بشر اور وہ بھی ہم ہی جیسا بشر کسی چیز میں ہم سے ممتاز نہیں۔
۲۳ھ یعنی کیسی انوکھی اس شخص کی دعوت ہے۔ دیوی دیوتا جنھیں ہم اور ہمارے باپ دادا ہمیشہ سے مانتے چلے آئے ہیں، ان کا یہ شخص منکر ہے، اور سب سے نرالی بات یہ کہہ رہا ہے کہ معبود بھی خالی ایک ہی ہے! —— منکرین دعوت پیغمبر ہر دور میں اپنے زمانہ کے نہایت جمود پسند (کنزرویٹو) قسم کے لوگ ہوا کئے ہیں۔
یرید ان یتفضل علیکم۔ برتری سے دنیوی یعنی جاہ و ریاست کی برتری مراد ہے —— بدبخت منکروں نے ہمیشہ اپنے ظرف و طینت پر قیاس کر کے پیمبروں کی نیت پر بدگمانی کی ہے۔ اور انھیں اپنا ہی جیسا طالب دنیا فرض کیا ہے۔
لوشاء اللہ لانزل ملئکۃ۔ یعنی خدا کو ہماری اصلاح و ہدایت ہی اگر منظور ہوتی تو اس غرض کے لئے کوئی فوق البشر ہستی نازل کی جاتی نا۔ کوئی دیوی دیوتا آتے۔ کوئی اوتار جنم لیتا۔ یہ کیا کہ خالی خولی ایک آدمی کو پیام دے کر بھیج دیا۔

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا

(جانوروں میں سے) دو دو عدد اس میں رکھ لو۔ اور اپنے گھر والوں کو بھی اس میں (سوار کر لو) بجز اس کے جس پر ان میں سے حکم (غرق)

تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ

نازل ہو چکا ہے۔ ۲۶ اور مجھ سے ظالموں (کی نجات) کے بارہ میں کچھ نہ کہنا۔ بے شک وہ سب غرق ہو کر رہیں گے ۲۷ پھر جب

وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ

تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر بیٹھ چکیں تو کہنا کہ (ساری) حمد ہے اللہ کے لئے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے

الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾

نجات دی۔ ۲۸

ماسمعنا بھذا فی اٰبائنا الاوّلین۔ یعنی ہم جو تقلید آباء کے عادی ہیں اور خاندانی ریت رسم کے پجاری ابتدا ہی سے چلے آرہے ہیں ہم نے تو ایسی عجیب دعوت کبھی سنی تک نہیں۔

۲۴ (جب یہ خود ہی ایک وقت پر پہنچ کر ختم ہو جائے گا۔)

بہ جنّۃ۔ یعنی اسے جنون ہو گیا ہے یا یہ آسیب زدہ ہے۔

۲۵ پیمبروں کا بھی صبر غیر محدود نہیں ہوتا جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے پیام حق کی برابر تکذیب ہی ہو رہی ہے تو ایک مدت مدید کے بعد آخر ان کا پیمانۂ صبر بھی لبریز ہو جاتا ہے۔ اور وہ اسی دنیا میں نصرت الٰہی کے عملی ظہور کی دعا کرنے لگتے ہیں۔

۲۶ (اس کے کفر کی پاداش میں)

کافر نافرمان کے لئے کوئی گنجائش نجات و مغفرت کی نہیں۔ خواہ وہ نبی کا عزیز قریب ہی ہو۔

من کلّ زوجین اثنین۔ یعنی ایسے جانوروں میں سے جو کام آنے والے ہوں دو دو عدد۔

نوح، فُلک، تنّور، اور واقعۂ غرقابی پر حاشیے سورۂ ہود میں گزر چکے۔

۲۷ (ان کے حق میں سعی سفارش لاحاصل ہے)

الّذین ظلموا۔ اپنے حق میں ظلم کرنے والے یعنی کافر محاورۂ قرآن میں یہ استعمال عام ہے۔

ای الذین کفروا۔ (ابن جریر)

۲۸ انبیاء و مومنین کو ایک ایک ادب کی تعلیم اللہ کی طرف سے ہوتی رہتی ہے۔ اور ہر نعمت کو اسی کی جانب منسوب کرنا سکھایا جاتا ہے ــــ کسی نبی کی زبان سے کوئی ایسا فقرہ قرآن مجید میں نقل نہیں ہوا ہے، جس میں کسی بھی کامیابی کو اپنے زور بازو کا نتیجہ بتایا گیا ہو۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِىْ

اور کہنا کہ اے میرے پروردگار مجھے برکت کا اتارنا اتاریو اور تو سب اتارنے والوں میں اچھا ہے۔ ۲۹ اس سارے

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا

واقعہ) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں اور ہم آزماتے ہی رہتے ہیں۔ ۳۰ پھر ہم نے دوسرا گروہ ان کے بعد

اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

پیدا کیا۔ پھر ہم نے ان کی طرف ایک پیمبر کو ان ہی میں سے بھیجا (یہ پیام دے کر) کہ اللہ ہی کی پرستش

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

کرو تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے۔ سو کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ ۳۱

۲۹ یہ تعلیم دعا، اس وقت کے لئے ہے جب کشتی خشکی پر ٹھہرنے کے قریب ہو ـــــ یہاں بھی وہی بات بات میں دعا و مناجات، اور ہر چیز کی تفویض الی اللہ، اور ہر قدم پر ادائے شکر۔
یہ دعائیں پیمبر کو تو بہر حال تعلیم ہوئیں ہیں۔ لیکن امت مسلمہ کے بھی کتنے کام کی ہیں! ایسے ہر موقع پر وردِ زبان اور حرزِ جان بنا لینے کے قابل۔

۳۰ (اپنے بندوں کو ایسے ایسے حوادث تکوینی کے ذریعہ سے۔)
ذٰلِكَ۔ اس ساری روداد نوحؑ و قوم نوحؑ میں۔
لَاٰيٰتٍ۔ صیغہ جمع اس لئے کہ اس سارے واقعہ کے اندر بہت سی نشانیاں حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی ہیں۔

۳۱ (شرک اور انجام شرک سے)
من بعدھم۔ یعنی قوم نوحؑ کے بعد جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔
قرنا اٰخرین۔ یہ قوم کون سی ہے؟ عام رجحان یہ ہے کہ یہ قوم عاد یا قوم ثمود کی جانب اشارہ ہے بہر حال کوئی نہ کوئی مشرک ہی قوم تھی۔
رسولا منھم۔ عمومی سنت الٰہی یہی ہے کہ جس قوم کی ہدایت مقصود ہوتی ہے، اس کے لئے ہادی خود اسی قوم میں سے بھیجا جاتا ہے۔
ان .... تتقون۔ وہی دعوت توحید جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں ہر نبی مرسل کی رہی ہے۔ اس مشترک دعوت میں کبھی فرق ہی نہیں پڑا ہے۔

ع ۲ / ۲

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ

ان کی قوم میں جو سردار تھے اور جو کافر اور آخرت کے آنے کے جھٹلانے والے تھے، اور ہم نے انھیں

وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ

دنیا کی زندگی میں عیش بھی دے رکھا تھا۔ ۳۲ وہ بولے کہ یہ تو بس تمہارے ہی طرح کے ایک آدمی ہیں وہی کھاتے

مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا

ہیں جو تم کھاتے ہو۔ اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو ۳۳ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی

مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿۳۴﴾ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ

راہ قبول کر لی تو تم بڑے گھاٹے ہی میں رہے ۳۴ یہ (شخص) تم سے یہی کہتا ہے نا کہ جب تم مر جاؤ گے اور

تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿۳۶﴾

مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (پھر سے) نکالے جاؤ گے؟ بہت ہی بعید، بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے۔

۳۲ یہ آیت (دوسری متعدد آیات کی طرح) اس باب میں نص ہے کہ دولت و خوش حالی، کفر و شرک کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے —— آج جو خام کار مصلحین اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ دنیوی اور مادی ترقیاں اسلام صحیح ہی سے پیدا ہو سکتی ہیں وہ اس آیت اور ایسے ہی بہت سے دوسرے نصوص کو کیا کریں گے؟

۳۳ منکرین و مکذبین کی سب سے بڑی دلیل پہلے بھی یہی رہی ہے، اور اب بھی یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب مادی حیثیت سے ہم اور نبی یکساں ہیں طبعی حاجتوں کے لحاظ سے ہم میں یا اس میں کوئی فرق ہی نہیں، وہ ہماری ہی طرح کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، سوتا جاگتا، لیٹتا، بیٹھتا ہے۔ تو اسے ہم نبی کیسے مان لیں؟ "خدا کا اوتار" یا بروز اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہی جو عجیب و غریب کرشمے دکھائے، ہوا پر اڑے، جانوروں سے باتیں کرے، بھوک پیاس وغیرہ کی طلب سے آزاد ہو، غرض ہر مادی اعتبار سے انسان نہ ہو، بلکہ کم از کم فوق البشر تو ضرور ہو!

۳۴ (عقلی اور عملی نتائج کے لحاظ سے)

یعنی اپنی رائے اور اپنے آزاد مشرب کو چھوڑ کر اگر تم ایک اپنے ہی جیسے انسان کی بتائی ہوئی راہ پر پڑ لئے تو اس سے بڑھ کر بے وقوفی اور کیا ہو گی؟ یہ تو بڑا نقصانِ عقل ہوا۔ اور پھر یہ خدا معلوم تمہیں کیسی کیسی مادی مضرتوں میں مبتلا کر دے!

بشرًا مثلکم۔ ابھی پہلی آیت میں بشرٌ مثلکم گزر چکا ہے۔ منکرین کا سارا زور اسی بشریت و

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾

بس زندگی تو ہماری یہی دنیوی زندگی ہے۔ کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم ہرگز (دوبارہ) اٹھائے جانے والے

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾

نہیں ۳۵؎۔ یہ تو بس ایک انسان ہی ہے جس نے خدا پر جھوٹ گڑھ لیا ہے اور ہم تو ہرگز اس کو ماننے والے نہیں ہیں ۳۶؎

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ

(پیغمبر نے) کہا اے میرے پروردگار میرا بدلہ لے کہ انھوں نے مجھے جھٹلایا۔ (اللہ نے) فرمایا عنقریب یہ لوگ یقیناً

نَادِمِينَ ﴿۴۰﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً

پچھتا کر رہیں گے۔ پس انھیں ایک سخت آواز نے موافق وعدۂ برحق کے آپکڑا تو ہم نے ان کو خس و خاشاک بنا دیا ۳۷؎

تثلیث پر تھا۔

۳۵؎ مادیت و دہریت کا پورا فلسفہ ان سطروں میں آگیا۔ دین صحیح کے داعی کا اصلی کام ان ہی خیالات و عقائد پر ضرب کاری لگاتا ہے۔ اور یہی خیالات و عقائد، نام اور اصطلاحیں بدل بدل کر، ہر زمانہ اور ہر ملک میں منکرین و مکذبین کی زبان سے ظاہر ہوا کئے ہیں، خلاصہ اس انکار تکذیب والحاد کا یہی نکلتا ہے' کہ "آج" کے نقد کو چھوڑ کر "کل" کے ادھار کی طرف توجہ کرنا ہی حماقت ہے۔ ساری کوشش مادّی علوم کی تحصیل اور حصول دنیا کی تکمیل میں صرف کرو۔ اس جگمگاتی ہوئی دنیا کے ہوتے ہوئے ایک خیالی قسم کے عالم آخرت کے پیچھے سر کھپانا اور وقت ضائع کرنا ہی نادانی ہے۔

هيهات هيهات۔ کلمہ کی تکرار زور و تاکید کے لئے ہے۔

تكرير لتاكيد البعد (روح)

۳۶؎ خدا پر افتراء یہی کہ مثلاً خدا اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے۔ خدا اکیلا بغیر کسی شریک سہیم مصاحب کے ہے۔ اس مادّی زندگی کے بعد اور اس سے اہم تر ایک دوسری زندگی بھی پیش آنا ہے وغیرہا۔ ملحد و مشرک قومیں ان عقائد کو تمام تر بے بنیاد بلکہ مضحکہ خیز سمجھتی رہی ہیں۔

ان هو الا رجل۔ بس ایک انسان محض، نہ دیوتا نہ فوق البشر۔

۳۷؎ یعنی ان قوموں کو ہلاک و برباد کرنے کے بعد' ان کے مسکنوں تک کو ویران کر دیا۔

ربّ انصرنی بما کذّبون۔ پیمبر بھی ایک مدّت کے صبر آزما انتظار کے بعد مایوس ہو کر فریاد و استغاثہ پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

بالحقّ۔ سے مراد ہے اس صحیح وعدہ کے مطابق جو رسول سے ہو چکا تھا۔

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا

سو خدا کی مار ظالم لوگوں پر ۳۸ؔ پھر ہم نے ان کے بعد دوسرے گروہوں کو

اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

پیدا کیا۔ ۳۹ؔ کوئی امّت اپنے مقررہ وقت سے پیش دستی کرسکتی ہے اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے ہیں ۴۰ؔ

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا

پھر ہم نے اپنے پیمبروں کو متواتر بھیجا۔ جب کبھی کسی امّت کے پاس اس کا پیمبر آیا تو انھوں نے اسے جھٹلایا سو ہم نے

بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

بھی انھیں ایک کے پیچھے ایک کو لگا دیا ۴۱ؔ اور ہم نے انھیں کہانیاں بنا دیا۔ سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے تھے ۴۲ؔ

ای بالوعد الصدق الذی وعدہ الرسول (روح)

الصَّیحۃ۔ سے مراد تند آندھی بھی ہوسکتی ہے، زلزلہ بھی، غرض عذاب کی ہر صورت۔

عمّا میں عن مرادف ہے بعد کا۔ اور ما تاکید کے لئے ہے۔

عن بمعنی بعد ھنا (روح)

ما زائدۃ مؤکدۃ (قرطبی)

قلیل۔ کو زمان قلیل کے معنی میں لیا گیا ہے۔

ای عن زمان قلیل۔ (بیضاوی)

۳۸ؔ ظالم سے مراد کافر و منکر ہیں۔ اور ظالم کا یہ مفہوم قرآن میں عام ہے، خصوصاً جب یہ کسی قوم یا امّت کے لئے آتا ہے۔

۳۹ؔ (اور یہ مختلف امّتیں بھی تکذیب انبیاء کی پاداش میں اپنے اپنے وقت پر ہلاک ہوتی رہیں)

۴۰ؔ (وقت ہلاکت کے لحاظ سے)

یعنی جس قوم کو جس وقت ہلاک ہونا ہی تھا وہ عین وقت معیّن پر ہلاک ہوئی۔ نہ اس سے ذرا پہلے نہ اس سے ذرا پیچھے۔ خدائی پروگرام میں کوئی آگا پیچھا ممکن ہی نہ تھا۔

۴۱ؔ (ہلاک ہونے میں)

یعنی جوں جوں جو قوم اپنے رسول کی تکذیب کی مجرم ہوتی رہی اسی نسبت و ترتیب سے وہ ہلاک و برباد کی جاتی رہی۔

۴۲ؔ یعنی وہ ایسے نیست و نابود ہوئے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا، بس محض ان کے تذکرے

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو بھیجا اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا

فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس سوان لوگوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی نخوت والے ۴۳ چنانچہ وہ بولے

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾

کیا ہم اپنے ہی جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں درآنحالیکہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم ہے ۴۴

اور قصے رہ گئے، کہ لوگ سنیں اور عبرت حاصل کریں۔

ای صاروا یتحدث بھم و بحالھم فی الاھلاک علی سبیل التعجب والاعتبار وضرب المثل بھم۔ (بحر)

یہ فقرہ محل ذم پر ہی آتا ہے، محل مدح میں نہیں آتا۔

قال الأخفش انما یقال ھذا فی الشر ولا یقال فی الخیر (قرطبی)

ولا تقال الاحد وثة عند الأخفش إلا فی الشر (روح)

احادیث جمع ہے احدوثۃ کی، جیسے اعاجیب جمع ہے اعجوبۃ کی۔

۴۳ قبول حق واتباع ہدایت کی راہ میں بڑا مانع یہی جذبۂ خودبینی واستکبار رہا ہے۔

قوموں کی خودبینی، نخوت، پندار تفوق، استکبار کو اگر سمجھنا ہو تو آج بھی گوری قوموں کا احساس نخوت وپندار کالی قوموں کے مقابلہ میں دیکھ لیا جائے!

بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ یعنی احکام اور معجزۂ صریح کے ساتھ۔

فرعون، موسیٰؑ، ہارونؑ وغیرہ پر حاشیے گزر چکے۔

۴۴ یعنی ایک تو یہ دونوں یوں ہی بشر ہیں ہمارے جیسے، کوئی فوق البشر نہیں، کوئی دیوتا نہیں اور پھر بشر کیسے! ایسے پست وحقیر کہ ان کی قوم کی قوم ہماری محکوم وغلام ہے، اسے تو آزاد کرا سکتے نہیں اور چلے ہیں ہمارے سامنے پیمبری کی ڈینگ مارنے!

شامت زدہ قوموں کی ہمیشہ یہ شامت رہی ہے کہ اصل مسئلہ پر جائے ذہن کے ساتھ غور ہی نہیں کرتے۔ صحیح تنقیح کو سامنے لاتے ہی نہیں، غیر متعلق اور دوسرے مسائل میں الجھ جاتے ہیں۔

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔ حکمراں ظاہر ہے کہ فرعون تھا، نہ کہ اس کی ساری قوم۔ لیکن وہی نفسیت بشری جو آج بھی پھیلی ہوئی ہے اس وقت بھی تھی، یعنی حکمراں قوم کا ایک ایک فرد اپنے کو ہی بجائے خود حکمراں سمجھ رہا تھا، اور پھر یہاں تو ذکر فرعون کے ارکان دربار کا ہے۔ وہ تو بہر حال اپنے کو حاکم سمجھتے ہی، اور

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے سو وہ ہلاک ہو کر رہے۔ اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو کتاب

الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً

دی تاکہ وہ لوگ ہدایت پائیں۔ ۴۵ف اور ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو ایک بڑا نشان

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ

بنایا ۴۶ف اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی۔

اپنی محکوم رعایا کے ایک ایک فرد کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہی۔

انگریز جب تک ہندوستان میں حاکم رہے ہر معمولی گورا بھی اپنے کو ہندوستانی رئیسوں، سرداروں سے بھی افضل سمجھتا رہا۔ اور آج ہندو قوم کا جو پندار برتری ہے ظاہر ہی ہے۔

عٰبِدُوْنَ۔ میں مفہوم پرستش یا پوجا کا نہیں محض کمال عبادت و فرمانبرداری کا ہے۔

۴۵ف ذکر اب فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد اسرائیلیوں کا ہو رہا ہے۔

الکتاب۔ سے مراد ظاہر ہے کہ توریت ہے۔

لعلھم۔ ضمیر جمع غائب اسرائیلیوں یا قوم موسیٰؑ کی جانب ہے، نہ کہ قوم فرعون کی۔

لا یجوز عود الضمیر الی فرعون وقومہ (بیضاوی)

اور تقدیر کلام بحذف مضاف یوں سمجھی گئی ہے۔ ای آتینا قوم موسیٰ۔ (روح)

۴۶ف (جیسا کہ ان کی پیدائش اور زندگی کے حالات سے ظاہر ہو کر رہتا ہے)

اٰیۃً۔ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے۔ اور بڑا نشان محاورۂ قرآنی میں وہ ہے جو معمولات عام سے ہٹ کر ہو۔

آیۃ دالۃ علی عظیم قدرتنا۔ (روح)

امام رازی نے فرمایا ہے کہ مریمؑ و ابن مریمؑ دو ہستیوں کا ذکر ہو کر قیاس یہ چاہتا تھا کہ اٰیۃ (واحد) کے بجائے صیغۂ تثنیہ آیتین استعمال ہوتا۔ لیکن قرآن مجید نے صیغۂ واحد لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات مراد نہیں، بلکہ کسی ایک ایسے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ دونوں شریک ہیں۔ اور یہ اعجوبہ ان کی پیدائش کا ہے۔

سلسلۂ اسرائیلی کے انبیاء کا ذکر یہاں صرف دو بڑے پیمبروں پر ختم کر دیا۔ ایک وہ جو اس اُمّت کے لئے کتاب، احکام، دستور شریعت لے کر آیا، دوسرا وہ جو اس سلسلہ کا خاتم ہوا۔

۳۰ ع ۱۸ / ۳

ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ

جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب تھی۔ ۴۷ اے پیغمبرو نفیس چیزیں کھاؤ

۴۷ یہ مقام کون سا تھا؟ اور یہ واقعہ کب کا ہے؟

بعض اہلِ تفسیر ادھر گئے ہیں کہ یہ ذکر حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت کا ہے۔ اس وقت حضرت مریمؑ کسی بلند ٹیلہ پر مقیم تھیں، اور نیچے چشمہ بہہ رہا تھا۔ جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے۔ قد جعل ربك تحتك سريا۔ ابن کثیر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

لیکن اکثر محققین کی رائے میں اس سے مراد ملک مصر ہے۔ اور اس آیت کا تعلق ایک دوسرے قصہ سے ہے۔

حضرت مسیحؑ کی پیدائش کے زمانہ میں ملک شام کا حاکم ہیرودس (HEROD) تھا اور فن نجوم و کہانت کے عروج کا زمانہ تھا۔ انجیل کی روایت ہے کہ اسے جوتشیوں سے یہ پتہ چلا کہ اسرائیلیوں کا آئندہ بادشاہ ایک گھر میں تولد ہو گیا ہے۔ اور وہ گھر حضرت مریمؑ کے شوہر یوسف نجّار کا تھا۔ اس نے چاہا کہ اس بچہ کو پکڑ کر قتل کر ڈالے۔ اور آئندہ کے لئے اندیشہ ہی باقی نہ رہے۔ یوسف اس سے قبل ہی غیبی اطلاع پاکر مع حضرت مریمؑ و عیسیٰؑ کے وطن چھوڑ مصر کے لئے روانہ ہو گئے۔

"خداوند کے فرشتے نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کے کہا کہ اُٹھ، بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا، اور جب تک کہ میں تجھ سے نہ کہوں، وہیں رہنا، کیونکہ ہیرودیس اس بچے کو تلاش کرنے کو ہے تاکہ اسے ہلاک کرے، پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہو گیا اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا۔" (متی۔ ۲ = ۱۳ و ۱۴)

اٰوینٰھما۔ سے بھی اشارہ یہی نکلتا ہے کہ موقع کوئی خطرہ کا تھا جس سے مریمؑ و ابن مریمؑ کو بچایا گیا۔ اور مفسرین کا بھی ایک گروہ اسی طرف گیا ہے کہ یہ تلمیح سفر مصر کی جانب ہے۔

ليس الربى الا بمصر (ابن کثیر عن ابن زید) وروی عن وھب بن منبہ نحو ھذا (ابن کثیر)

قال الكلبى ابن زيد هى بمصر (کبیر)

ربوۃ۔ کے لفظی معنی ٹیلہ یا بلند زمین کے ہیں۔

هى الارض المرتفعة (کشاف)

هى ما ارتفع من الارض دون الجبل (روح)

دوسرے مقامات مثلاً دمشق، رملہ، ایلیاء، بیت المقدس وغیرہ کے نام بھی نقل ہوئے ہیں ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

ایک نئے فرقہ نے دعویٰ یہ کیا ہے کہ اشارہ کشمیر کے بلند و سرسبز ملک کی طرف ہے۔ اور یہ واقعہ مصلوبیتِ مسیح سے بعد کا ہے، یعنی جب آپ صلیب سے زندہ اتر آئے تھے۔ لیکن اس دعوے کے ثبوت

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ؕ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً

اور نیک عمل کرو۔ ۴۸ میں خوب جانتا ہوں تمہارے کئے ہوئے کاموں کو۔ اور یہی تمہارا طریقہ ہے کہ وہ ایک

وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ ۴۹

میں جتنے بھی اجزاء پیش کئے گئے ہیں سب کچے اور کمزور ہی ہیں۔

۴۸ اور پیمبروں ہی کے ضمن میں حکم ان کی اُمتوں کا بھی آگیا۔

کلوا من الطّیّبٰت۔ میں ذکر تکوینی نعمت کا ہے۔

واعملوا صالحا۔ میں حکم تشریعی ہے۔

نفیس ولذیذ چیزوں سے۔ مراد ظاہر ہے کہ صرف حلال غذائیں ہیں۔ حرام غذا میں اگر لذت ہے بھی تو محض عارضی وفوری۔ جس پر حقیقۃً لذّت کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔

طیبات۔ پر حاشیہ کہیں گزر چکا ہے کہ اس سے مراد نفیس ولذیذ (حلال) غذائیں ہیں۔ یہ پیمبروں کے لئے ممنوع نہیں، بلکہ الٹے انھیں اس کی اجازت کھلے لفظوں میں ترغیبی پہلو کے ساتھ مل رہی ہے۔ ہماری شریعت اس کی قائل نہیں کہ انسان فاقہ پر فاقہ کرتا رہے، یا صرف نان خشک پر گزارہ کرے، اور اسے کمال روحانیت سمجھتا رہے۔ اسے حکم ہے کہ اللہ کی بخشی ہوئی ساری غذائی نعمتوں سے لُطف اٹھائے۔ البتہ اپنی عبدیت کو مستحضر رکھے، اور عمل صالح میں برابر لگا رہے۔

محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت میں رہبانیت کا ابطال ہے جس میں غالی صوفیہ مبتلا ہیں۔

حضرت مسیحؑ کا ذکر آتے ہی ذہن قدرۃً مسیحی راہبوں اور رہبانیت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اس کی تردید میں معًا طیباتِ رزق کا آجانا بہت ہی مناسب و موزوں ہوا۔

۴۹ (اور میرے احکام کی مخالفت نہ کرو۔)

خطاب وہی یاایھا الرّسل کے تحت میں چل رہا ہے۔ اور مخاطب جملہ انبیاء اور ان کے پیرو ہیں۔

فاتّقون۔ اللہ سے ڈرتے کے معنی بس اسی قدر ہیں کہ اس کے احکام کی مخالفت پر جرأت اقدام باقی نہ رہے۔ یہ معنی ہرگز نہیں کہ (نعوذ باللہ) اسے ہوّا بنا کر اس طرح ڈرا جائے جس طرح کسی جابر حاکم یا خوفناک دشمن سے ڈرا جاتا ہے ___ اللہ تو محبت ومحبوبیت کی چیز ہے۔ دہشت و وحشت کی نہیں۔ اس کا خوف، صرف خوف عقلی رہنا چاہئے نہ کہ خوف طبعی۔

امۃ۔ سے مراد یہاں دین یا مسلک ہے۔

امتکم ای ملتکم وشریعتکم (معالم۔ روح)

ای دینکم یامعشر الانبیاء دین واحد وملۃ واحدۃ (ابن کثیر)

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

پھر ان (کی امتوں) نے دین میں اپنا طریقہ الگ الگ اختلاف سے پیدا کر لیا۔ ہر گروہ کے پاس جو (دین) ہے وہ اسی میں مگن ہے۵۰

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ

سو آپ اُن کو اُن کی غفلت میں ایک خاص وقت تک پڑا رہنے دیجئے۵۱ کیا یہ لوگ یہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد

مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

دیئے چلے جاتے ہیں تو ہم اُن کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں؟ نہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۵۲

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ

بے شبہ جو لوگ، اپنے پروردگار کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں، اور جو لوگ اپنے پروردگار

رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

کی نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک نہیں کرتے،

امة واحدة - ای الملة والدین۔ (ابن جریر عن ابن جریج)

دین اللہ کی طرف سے ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔

۵۰ (اور باوجود وضوح حق ہو جانے کے اپنے ہی مسلک و طریق سے چمٹا ہوا ہے۔)

اُمت واحدہ کا یہ 'حزب' (گروہ در گروہ) بن جانا ایک لعنت ہے' اور قرآن نے اسے اسی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

۵۱ (اے ہمارے پیغمبر۔ اور ان کی ضد اور اصرار علی الباطل پر زیادہ غم نہ کیجئے)۔

یہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر کفار کا ہے۔

خطاب لہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شان قریش الذین تقطعوا فی امر الدین الحق۔ (روح)

حتّٰی حین۔ مراد وقت موت تک ہے ___ غفلت تو اسی ناسوتی دنیا تک ہے، جس کے بعد اسے لازمی طور پر دور ہوتا ہوگا۔

۵۲ یہ دھوکا عام و عالمگیر ہے۔ آج تک ہزاروں لاکھوں بد مذہب اسی میں مبتلا ہیں۔ تکوینی عیش و راحت کو اپنی حقانیت و مقبولیت کی دلیل سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ نظام تکوینی میں قانون ربوبیت کے ماتحت تو سانپ، بچھو، بھیڑیئے، اژدہے سب ہی کی پرورش و کفالت ہوتی رہتی ہے۔

محققین عارفین نے کہا ہے کہ جس طرح ظاہری نعمتوں سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے، اسی طرح باطنی نعمتوں (احوال، مواجید وغیرہ) پر بھی مطمئن و مغرور نہ ہو جانا چاہیئے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (۶۰)

اور جو لوگ دیتے رہتے ہیں جو کچھ دیتے رہتے ہیں اور ان کے دل اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انھیں اپنے پروردگار کے پاس واپس جانا ہے۔ ۵۳

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ (۶۱) وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا

یہ لوگ (البتہ) فائدے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہی ان کی طرف دوڑ رہے ہیں ۵۴ اور ہم کسی پر اس کی

اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۶۲)

وسعت سے زیادہ بار نہیں ڈالتے ۵۵ اور ہمارے پاس ایک رجسٹر ہے جو ٹھیک ٹھیک بتادے گا اور لوگوں پر ظلم ذرا نہ ہوگا۔ ۵۶

۵۳ (تو دیکھئے کہ ہمارے اعمال خیر قبول بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔)

الذین .... مشفقون۔ خدائے نادیدہ سے ڈرتے رہتے ہیں، اور اس لئے اس کی معصیت و نافرمانی سے بھی بچتے رہتے ہیں۔ خوف الٰہی پر حاشیہ ابھی گزر چکا ہے، ملاحظہ ہو حاشیہ ۴۹

الذین .... یشرکون۔ مشرکین عرب کا اصلی مرض یہی تھا کہ اقرار الوہیت کے ساتھ ساتھ شرک بھی کئے جاتے تھے —— تنہا وجود باری کا اقرار شریعت میں اسی لئے مستند و کافی نہیں جب تک کہ نفی شرک بھی ساتھ ہی ساتھ نہ ہو۔

یؤتون ما اٰتوا۔ ان کی یہ عطا و بخشش دین کی راہ میں، احکام الٰہی کے ماتحت ہوتی رہتی ہے،

عارفین نے کہا ہے کہ سالک کو اپنے اعمال اور اپنے نفس پر کبھی مطمئن نہ ہو جانا چاہیئے۔

۵۴ یعنی یہ اہلِ ایمان و اہلِ تقویٰ ہی نفع حاصل کرتے ہیں، نہ کہ وہ کافر و بے دین جو اپنی دنیوی کامیابیوں اور کامرانیوں پر مغرور ہو کر اپنے کو برسر حق سمجھ رہے ہیں۔

نسارع لهم فى الخيرات۔ کا گمان رکھنے والوں کی تردید میں الفاظ بھی ان ہی کے الٹ کر لے آئے گئے ہیں۔

الخيرات۔ یہاں طاعات کے معنی میں ہے اور ان کی طرف اہلِ ایمان ہی سبقت کرتے ہیں۔

الخيرات هنا الطاعات يسارع اليها اهل الايمان بالله ويجتهدون فى السبق اليها رغبة فيها وعلما بما لهم بها من حسن الجزاء (جصاص)

۵۵ (چنانچہ ایمان و تقویٰ کے جو کام اوپر بتائے گئے، وہ بالکل وسعت بشری کے حدود کے اندر ہیں) شریعت پُر رحمت کا یہ بنیادی قاعدہ قرآن نے بار بار بیان کیا ہے۔ اور یہ ہم ضعیفوں اور پست ہمتوں کے لئے بہت بڑا سہارا ہے!

۵۶ (بلکہ ہر ایک کی سعی پوری طرح مشکور ہوگی، اور ذرہ ذرہ ہر عمل خیر پر ثواب ملے گا۔)

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا

لیکن ان (کافروں) کے قلوب اس (دین) کی طرف سے غفلت (وجہالت) میں پڑے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان کے

عٰمِلُونَ ﴿٦٣﴾ حَتّٰىٓ إِذَآ أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْـَٔرُونَ ﴿٦٤﴾

(بُرے) عمل ہیں جو یہ کرتے رہتے ہیں ۵۷ یہاں تک کہ جب ہم ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو یہ فوراً چلا اٹھیں گے۔ ۵۸

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلٰى

اب چلاؤ مت ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی۔ ۵۹ میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی

عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلٰىٓ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ

جاتی تھیں تو تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے قرآن کا

سٰمِرًا تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾

مشغلہ بناتے ہوئے بے ہودہ بکتے ہوئے ۶۰

یہاں یہ بتا دیا کہ جس طرح اعمال خیر سہل ہیں، اسی طرح ان کا ثمرہ بھی یقینی اور غیر مشتبہ ہے۔ اس لئے سعی کے قابل تو بس یہی ایمانی زندگی ہے۔

کتٰب۔ مراد نامۂ اعمال ہے۔

ینطق بالحق۔ یعنی اس میں غلطی اور سہو کا احتمال ہی نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہی ٹھیک درج ہوگا۔

۵۷ جس طرح مومنین کا سرمایہ علاوہ ان کے ایمان کے، اعمال حسنہ و صالحہ ہوں گے۔ اسی طرح کافر علاوہ کفر کے طرح طرح کے اعمال بد میں بھی مبتلا رہتے ہیں۔

۵۸ (اور اپنا کبر و استکبار بھول بھال بے اختیار فریاد پر پاکرنے لگیں گے، اور عاجزی کے ساتھ رحم کی درخواست کرنے لگیں گے)

مترفیھم۔ یعنی ان کے بڑے بڑے لیڈر، سردار اور پیشوا جو اس وقت ہر طرح کا سامان جاہ و حشم رکھتے ہیں۔

بالعذاب۔ عذاب سے یہاں مراد عذاب بعد الموت ہے۔

۵۹ یہ دار العمل نہیں دار الجزاء ہے، یہاں چلانا، عاجزی کرنا سب لاحاصل ہے۔

۶۰ جو دار العمل تھا اس میں تو تمہاری یہ حالت تھی۔

شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ یہ فخر و ناز کرنے والے قریش تھے جنھیں فخر تولیت خدمت کعبہ

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾

کیا ان لوگوں نے (اس) کلام میں غور نہیں کیا؟ کیا (یہ بات ہے کہ) ان کے پاس وہ بات آئی جو ان کے اگلے بڑوں کے پاس (کبھی) نہیں آئی تھی؟ ۶۱

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ

یا یہ لوگ اپنے رسول کو پہچان نہ سکے۔ اور اس لئے ان کے منکر رہے ہیں؟ ۶۲ یا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ انھیں جنون

جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٠﴾

ہے؟ ۶۳ اصل یہ ہے کہ یہ (رسول) ان کے پاس حق لے کر آئے اور ان میں سے اکثر حق (ہی) سے نفرت رکھتے ہیں۔ ۶۴

پر تھا۔

مشائخ محققین نے اس سے اخذ کر کے کہا ہے کہ اپنی کسی نسبت یا فضیلت اضافی پر، مثلاً اس پر کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں، فلاں فلاں برکات کے حامل ہیں، مذموم ہے۔

۶۱ یعنی کیا تکذیب کی بنیاد یہ ہے کہ وحی و رسالت کا تخیل ہی ان کے لئے نامانوس ہے۔ اور یہ آواز پہلی بار ان کے کان میں پڑ رہی ہے۔

أفلم يدبروا القول۔ یعنی اگر یہ لوگ اس کلام پر غور کرتے تو اس کے اعجاز کے قائل ہو جاتے اور تکذیب سے باز آجاتے۔ یہاں تکذیب کا اصل باعث بے التفاتی کو ٹھہرایا ہے۔

۶۲ أم لم يعرفوا رسولهم۔ یعنی رسول کے صدق سے، دیانت سے، امانت سے ناواقف تھے؟ مطلب یہ ہے کہ ان کفار معاصرین کے انکار کی ممکن وجہ یہ ہے کہ یہ آپؐ کی سیرت سے، آپؐ کے اخلاق فاضلہ سے ناواقف ہیں، ظاہر ہے کہ یہ وجہ بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ تو آپؐ کی پاکیزہ سیرت کے پورے گواہ تھے۔

۶۳ نہیں بلکہ اس کے برعکس، وہ لوگ تو آپؐ کی اصابت رائے کے، فہم و ذکاوت کے پوری طرح قائل تھے۔ سو اس وجہ کا بھی باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

حیرت اور حیرت سے زیادہ عبرت کا مقام ہے کہ عرب کے ان جاہلین کے بالکل قدم بہ قدم، آج یورپ کے جاہلین جدید بھی، ایک طرف آپؐ کے کمال حکمت و دانائی کے قائل ہیں، یہاں تک کہ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی حکمت و خوش تدبیری سے قرآن نامی ایک کتاب گڑھ لی، سارے ملک عرب کی بیسیوں ٹکڑیوں اور ٹولیوں کو متحد کر لیا، سب کو ایک دین کا پابند بنا لیا، بڑے بڑے پُرقوت دشمنوں، مشرکین قریش و یہود مدینہ وغیرہ پر غالب آگئے، وقس علی ہذا ـــــ ایک طرف تو آپؐ کی دانائی، فرزانگی و خوش تدبیری کا اعتراف اس زور شور سے ہے، اور دوسری طرف آپؐ کو (نعوذ باللہ) نیم مجنون، صرع زدہ بتانے پر بھی اصرار جاری ہے!

۶۴ سو اصل وجہ ان فرض کی ہوئی وجوہ میں سے کوئی نہیں، بلکہ یہ ہے کہ انھیں حق ہی سے بیگانگی اور بیزاری ہے۔ کبھی تقلید آبائی کی بنا پر۔ کبھی بغض و تعصب کی بنا پر، کبھی کسی اور غرض خسیس کی بنا پر۔ اور

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ

اور اگر (دین) حق کہیں ان لوگوں کی خواہشوں کا تابع ہو جاتا تو آسمان و زمین اور جو ان میں (آباد) ہیں (سب) تباہ ہو جاتے ۶۵ؐ

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ؕ (۷۱) اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ

بلکہ ہم نے تو ان کے پاس ان کی نصیحت (ہی کی بات) بھیجی، سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں ۶۶ؐ کیا آپ ان سے

خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖۗ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (۷۲)

کچھ معاش طلب کرتے ہیں؟ ۶۷ؐ سو معاش تو آپ کے پروردگار کی (دی ہوئی) سب سے بہتر ہے اور وہی سب روزی دینے والوں سے بہتر ہے ۶۸ؐ

طلب حق تو ان میں کیا ہوتی، الٹی اس سے نفرت ہے۔

۶۵ؐ اگر دنیا میں نظام حق نابید ہو جائے تو پہلے تو تشریعی حیثیت سے اور پھر اس کے نتیجہ کے طور پر تکوینی حیثیت سے نظام عالم درہم و برہم ہو جائے ـــــ نظام تکوینی بھی اسی وقت تک تھما ہوا سنبھلا ہوا ہے، جب تک نظام شرعی کسی حد تک بھی جاری و نافذ ہے ورنہ اگر نظام شرعی یکسر باطل ہو جائے، ورنہ اگر سچ کی جگہ جھوٹ کی فرمانروائی ہو جائے، نکاح و ازدواج کے بجائے حرام کاری و عصمت ریزی عام ہو جائے، پانی اور شربت کے بجائے شرابیں ہی پی جانے لگیں، عدل کے بجائے ظلم و ستم کا راج ہو جائے، دیانت و امانت کی جگہ رشوت و خیانت گھر گھر پھیل جائے، عزت، مال اور جان سے امن اٹھ جائے تو نظام کائنات ہی درہم و برہم ہو کر رہے۔

تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ وتقديره في العربية ولو اتبع صاحب الحق قاله النحاس۔ (قرطبی)

ولو اتبع الحق اهواءهم۔ یہ ان منکرین کی خواہش کی طرف اشارہ ہے ـــــ ان لوگوں کا مذاق اسقدر فاسد ہو چکا تھا کہ اتباع حق کرنا تو الگ رہا، الٹا وہ دین حق کو اپنی ترمیمات کا تختۂ مشق بنانے کی فکر میں تھے ـــــ اور یہ قصہ منکرین معاصر رسول ﷺ پر ختم نہیں ہو جاتا، آج کے منکرین بھی اس کے مصداق ہیں۔

صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ اسی طرح اہل طریق بھی مریدین کی خواہشوں کا اتباع نہیں کرتے۔ بلکہ صرف حکمت و مصلحت کا اتباع کرتے ہیں۔

۶۶ؐ (اور اپنے نفع نقصان کی طرف سے اتنے اندھے ہو چکے ہیں، کہ عین اپنے نفع اور کام کی باتوں سے بھی آنکھیں بند کر لی ہیں)

۶۷ؐ (جیسا کہ اکثر جاہلی مذہبوں کے پروہت اور پجاری اپنے ماننے والوں سے طلب کیا کرتے ہیں۔) سوال کا مطلب یہ ہے کہ ایسے بے بنیاد وہم سے بھی تو یہ اپنی تکذیب کے لئے سہارا نہیں پا سکتے۔

۶۸ؐ (تو آپ اس حقیقت سے آشنا ہو کر تو کبھی اس خیال کی طرف رخ بھی نہیں کر سکتے۔)

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ

اور یقیناً آپ تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف بلا رہے ہیں ۶۹ اور یقیناً جو لوگ آخرت پر

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ

ایمان نہیں رکھتے وہ راہ سے بھٹکنے والے ہیں۔ ۷۰ اور اگر ہم ان پر مہربانی

وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ

کردیں، اور انھیں جو تکلیف ہے اسے دور ہی کر دیں تو بھی یہ لوگ اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں ۷۱ اور

اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى

بالیقین ہم نے انھیں عذاب ہی میں پکڑا لیکن ان لوگوں نے نہ اپنے پروردگار کے سامنے فروتنی کی اور نہ گڑگڑائے ۷۲ یہاں تک کہ

اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع ۴

جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے تو اس وقت یہ بالکل حسرت زدہ رہ جائیں گے ۷۳

خرجًا۔ اپنی تبلیغ و دعوت کا مالی معاوضہ۔

ای اجرًا علی ما جئتم بہ۔ (قرطبی)

علی اداء الرسالۃ (روح)

وھو خیر الرّٰزقین۔ یہ ہے صحیح اسلامی معاشیات کی بنیادی حقیقت، یعنی دنیوی آمدنی بھی آپ ہی آپ اور اٹکل پچو نہیں ہو جایا کرتی۔ معاش کا کلیدی ذریعہ خیر الرازقین ہی کا دست عطا ہے۔

فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ علماء و واعظین کو اجرت طلب کرنا ناجائز ہے۔

محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ جس کی اصلاح کی جائے اس سے مال طلب کرنا مذموم ہے اور مقصود میں مخل ہوتا ہے۔

۶۹ (علم، یقین و ایمان کی پوری مستحکم قوت کے ساتھ)

صراطٍ مّستقیم۔ سیدھی شاہراہ ہے، ہر ایچ پیچ کے راستہ اور پگڈنڈیوں سے الگ۔

۷۰ (اور وہ تو ہر سیدھی بات کو ٹیڑھی بنا لیں گے۔)

ہدایت کی طلب دل میں جبھی پیدا ہوتی ہے، جب پہلے آخرت کا یعنی اس ”آج“ کے بعد ایک ”کل“ کے ظہور کا یقین ہو لے، اور طلب کے بغیر یافت کیسی؟

۷۱ اس حد تک ان کی فطرت مسخ ہو چکی ہے، اور کفر و انکار پر اتنا جمود انھیں ہو چکا ہے — شریفوں اور کمینہ طبع لوگوں کے درمیان بھی فرق ہوتا ہے، مشرکین شرافت طبع سے بعید ترین مقام پر پہنچ گئے تھے۔

وَهُوَ الَّذِیٓ اَنۡشَاَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ؕ قَلِیۡلًا

اور وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ (لیکن) تم لوگ بہت ہی

مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَكُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَاِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۹﴾

کم شکریہ ادا کرتے ہو ۷۴ اور وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے تم کو زمین پر پھیلا رکھا ہے اور تم (سب) اسی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے۔ ۷۵

وَهُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ وَلَهُ اخۡتِلَافُ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ ؕ

وہ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے بس میں ہے رات اور دن کا الٹ پھیر، سو کیا تم

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۸۰﴾ بَلۡ قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوۡٓا ءَاِذَا

عقل سے کام نہیں لیتے ۷۶ نہیں بلکہ یہ لوگ ایسی ہی بات کہتے ہیں جیسے اگلے (کافر) کہتے آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب

مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدۡ وُعِدۡنَا نَحۡنُ

ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے؟ یہ وعدہ تو ہم سے اور ہمارے

وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸۳﴾

بڑوں سے پہلے ہی سے ہوتا آیا ہے یہ کچھ بھی نہیں ہے بجز اگلوں کی بے سند باتوں کے۔ ۷۷

۷۲ اشارۂ خصوصی معاصر معاندین رسول کے سلسلہ میں قحط مکہ کی جانب ہے، جو شہر نبوی میں ہوا تھا۔

فما استکانوا، وما یتضرعون۔ استکانۃ اور تضرع مرادف نہیں۔ اول کا تعلق ظاہر سے ہے، اور ثانی کا قلب سے ہے۔

۷۳ (کہ یہ کیا ہو گیا، اور اس وقت سارے حواس درست ہو جائیں گے)

عذاب شدید۔ یہ عذاب شدید آخرت میں تو یقیناً ہو گا۔ اور احتمال اس دنیا میں بھی ہے۔

۷۴ یعنی اتنا بھی تو نہیں کہ کم از کم ایسے قادر و منعم پر ایمان ہی لے آتے ـــــــ 'قلیل' یعنی اقل مرتبۂ ضرورت سے بھی کمتر۔

وجوّز ان تکون بمعنی النفی (روح)

۷۵ (قیامت میں)

اس میں اشارہ ادھر آ گیا کہ اس وقت اس کفران نعمت کی حقیقت معلوم ہو گی۔ فقرہ میں اثبات دو چیزوں کا ہے۔ ایک، سب کے حشر کا ـــ دوسرے اس حشر کے اللہ کی طرف سے ہونے کا۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ

آپ کہئے کہ زمین اور اس پر جو (رہتے بستے) ہیں کس کے ہیں اگر تم جانتے ہو؟ یہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ کے ہیں۔

قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ

آپ کہئے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے ہو؟ ۷۶ آپ کہئے کہ (اچھا) سات آسمانوں کا مالک اور عالی شان عرش کا مالک

الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ

کون ہے؟ تو ضرور وہ یہی جواب دیں گے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے۔ آپ کہئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے ہو؟ ۷۷ آپ کہئے کہ وہ

مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے۔ اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو؟

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب (صفت) اللہ ہی کی ہے۔ آپ کہئے کہ پھر تمہیں کیسا خبط ہو رہا ہے ۸۰

۷۶ (اور اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے؟)
مطلب یہ ہے کہ ان ساری قوتوں کا مرجع و منبع تو وہی ایک ذات ہے۔ یہ سب دلائل و شواہد اس کی توحید کے ہیں۔ پھر تم پر کیا حماقت سوار ہے کہ تم متفرق و متعدد دیویوں دیوتاؤں کے قائل ہو۔
یحیی ویمیت۔ لہ.... النّھار۔ زندہ کرنے اور اٹھے یا ہلاک کرنے اور سارے تصرفات تکوینی سب اسی مالک واحد و خود مختار کے ہاتھ میں ہیں۔
۷۷ جزا و سزا، حشر و نشر سے انکار کوئی بیسویں صدی کی "نئی" روشن خیالی نہیں یہ قدیم گمراہی تو اتنی بوڑھی ہے کہ خود ابلیس کی ہم سن ہے۔
۷۸ (اور کیوں نہیں شرک سے دست بردار ہو جاتے ہو؟)
اللہ یعنی ایک رب الارباب کے وجود سے انکار کرکے چند خداؤں کا ماننا دنیا میں شاذ و نادر ہی رہا ہے۔ ورنہ عموماً شرک کے معنی تو بس یہ رہے ہیں کہ ایک طرف اقرار ایک رب الارباب کا بھی جاری رہے اور دوسری طرف کائنات کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کرکے ایک ایک شعبہ کا ایک ایک مستقل خدا یا دیوتا مانا جاتا رہے۔ زمین کا دیوتا الگ، آسمان کے دیوتا الگ، ہوا کا دیوتا الگ، پانی کا دیوتا الگ۔ وقس علیٰ ہذا قرآن گرفت اسی عام و عالمگیر مشرکانہ ذہنیت پر کر رہا ہے۔
۷۹ (اور اس کی قدرت کامل اور توحید کا انکار کیے جاتے ہو؟)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ

اصل بات یہ ہے کہ ہم نے انھیں حق بات پہنچادی ہے اور یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اللہ نے کسی کو بھی بیٹا نہیں قرار

وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

دیا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کرلیتا اور پھر ایک

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ

دوسرے پر چڑھائی کرتا۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں ۸۰ وہ جاننے والا ہے

۵ ع۱۵ ۵ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾

پوشیدہ اور ظاہر کا، غرض ان لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے۔ آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار اگر آپ مجھے (عذاب) دکھا دیں جس کا وعدہ ان سے کیا جا رہا ہے

جاہلی مذہبوں میں ایک بڑی جہالت یہ پھیلی رہی ہے کہ توحید کے اجمالی اقرار و اعتراف کے بعد بھی مقتضیاتِ توحید و مطالباتِ توحید پر ذرا سا بھی غور و توجہ کیے بغیر شرک بھی ساتھ ساتھ چلتا رہتا ہے۔

۸۰ (کہ مقدمات توحید تو تمھیں سب تسلیم ہیں، اور پھر اس کے قدرتی اور لازمی نتیجہ سے نکلے جاتے ہو!)

وھو یجیر۔ یعنی جسے وہ چاہتا ہے اپنی پناہ میں لے آتا ہے۔

ولا یجار علیہ۔ جیسا کہ مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ فلاں دیوتا کے قہر و غضب سے فلاں دیوتا بچالیں گے ــــ عرب کی قبائلی قوموں میں "پناہ دینے" کا حق قبیلہ کے لئے خاص الخاص تھا۔ ہر مجرم اپنے قبیلہ کی پناہ اور حمایت میں رہتا تھا، اور جب تک خود قبیلہ ہی مجرم کو سزا دینے پر آمادہ نہ ہو جائے کوئی اسے سزا نہیں دے سکتا۔ آیت عرب جاہلی کو بتا رہی ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں قاعدہ نہیں چلتا۔ اللہ قادر مطلق ہے، وہی جس کو چاہے پناہ دے سکتا ہے۔ کسی کو یہ مجال نہیں کہ وہ اللہ کے مقابلہ میں کسی کو پناہ دے سکے۔

سیقولون للہ آیت نمبر ۸۵ میں تو للہ (بہ اضافۂ لام) پڑھا جائے گا اور دوسری اور تیسری جگہ (آیت نمبر ۸۷ اور نمبر ۸۹ میں) ایک قرأت کے اعتبار سے اللہ (بلا اضافۂ لام) بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اہلِ عربیت نے کہا ہے کہ دونوں ترکیبیں بالکل درست ہیں، پہلی ترکیب لفظ کے لحاظ سے ہے، اور دوسری معنی کے لحاظ سے۔

القرأۃ بغیر لام علی الظاھر، وباللام علی المعنی۔ وکلا الأمرین جائزان (روح)

فبا للام علی المعنی وبغیر اللام علی اللفظ (کشاف)

اور صاحبِ روح المعانی نے دونوں کی سند میں دو شعر نقل کئے ہیں اور قرطبی نے بھی ذرا بسط سے اس پر کلام کیا ہے اور ایک شعر بھی سند میں پیش کیا ہے۔

۸۱ مشرک قوموں کی خرافی روایات (مائتھالوجی) ان قصوں سے بھری پڑی ہیں کہ فلاں دیوتا

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ

تو اے میرے پروردگار مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیو ۸۲ اور ہم بے شک اس پر قادر ہیں کہ ہم جو وعدہ ان سے

لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٥﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا

کر رہے ہیں وہ آپ کو بھی دکھا دیں ۸۳ (ان کی) بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کیجئے جو بہت ہی اچھا ہو ۸۴ ہم خوب جانتے ہیں

يَصِفُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾

جو یہ (آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں ۸۵ اور آپ کہئے کہ اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے ۸۶

اور فلاں دیوتا سے یوں جنگ ہوئی۔ اس نے اس پر یوں چڑھائی کی۔ وہ اس پر یوں غالب آیا وغیرہا۔

قرآن نے ایک مختصر سے بلیغ فقرہ میں ان لوگوں کی دیومالا کا گویا ست کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

ما اتخذ اللہ من ولد۔ اللہ کے نہ کوئی بیٹا ہے جیسا کہ بدنصیب مسیحیوں نے سمجھ رکھا ہے، اور نہ اس کے کوئی بیٹی ہے جیسا کہ بدبخت مشرکوں نے گڑھ لیا ہے۔

وماکان.... بعض۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر معبودوں میں تعدد ہوتا تو یہ نظام عالم پارہ پارہ ہو کر رہ جاتا لیکن ایسا نہ ہوا بدیہی ہے۔ اس لئے اس مفروضہ پر جمے رہنا گویا بداہت کا انکار کئے جانا ہے۔

۸۲ یہ تعلیم ہے دعا و آداب دعا کی، مطلب یہ ہے کہ ہر مومن کو اللہ سے ہی دعا کرتے رہنا چاہئے کہ "ارد گرد کی پھیلی ہوئی برائیوں سے جب عذاب نازل ہونے لگے تو مجھے محفوظ و مستثنیٰ کر دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں میں بھی اس لپیٹ میں آجاؤں" اور یہ مقام ہے کمال عبدیت کا۔

پیمبر یہاں محض واسطہ ہیں مقصود امت کو تعلیم دینا ہے۔ ظاہر ہے کہ پیمبر کے لئے مورد عذاب ہونے کا تو احتمال بھی نہیں۔

"دعا اول اس وجہ سے نہیں ہے کہ نعوذ باللہ ایسا امر محتمل ہو بلکہ اظہار ہے تہویل عذاب کا کہ جو محل اس کا محتمل بھی نہیں ہے جب وہاں امر ہے استعاذہ کا تو جو مستحق ہیں ان کو تو بہت ہی ڈرنا چاہئے، اور صحت سوال موقوف نہیں احتمال و توقع پر بلکہ مقدوریت بھی کافی ہے" (تھانوی)

۸۳ یعنی اللہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ آپؐ کی زندگی ہی میں عذاب ان پر لے آئے۔

۸۴ (اور ان کی شرارتوں، خیانتوں کا انتقام اپنی طرف سے نہ لیجئے، کیا عجب کہ دعوت و اصلاح کے حق میں آپ کی یہی بے نفسی مفید ہو جائے)۔

انتقام اپنے نفس کے لئے بھی لینا بالکل جائز ہے یہ لیکن پیمبر کا مقام رخصت کا نہیں عزیمت کا ہوتا ہے۔ اسے تعلیم اسی بلند مقام پر قائم رہنے کی دی گئی ہے ــــ یہ حکم اس وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ عذاب موعود نہ آئے۔ جہاد و قتال کا حکم حقوق دین کے تحفظ کے لئے ہے۔ اور یہ نرمی کی تعلیم حقوق نفس کے سلسلہ میں ہے۔ دونوں کا

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

اور اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ (شیطان) میرے پاس بھی آئیں ۵۸۷ (یہ کیا فر اپنی بکو اس سے باز نہیں آتے) یہاں تک کہ

قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ

ان میں سے کسی پر موت آ کھڑی ہوتی ہے ۵۸۸ (اس وقت) کہتا ہے کہ میرے پروردگار مجھے پھر واپس بھیج دے تاکہ جس (دنیا) کو چھوڑ آیا ہوں

اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠٠﴾

اس میں (پھر جا کر) نیک کام کروں ہرگز نہیں، یہ ایک بات ہی ہے جسے وہ کہے جا رہا ہے ۵۸۹ اور ان کے آگے ایک آڑ ہے (ان کے) دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک ۵۹۰

فرق خوب ملحوظ رہے۔

۵۸۵ (پس ہمارے عالم الغیب والشہادۃ ہونے کا استحضار رہے، تو آپ کو انتقام لینے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ ہم خود ہی ہر سزا کے لئے کافی ہیں۔)

۵۸۶ (کہ میں ان کافروں سے خلاف مصلحت مقابلہ پر آمادہ ہو جاؤں)

پیمبر کے لئے اس کا تو احتمال ہی نہیں کہ شیطان انھیں کسی معصیت پر لے آئے۔ پس زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ترغیبات سے کسی امر خلاف مصلحت پر آمادہ کر دے۔ یہاں اس سے بھی پناہ مانگنے کی دعا ارشاد ہو گئی ہے۔

عارفین نے کہا ہے کہ وسوسوں کا امکان جب منتہیوں کے لئے ہے تو مبتدی کہاں بچ سکتے ہیں۔

۵۸۷ وسوسہ ڈالنا الگ رہا۔ شیطان تو پیمبر کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائے ـــــ اور یہی حاصل ہے اس دعا و استعاذہ کا۔

۵۸۸ (اور انکشاف حقائق شروع ہو جاتا ہے)

حَتّٰۤى۔ اظہار غایت کے لئے ہے۔ یہاں اس کا تعلق یصفون سے ہے، درمیان آیت بطور جملہ معترضہ کے ہے۔

یتعلق بیصفون، ای لایزالون علی سوء الذکر إلی ھذا الوقت' والآیۃ فاصلۃ بینھما علی وجہ الاعتراض والتاکید للإغضاء عنھم (کشاف)

۵۸۹ اس بدبخت کی یہ تمنا ہرگز پوری نہ ہوگی، اور نہ اسے پورا ہونا چاہئے تھا۔ دنیا میں اس پر شامت اسی بنا پر سوار رہی کہ وہ غیب کو بھول گیا۔ یہی غیبت پھر جب اس پر طاری ہو گی تو پھر وہ آخرت و احکام آخرت کو اسی طرح بھول جائے گا۔

ارجعون۔ صیغہ جمع کا ہے۔ واحد کے لئے یہ جمع تعظیمی ہے۔

وھو یسأل اللہ وحدہ والرجعۃ علی عادۃ العرب فانھم یخاطبون الواحد بلفظ الجمع علی وجہ التعظیم ومثلہ کثیر فی القرآن (معالم)

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٠١﴾

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس روز نہ ان کے درمیان رشتے ناتے رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ ۹۱ؔ

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ

البتہ جس کسی کا پلہ بھاری ہوگا تو ایسے ہی لوگ تو کامیاب ہوں گے۔ ۹۲ؔ اور جس کسی کا پلہ ہلکا

مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ

ہوگا سو بس یہی تو وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر لیا۔ اور جہنم میں ہمیشہ

خَالِدُونَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿١٠٤﴾

کے لئے رہیں گے۔ ان کے چہروں کو آگ جھلستی ہوگی اور اس میں ان کے منھ بگڑے ہوئے ہوں گے۔

أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٠٥﴾

کیوں کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں جنھیں جھٹلایا کرتے تھے؟ ۹۳ؔ

خطاب اللہ بلفظ الجمع للتعظیم۔ (کشاف)

۹۰ؔ موت ناسوتی کے بعد یوم حشر تک روح انسانی ایک درمیانی عالم میں رہتی ہے اسی کا اصطلاحی نام عالم برزخ ہے۔

قیل البرزخ ما بین الموت إلی القیامۃ (راغب)

۹۱ؔ جب قیامت واقع ہوگی تو اس کا ہول و عذاب اور بھی شدید تر ہوگا۔ اس روز دنیا کے رشتے ناتے، دوستی، تعارف کچھ کام نہ آئے گا ــــ ضمناً اس میں رد آگیا یہود اور بعض مشرک قوموں کا جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ان کے اکابر و اجداد انھیں بخشوا لیں گے۔

بعض محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ یہ وعید کافروں کے حق میں ہے، اور وعید سے متعلق یہ قاعدہ مقرر ہو چکا ہے کہ مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔ اس لئے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہل ایمان کو نسبت اپنے اپنے بزرگوں کے ساتھ نافع ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

۹۲ؔ (نہ کہ کوئی اور)

اس روز کام آنے والی چیز صرف ایمان ہوگی۔ اور اہلِ ایمان کی شناخت یہ ہوگی کہ ان کے عقائد و اعمال کا پلہ میزان عدل میں بھاری ہوگا۔

۹۳ؔ یہ ان دوزخیوں سے اللہ تعالیٰ بے واسطہ یا بہ واسطہ ارشاد کرے گا۔ اور یہ دوزخی وہی ہوں گے

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾

وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہماری بدبختی نے ہم کو گھیر لیا تھا اور ہم گمراہ لوگ تھے۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اے ہمارے پروردگار ہم کو اس (جہنم) سے نکال دے۔ اب اگر ہم پھر ایسا کریں تو بے شک ہم (پورے) قصوروار ہوں گے ۹۴ف

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ

ارشاد ہوگا دھتکارے ہوئے اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ ایک گروہ ایسا بھی تو میرے بندوں ہی سے

عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

تھا جو (ہم سے) کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو تو سب

الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰىٓ اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ

رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔ تو تم نے انھیں تمسخر ہی رکھ لیا تھا یہاں تک کہ (اس مشغلہ نے) تم کو ہماری یاد بھی

مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا

بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کرتے رہے ۹۵ف میں نے آج ان کے صبر کا بدلہ یہ دیا کہ

جن کی متاعِ ایمان اس روز بے مایہ وبے وزن نکلے گی۔

۹۴ف اس وقت ہمیں سزا دے لینا لیکن اب تو چھوڑ ہی دے۔

وہاں پہنچ کر بڑے سے بڑا منکر اور مکذب بھی اقرار واعتراف وندامت وحسرت پر اپنے کو مجبور پائے گا۔ آج جنھیں بڑے بڑے دعوے اپنی (REALISM) (حقیقت پسندی) کے ہیں، کاش وہ واقعی بھی حقیقت پسند ہوتے!

۹۵ف کتنی صحیح، مؤثر وعبرتناک تصویر ہے! آج کتنے ہی منکر وکافر نہیں، نام کے مسلمان بھی اپنی "روشن خیالی" کے زعم میں ٹھیک اسی طرح کا مضحکہ سیدھے سادے دیندار مسلمانوں سے نہیں کیا کرتے!

انہ۔ کلمہ تعلیل کا ہے۔ اس سے محققین صوفیہ نے یہ نکالا ہے کہ اولیاء اللہ کی بڑی شان ہوتی ہے۔ اور مقبولین سے گستاخی وتمسخر کا انجام نار ہے۔

اخسئوا فیہا۔ احساء کا ترجمہ اردو کے کسی ایک لفظ سے دشوار ہے۔ عربی میں یہ لفظ کتے کے دھتکارنے کے موقع پر آتا ہے۔

خسأت الکلب فخسأ أی زجرتہ مستہینا بہ فانزجر (راغب)

اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

وہی (پوری طرح) کامیاب نکلے۔۹۶ ارشاد ہوگا کہ (اچھا) تم برسوں کے حساب سے کتنی مدت زمین پر رہے؟

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ

وہ کہیں گے ہم ایک دن رہے ہوں گے یا دن کا بھی کچھ حصہ سو تو گننے والوں سے پوچھ لے۔۹۷ ارشاد ہوگا کہ بیشک

اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

تم (دنیا میں) تھوڑی ہی مدت رہے کاش تم (اسے) سمجھتے رہے ہوتے!۹۸

کما یقال للکلب إخسأ ای ابعد۔ (قرطبی)

ای ابعد وا فیھا کما یقال للکلب إذا طرد إخساء۔ (معالم)

۹۶ (اور تم اپنی "روشن خیالی" پر گھمنڈ رکھنے والے اس ناکامی کے عذاب میں گرفتار نکلے۔ ان غریبوں کا کیا بگڑا، جو تمہارے تختۂ مشق تھے، چند روزہ کلفت کو صبر کے ساتھ برداشت کرلے گئے مصیبت تو تمہارے حصہ میں آئی۔)

"مطلب جواب کا یہ ہوا کہ تمہارا قصور اس قابل نہیں کہ سزا کے وقت اقرار کرنے سے معاف کردیا جائے کیونکہ تم نے ایسا معاملہ کیا جس سے ہمارے حقوق کا بھی اتلاف ہوا اور حقوق العباد کا بھی اور عباد بھی کیسے ہمارے مقبول اور محبوب جو ہم سے خصوصیت خاصہ رکھتے تھے کیونکہ ان کو سخریہ بنانے میں ان کی ایذاء کا اضاعۃ حق العبد ہے اور تکذیب حق جو منشاء سخریہ کا ہے کہ اضاعۃ حق اللہ ہے دونوں لازم آئے پس اس کی سزا کے لئے دوام اور تمام مناسب ہے اور مؤمنین کو جزائے فوز دینا منجملہ تمام سزا سے کفار کے لئے کیونکہ اعدا کی کامیابی سے روحانی تاذی ہوتی ہے۔" (تھانوی)

۹۷ (ہمیں اب کچھ یاد واد نہیں)

یہ جواب ان کی زبان سے تندت سراسیمگی اور حواس کی گمشدگی میں ادا ہوگا۔

العادّین۔ گننے والوں سے مراد فرشتے لئے گئے ہیں، کہ ان کے پاس بندوں کی ہر چیز کا حساب کتاب رہتا ہے۔

الملائکۃ الذین یحفظون اعمال بنی آدم ویحصونھا علیھم۔ (معالم)

۹۸ ارشاد ہوگا کہ یہاں کے طول و دوام کے مقابلہ میں تم دنیا میں بے شک بہت ہی قلیل مدت کے لئے رہے، لیکن کاش تم نے دنیا ہی میں دنیا کے بے ثبات اور زود فنا ہونے کا احساس کرلیا ہوتا۔ تم تو اسی ناسوتی زندگی پر مغرور و سرشار اسی کو تمام زندگی سمجھتے رہے ــــ یہ حسرت و یاس تو سب سے زیادہ آج کی مہذب و متمدن قوموں کو ہوگی جو اسی عنصری زندگی کو ساری ہی زندگی سمجھے ہوئے ہیں اور اس پر اصرار رکھتے ہیں۔

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمۡ اِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱۵﴾

ہاں تو کیا تمہارا خیال تھا کہ ہم نے تمھیں یوں ہی بلا مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہمارے پاس لوٹا کر نہ لائے جاؤ گے۔ ۹۹

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَـقُّ‌ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ۚ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡكَرِيۡمِ ﴿۱۱۶﴾

سو اللہ (بڑا) عالی شان ہے بادشاہ حقیقی ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں عرش بزرگ کا مالک ہے ۱۰۰

۹۹ تمہاری کیسی شدید حماقت تھی کہ تم اپنی تخلیق ہی کا مقصد نہ سمجھے، اور اسی کے دلائل کو جھٹلاتے رہے! مادی دنیا کی تحقیق کے پیچھے پڑے رہے، اور اپنی ذات اور اپنے نفس کے عرفان کی طرف ایک دن بھی توجہ نہ کی! اور ہماری اس درجہ صناعانہ اور حکیمانہ تخلیق کائنات کو سرے سے بے مقصد ہی سمجھا کئے! ــــ ملحد و مؤمن کے درمیان یہی تو اصلی فرق ہے کہ مومن اپنی زندگی کو با مقصد سمجھے ہوئے ہے اور ملحد بے مقصد۔

جس طرح شمع یا چراغ گل ہو جاتا ہے، ایسے ہی انسانی روح بھی معدوم محض ہو جاتی ہے۔ قرآن اسی خیال باطل کی پوری تردید کرتا ہے۔ اور انسان کی حیات دنیوی کا انجام پیش گاہ الٰہی میں حاضری بتاتا ہے ــــ اس میں رد آگیا ان باطل مذہبوں اور فلسفوں کا جو انسان کا انجام فنائے محض سمجھے ہوئے ہیں۔

۱۰۰ سو اس کے عظیم الشان دربار میں حاضری بھی کس درجہ مہتم بالشان ہو گی!

عرش جو مخلوقات میں سب سے بڑی چیز ہے، یاد رہے کہ اللہ اس کا بھی مالک ہے، پروردگار ہے نعوذ باللہ وہ خود کسی آسمان کے ساتھ متحد یا اس کا مترادف نہیں، جیسا کہ بعض "دانشمندوں" نے سمجھ رکھا ہے۔

اہل لغت تک نے تسلیم کیا ہے کہ عرش ایسا اسم ہے جس کی کوئی تعریف ذہن انسانی میں نہیں آسکتی۔

وعرش الباری سبحانہ ولا یحد (قاموس، لسان)

ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف کی آیت ثم استوی علی العرش کا حاشیہ۔

دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھئے تو صاف سبق یہ ملتا ہے کہ خدائے برتر یا خالق کائنات کا محض وجود تسلیم کر لینا ہرگز کافی نہیں۔ وہ عالی شان و عالی قدر ہستی تو ایسی ہے جس نے اس کائنات کی با مقصد تخلیق کی ہے، اور انسان کو ایک مقصد رکھنے والا جیوان بنایا ہے۔ جس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس عالی قدر خالق نے انسان کو زندگی کا ایک مکمل دستور العمل بھی عطا کیا ہے۔ اور انسان کا فرض محض خدا کو ماننا نہیں بلکہ اس کے احکام کی تعمیل کرنا ہے۔ احکام ظاہر ہے کہ رسول کے ذریعہ سے آئیں گے، اور ان کی تعمیل و عدم تعمیل کی جانچ حشر کے دن ہو گی ــــ اس طرح اگر صفات باری صحیح طور پر سمجھ لئے جائیں تو رسالت و آخرت دونوں کے عقیدے اس سے بطور فرع کے لازم آجاتے ہیں۔

۱۰۱ (بلکہ وہ ابدالآباد تک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔)

چاہے آج کمال حماقت سے اس عارضی، فانی دنیا کے تمام تر چند روزہ اور تلخیوں سے بھرے ہوئے عیش کو حاصل زندگی ہی سمجھتے رہیں!

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا

اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور خدا کو بھی پکارے حالانکہ اس کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں سو اس کا

حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ

حساب اس کے پروردگار کے ہاں ہوگا، یقیناً کافروں کو فلاح نہیں ہوتی کی ۱۰۱ اور آپ کہیئے کہ اے میرے پروردگار ع ۶

وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

میری مغفرت کر اور میرے اوپر رحم کر اور تو تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔ ۱۰۲

فانما حسابہ عند ربہ۔ یہاں غافل انسان کے احساس ذمہ داری کو ایک بار پھر بیدار کیا ہے اور یاد دلایا ہے کہ غیر اللہ سے لو لگانا کچھ بھی کام نہ آئے گا، پوری جواب دہی کرنی پڑے گی۔

انہ لا یفلح الکافرون۔ 'فلاح' سے اس سیاق میں مراد اُخروی اور انجام کار کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ مادی و عاجل نعمتیں تو کافروں کو بھی کثرت سے ملتی ہی رہتی ہیں۔

۱۰۲ اس الحاح و لجاجت کے ساتھ دعا کرتے کی تعلیم افضل البشر کو مل رہی ہے، تو دوسروں کا کیا ذکر ہے! اللہ اللہ، کتنا زور عبدیت پر، اور کتنی رعایت غیرت توحید کی ہے!

رب اغفر۔ ہر شخص کی مغفرت اس کے درجہ و مرتبہ کے متناسب ہوتی ہے پیمبر کی مغفرت ظاہر ہے کہ اعلیٰ ترین مرتبہ کی ہوگی۔

وارحم۔ یہ طلب رحمت کی درخواست ہر حال اور ہر مقام کے لئے ہے، معاش میں رحمت، درجۂ طاعات میں رحمت، مراتب نجات میں رحمت۔ وقس علیٰ ہذا۔

غفر و رحمۃ کے درمیان یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ غفر تو گناہوں کو مٹا دینا اور خلق کی نگاہ سے انھیں اوجھل کر دینا ہے۔ اور رحمت اقوال و اعمال میں توفیق خیر دینی ہے ــــ گویا غفر ایک طرح سے منزل سلبی ہے، اور رحمۃ منزل ایجابی۔

الغفر اذا اطلق معناہ محو الذنب وسترہ عن الناس والرحمۃ معناھا ان یسددہ ویوفقہ فی الاقوال والافعال (ابن کثیر)

سورۃ کا آغاز فلاح پانے والوں کے ذکر سے ہوا تھا، یعنی مومنوں کے (قد افلح المومنون)۔ اور خاتمہ ہوا ہے فلاح سے محروم رہنے والوں کافروں کے انجام پر (انہ لا یفلح الکافرون)۔ (کشاف و بیضاوی)

(۲۴)

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ

اٰيَاتُهَا ۶۴ — ۶۴ آیتیں

رُكُوْعَاتُهَا ۹ — ۹ رکوع

سورۂ نور مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ

(یہ ایک) سورت ہے کہ ہم (ہی) نے اس کو نازل کیا ہے۔ اور ہم (ہی) نے اس کو مقرر کیا ہے اور ہم (ہی) نے

لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

اس میں کھلی ہوئی آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو لے

لے (اور ان احکام کی اہمیت و معنویت کو سمجھ کر ان پر عمل کرو کہ ان پر انحصار انفرادی و اجتماعی فلاح کا ہے)

سورۃ۔ ترکیب میں مبتدا ہے، اور انزلنٰھا اس کی خبر ہے ــــــ یہ قول ابو عبیدہ واخفش کا ہے۔ (قرطبی) اور تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے ھذہ سورۃ۔ اس صورت میں انزلنا خبر ہوئی (بیضاوی) اور یہ قول زجاج و فرا اور مبرد کا ہے۔ (قرطبی)

انزلنٰھا۔ یعنی اس کے الفاظ کو نازل کیا ہے۔

فرضنٰھا۔ یعنی اس کے مضامین و مطالب ہم نے مقرر کئے ہیں مراد احکام سے ہے۔

وفرضنا ما فیھا من الاحکام (بیضاوی)

اٰیٰتٍ بیّنٰت۔ یعنی ان احکام پر کھلی ہوئی دلالت کرنے والی آیتیں۔

قرآن مجید تو ظاہر ہے سارے کا سارا حق تعالیٰ ہی کا نازل کیا ہوا، اور اس کے احکام سب اسی کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ پھر یہاں خصوصیت کے ساتھ ان چیزوں کو اپنی جانب منسوب کرنے کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اس سورت اور اس کے مندرج احکام کی اہمیت خصوصی ذہن نشین کرائی جائے۔ اور یہ جتا دیا جائے کہ ان احکام کو انسانوں کے دیئے ہوئے مشورے یا سفارشیں نہ سمجھو، اللہ کے دیئے ہوئے قطعی احکام ہیں، جن سے بندوں کی فلاح خصوصاً تدبیر منزل کی تمام تر وابستہ ہے ــــــ حدیث صحیح میں بھی حکم آیا ہے کہ اپنی عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دو۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص

زنا کار عورت اور زنا کار مرد، سو (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کے سَو سَو دُرّے مارو ۵ لے

سورت کے مرکزی مطالب عورت کی عفت سے متعلق ہیں عورت کی عفت و ناموس ہی خانگی زندگی کی جان ہے۔ اور یہ بنیادی نکتہ یاد رہے کہ اسلام نے معاشرہ کی بنیاد خاندان ہی کو قرار دیا ہے۔ اگر خاندان کا نظام صحیح اصول پر قائم ہوگیا تو اصلاح سارے معاشرہ کی ہو رہے گی۔ سورۃ کی اہمیت اس پہلو سے بھی ظاہر و روشن ہے ــــ آگے آنے والے احکام کو غور سے پڑھئے اور پھر اس عمل کو دیکھئے جو آزاد خیال مسلمان عورت نے پاکستان مصر، عراق وغیرہ اور خود ہندوستان میں اختیار کر رکھا ہے! سارا زور قرآن مجید نے عورت کی پاکیزگی اور حفظ عصمت پر رکھا ہے، نہ کہ اس کی اعلیٰ تعلیم اور اونچی ڈگریوں پر!

سورہ ماقبل کے آخری اجزاء افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا الخ سے مفہوم یہ پیدا ہوا تھا کہ خلق انسانی کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کو اس عالم میں احکام کا مکلف کیا جائے۔ اور ان ہی کی اطاعت و مخالفت پر اس عالم میں جزا و سزا کا اجراء ہو۔ سورہ موجودہ میں ان ہی احکام میں سے بعض اہم اجزاء کی تفصیل ہے۔

لے (اور اس جرم کو کوئی معمولی اور ہلکی بات ہرگز نہ خیال کرو۔)

الزانیۃ والزانی۔ زنا لغت میں ہر اس ہم بستری کے لئے عام ہے جو قید نکاح سے باہر ہو لیکن سنت رسولؐ نے اس عموم کو یہاں سیاق میں مخصوص و مقید کر دیا ہے۔ جیسا کہ اور بہت سے موقعوں پر کیا ہے۔ یہاں مراد وہ زانی اور زانیہ ہیں، جو آزاد ہوں، عاقل ہوں، بالغ ہوں، لیکن ہنوز ان کا نکاح نہ ہوا ہو، یا نکاح تو ہو چکا ہو لیکن ہمبستری کی نوبت ابھی نہ آئی ہو۔

مائۃ جلدۃ۔ یہ سَو تازیانوں کی سزا ایسوں ہی کے لئے ہے۔ باقی جو آزاد نہیں ان کی سزا اس کی نصف ہے۔ فعلیهن نصف ما علی المحصنات من العذاب (سورۃ النساء آیت ۲۵) اور جو عاقل بالغ نہیں وہ مکلف ہی نہیں۔ جس مسلمان میں پوری صفتیں جمع ہوں، یعنی وہ آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، نکاح اور ہم بستری کر چکا ہو، اس کے لئے شریعت میں اصطلاح محصن یا محصنہ کی ہے۔ اس کے لئے سزائے زنا رجم یا سنگساری ہی ہے تا آنکہ وہ مر جائے۔ یہ سزا سنت رسولؐ سے، تعامل صحابہ سے، مجتہدین امت کے اجماع سے متفقہ طور پر ثابت ہے۔ اختلاف کسی سے منقول نہیں، بجز خوارج اور بعض خوارج جدید کے۔

ویکفینا فی تعیین الناسخ القطع بامرہ صلی اللہ علیہ وسلم بالرجم و فعلہ فی زمانہ علیہ الصلاۃ والسلام مرات فیکون من نسخ الکتاب بالسنۃ القطعیۃ وقد اجمع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن تقدم من السلف وعلماء الأمۃ وائمۃ المسلمین علی أن المحصن یرجم بالحجارۃ حتی یموت، وانکار الخوارج ذلک باطل (روح)

والظاہر انہ لیس علی الزانیۃ والزانی حد غیر الجلد فقط، وھو مذھب الخوارج، وقد

وَلَا تَأۡخُذۡكُمۡ بِهِمَا رَاۡفَةٌ فِيۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ

اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنے پائے، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر

وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِۚ

ایمان رکھتے ہو۔۵۳

ثبت الرجم بالسنة المستفيضة وعمل به بعد الرسول خلفاء الاسلام أبوبكر وعمر وعلي ومن الصحابة جابر وأبوهريرة وبريدة الأسلمي وزيد بن خالد۔ (بحر)

لیکن یہ کتاب وسنت کے درمیان جزئی تعارض بھی کیسا ہے؟ کتاب اللہ تو سزا سو تازیانے مقرر کر رہی ہے، اور سنت رسولؐ و تعامل صحابہ سے شادی شدہ کے لئے رجم یا سنگساری ثابت ہو رہی ہے ـــــــ سوال اس زمانہ میں شدت کے ساتھ آیا ہے۔ اور علماء نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ لیکن حقیقی جواب بالکل صاف و سہل ہے ـــــ شادی شدہ زانیہ تو علاوہ اپنی عصمت برباد کرنے کے اپنے شوہر سے عملی غداری و بے وفائی بھی تو کرتی ہے، اور اس طرح زنائے مفرد کی مرتکب ہی کب رہتی ہے؟ وہ تو دہرے اور مرکب جرم کی مجرم ہو گئی۔ اس لئے بالکل قدرتی اور عین مقتضائے عدل ہے کہ اسے سزا بھی دہری یا دگنی ملے۔ اور اس کے لئے سنت رسولؐ نے سزائے رجم رکھ دی۔ وقس علیٰ ہذا شادی شدہ زانی بھی قطع نظر اس کے کہ اپنی بیوی کے حق کا اتلاف کرتا ہے، لذت ہم بستری سے طبعاً لذت گیر ہونے کے بعد مزید ہوس و نفس پرستی میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس لئے اسے بھی سزا دہری ہی ملنا چاہیئے۔ محض زنا کے جرم مفرد کی سزا تو سنت نے بھی محض تازیانہ زنی ہی رکھی ہے۔ رجم سزا صرف زنائے مرکب یا دہرے جرم کی ہے۔

فاجلدوا۔ اس حکم کے مخاطب امرائے اسلام ہیں۔ یعنی امیر المؤمنین یا ان کے مقرر کئے ہوئے قاضی و حاکم۔ اور اجرائے حدود کا محل دار الاسلام ہے، دار الحرب نہیں۔

الخطاب للائمة لأن اقامة الحد من الدين (مدارک)

لاحد على من زنى في دار الحرب (روح)

لاخلاف أن المخاطب بهذا الأمر بالجلد الامام ومن تاب عنه (ابن العربي)

الأمر للامام ونوابه بالجلد (نهر)

فاجلدوا۔ میں ف سببیہ ہے۔ (روح)

حد اصطلاح شریعت میں اس سزا کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہو۔ اور اس کی مقدار شارع کی متعین کی ہوئی ہو۔ اس کا نفاذ حکم امیر اسلام کے بغیر جائز نہیں اور اس میں تخفیف و ترحم کا حق امیر کو بھی حاصل نہیں۔ البتہ قبل ثبوت ابتداءً اس کی جانب سے اعراض و چشم پوشی اولیٰ ہے۔ ان ہی حدود میں سے ایک حد زنا ہے جو یہاں مذکور ہوئی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ آج بھی جن ملکوں میں حد شرعی جاری ہے، وہاں جرم زنا آج بھی گویا عنقا ہے۔

وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِىۡ لَا يَنۡكِحُ

اور چاہیئے کہ دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت موجود رہے ؀ زنا کار مرد نکاح بھی کسی کے ساتھ

اِلَّا زَانِيَةً اَوۡ مُشۡرِكَةً ۡ

نہیں کرتا بجز زنا کار عورت یا مشرک عورت کے ؀

اجرائے حد زنا کی شرط یہ ہے کہ چار کی تعداد میں مسلم، عاقل، بالغ، عادل گواہ چشم دید تفصیلی شہادت دیں یا مجرم خود چار بار اقرار کرے۔ شبہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔ عورت اگر مجنون، مجبور، بے ہوش یا نیند سے معذور ہو تو سزا اسے معاف رہے گی اسی طرح مرد مجبور بھی ماخوذ نہ ہوگا۔

؀ مطلب یہ ہے کہ یہ حکم مؤکد ہے۔ اور تمہارے ایمان کی پختگی کی آزمائش کا ذریعہ۔ پرانی اُمتیں ان ہی موقعوں پر بےجا مروت اور بےمحل نرمی برتنے سے تباہ ہو گئی ہیں، یہود علی الخصوص۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔ اور غور کیجئے کہ یہ سزائے سخت بھی مجرموں کے حق میں سرتاسر رحمت ہی ہے۔ یہاں سزا بھگت لینے کے بعد ان شاء اللہ وہاں پاک وصاف ہو کر اٹھیں گے۔ اور اس وقت قدر ہوگی کہ کیسے سستے چھوٹ کر رہے۔

فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ۔ یعنی شریعت الٰہی کے نفاذ کے معاملہ میں مطلب یہ ہے کہ کوئی مروت اور بےجا نرمی تمہیں اجرائے حد سے باز نہ رکھے۔ یہ مراد نہیں کہ سزا پانے والے کے ساتھ تم طبعی ہمدردی بھی نہ محسوس کرو۔

وَلَا تَاۡخُذۡكُمۡ۔۔۔ دِيۡنِ اللّٰهِ۔ اجرائے سزا میں کوئی بےجا نرمی اور رعایت نہ پیدا ہونے پائے۔ حکم کا یہ جزو علاوہ اپنے عملی پہلو کے نظری و اصولی حیثیت سے بھی بڑا اہم ہے۔ جرم کا ثبوت تو بیشک پختہ ہونا چاہیئے، محض بدگمانی یا احتمالات کی بنا پر کوئی سخت کارروائی بےشبہ ہرگز نہ ہونا چاہیئے لیکن جب اثبات جرم ایک بار ہو گیا تو اب سزا کے نفاذ میں ڈھیل ڈالنا سرتاسر بےعقلی اور فرد و اجتماع دونوں کے حق میں شدید بےتدبیری ہے۔ جن قوموں نے اجرائے سزا کے باب میں نرمی، مروت، رعایت کا پہلو اختیار کیا ہے انہیں آخر پچھتانا پڑا ہے۔ اور روزافزوں ابتری کے تجربہ کے بعد بالآخر سزا میں سختی از سرِ نو اختیار کرنا پڑی ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال روس کے قانون فوجداری میں ملتی ہے۔

؀ (تاکہ ایسے مجرموں کی تشہیر و تفضیح بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتی جائے، اور دوسروں کو عبرت بھی پوری طرح حاصل ہوتی رہے۔)

وَلۡيَشۡهَدۡ۔۔۔ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔ سزا کا یہ جزو بھی بڑا اہم اور قابل غور ہے۔ سزائے جسمانی چاہے وہ بجائے خود بھی کیسی ہی سخت ہو، بدرجہا زائد مؤثر ہو جاتی ہے اگر تشہیر و تفضیح والا عنصر بھی اس کے ساتھ لگا رہے ــــ شریعت کی نگاہ میں جرم کی جو انتہائی سنگینی اور شناعت ہے، وہ سزا کی اس نوعیت کی شدت سے ظاہر ہے۔

؀ زَانِيَةً اَوۡ مُشۡرِكَةً سے مراد وہ مشرک عورت ہے جو حالت شرک میں ہو۔ نہ وہ کہ جو کسی

وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾

اور زناکار عورت کے ساتھ بھی کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے ۶ اور یہ اہل ایمان پر حرام کر دیا گیا ہے ۷

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

اور جو لوگ تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو ۸ اور پھر چار گواہ نہ لا سکیں

زمانہ میں مشرک رہ چکی ہے، اور اب تائب ہو کر مسلمان ہو چکی ہے ایسی کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے۔ اسی طرح زانیہ بھی وہ ہے، جو فی الحال زنا میں مبتلا ہو۔ نہ کہ وہ جس سے کسی زمانہ میں یہ معصیت صادر ہوئی اور اب وہ تائب ہو کر پاکبازی کی زندگی بسر کر رہی ہو۔ تائبہ سے نکاح کے عدم جواز کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں ممانعت تو صرف ان سے نکاح کی ہو رہی ہے، جو فی الحال مشرکہ یا زانیہ ہیں۔

اس ایک حقیقت کو مستحضر رکھنے سے آیت پر عائد ہونے والے اعتراض از خود ختم ہوئے جاتے ہیں۔

۶ بہت سی جاہلی قوموں میں یہ دستور بھی رہا ہے، کہ عورت ایک طرف کسی کے نکاح میں بھی ہے اور دوسری طرف شوہر کے علم میں بلکہ اس کی اجازت سے زناکاری میں بھی مبتلا ہے۔ اور یہ دستور عرب میں بھی موجود تھا۔ آیت میں ممانعت ایسی ہی بے آبرو عورتوں سے نکاح کی ہو رہی ہے۔

آیت قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایسی بے عصمت عورت کی طرف کوئی رغبت کر بھی کیسے سکتا ہے جب تک کہ وہ خود بھی ایسی ہی مسخ شدہ ذہنیت کا شکار نہ ہو۔

۷ یعنی مشرکہ و زانیہ دونوں سے نکاح معصیت ہے۔

مشرکہ سے جواز نکاح کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔ زانیہ سے نکاح قانونی حیثیت سے نافذ ہو جائے گا۔ لیکن عنداللہ معصیت تو بہرحال رہے گی۔

۸ (زنا کی)

یرمون۔ عام ہے ہر تہمت کے لئے۔ لیکن یہاں سیاق نے مخصوص کر دیا ہے تہمت زنا کے لئے۔

قد اجمع العلماء علی ان المراد الرمی بالزنا۔ (کبیر)

المراد الرمی بالزنا (روح)

اتفق الفقہاء علی ان قد اُرید بہ الرمی بالزنا (جصاص)

یرمون المحصنٰت۔ یعنی وہ لوگ جو پارسا بیویوں کو حرام کاری کی تہمت لگائیں —— اور تہمت کا یہ حکم پاکباز بیویوں ہی تک محدود نہیں، پاکباز مردوں پر تہمت زنا لگانا بھی اسی دفعہ کے تحت آجاتا ہے۔

ولا خلاف بین المسلمین أن المحصنین مرادون بالآیۃ، وأن الحد واجب علی قاذف الرجل المحصن کوجوبہ علی قاذف المحصنۃ (جصاص)

فَاجۡلِدُوۡهُمۡ ثَمٰنِيۡنَ جَلۡدَةً وَّلَا تَقۡبَلُوۡا لَهُمۡ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ

تو انھیں اسّی دُرّے لگاؤ ۹ اور کبھی ان کی گواہی کو نہ قبول کرو۔ ۱۰

والاجماع دل علی انہ لا فرق فی ھذا الباب بین المحصنین والمحصنات (کبیر)
فاذا کان المقذوف رجلاً فکذلک یجلد قاذفہ ایضاً لیس فیہ نزاع بین العلماء۔ (ابن کثیر)

محصنة۔ کی تعریف اس سیاق میں یہ ہے کہ مسلمہ ہو، آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، کوئی علامت زنا کی اس میں کھلی ہوئی نہ موجود ہو۔ اور ہر مسلمہ محصنہ و باعفت سمجھی ہی جائے گی، جب تک کہ اس کے برعکس کا ثبوت اس کے لئے نہ مل جائے۔

والاحصان ھنا لا یتحقق إلا بتحقق العفة عن الزنا وھو معناہ المشھور وبالحریة والبلوغ والعقل والاسلام۔ (روح)

والذین۔ کے صیغۂ مذکر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تہمت کی یہ سزا صرف مردوں تک محدود ہے۔ جو عورت کسی دوسری عورت یا مرد پر تہمت لگائے وہ بھی اسی حکم میں آتی ہے۔

۹ اللہ اللہ ــــ اللہ کو مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی عزّت کے تحفّظ کا کس درجہ اہتمام ہے۔ زنا کے گواہ ایک نہیں دو بھی نہیں، اکٹھے چار چار گواہ، اور وہ بھی سب چشم دید ہونے چاہئیں۔ اگر اس تعداد میں ایک کی بھی کمی رہ جائے گی تو حد زنا جاری نہ ہوسکے گی۔ اور جب چار چشم دید گواہ موجود نہیں، اور اس لئے اجرائے حد بھی نہ ہوسکے گا تو بلا ضرورت ایسی بات زبان سے نکالنا ایک مسلمان کی خواہ مخواہ آبروریزی کرنا اور بلا وجہ ایک گندگی کو اچھالنا اور پھیلانا ہے۔ جو شریعت، اسلام اور خدائے اسلام کی نظر میں نہایت ناپسندیدہ ہے۔ یہ چاروں گواہ مرد ہونے چاہئیں۔

اسی جرم یعنی اتہام زنا کو اصطلاح فقہ میں قذف کہتے ہیں۔ اس کا اجراء مقذوف کے مطالبہ ہی پر ہوسکے گا۔ یہ ساقط بھی ہوسکتی ہے، اگر مقذوف معاف کردے۔ غلام و باندی پر تہمت کی سزا نصف یعنی چالیس دُرّے ہیں۔ شاید اس لئے کہ ان بچاروں کو اپنے تحفّظ عصمت کے اہتمام کے وہ مواقع حاصل نہیں جو آزادوں کو رہتے ہیں۔

فاجلدوا۔ کے مخاطب یہاں بھی امرائے اسلام اور ان کے نائب ہیں، عفو و تخفیف ان کے اختیار میں بھی نہیں۔

المخاطب بہ الامام أو المالک علی مذھب الشافعی أو رجل صالح ینصبہ الناس عند فقد الإمام۔ (کبیر)

اجرائے حد کے لئے یہ ضروری ہے کہ تہمت کھلے الفاظ میں زنا کی لگائی گئی ہو۔ اشارے کنائے فقہ حنفی و شافعی میں اس سخت سزا کے اجراء کے لئے کافی نہ ہوں گے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

یہی لوگ تو (پکے) فاسق ہیں۔ ۱۱ہ ہاں البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں

وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

اور (اپنی) اصلاح کرلیں، سو اللہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے، بڑا رحم کرنے والا ہے ۱۲ہ

والقذف الذی یجب بہ الحد انما ھو القذف بصریح الزنا (جصاص) قال ابوحنیفہ والبویوسف زفر ومحمد وابن شبرمۃ والثوری والحسن وابن صالح والشافعی لاحد فی التعریض بالقذف۔ (جصاص)

اجرائے حدِ قذف کے لئے بھی ضروری ہے کہ قاذف عاقل وبالغ ہو، مجنون اور بچہ پر فقہ حنفی وشافعی میں حد جاری نہ ہوگی۔

اذا قذف الصبی أو المجنون امرأتہ أو اجنبیًا فلا حد علیھا (کبیر)

لایحد الصبی إذا قذف .... ولا یحد المجنون ولا السکران۔ (روح)

۱۰ہ (معاملات میں)

یعنی بندوں کے باہمی مقدمات میں ایسے لوگوں کی شہادت حنفی فقہ میں بعد توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔ البتہ جن امور کا تعلق دیانت محض سے ہے، مثلاً رویت ہلال رمضان، روایت حدیث وغیرہ ان میں توبہ کے بعد شہادت مقبول ہوجائے گی۔

ابدًا۔ فقہ حنفی میں اس کے معنی عمر بھر کے لئے گئے ہیں، اور فقہ شافعی میں وقت توبہ تک۔

مالم یتب عند أبی حنیفۃ إلی آخر عمرہ۔ (بیضاوی)

۱۱ہ (جنھیں ایک عفیف یا عفیفہ کلمہ گو کی جانب ایسے بدترین جرم کو منسوب کرتے ہیں باک نہیں ہوتا)

اولٰئک ھم الفاسقون۔ الفاظ کی ترکیب دلالت کررہی ہے ان لوگوں کے کمال فسق پر۔ یعنی یہی لوگ تو فاسق کامل ہیں۔ اور فسق ان ہی کا حصہ ہے۔

ای اولٰئک ھم المحکوم علیھم بالفسق والخروج عن الطاعۃ والتجاوز عن الحدود الکاملون فیہ کأنھم ھم المستحقون لاطلاق اسم الفاسق علیھم لا غیرھم من الفسقۃ (روح)

جب زناکاری خود ایک شدید گناہ ٹھہرا، تو اس کی تہمت بھی کسی کلمہ گو کے حق میں اس کی شدید توہین کے مرادف ہوئی، اور سزا بھی اس کے لئے ایسی ہی سخت لازم آئی ——— آج دنیا کے کسی دوسرے قانون میں معاشرہ کی پاکیزگی وصفائی کا اس درجہ اہتمام ولحاظ ہے؟ خود مسلمان آج ان احکام پر پورا عمل کرنے لگیں تو باہمی رنجشوں، کدورتوں کا کیسا سدباب ہو کر رہے!

۱۲ہ (اور آخرت میں اس پر رحم کرے گا۔ اور فسق کو جو سبب بنا استحقاق عذاب کا اس سے دور کرے گا)

تابوا۔ یعنی اللہ کے حضور میں توبہ کرلیں، اور اپنے اس اتہام کا اعتراف کرکے اس پر پشیمان ہولیں۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (اور) کوئی گواہ نہ ہو۔

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦

تو ان کی شہادت یہ ہے کہ وہ (مرد) چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں سچا ہوں۔

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٧ وَيَدْرَؤُا

اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں ۱۳؎ اور عورت سے

عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٨

سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم چار بار کھا کر کہے کہ بے شک مرد جھوٹا ہے۔

ای رجعوا عما قالوا وندموا علی ما تکلموا۔ (روح)

بعد ذالك۔ یعنی اجرائے حد کے بعد۔

واصلحوا۔ یعنی جس پر تہمت لگائی تھی، اس سے اپنا قصور معاف کرالیں۔

ای اصلحوا اعمالهم بالاستحلال ممن رموه۔ (روح)

فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ اجرائے حد قذف توبہ سے ساقط نہیں ہو جاتا۔

الا الذین تابوا۔ یہ استثناء آیت ماقبل کے تینوں احکام (اجرائے حد، عدم قبول شہادت، اور فاسقیت) میں سے کس کس سے ہے؟ حنفیہ اور بہت سے تابعین کا مسلک ہے کہ استثناء صرف حکم فاسقیت سے ہے، اور قاذف توبہ کے بعد بھی بدستور مردود الشہادۃ رہے گا۔

وقال ابوحنیفة واصحابه والثوری والحسن بن صالح لاتقبل شهادة المحدود فی القذف اذا تاب۔ (کبیر)

فتاب علیهم من الفسق واما الشهادة فلا تجوز (جصاص) وروی عن شریح وسعید بن المسیب والحسن وابراهیم وسعید بن جبیر قالوا لاتجوز شهادته وان تاب انما توبته فی ما بینه وبین الله (جصاص)

والی ما ذهب الیه أبوحنیفة من عدم قبول شهادة المحدود فی القذف إذا تاب، ذهب الحسن وابن سیرین وسعید بن المسیب وسعید بن جبیر (روح)

وقال الامام ابوحنیفة إنما یعود الإستثناء إلی الجملة الأخیرة فقط فیرتفع الفسق بالتوبة ویبقی مردود الشهادة أبدًا وممن ذهب إلیه من السلف القاضی شریح وابراهیم النخعی و

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٩﴾

اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر مرد سچا ہے۔ ۱۴ھ

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠﴾ ع

اور اگر اللہ کا تفضل و کرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔ (تو تم مصیبتوں میں پڑ جاتے ۱۵ھ)

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ

بے شک جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے۔ ۱۶ھ وہ تم میں سے ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے ۱۷ھ۔

ع ۱ ن ۷

سعید بن جبیر و مکحول و عبد الرحمٰن بن زید بن جابر۔ (ابن کثیر)

۱۳ھ اس بیان حلفی کا نام شریعت میں لعان ہے۔ اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔ الزام بدکاری کے عام ثبوت کا قاعدہ تو وہی ہے چار گواہوں کی چشم دید شہادت لیکن شوہر جب بیوی سے متعلق یہ دعویٰ کرے، اور چار چشم دید گواہ نہ پیش کر سکے تو خود اس کی یہ پانچ بار کی حلفی شہادت قائم مقام چار گواہوں کے سمجھی جائے گی۔ اور بیوی پر حد زنا جاری کر دی جائے گی۔

۱۴ھ یعنی عورت بھی اگر اسی طرح پانچ بار حلفی شہادت مرد کی تکذیب میں دے، تو حد زنا سے تو بچ جائے گی، البتہ اس مرد پر حرام ہو جائے گی، قاضی ان کے درمیان تفریق کرا دے گا۔ اور پھر تجدید نکاح بھی نہ ہو سکے گی۔ جب تک دونوں میں سے ایک اپنی خطا کا قائل اور دوسرے کا مصدّق نہ ہو جائے۔

۱۵ھ خطاب یہاں ساری امت کو ہے، مردوں عورتوں سب کو۔ مطلب یہ ہے کہ اُمت کے ہاتھ میں کیسا جامع، کیسا پُر حکمت قانون دے دیا گیا ہے۔ زبردستوں، زیردستوں، عاصیوں، مظلوموں سب کی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا۔ اتنا مکمل قانون صرف خدائی ہی قانون ہو سکتا ہے۔

کلمۂ لولا کا جواب آیت قرآنی میں مذکور نہیں، عبارت محذوف یہ سمجھی گئی ہے۔

یفضحکم وعاجلکم بالعقوبۃ۔ (بیضاوی)

اور ایسے موقع پر حذف، کلام عرب میں عام ہے۔

وھذا الحذف شائع فی کلامھم۔ (روح)

۱۶ھ سنہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی مصطلق سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ ہمراہ تھیں، آپ کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، اسی پر ہودج تھا۔ آپ ہودج میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمّال ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیتے، آپ ہلکی پھلکی کم سن تھیں۔ ایک روز اتفاق سے ایک منزل پر آپ کو ہودج سے باہر ویرانہ کی طرف جانے کی ضرورت پیش آئی، واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ ہودج پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ جمّالوں کا خیال بھی ادھر نہیں گیا کہ آپ موجود نہیں ہیں۔

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ

تم اس کو برا نہ سمجھو اپنے حق میں۔ ۱۸ بلکہ تمہارے حق میں بہتر ہی ہے۔ ۱۹ ان میں سے ہر شخص کو جس نے جتنا کچھ کیا تھا

اب جب آپ آئیں تو سخت متاسف ہوئیں، لیکن آپ نے خیال کیا کہ آگے چل کر جب میری تلاش ہو گی اور میں نہ ملوں گی تو کوئی ڈھونڈنے بہرحال یہاں ضرور ہی آئے گا۔ رات کا وقت، چادر لپیٹ آپ وہیں لیٹ گئیں اور آپ کو نیند آ گئی۔ ایک صحابی حضرت صفوانؓ تھے ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ قافلہ سے کچھ فاصلہ پر پیچھے پیچھے چلا کریں گری پڑی چیز کی، بھولے بھٹکے کی خبرگیری کے لئے۔ وہ جب صبح سویرے یہاں پہنچے تو دیکھا کوئی انسان سو رہا ہے۔ قریب پہنچے تو پہچانا، اور بے اختیار پکار اٹھے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آواز سے حضرت صدیقہؓ کی آنکھ کھل گئی، منہ ڈھانپ لیا۔ انھوں نے اپنا اونٹ قریب لا کر بٹھا دیا، ام المؤمنین پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انھوں نے اونٹ کی نکیل تھامے قافلہ میں جا کر ملا دیا ـــــ بات کچھ بھی نہ تھی لیکن مدینہ منافقوں کا گھر تھا۔ ان کے سردار عبداللہ بن ابی کو ایک شگوفہ ہاتھ آ گیا۔ اپنی خباثت سے خوب خوب حاشیہ آرائی کی۔ اور گنتی کے تین مسلمان بھی سنی سنائی اس کی باتوں کو دہرانے لگے۔ تمام پاکیزہ خصلت، پاکیزہ مزاج مسلمانوں کو اس گندے تذکرے سے جیسی کلفت ہوئی ہو گی، ظاہر ہی ہے، خصوصاً جناب صدیقہؓ اور خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یہاں تک کہ ایک مہینہ کے بعد براءت کی یہ آیتیں خود قرآن مجید میں نازل ہو کر رہیں۔

نبیؐ کی زندگی کا ایک ایک جزئیہ امت کے حق میں رحمت ہے، برکت ہے۔ امت کی کتنی نیک پارسا بیویوں پر آج بھی کیسی کیسی تہمتیں لگتی رہتی ہیں، ان سب بیچاریوں کو اس واقعہ سے صبر و تسکین کا کتنا بڑا سہارا ہاتھ آ گیا۔

۱۷ یعنی ایک تو وہی منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی، اور اس کے ساتھ کل تین مسلمان، دو مرد حسان بن ثابتؓ اور مسطح بن اثاثہ قریشی اور ایک عورت حمنہ بنت جحشؓ۔

عصبۃ منکم۔ سے اصل مراد تو مسلمان ہی ہیں، باقی منکم کے عمومی اطلاق میں منافقوں کو بھی ان کے دعوئ اسلام میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ اور اس کی مثال قرآن مجید میں بار ہا ملے گی۔

گروہ قلیل کے لفظ میں تسکین کا پہلو بھی حضرت صدیقہؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

۱۸ خطاب عام امت اسلامیہ سے ہے جسے قدرۃً اس موقع پر غم بھی تھا اور غصہ بھی۔ اور جن پر خود تہمت لگی تھی، وہ تو بدرجۂ اولیٰ اس کے مخاطب ٹھہرے ـــــ وقتی و انفرادی صدمہ کتنا ہی سخت ہو، بہرحال اگر اس سے امت کو مستقل سبق مل رہے ہوں تو وہ امت کے حق میں برکت ہی کی چیز ہو گی، اور اس پر اطلاق نعمت ہی کا ہو گا۔

۱۹ تہمت زدہ اشخاص کو بدنامی و رسوائی کا رنج ہونا ایک امر طبعی تھا۔ قرآن مجید انھیں تسلی دے رہا ہے کہ اول تو بدنامی ہی کیا، تہمت کا مخترع ایک مسلّم منافق (اور وہ بھی تعداد میں کل ایک) اس کا مخترع، اور اس کے پھیلانے والے اور اس میں شریک ہونے والے اسلامی آبادی کے کل تین بھولے بھالے فرد! پھر خیر تھوڑی بہت جو کچھ بھی اس سے بدنامی و رسوائی ہوئی، اس پر اجر بھی تو سوچو کتنا عظیم الشان ملے گا، اس کے سامنے اس آنی

مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾

گناہ ہوا۔ ۲۰؎ اور جس نے ان میں سے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لئے سزا بھی (سب سے بڑھ کر) سخت ہے ۲۱؎

لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّقَالُوْا

جب تم لوگوں نے یہ افواہ سنی تھی تو کیوں نہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے حق میں نیک گمان کیا ۲۲؎

هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۲﴾

اور یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریح طوفان بندی ہے ۲۳؎

اور فانی بدنامی کی حقیقت ہی کیا!

اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ خود قرآن مجید تمہاری صفائی پیش کر رہا ہے! ایسی نعمت کس کے نصیب میں آتی ہے۔ (اتنا ہی نہیں تمہارے ہی واقعہ سے ایک عام ضابطہ وقانون بھی تو امت کو ہمیشہ کے لئے مل رہا ہے۔

صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ مشائخ کو اس بات پر غمگین نہ ہونا چاہیئے کہ منکرین ان سے تشنیع وانکار سے پیش آتے ہیں۔ اس سے تو اوران کے مرتبہ میں ترقی ہوتی ہے۔

۲۰؎ (اس کے درجۂ معصیت کے مطابق)

مثلاً ایک تو وہ ہے جس نے اس فتنہ کا اختراع کیا۔ دوسرے وہ لوگ جنھوں نے اپنی زبان سے اسے دہرایا۔ تیسرے وہ جنھوں نے سن کر سکوت اختیار کیا۔ سو ضرر تو ان ہی لوگوں کے حق میں ہوا۔ عام امّت کو تو بجائے ضرر کے نفع ہی ہوا

۲۱؎ (اور وہ عذاب ہے دوزخ کا اس کا مستحق تو اپنے کفر اور عداوتِ رسول کی بنا پر وہ پہلے ہی سے تھا۔ اب اور زیادہ مستحق عقوبت کا ہوگیا)

مراد اس سے وہی مخترع افک، عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین ہے۔

۲۲؎ یعنی ایک صحابی رسولؐ حضرت صفوانؓ اور ایک زوجہ رسولؐ کے حق میں۔

انفسھم۔ کا لفظ اس موقع پر لاکر قرآن نے ایک تازہ سبق امّت کو احساس اخوت و وحدت کا دے دیا۔ امّت کے ہر فرد کو دوسرے فرد کی بدنامی اسی طرح محسوس ہونی چاہیئے جیسی خود اپنی رسوائی۔

- انه جعل المومنین کالنفس الواحدة فی مایجری علیها من الامور فاذا جری علی أحد مکروہ فکانه جری علی جمیعهم (کبیر)

انفسهم ای بابناء جنسهم واهل ملتهم، النازلین منزلة انفسهم (روح)

فأوجب الله علی المسلمین إذا سمعوا رجلاً یقذف احداً أو یذکرہ بقبیح لا یعرفونه به ان ینکروا علیه ویکذبوه ولتواعد من ترک ذلک ومن نقله (قرطبی)

المؤمنون۔ مثلاً حسانؓ و مسطحؓ۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ

یہ لوگ اپنے قول پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ سو جب یہ لوگ گواہ نہیں لائے

فَأُولَٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

تو بس یہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہی ہیں ۲۴ے اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا

المؤمنات۔ مثلاً حمنہ رض۔

۲۳ے قرآن نے یہاں اس ضابطہ کی تعلیم دیدی کہ مسلمان سے متعلق ہر روایت کے وقت حسن ظن ہی سے کام لیتے رہنا چاہیئے۔ تاوقتیکہ اس کے خلاف کوئی قطعی شہادت اور کافی ثبوت نہ مل جائے۔ نفی الزام کے لئے صرف عدم ثبوت و عدم شہادت کافی ہے، ثبوت عدم اور شہادت عدم کی ضرورت ہرگز نہیں۔

ایک معیار یہ اسلام کے قانون کا تھا۔ دوسرا معیار آج کی مہذب سلطنتوں کے چلائے ہوئے قانون کا، اور اس سے بھی بڑھ کر آج کی مہذب سوسائٹی کے چلائے ہوئے قانون کا ہے۔ اور ریاست و صحافت کی دنیا میں تو ہر افواہ، ہر گپ، ہر اختراع و افتراء دلیل ذہانت و خوش دماغی!

یہ تو عام مسئلہ ہوا۔ باقی خود حضرت صدیقہؓ کی صفائی میں تو اب شہادت قرآنی مہیا ہوگئی۔ جس سے اونچی کوئی اور شہادت ممکن ہی نہیں۔ اب حضرت صدیقہؓ کی عصمت میں شک کرنا قرآن میں شک کرنے کے مرادف ہوگا۔

"مطلب یہ کہ اصل امر نزاہت ہے، جب تک اس کا یقینی رافع نہ ہو اسی کا یقین شرعاً واجب ہے لان الیقین لایزول إلا بیقین مثلہ لا بالشک۔ پس اس بنا پر نزاہت صدیقہ کا یقین اور قذف کے مقابلہ میں اس یقین کا اظہار واجب تھا، اور یہی یقین ہے جس کا ایسے امور میں عبد مکلف بنایا گیا ہے، پس محل افک میں قبل نزول آیات کے صرف عدم ثبوت بالدلیل تھا، اور بعد آیات کے البتہ ثبوت عدم بالدلیل متحقق ہوگیا..... اس وقت یقین اصطلاحی کا مکلف نہیں فرمایا تھا، البتہ اب بعد نزول آیات چونکہ اس یقین اصطلاحی کا مبنیٰ کہ ثبوت عدم بالدلیل ہی پایا گیا، اب اس کا بھی مکلف ہے، اور اس کا ترک یعنی احتمال رجوع بھی کفر ہے۔" (تھانوی)

فقہاء نے کہا ہے کہ گو یہاں صیغۂ امر نہیں، لیکن کلمۂ تمنا امر سے بھی زیادہ مؤکد ہے پس مومن پر لازم ہے کہ جب کسی کی برائی سنے اور شہادت اس پر کافی نہ ہو تو اسے یاد نہ کرے۔ اور اپنے بھائی کو بری ہی قرار دیتا رہے۔

صوفیہ محققین نے کہا کہ اس میں صریح تاکید ہے کہ خبروں میں سخت احتیاط و تحقیق سے کام لینا چاہیئے۔ چنانچہ اہل اللہ کی عادت ہے کہ بعید سے بعید احتمال سے کام لے کر حسن ظن ہی قائم رکھتے ہیں۔

۲۴ے اثبات زنا کے لئے شرط چار گواہوں کی چشم دید شہادت ہے ــــ اتنا سخت معیار ثبوت آج دنیا کے کس دوسرے قانون میں ہے؟

عدم ثبوت خود ہی مرادف ہے قانون شریعت میں عدم صدق یعنی کذب کے، پھر یہاں تو قانون کذب کے علاوہ

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾

دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) تو جس شغل میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا ۲۵

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ

(عذاب عظیم کے مستحق تم اس وقت ہوئے تھے) جب تم اپنی زبانوں سے اسے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے وہ کہہ رہے تھے

وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ

جس کی تمہیں کوئی تحقیق نہ تھی اور تم اسے ہلکا سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی ۲۶ اور تم نے جب اسے سنا

واقعی کذب ہی موجود تھا۔ اہل افک کا دعویٰ نہ صرف غیر ثابت شدہ تھا، بلکہ سرے سے واقعیت کے بھی خلاف تھا۔

عند اللہ۔ "اللہ کے نزدیک" سے مراد ہے شریعت الٰہی میں، یا اللہ کے قانون میں۔ ورنہ اصل علم الٰہی کو ظاہر ہے کہ کسی بندہ کی شہادت وغیرہ کی کیا حاجت ہے۔

یعنی عند اللہ یرید فی حکمہ لا فی علمہ (ابن العربی)

عند اللہ ای فی حکمہ (کبیر)

ای فی حکمہ وشریعتہ۔ (مدارک)

ای فھم محکمون بکذبھم عند اللہ فی ایجاب الحد علیھم (جصاص) یقتضی ذلک الأمر بالحکم

بکذبھم فان کان جائزان یکونوا صادقین فی المغیب عند اللہ (جصاص)

شریعت کے احکام ظاہری کی ناقدری کرنے والے کاش دیکھیں کہ اس آیت میں احکام ظاہری کی بھی کس درجہ اہمیت کا سبق موجود ہے ــــ گواہوں کے بیان کو عین عند اللہ قرار دیا جا رہا ہے۔

۲۵ (جیسا کہ عبد اللہ بن ابی کو بہ سبب عدم توبہ کے ہوگا۔)

فضل اللہ ورحمتہ۔ فضل وکرم کا ہونا دنیا میں یہ کہ توبہ کی مہلت عطا ہوئی۔ اور آخرت میں یہ کہ توبہ کی توفیق ملی اور توبہ قبول بھی ہوگئی۔

فقہاء نے آیت سے استنباط کیا ہے کہ صحابہ مقبول التوبہ اور پاک ہو کر آخرت میں مرحوم ہیں۔

۲۶ یعنی ایک تو کسی پاک دامن مومنہ کا قذف، بجائے خود ہی سخت معصیت ہے۔ پھر مومنہ بھی کون؟ ایک عالی مرتبت زوجۂ رسولؐ وام المؤمنینؓ۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو جو اذیت پہنچی، وہ مستزاد۔

ھیّنا۔ "ہلکا"، یعنی غیر موجب گناہ۔ کوئی ہلکی پھلکی تفریحی چیز۔

عند اللہ عظیم۔ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات، یعنی موجب گناہ عظیم۔

قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ

تھا تو کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ ہم کیسے ایسی بات منہ سے نکالیں۔ توبہ یہ تو سخت بہتان

عَظِيۡمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ اَبَدًا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷﴾

ہے ۲۷ے اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر اس قسم کی حرکت کبھی نہ کرنا اگر تم ایمان والے ہو ۲۸ے

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحِبُّوۡنَ

اور اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے، اور وہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۲۹ے یقیناً جو لوگ چاہتے ہیں کہ

اَنۡ تَشِيۡعَ الۡفَاحِشَةُ فِى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۙ

مومنین کے درمیان بے حیائی کا چرچا رہے ۳۰ے ان کے لئے سزائے دردناک ہے،

۲۷ے یعنی تامل، تذبذب کیسا، سرے سے تحقیق ہی کی کیا ضرورت تھی تمہیں سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھ کر انکار کر دینا تھا۔

سر ولیم میور کا شمار اسلام و شارع اسلام کے دوستوں میں نہیں مخالفوں میں ہے۔ باوجود اس کے ان کو اقرار ہے۔

"عائشہ کی سیرت سے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں .... ان کی زندگی، واقعہ سے قبل بھی اور بعد بھی اس پر گواہ ہے کہ ہم انھیں اس الزام سے بالکل بری یقین کریں" (لائف آف محمد ص ۳۰۳ و ۳۰۴)

بعض صحابہؓ کی جانب منقول بھی ایسا ہی قول ہے انھوں نے جوں ہی یہ افواہ سنی تھی فوراً ہی وہ یہ کہہ اٹھے تھے۔

وفی بعض الاخبار ان ام ابی ایوب قالت لأبی ایوب الأنصاری اما بلغك ما يقول الناس فی عائشة فقال ابو ایوب سبحانك هذا بهتان عظیم۔ (معالم)

یہاں یہ تعلیم مل رہی ہے کہ سب کو یہی کہنا چاہئے تھا۔

۲۸ے یعنی یہ تو عین تقاضائے ایمان ہے کہ ایسی باتیں زبان سے نکالنا تو کجا، آئندہ سنی بھی نہ جائیں ___ قرآن اسلامی معاشرہ کو کتنا صاف ستھرا، اور ہر ادنیٰ گندگی سے بھی پاک صاف دیکھنا چاہتا ہے!

۲۹ے چنانچہ تمہارے دلوں کا حال بھی اس علیم پر خوب روشن ہے، اور تمہاری مجلسی و معاشرتی پاکیزگی کی مصلحتیں بھی اس حکیم پر عیاں ہیں۔ وہ علیم و حکیم جو بھی احکام دیتا ہے، وہ اس کے علم کامل پر بھی مبنی ہوتے ہیں، اور اس کی حکمت مطلقہ پر بھی۔

الاٰیٰت۔ ان احکام کے تحت میں احکام اخلاقی (ملامت، نصیحت وغیرہ) اور احکام قانونی (حد قذف وغیرہ) سب آگئے۔

ایک مومنہ صدیقہؓ کی برأت کے قصہ پر اسقدر زور دینا، صفائی کو اس تفصیل و بسط سے بیان کرنا اور

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا

دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی)۔ اور اللہ علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے ۳۱ اور اگر

فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٢٠﴾ ع

اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچتے) ۳۲

ضمن میں متعدد قانون اور ضابطے بیان کرجانا سب اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ اسلام کو مجلسی، معاشرتی، خانگی زندگی کی طہارت کس درجہ عزیز ہے۔ اور "مہذب" دنیا کی تفضیح و رسوائی کے قصوں سے اسے کس درجہ بعد و بیگانگی ہے۔

۳۰ خصوصاً جو لوگ ان آیتوں کے، اور اس خدائی برأت کے نزول کے بعد بھی چاہتے ہیں کہ اس گندگی کے تذکرے قائم رہیں اور کسی پاک نفس سے متعلق تہمتیں پھیلی رہیں۔ شان نزول کے خصوص سے حکم کے عموم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ قرآن مجید نے اس ایک آیت کے ذریعہ امت کو ایک مستقل دستور العمل قیامت تک کے لئے پاکیزہ معاشرت کا دے دیا، اور اسلامی معاشرہ کے اندر گندے شہوانی تذکروں اور چرچوں ہی کی جڑ کاٹ دی۔ فی الذین آمنوا۔ آیت کا سبب خاص تو ظاہر ہے کہ یہی واقعۂ افک عائشہ صدیقہؓ ہے یعنی اشارۂ قریب ان ہی لوگوں کی طرف ہے جو اس مخصوص تہمت کو زندہ رکھنا چاہتے تھے، یا آج بھی زندہ رکھنا چاہ رہے ہیں۔ لیکن مقدم آیت کے عموم میں وہ تمام افعال و حرکات داخل ہیں، جو امت کے معاشرہ میں براہ راست یا بالواسطہ کسی طرح بھی بے حیائی، شہوانیت بدچلنی کے زندہ رہنے کے سبب بنتے ہیں، خواہ ان کا نام "آرٹ" کی سرپرستی یا "کلچر" کی ترقی ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے۔

۳۱ انفرادی و اجتماعی، مادی و روحانی اخلاقی و معاشرتی مصلحتیں جن پر یہ احکام اور یہ سزائیں مرتب ہیں، وہ تو سب علم الٰہی ہی میں ہیں۔ محدود علم و نظر والے بندوں کو ان کا کیا علم۔

عذاب الیم فی الدنیا۔ زنا و اغلام کی گرم بازاری، سوزاک و آتشک وغیرہ امراض خبیثہ کی وبائی صورتیں، رشک و رقابت سے قتل و خودکشی، یہ سب نمونے دنیوی عذاب کے، ہر فحش نواز تمدن کے نتیجہ کے طور پر یہیں ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔

۳۲ (اس وعید سے اور اس کا شکار ہو جاتے)

خطاب اب عام امت اسلامیہ سے ہے۔

کلمۂ لولا کا جواب اتنا کھلا ہوا ہے کہ آیت میں اس کی صراحت غیر ضروری تھی اور بات بالکل صاف تھی۔

حذف الجواب وھو مستغن عنه بذکرہ مرۃ (بیضاوی)

یہاں نعمت کی تکرار، اور حذف جواب لولا، دونوں نے حکم میں بڑا زور تاکید پیدا کر دیا ہے۔

فی ھذا التکریر مع حذف الجواب مبالغۃ عظیمۃ (کشاف)

رؤف رحیم۔ توفیق توبہ کا اسی رؤف کے فضل و شفقت سے ہوئی، اور مقبولیت توبہ کی اسی رحیم کے کرم و رحمت سے ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ

اے ایمان والو! تم شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو۔ اور جو کوئی شیطان کے قدم بہ قدم

الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

چلتا ہے تو وہ تو حکم دیتا ہی ہے بے حیائی اور بیہودگی کا۔ ۳۳ اور اگر تم پر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا

وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ

تو تم سے کوئی کبھی بھی سنور نہ پاتا۔ ۳۴ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے سنوار دیتا

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ

ہے۔ اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے۔ ۳۵ اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں

اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ

وہ قرابت والوں کو اور مسکینوں کو اور ہجرت فی سبیل اللہ کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں ۳۶

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ

چاہیئے کہ معاف کرتے رہیں اور درگزر کرتے رہیں۔

اُمّتِ اسلامیہ کے ساتھ بار بار اس تعلق شفقت ورحمت کا ذکر کرکے ان کے ساتھ اپنی تخصیص کو تازہ کرنا، ان کے دلوں کو گرمانا، اور ان میں طاعت واطاعت کا مزید شوق پیدا کرنا ہے۔

۳۳ چنانچہ آج بھی مشاہد ہے کہ شیطان، جدید عورت کے کان میں کیسے کیسے افسوں "آزادی" و "مساوات کامل" کے نام سے پھونک کر اسے انتہائی اخلاقی پستیوں کی منزل کی طرف لئے جارہا ہے ــــــ مخلوط تعلیم، سنیما، ٹیلیویژن کی عریاں ونیم عریاں تصویریں، ریڈیو اور سنیما کے فحش ونیم فحش گانے، بال روم ڈانس اور ہر شعبۂ زندگی میں مرد وزن کا آزادانہ بےتکلف اختلاط وغیرہا۔

۳۴ توفیق توبہ جو اہل ایمان کو ہو جاتی ہے، اللہ کے فضل وکرم ہی سے ہوتی ہے۔ کوئی بندہ اسے اپنے ذاتی استحقاق کا نتیجہ نہ سمجھے، اور اپنے زور بازو کے گھمنڈ میں نہ رہے۔

صوفیہ محققین کہتے ہیں کہ مدار کار فضل ورحمت ہے نہ کہ سعی ومجاہدہ۔

۳۵ (چنانچہ تمہاری بھی توبہ اُس سمیع نے سن لی، اور دلی ندامت اُس علیم نے جان لی) اصل خطاب تو اُس وقت کے خاطی مسلمانوں سے ہے، لیکن ساتھ ہی عام قاعدہ بھی ہمیشہ کے لئے

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرتا رہے۔ ۳۷ بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔ ۳۸

يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان (بیویوں) کو جو پاکدامن ہیں، بے خبر ہیں، ایمان والیاں ہیں ۳۹ ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔ ۴۰

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

اور ان کے لئے سخت عذاب (رکھا ہوا) ہے۔

بیان ہو گیا۔

۳۶ (بلکہ اپنے حسن سلوک و امداد کو جاری رکھیں)

حضرت مسطحؓ بن اثاثہ مطلبی قرشی ایک صحابی تھے۔ پورے مومن، مسکین بھی، مہاجر بھی، اور حضرت صدیقؓ کے عزیز بھی (آپؓ کی خالہ زاد بہن کے فرزند) محض اپنی سادہ دلی سے اس طوفان میں شریک ہو گئے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ یہ بدری بھی تھے (یعنی غزوۂ بدر میں حصہ لینے والے) ۵۴ھ ہجری میں ۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور ایک روایت یہ بھی نقل ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔

جب حضرت صدیقہؓ کی برأت میں آیات قرآنی نازل ہوئیں، اور حضرت صدیقہؓ کی عفت مآبی اتنی روشن ہو گئی، جتنی بجز حضرت مریمؑ کے دنیا میں شاید کسی بھی پاکدامن خاتون کی نہ ہوئی ہو۔ تو حضرت صدیقؓ کو اپنی قابل فخر بیٹی کی نصرت و حمایت میں غصہ آنا بالکل طبعی تھا۔ آپؓ مسطحؓ کی ناداری پر ترس کھا کر مدد بھی فرماتے رہتے، اس غیظ کی حالت میں قسم کھا بیٹھے کہ بس آج سے امداد موقوف۔ یہ بات مرتبۂ صدیقیت کے شایاں نہ تھی۔ ارشاد ہوا کہ امداد جاری رکھو اور قسم کے مقتضا پر عمل نہ کرو۔

مسطحؓ کی اس خدمت دین، یعنی ہجرت فی سبیل اللہ کو یاد دلا کر یہاں گویا یہ بتا دیا کہ اس نئے جرم سے ان کا پچھلا عمل خیر باطل نہیں ہو گیا۔

صوفیہ محققین نے آیت سے اشارہ یہ نکالا ہے کہ بزرگوں کو مناسب یہی ہے کہ مریدوں کی لغزشوں پر اپنے فیض کو بند نہ کریں۔

۳۷ (سو اس کا طریقہ یہی ہے کہ تم دوسروں کے قصور معاف کرتے رہو، اللہ تو اپنی صفات غفر و رحمۃ کے اظہار کے لئے بہانے ہی تلاش کرتا ہے۔)

ترغیب عفو کا پیرایہ اس سے بڑھ کر مؤثر اور کیا ہو گا، چنانچہ بعض صحابیوں نے اپنے ذوق و وجدان سے قرآن مجید کی سب سے زیادہ پر امید تشفی دہ (ارجیٰ) آیت اس کو قرار دیا ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا

اس دن (جس دن) اُن کے خلاف گواہی دیں گی اُن کی زبانیں اور اُن کے ہاتھ اور اُن کے پیر ان کاموں کی جو

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ

جو یہ کیا کرتے تھے ۴۱ اس روز اللہ اُن کو اُن کا واجبی بدلہ پورا پورا دے گا۔ اور یہ جان جائیں گے کہ اللہ

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ

ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے بات کو کھول دینے والا ہے ۴۲ گندیاں گندوں ہی کے لائق ہوتی ہیں اور گندے

لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ

گندیوں کے۔ اور ستھریاں ستھروں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے ستھریوں کے ۴۳

عارف رومیؒ نے اپنی مثنوی میں حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے غضب سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ تم خود اپنے غیظ وغضب کو قابو میں لاؤ اور دوسروں کو معاف کر دیا کرو ؎

گفت عیسیٰ را یکے ہشیار سر — چیست در ہستی زجملہ صعب تر
گفتش اے جاں صعب تر خشمِ خدا — کہ ازاں دوزخ ہمی لرزد چو ما
گفت زیں خشمِ خدا چہ بود اماں — گفت ترکِ خشمِ خویش اندر زماں

ولیعفوا ولیصفحوا۔ درگزر کا یہ حکم استحبابی ہے، وجوبی نہیں۔ بندہ کو اس کے حق کے ترک پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

عبداللہ بن مبارک تابعیؒ کا قول مشہور ہے کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ امید افزا آیت یہی ہے۔

قال عبداللہ بن المبارک ھذہ ارجی آیۃ فی کتاب اللہ تعالیٰ۔ (قرطبی)

۳۸ (سو تمہیں چاہیئے کہ تم بھی اللہ ہی کے رنگ میں رنگ جاؤ۔)

اسلام کے خدا نے اپنے غفر اور رحمت کو کن کن طریقوں سے اور کن کن موقعوں پر بیان کیا ہے ! اور اس پر بھی غل یہ مچا ہوا ہے کہ، "اسلام کا خدا ایک متشدد خدا ہے"!

۳۹ عمل کرنا کیسا، ان بیچاریوں کو تو خبر تک ہی نہیں ایسی گندی باتوں کی۔

الغفلت۔ اردو محاورہ میں ایسے موقع پر بھولی بھالی، سیدھی سادی کہتے ہیں۔ اسلام نے شریف پاکدامن خاتونوں کا وصف یہ بیان کیا ہے ــــ کھلی کھائی ہوئی، چاروں کھونٹ گھومی گھامی ہوئی، اپنے "حقوق" کے لئے لڑنے والیاں، جلسوں جلوسوں میں بڑھ بڑھ کر نعرے لگانے والیاں اور کہیں جو درجہ بھی رکھتی ہوں اسلام میں یقیناً کوئی بلند مقام نہیں رکھتیں۔

أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾

یہ لوگ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) بکتے پھرتے ہیں۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۴۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا

اے ایمان والو تم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت

وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ

حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو ۴۵

۴۰ (بہ سبب اُن کے کفر و نفاق کے)
ان وعیدوں کے نزول کے بعد مؤمنات کے حق میں ایسی جرأتیں کرنے والے کافر و منافق ہی ہوسکتے ہیں، اور اُن کا دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمت خاص سے دور اور مہجور ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور یہی حاصل ہے لعنت کا۔

۴۱ مثلاً زبان یوں کہے گی کہ اس نے میرے ذریعہ سے فلاں فلاں کفر قولی صادر کئے۔ ہاتھ پیر یہ کہیں گے کہ اس نے فلاں فلاں کفر عملی میں ہم سے مدد لی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا جو مرتبہ حق تعالیٰ کے ہاں سے ہے، اسی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جس تفصیل و اہتمام کے ساتھ ان کی صفائی قرآن میں پیش کی گئی ہے کسی اور کی نہیں ہوئی ہے۔

۴۲ (اور یہ اس علم عینی کے بعد اپنی نجات سے بالکل مایوس ہو جائیں گے)
ان نابکاروں کو بھی سزائیں اُن کے جرم کے تناسب ہی ملے گی اس سے زائد نہیں۔ خدائی فیصلہ کو دنیا کے جباروں پر نہ قیاس کیا جائے، جو غصہ میں آکر مجرموں کو دگنی تگنی کئی کئی گنی سزا دیتے چلے جاتے ہیں۔

۴۳ للخبیثین ۔ للطیبین ۔ وغیرہ میں ل استحقاق کا ہے۔ یعنی اہلیت و موزونیت کو ظاہر کرنے والا۔ اور اس استعمال کی مثالیں قرآن مجید میں اور بھی متعدد ملتی ہیں۔ مراد یہ ہوئی کہ پاک باز عورتیں پاک باز مردوں کے لائق ہیں، اور گندی عورتیں گندے مردوں کے قابل۔

ولام الاستحقاق نحو قوله ولهم اللعنة ولهم سوء الدار، ويل للمطففين (راغب)

ای اللائق بالخبیث مثله وبالطيب مثله (جلالین)

لایلیق الا الخبيثات والخبيثين (کبیر)

دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ خبیثات سے مراد ہیں گندے قول اور گندے فعل یعنی گندے قول و فعل، گندی طینت والے مردوں اور عورتوں کے لائق ہیں۔ اور پاکیزہ قول و فعل پاکیزہ سیرتوں والوں کے لئے۔

اعلم أن الخبيثات يقع على الكلمات التي هي القذف الواقع من أهل الافك (کبیر)

الخبيثات من القول (کشاف، مدارك)

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا

تمہارے حق میں یہی بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو ۴۶ پھر اگر ان میں تمہیں کوئی (آدمی) نہ معلوم ہو

فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا

تو بھی ان میں داخل نہ ہو جب تک تم کو اجازت نہ مل جائے ۴۷ اور اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو ۴۸

قیل الخبیثات والطیبات من الأقوال (بیضاوی)

تابعین و مفسرین قدیم کی ایک بڑی تعداد اسی طرف گئی ہے۔

قال مجاھد وابن جبیر وعطا واکثر المفسرین المعنی الکلمات الخبیثات من القول للخبیثین من الرجال وکذا الخبیثون من الناس للخبیثات من القول (قرطبی)

۴۴ (آخرت میں)

اولٰئك۔ یعنی جو لوگ بہ سلسلۂ افک عائشہ رضی اللہ عنہا متہم ہوئے۔

۴۵ یعنی ان گھروں میں رہنے والوں کو سلام کرکے ان سے اجازت لو کہ ہم اندر آئیں؟

"یہ مسئلہ استیذان کا مردانہ اور زنانہ سب گھروں کے لئے ہے... استیذان واجب ہے اور تقدیم سلام سنت ہے اور اپنے جس گھر میں یقیناً بجز منکوحہ یا مملوکہ شرعی کے کوئی نہ ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے ورنہ وہ بیوت بھی حکم میں غیر بیوتکم کے ہو جائیں گے لاشتراك العلة اور وہ مکان مردانہ بھی اس سے مستثنیٰ ہے جہاں اس غرض سے آدمی بیٹھا ہو کہ جس کا دل چاہے ملنے کو آئے، للاذن دلالة اور جو مکان خلوت و آرام کے لئے مخصوص ہو گو مردانہ ہی ہو یا مکان ملاقات کا خلوت خانہ بن جاتا کسی وقت قرائن سے معلوم ہو جائے وہاں استیذان کی حاجت ہوگی اور ہر چند کہ یہاں خطاب مردوں کو ہے مگر عورتوں کا حکم بھی یہی ہے اور مردانہ میں بھی اور زنانہ میں بھی" (تھانوی)

ایک صورت تو اذن صریح کی ہے، باقی اذن کبھی ضمنی بھی ہوتا ہے، مثلاً مشائخ کے ہمراہ خادموں، امراء کے ہمراہ ملازموں کے لئے۔ اور کبھی اذن حکمی بھی ہوتا ہے، مثلاً کسی حکم یا عرف یا قاعدہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ وقت عام ملاقات کا ہے، یا میرے لئے مخصوص ہے۔ ایسے موقعوں پر دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک گھر کے اندر جب کئی درجے ہوں تو ہر درجہ جس میں کوئی شخص رہتا ہو ایک مستقل بیت کے حکم میں ہے۔ اور اس میں جانے کے لئے اذن شرط ہے۔

تستانسوا۔ محض اجازت طلب کرنے کے لئے لفظ تستاذنوا کافی تھا۔ بجائے اس کے تستانسوا لانے سے (جو انس سے ہے) مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے اپنا نام اور پتہ پوری طرح بتا دو تاکہ اسے وحشت نہ ہے۔

۴۶ یعنی اس اجازت لینے میں ہرگز اپنے لئے کوئی ذلت نہ سمجھو۔ یہ تو ذریعہ ہے بہت سے مفاسد کی جڑ کاٹ دینے کا اور ہر طرح مفید ہی ہے۔

ذٰلکم۔ یعنی یہی اجازت طلبی اور سلام۔

هُوَ اَزۡكٰى لَـكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ﴿۲۸﴾ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ

یہی تمہارے حق میں پاکیزہ تر ہے۔ اور اللہ تو تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ ۴۹ؑ تم پر کوئی گناہ

جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ فِيۡهَا مَتَاعٌ لَّـكُمۡ‌ ؕ

اس میں نہیں ہے کہ تم ان مکانات میں داخل ہو جاؤ (جن میں) کوئی رہتا نہ ہو (اور) ان میں تمہارا کچھ مال ہو۔ ۵۰ؑ

وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ ۵۰ؑ الف آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ

يَغُـضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ وَيَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ‌ ؕ

اپنی نظریں نیچی رکھیں ۵۱ؑ اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

ای الاستئذان والتسلیم۔ (مدارک)

۴۷ؑ (کسی ایسے شخص کی طرف سے جو اجازت دینے کا اختیار رکھتا ہے)

۴۸ؑ (نہ یہ کہ اسے ناگوار محسوس کر کے وہاں لڑنا جھگڑنا شروع کر دو۔)

جن ناقص قسم کے صوفیہ و مشائخ نے یہ مسئلہ گڑھ لیا ہے کہ اصل شے تو بس محبت ہے اللہ و رسول کے ساتھ، اور اس بنا پر کوئی شے بھی اہم نہیں۔ وہ ذرا دیکھیں قرآن مجید معاشرت و معیشت کے جزئی احکام بھی کس تاکید اور کس تصریح کے ساتھ بیان کرتا ہے، اور ان کی تعمیل پر کس کس طرح زور دیتا ہے۔

۴۹ؑ (پس اگر خلاف حکم کرو گے سزا کے مستحق ہو گے۔)

ازکی۔ سے مراد ہے کہ بلا تکدر واپسی میں صفائی و طہارت زائد ہے۔

بما تعملون علیم۔ مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اس نے بربنائے تکبر و تحقیر اجازت نہیں دی تو بھی ہم ہی جانتے ہیں اور اگر واقعی کوئی عذر تھا تو اس سے بھی ہم واقف ہیں۔

ھو۔ یعنی یہی واپس چلا آنا۔

ای الرجوع (مدارک)

الرجوع الطہر لکم (بیضاوی)

۵۰ؑ یہ حکم ان مکانات کا ہے جن میں کسی شخص خاص کا سکونت نہ رکھنا متیقن ہو، اور دلالۃً وہاں جانے کی عام اجازت ہو، مثلاً دوکان، مدرسہ، حمام، کارخانہ، خانقاہ وغیرہ۔ ایسی عمارتوں میں جانے کے لئے اجازت خاص کی ضرورت نہیں، لیکن جن کو اجازت نہ ہو، ان کو ایسی عمارتوں میں بھی جانا جائز نہ ہو گا۔

متاع لکم۔ متاع سے مراد کاروبار اور نفع کا سامان ہے۔

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے بے شک اللہ کو اس کی سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ ۵۲

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ

اور آپ کہہ دیجئے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں ۵۳

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں ۵۴ مگر ہاں جو اس میں سے کھلا ہی رہتا ہے ۵۵

۵۰ (الف) اصل تقویٰ تو جب ہی پیدا ہوگا جب اللہ کے عالم کل ہونے کا استحضار رہے۔ اور قرآن مجید کو یہ مطلوب نہیں کہ اس کی ہدایات پر عمل صرف اوپری دل سے ہو، وہ تو یہ چاہتا ہے کہ مومن کی رگ رگ میں ان احکام کی عظمت رچ بس جائے۔

۵۱ (چنانچہ جسم کے جن حصوں پر نظر کرنا سرے سے ناجائز ہے انھیں تو دیکھیں ہی نہیں، اور جنھیں دیکھنا جائز ہے انھیں بھی خواہش نفس کے ساتھ نہ دیکھیں۔)

من ابصارھم۔ من تبعیضیہ ہے۔ یعنی ہر نظر حرام نہیں، صرف بعض نظریں حرام ہیں۔ اور وہ حرام نظریں، نظر اجنبی و نظر شہوت ہیں۔

من للتبعیض والمراد غض البصر عما یحرم والاقتصار به علی ما یحل (مدارک)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ من محض بطور صلہ کے آیا ہے، تبعیضیہ یا زائدہ نہیں۔

وقیل من صلة للغض لیست للتبعیض ولا بالزیادہ (قرطبی)

ذٰلک۔ یعنی یہی نظروں کا نیچا رکھنا، اور حفظ ناموس۔

ای غض البصر وحفظ الفرج (مدارک)

ای ما ذکر من الغض والحفظ (روح)

۵۲ (خصوصاً اپنی بدکاری و بدنظری کے چھپاتے میں)

بدکاری و بدنظری وغیرہ کے ارتکاب میں انسان خاص طور پر اہتمام سر و اخفاء کا رکھتا ہے اس لئے یہاں یاد دلا دیا کہ تم چھپانے کی کتنی ہی کوشش کر ڈالو، بہرحال اس حاضر و ناظر، ہمہ بیں و ہمہ داں سے تو نہیں چھپا سکتے۔

ذٰلک ازکی لھم۔ میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ افعال غیر مرضیہ کے مقدمات کا بھی انسداد واجب ہے۔ اور اسی اصل سے فقہاء و صوفیاء امت دونوں نے اپنے اپنے فن میں بڑا کام لیا ہے۔

یحفظوا فروجھم۔ حکم کے عموم میں علاوہ زناکاری کے اور بھی سارے طریقے ناجائز شہوت رانی

کے، اور ان کے مقدمات و مبادی بھی آگئے۔ لفظ حفظ نظر، لمس وغیرہ سب کے لئے عام ہے۔

الذی تقتضیہ الظاھر أن یکون المعنی حفظھا عن سائر ما حرم علیہ من الزنا واللمس والنظر (جصاص)

عاشقانہ افسانے اور ڈرامے، بے حیائی کے منظر دکھانے والے تھیٹر اور سنیما، شہوت انگیز تصویریں، برہنگی ونیم برہنگی وغیرہ حفظ ناموس کے خلاف سارے ہی جلی وخفی، موٹے وباریک طریقے اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔

۵۳ے غض بصر اور حفظ فروج دونوں پر حاشیے ابھی ابھی گزر چکے۔ اتنا جزء یعنی نگاہیں نیچی رکھنا اور حفظ ناموس کی ہر کوشش وتدبیر مؤمنین و مومنات، مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں دونوں کے لئے یکساں واجب ہے۔ عورت کے لئے حجاب کے جو احکام خصوصی ہیں، وہ اب آگے آرہے ہیں۔

۵۴ے (خواہ جسم کا ہو یا متعلقات جسم کا)

لفظ زینۃ عام ہے۔

الزینۃ ما تزینت بہ المرأۃ (مدارک)

قیل المراد بالزینۃ ما یعم المحاسن والخلقیۃ والزینۃ (بیضاوی)

اس کے تحت میں ہر وہ چیز آجاتی ہے جو مرد کے لئے کسی حیثیت سے بھی باعث شوق ورغبت ہو سکے۔ خواہ خلقی ہو مثلاً حسن اعضاء، حسن صورت، خوش خرامی وغیرہ۔ خواہ کسبی ہو مثلاً لباس، خوشبو، زیور، پوڈر، غازہ وغیرہ۔

۵۵ے (عموماً وعادتاً)

یعنی جسم کے وہ حصے مستثنیٰ ہیں جو اگرچہ زینت کے موقع ہیں لیکن ان کے چھپائے رکھنے میں عموماً سخت حرج وزحمت ہے۔ مثلاً چہرہ کی ٹکیا اور ہتھیلیاں اور پیر۔

ما ظھر منھا۔ کی تفسیر چہرہ وکف دست سے خود حدیث میں آچکی ہے۔

الکفان والقدمان (مدارک)

اور حنفیہ میں یہی تفسیر مقبول ہے۔

قال أصحابنا المراد الوجہ والکفان (جصاص)

ای إلا ما جرت العادۃ والجبلۃ علی ظھورہ وھو الوجہ والکفان والقدمان (مدارک)

اور اسی لئے حنفی فقہاء مفسرین کے ہاں چہرہ اور کف دست اور پیروں کے دیکھنے کی اجازت ملتی ہے۔

ای یجوز النظر إلی وجہ الأجنبیۃ وکفھا وقدمیھا۔ (مدارک)

لیکن متأخرین فقہاء نے شاید خوف فتنہ سے اب چہرہ کا کھلا رکھنا بھی ممنوع قرار دے دیا ہے۔

واما فی زماننا منعٌ۔ (درمختار)

ناف سے گھٹنے تک کا ستر مذہب اہل سنت میں سب پر واجب ہے، عورت کا عورت سے بھی، مرد کا مرد سے بھی۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں ۵۶ـــ اور اپنی زینت نہ ظاہر ہونے دیں ۵۷ـــ

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ

مگر ہاں اپنے شوہر پر اور یا اپنے باپ پر اور یا اپنے شوہر کے باپ پر اور یا اپنے بیٹوں پر اور یا

اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ

اپنے شوہر کے بیٹوں پر اور یا اپنے بھائیوں پر اور یا اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر اور یا اپنی بہنوں کے

اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ

لڑکوں پر ۵۸ـــ اور یا اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر ۵۹ـــ

۵۶ـــ (کہ سر اور سینہ دو مقام خاص طور پر زینت کے ہیں۔ ان کے ڈھانپنے کا اور زیادہ اہتمام رکھیں۔)
جاہلیت فرنگ ہی سے ملتا جلتا دستور جاہلیت عرب میں بھی تھا کہ عورتیں لباس اس طرح کا پہنتیں کہ پشت کا حصۂ آخر ڈھکا رہتا۔ باقی سامنے سے سینہ کا حصہ عریاں رہتا۔

کانت جیوبھن واسعۃ تبدو منھا صدورھن وما حوالیھا وکن یسدلن الخمر من ورائھن فتبقی مکشوفۃ (مدارک)

نفسیات بشری کی محقق، رازداں، اور بدکاری کے مبادی و مقدمات کی بیخ کنی کرنے والی شریعت اسلامی نے ٹھیک اس کے برعکس یہ فیشن چلایا کہ سینہ کا کوئی حصہ عریاں رہ جانا کیا معنی، وہ تو خاص طور پر ڈھکا رہے۔

وفی ذلک دلیل علی أن صدر المرأۃ ونحرھا عورۃ، لا یجوز للاجنبی النظر الیھما منھا (جصاص)

۵۷ـــ (کسی شخص پر بھی)
زینۃ۔ کی تشریح ابھی اوپر گزر چکی ہے کہ قدرتی یا مصنوعی ہر وہ شے ہے جو عورت کی جانب مرد کی کشش قلب بڑھاوے۔

لا یبدین زینتھن۔ پہلے موقع پر یہ فقرہ بہ لحاظ اعضاء جسم تھا، یہاں باعتبار اشخاص کے ہے۔ پہلے استثناء میں فلاں فلاں عضو شامل تھے، اب استثناء میں فلاں فلاں اشخاص کی نشاندہی ہو رہی ہے۔

۵۸ـــ یہ سب عزیز اصطلاح میں محرم کہلاتے ہیں۔ فقہاء نے محرموں کی بھی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہ جو محرم ابدی ہیں، مثلاً باپ، چچا، بیٹا، پوتا وغیرہ۔ دوسرے وہ جو بعد زوال وصف اجنبی ہو جائیں، مثلاً شوہر طلاق کے بعد۔ مملوک آزادی کے بعد۔ بچہ جوان ہو جانے کے بعد۔

اخوانھن۔ بھائی جو محرم ہیں۔ ان سے سگے بھائی، یا ایک باپ کی اولاد یا ایک ماں کی اولاد یا دودھ

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ

اور یا اپنی باندیوں پر ۵۸ اور یا ان مردوں پر جو طفیلی ہوں (اور عورت کی طرف) انھیں ذرا توجہ

مِنَ الرِّجَالِ

بھی نہ ہو ۵۸

شریکے مراد ہیں۔ اور کسی قسم کے بھائی چچیرے، خلیرے وغیرہ جو عرفاً و رواجاً ہندوستان میں محرم سمجھ لئے گئے ہیں مراد نہیں۔

اخوٰتھن۔ علیٰ ہذا بہنوں سے بھی یہی مراد سگی بہنیں، یا ایک ماں یا ایک باپ کی یا دودھ شریکی بہنیں ہیں، عرفی نہیں مثلاً چچیری، خلیری وغیرہ مراد نہیں۔

اٰبائھن۔ دادا، نانا وغیرہ بھی اس کے باپ ہی کے حکم میں داخل ہیں۔

ویدخل فیھم الاجداد (مدارک)

ابنائھن۔ اولاد ہی میں اولاد در اولاد پوتے، نواسے وغیرہ شامل ہیں۔

ویدخل فیھم النوافل (مدارک)

ان رشتوں کے علاوہ عورت کے چچا اور ماموں بھی اس کے محرم ہوتے ہیں۔

"غرض مدار محرمیت پر ہے اور محرم وہ رشتہ دار ہے جس سے ابداً نکاح حرام ہو خواہ نسب سے ہو یا مصاہرۃ سے یا رضاع سے البتہ بعض فقہاء نے زمانے کے فتن کو دیکھ کر مصاہرت اور رضاع سے خلوت میں بیٹھے رہنے کو منع کیا ہے۔" (تھانویؒ)

او۔ اس آیت بھر میں "اور" (واو عاطفہ) کے معنی میں ہے، تردید و تخییر کے لئے نہیں۔

مشائخ صوفیہ کہتے ہیں کہ لایبدین زینتھن الا لبعولتھن میں اشارہ اس طرف ہے کہ زینت اسرار کو نامحرم یعنی نااہل سے پوشیدہ رکھنا چاہیے۔

۵۹ نسائھن۔ سے مراد مومن عورتیں ہیں۔ اس لئے غیر مسلم عورتیں، جو مسلمانوں کے لئے دینی حیثیت سے اجنبی ہیں اس اجازت یا فتہ طبقہ سے نکل گئیں۔

عن مجاھد قال نساؤھن المسلمات لیس المشرکات من نسائھن (ابن کثیر) النساء المسلمات دون نساء اھل الذمۃ (ابن کثیر)

روی انہ اراد نساء المؤمنات (جصاص)

وخرج بنسائھن الکافرات (جلالین)

والکافرۃ لیست من نسائنا (معالم)

کافر عورت شریعت اسلام میں اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ پردہ اس سے بھی اسی طرح واجب ہے۔ صحابہ میں حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں مجاہدؒ وغیرہ کا یہی مذہب منقول ہے۔ حضرت عمرؓ

کا ایک مکتوب حضرت ابو عبیدہؓ کے نام کا ابن کثیر وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ کتابیہ (یعنی مسیحی و یہودی) عورتیں مومن عورتوں کے ساتھ حمام میں نہ جانے پائیں ۔۔۔۔۔۔ اللہ اللہ، کہاں تاکید اس احتیاط کی تھی، کہاں اسی امّت کو فرنگنوں سے ارتباط و اختلاط پر فخر ہونے لگا!

جمہور کا قول یہی تھا۔ وھذا قول اکثر السلف (کبیر)

وإلی ھذا ذھب اکثر السلف (روح)

لیکن امام رازی ہی نے دوسرے معنی "کل عورتوں کے" بھی نقل کئے ہیں، اور قول سلف کو صرف استحباب وافضلیت پر محمول کیا ہے۔ المراد بنسائھن جمیع النساء وھذا وھو المذھب وقول السلف محمول علی الاستحباب والأولی۔ اور بیضاوی نے بھی یعنی المؤمنات لکھ کر آگے یہ بھی لکھ دیا ہے أو النساء کلھن، والعلماء فی ذلک خلاف۔ امام آلوسی بغدادی نے جو اسی پچھلی صدی کے مفسر ہوئے ہیں امام رازی کے دوسرے قول کو نقل کر کے کہا ہے کہ اب یہی حکم امّت کے لئے آسان ہے کہ اب ذمی عورتوں سے پردہ دشوار ہی ہے۔

وھذا القول ارفق بالناس الیوم فانہ لایکاد یمکن احتجاب المسلمات عن الذمیات (روح)

اور صاحب بحر المحیط کے ایک اشارہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً تو مراد مؤمنات ہی ہیں لیکن تبعاً اس میں وہ غیر مسلمات بھی آجاتی ہیں جو مؤمنات کی صحبت و خدمت میں رہیں۔ یعنی جن کا معیار عفّت و شرافت مؤمنات ہی کا سا ہو گیا ہو۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ فاحشہ عورت اگرچہ مسلمان ہو پاکدامنوں میں نہ آنے پائے ایک تو نسائھن پر قیاس کر کے دوسرے بخوف اغواء و فتنہ۔

۶۰ے ماملکت ایمانھن ۔ کا لفظ غلام اور باندی کے لئے عام ہے لیکن حنفیہ اور اکثر شافعیہ کے نزدیک صرف باندیاں مراد ہیں، غلام مراد نہیں۔ غلام اجنبی مرد و عورتوں کے حکم میں ہیں۔

ای امائھن ولا یحل لعبدھا أن ینظر إلی ھذہ المواضع (مدارک)

ای من الاماء ولو کوافر واما العبید فھم کالأجانب، وھذا مذھب أبی حنیفۃؒ وأحد قولین فی مذھب الشافعیؒ وصححہ کثیر من الشافعیۃ (روح)

۶۱ے (بوجہ اُن کے سلب حواس کے)

التابعین ۔ یہ طفیلی یا خدمتی وہ ہیں جو گھر کے بچے کھچے کھانے پر پڑے رہتے ہوں۔ اور جن میں اتنی ہمت ہی نہ ہو کہ شریف بہو بیٹیوں پر نظر ڈال سکیں۔

الذی یتبعک لیصیب من طعامک (جصاص عن ابن عباسؓ وقتادۃ ومجاھد)

یعنی کالأجراء والأتباع الذین لیسوا بأکفاء وھم مع ذلک فی عقولھم ولہ وحوب ولا ھمۃ لھم إلی النساء (ابن کثیر)

ان کا ذکر اس لئے کیا کہ ایسے لوگ اس وقت موجود تھے۔

اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يَظۡهَرُوۡا عَلٰى عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضۡرِبۡنَ

اور یا ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں ۶۲ے اور عورتیں

بِاَرۡجُلِهِنَّ لِيُعۡلَمَ مَا يُخۡفِيۡنَ مِنۡ زِيۡنَتِهِنَّ ؕ

اپنے پیر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے ۶۳ے

غیر اولی الاربۃ۔ ارب وہ شدید حاجت ہے، جسے پورا کرنے کے لئے حیلہ کی ضرورت پڑ جائے۔ اور یہاں کنایہ ہے حاجت نکاح سے۔

الارب فرط الحاجۃ المقتضی للاحتیال فی دفعۃ (راغب) کنایۃ عن الحاجۃ الی النکاح۔ (راغب)

مراد ایسے مرد ہیں جو طفیلی یا حقیر، خوار خدمت گار قسم کے ہوں اور ساتھ ہی نامرد بھی ہوں۔

هم الذین یتبعون القوم لیصیبوا من فضل طعامهم لاهمۃ لهم الاذلک ولاحاجۃ لهم فی النساء وهو قول مجاهد وعکرمۃ والشعبی۔ (معالم)

یہ معنی بھی لئے گئے ہیں کہ فاتر العقل نامرد ہوں۔

وعن ابن عباسؓ انه الاحمق العنین (معالم)

هو الأحمق الذی لا اربۃ له فی النساء (جصاص)

"مدار حکم سلب حواس پر ہے، نہ کہ نابالغ ہونے پر، اس وقت وہ نابالغ ایسے ہی تھے" (تھانویؒ)

خواجہ سرا وغیرہ کی آمد و رفت کو عورتوں میں فقہاء نے ممنوع لکھا ہے۔ عورت کو اجنبی مردوں سے ایسے کام لینا جن میں جسم کو مس کرنا پڑے جائز نہیں۔ اسی طرح مرد کو اجنبی عورتوں سے اس قسم کے کام لینا یا خادمہ کو خلوت میں بلانا یا اس پر نظر کرنا جائز نہیں۔

۶۲ے مراد اس سن کے بچے ہیں جو ابھی شہوانیت کے معنی ہی سے واقف نہیں۔ یہ معنی نہیں کہ ابھی باقاعدہ بالغ نہیں ہوئے ہیں۔

قال مجاهد هم الذین لا یدرون ماهن من الصغر (جصاص) ای لا یمیزون بین عورات النساء والرجال لصغرهم وقلۃ معرفتهم بذلک (جصاص)

طفل۔ یہاں بطور اسم جنس ہے، اسی لئے مابعد صیغۂ جمع آ گیا ہے۔

۶۳ے فقہاء نے اس سے استنباط اور بالکل صحیح استنباط کیا ہے کہ ہر وہ آواز جو رغبت، دلکشی کا باعث ہو اسی پر محمول اور اس لئے ممنوع ہو گی۔

اللہ اللہ، عفت و طہارت کا کس درجہ اہتمام ہماری پاک شریعت میں ہے۔ اور فتنہ کے کیسے کیسے دروازوں اور چھپے ہوئے سوراخوں کو ہماری شریعت نے بند کیا ہے۔ ایک طرف یہ احتیاطیں ہیں پابندیاں

وَتُوبُوٓا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾

اور تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو اے ایمان والو! تاکہ تم فلاح پاؤ ۶۴

ہیں۔ دوسری طرف گانے اور طرح طرح کے سریلے باجوں کے ساتھ گانے ہی کی نہیں بلکہ ناچ اور مرد و عورت کے مشترک ناچ کی آزادیاں ہیں! —— دونوں زندگیوں کے نتائج بالکل ظاہر ہو کر سامنے آرہے ہیں۔

من زینتھن ۔ زیور سے یہاں مراد وہ زیور ہیں جو از خود نہیں بجتے بلکہ کسی چیز کی رگڑ سے بج اٹھتے ہیں، مثلاً چھڑے، کڑے، قرآن نے ان ہی کے بارہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی پہننے والیاں پیر زمین پر زور سے نہ رکھیں۔ گویا ان کا پہننا فی نفسہ درست ہے۔ لیکن ان کی آواز یا جھنکار بہ اندیشۂ فتنہ درست نہیں۔

"اس سے یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ جب زیور کے صوت کے اخفاء کا ایسا اہتمام ہے تو خود صاحب زیور کی صوت کا کہ اکثر مورث فتنہ و میلان ہو جاتی ہے، اخفاء کیوں نہ قابل اہتمام ہو گا، نیز یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے کہ جب صوت ایسی قابل اخفاء ہے تو صورت کیوں نہ قابل اخفاء ہو گی کہ اصل مبداء فتنہ ہے۔" (تھانوی)

قال ابوبکر قد عقل من معنی اللفظ النھی عن إبداء الزینة واظھارھا لورود النص فی النھی عن اسماع صوتھا إذ کان اظھار الزینة أولی بالنھی مما یعلم به الزینة، فاذا لم یجز باخفی الوجھین لم یجز باظھرھما۔ (جصاص)

اسی طرح وہ زیور جن میں از خود آواز پیدا ہوتی ہو۔ مثلاً گھنگرو ان کا پہننا ہی سرے سے ناجائز ہے۔ حدیث میں جرس سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔

اللہ اللہ! حسین مسلمان خاتون کے حفظ عزت و عصمت کے لئے شریعت نے یہ اہتمام برتا ہے جس کو جھنکار دار زیور تک سے روکا ہے۔ وہی آج "ترقی" کی کن کن منزلوں تک پہنچ گئی ہے!

۶۴ (اور ان احکام میں جو کوتاہیاں ہو گئی ہوں، وہ معاف ہوں)

فلاح سے مراد یہاں فلاح کامل ہے معصیتوں کا صدور نقصان فلاح کا باعث ہوتا ہے۔ پردہ و حجاب کے معاملہ میں چونکہ بے احتیاطیاں کثرت سے ہو جاتی ہیں، اور عورت کا فتنہ ایک سخت امتحان ہے۔ اس لئے توبہ، رجوع واستغفار کا حکم یہاں خاص طور پر لے آیا گیا ہے۔ اور یاد دلا دیا گیا ہے کہ فلاح یابی ان احکام کی تعمیل میں، اس دستور حیا کی پابندی میں ہے۔ ان احکام کی خلاف ورزی اور ان کی طرف سے بے پروائی میں نہیں۔

آیت سے متکلمین اہل سنت نے استدلال کیا ہے کہ عصیان کا وجود ایمان کے منافی نہیں، اور اس میں رد ہے خوارج و معتزلہ دونوں کا۔

وظاھر الآیة یدل علی أن العصیان لاینافی الایمان۔ (مدارک)

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ

اور تم اپنے بے نکاحوں کا نکاح کردو ۶۵

۶۵ بدکاری اور مقدمات بدکاری، بے حیائی وغیرہ پر ملامت کے بعد بالکل قدرتی ترتیب کے ساتھ اب ترغیبِ نکاح دی جا رہی ہے۔

ایم۔ کے معنی ہیں عورت بلا شوہر، اور شوہر بلا عورت۔ عام ہے ہر مرد و عورت کے لئے جس کا نکاح یا تو سرے سے ہوا ہی نہ ہو یا ہوا ہو اور بہ سبب وفات وطلاق کے تجرد ہو گیا ہو۔

والأيم من النساء من لا زوج لها بكرًا أو ثيبًا ومن الرجال من لا امرأة له (تاج)

اسم الايامى ينتظم الرجال والنساء (جصاص)

وقال النضر بن شميل كل ذكر لا انثى معه وكل انثى لا ذكر معها (روح) وقال التبريزي في شرح ديوان أبي تمام قد كثر استعمال هذه الكلمة في الرجل إذا ماتت امرأته وفي المرأة إذا مات زوجها۔ (روح)

وانکحوا۔ حکم وجوبی نہیں ہے استحبابی ہے۔ یعنی شریعت نے گو اس کو لازمی نہیں قرار دیا ہے لیکن اس کی سفارش کی ہے۔ جمہور اہلِ سنت کا یہی مذہب ہے۔ یعنی صیغۂ امر یہاں استحباب کے لئے ہے، وجوب کے لئے نہیں۔ البتہ فرقۂ ظاہریہ نے اسے وجوب ہی کے لئے لیا ہے!

قد قامت الدلالة من اجماع السلف وفقهاء الأمصار على أنه لم يرد بها الايجاب وانما هو استحباب (جصاص)

والأمر هنا قيل للوجوب وإليه ذهب أهل الظاهر وقيل للندب وإليه ذهب الجمهور (روح)

والامر للندب اذ النكاح مندوب اليه۔ (مدارك)

انكحوا للوجوب وبه قال اهل الظاهر وأكثر العلماء على أنه هنا للندب (بحر)

فاجمع السلف على انه لم يرد به الايجاب (كبير)

شریعت اسلام میں عقدِ نکاح بجائے خود ایک فضیلت کی چیز ہے کہ بقائے نوع کا مدار ہی اسی پر ہے۔ اور مرد و زن ہر دو جنس کی فلاح، بہبود، مسرت و راحت کا راز ازدواجی زندگی میں ہے۔ حسنِ معاشرت حسنِ معیشت، صحتِ جسمانی، راحتِ قلب و سکونِ خاطر ہر معیار سے اسلام اپنی امت میں، بیاہے نکاح ہوؤں ہی کو دیکھنا چاہتا ہے، نہ کہ بلا ضرورت اور خواہ مخواہ کے مجردوں کو۔ مسیحیت کی طرح اسلام میں عقد نکاح ایک ناگزیر برائی کا نام نہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

امر بالنكاح فانه مع كونه مقصودًا بالذات من حيث كونه مناطًا لبقاء النوع (روح)

انکحوا عام ہے معاونت و توسط و تمکین سب کو جیسا جہاں موقع ہو اور اس میں خطاب عام ہے اولیاء یعنی اقارب اور سادات یعنی آقاؤں کو۔ (تھانوی)

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ

اور تمہارے غلام و باندیوں میں جو اس کے (یعنی نکاح کے) لائق ہوں ان کا بھی ۶۶؎ اگر یہ لوگ مفلس

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا ۶۷؎ اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا جاننے والا ہے ۶۸؎

والخطاب للاولیاء والسادۃ۔ (بیضاوی)

انکحوا باب ثلاثی مجرد سے نہیں بلکہ صیغۂ امر باب افعال یعنی انکاح سے ہے۔ جس کا ایک خاصہ مفہوم کو متعدی کر دینے کا ہے۔

۶۶؎ صالحین یعنی حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق ہوں زوج یا زوجہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

قیل المراد بالصلاح معناہ اللغوی ای الصالحین للنکاح والقیام بحقوقہ (روح)

قیل معنی والصالحین ای للنکاح والقیام بحقوقہ (بحر)

ومن کان فیہ صلاح (مدارک)

.... الثالث ان یکون المراد الصلاح لامر النکاح۔ (کبیر)

۶۷؎ (اپنی حسب مشیت)

یعنی اگر غلاموں میں صلاحیت کسب معیشت کی موجود ہے تو ان کے فقر و افلاس بالفعل کو مانع نکاح نہ قرار دو۔ فقر و نکاح میں کوئی منافات نہیں۔ جو سردست فقیر ہے، کیا عجب کہ حسب مشیت صاحب معاش ہو جائے۔ نکاح اس مشیت تکوینی میں مانع نہیں۔

"پس نہ عدم غنا کو مانع نکاح سمجھیں اور نہ نکاح کو مانع غنا، اس کا دار و مدار مشیت پر ہے، اگر فقر کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے تو باوجود نکاح نہ ہونے کے بھی ہو جائیگا، اور اگر غنا کے ساتھ مشیت متعلق ہو جائے تو باوجود نکاح نہ ہونے کے بھی ہوگا پس ایسے ارتباطات وہمیہ باطلہ پر کیوں نظر کی جائے؟" (تھانویؒ)

آیت میں کوئی وعدہ مراد نہیں کہ اہل فقر کو نکاح کے بعد خواہ مخواہ غنا حاصل ہو جائے گا، اور اس طرح گویا نکاح کو بجائے خود ایک مستقل وسیلۂ معاش سمجھ لیا جائے۔ بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ جب دوسرے حالات موافق جمع ہوں تو محض فقر کو مانع قرار نہ دو۔ فقر و غنا کو نکاح و عدم نکاح سے کوئی تعلق نہیں۔

والاصح أن ھذا لیس وعدا من اللہ تعالیٰ باغناء من یتزوج بل المعنی لاتنظروا إلی فقر من یخطب الیکم۔ (کبیر)

۶۸؎ جسے چاہے وہ واسع غنی کر سکتا ہے، خوشحالی سے نواز سکتا ہے۔ اس کے ہاں کوئی تنگی، کمی تو ہے نہیں۔ اور پھر وہ علیم ہر ایک کی اہلیت و صلاحیت، ظرف و بساط سے خوب واقف، جسے فقر کا اہل دیکھے گا، اسے فقیر ہی رکھے گا۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ

اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں، انہیں چاہئے کہ ضبط سے کام لیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے

فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ

غنی کردے ۶۹؎ اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتب ہوتے کے خواہاں ہوں تو انہیں مکاتب بنا دیا کرو، اگر

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ

ان میں بہتری (کے آثار) پاؤ ۷۰؎ اور اللہ کے اس مال میں سے انہیں دو جو اس نے تم کو عطا کیا ہے ۷۱؎

معاشیات کو، مسائل معاش کو، ربوبیت الٰہی کے عام قانون سے عملاً خارج سمجھ لینا عصر حاضر کی سب سے بڑی گمراہیوں میں سے ہے۔ قرآن نے بار بار اس گمرہی پر ضرب کاری لگائی ہے۔ اور بار بار اعلان کیا ہے کہ جسمیات وروحانیات کے سارے دوسرے وسائل کی طرح معاشیات بھی اسی کی مشیّت کے محکوم وتابع ہے۔

۶۹؎ (اور پھر نکاح کرلیں)

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نکاح کے سامان سے محروم ومعریٰ ہو تو اس کے لئے ہدایت یہی ہے کہ وہ صبر وعفت سے کام لئے بیٹھا رہے۔ یہ اجازت ہرگز نہیں ہے کہ کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی کرنے لگے۔ جیسا کہ شدید بھوک کے موقع پر حرام کھالینے کی اجازت ہے۔ شہوت جنسی کا ضبط بھوک، پیاس کی طرح کچھ بہت دشوار نہیں، نسبتہً بہت آسان ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

استعفاف۔ یعنی پارسائی سے مراد ہے زنا اور اس کے مقدمات دونوں سے بچنا۔ اور اپنی حفاظت کے لئے خاص اہتمام رکھنا۔

ای لیجتھد فی العفۃ (کبیر)

ولیجتھد فی العفۃ وصون النفس (روح)

غنی سے مراد وہ شوہر ہے، جو ادائے مہر ونفقہ پر قادر ہو۔

۷۰؎ **مکاتبت**۔ اصطلاح شریعت میں غلام وآقا کے درمیان معاہدہ کا نام ہے غلام آقا سے یہ کہے کہ میں کما کر اتنا مال تجھے دے دوں تو آزاد ہوجاؤں، اور مالک اسے منظور کرلے۔ اور یہ مکاتب اگرچہ ابھی غلام رہے گا لیکن پیشہ یا تجارت اختیار کرنے کے باب میں خود مختار ہوجائے گا۔ پھر اگر شرط پوری ہوگئی تو غلام آزاد ہوجائے گا۔ نہ پوری ہوسکنے کی صورت میں غلام یا تو خود ہی مکاتبت کو فسخ کرالے ورنہ قاضی فسخ کرا دے گا۔

خیراً۔ خیر یعنی بہتری کے آثار سے مراد ہے کمانے کا سلیقہ، فضول خرچی سے بچنا، آزاد ہوکر دوسروں کو تکلیف نہ دینا

قال ابن عمر قوۃ علی الکسب وھو قول مالک والثوری (معالم) وقال الشافعی واظھر معانی الخیر فی العبد الاکتساب مع الامانۃ (معالم)

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ

اور اپنی باندیوں کو مت مجبور کرو زنا پر جبکہ وہ پاکدامن رہنا چاہیں ۲۲ے محض اس لئے کہ دنیوی زندگی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ

کا کچھ فائدہ تمہیں حاصل ہوجائے ۲۳ے اور جو کوئی انھیں مجبور کرے گا سو اللہ ان کے مجبور کئے جانے کے

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾

بعد بخشنے والا ہے مہربان ہے ۲۴ے

والأظهر انه اراد الصلاح فينتظم ذالك الوفاء والصدق واداء الأمانة ۔ (جصاص)

اےا (تاکہ وہ جلد آزادی حاصل کرسکیں)

مال اللہ ۔ مال کی اضافت اللہ کی طرف کرکے یہ حقیقت تازہ کردی کہ یہ مال تمھارا اپنا ہے کب ۔ جو کچھ بھی خرچ کروگے اللہ ہی کا تو مال ہوگا!

اٰتوھم ۔ صیغۂ امر کے مخاطب عام مسلمین ہیں ۔ اُمّت کو حکم ہو رہا ہے کہ زکوٰۃ دے کر مکاتبین کی امداد کرو ۔ اعانت مکاتبین مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف ہے ۔

اےٗ (جیسا کہ جاہلیت عرب میں رواج تھا)

عرب جاہلیت میں امراء اپنے ہاں کی باندیوں سے پیشہ کراتے تھے ۔ میلوں ٹھیلوں کے موقع پر ان کے خیمے نصب کرا دیتے تھے، جن پر علامت کے لئے خاص جھنڈیاں لگی ہوتی تھیں، اور ان کی آمدنیوں سے اپنا حصہ لیتے تھے ۔

ومن سننهم أنهم كانوا يكسبون بفروج إمائهم، وكان لبعضهن راية منصوبة فى أسواق العرب فيأتيها الناس فيجرون بها ۔ (ابن حبيب ص۳۴۰)

بغاء ۔ کے معنی حرامکاری کے ہیں ۔

البغاء الزنا (ابن جرير عن مجاهد) البغاء وهو الزنا (ابن جرير)

فتیات ۔ کے لفظی معنی ہیں جوان عورتیں ۔ یہاں مراد مطلق باندیاں ہیں، خواہ کسی عمر کی ہوں ۔

فتياتكم اى امائكم ۔ (راغب)

یہ مراد نہیں کہ اگر وہ ابھی جوانی کو نہ پہنچی ہوں یا جوانی سے اتر چکی ہوں تو اُن کے لئے یہ جائز ہوگا ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ آیت میں اشارہ خصوصیت کے ساتھ مشہور منافق عبداللہ بن ابی بن سلول کی جانب ہے ۔ جس کے پاس دو کنیزیں معاذہ اور مسیکہ خاص اسی کام کے لئے تھیں بعض روایتوں میں ان کی تعداد چھ آئی ہے —— ابن ابی کا شمار مدینہ کے بڑے بڑے لیڈروں میں تھا ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کے پیشے عرب کے

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ

اور ہم نے تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی حکایتیں اور

قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

خدا سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت (کی باتیں بھی بھیجی ہیں) ۷۵ اللہ (ہی) آسمان اور زمین کا نور ہے ۷۶

مہذب معاشرہ میں بھی داخل عیب نہ تھے۔

۷۳ یہ دونوں قیدیں بطور قید واقعی ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر اہل جاہلیت واقعتہً اپنی باندیوں کو ان کی خواہش کے خلاف عصمت فروشی پر مجبور کرتے رہتے تھے، اور مقصود اس سے محض نفع مالی تھا۔

وكذالك كانوا يفعلون فى الجاهلية يؤاجرون إماءهم (معالم)

یہ مراد نہیں کہ اگر باندیاں از خود آمادہ ہوں یا ان کے مالک ان سے فیس نہ وصول کرتے رہیں تو عصمت فروشی ان کے حق میں جائز ہو جائے گی۔

۷۴ (وہ اپنی صفات غفور و رحمۃ کے تقاضے سے کیوں نہ ان باندیوں کی مجبوریوں پر نظر رکھے گا)

اى للمكرهات على الزنا (ابن جرير عن مجاهد) غفور لهن ما اكرهن عليه۔ (ابن جرير عن الزهرى)

لهن غفور رحيم۔ (جصاص عن ابن عباسؓ)

"جس اکراہ سے منکرات پر مواخذہ نہیں وہ وہ ہے جس میں اتلاف نفس یا اتلاف عضو کا خوف ہو" (تھانوی)

فقہاء نے لکھا ہے کہ مجبور پر نہ حد جاری کی جائے گی نہ اس کے عمل کا شمار عصیان میں ہوگا۔

قال ابو بكر اخبر تعالى أن المكرهة على الزنا مغفور لها ما فعلته على وجه الاكراه (جصاص)

سورت میں شروع سے بے عصمتی کی تقبیح اور عصمت کی تاکید چلی آ رہی ہے۔ غلاموں، کنیزوں کے نکاح کی تاکید، کنیزوں کی عصمت کا تحفظ، سب اسی سلسلہ کی چیزیں ہیں۔

۷۵ (اسی قرآن بلکہ اسی سورت کے ذریعہ سے)

آیات احکام کی اہمیت اس آیت سے واضح طور پر ظاہر ہو رہی ہے۔

وحی خفی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی، وہ بھی آیت کا مدلول بن سکتی ہے۔

۷۶ یعنی اللہ ہی نور ہدایت بخشنے والا ہے۔ اہل آسمان کو بھی اہل زمین کو بھی، یعنی جملہ مخلوقات کو۔

اى هادى من فى السموات والأرض فهم بنوره إلى الحق يهتدون، وبهداه من حيرة الضلالة يعتصمون (ابن جرير) يقول الله سبحانه هادى اهل السموات والارض (ابن جرير عن ابن عباسؓ)

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ

اس کے نور (ہدایت) کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے۔ چراغ ایک قندیل میں ہے قندیل گویا

كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا

ایک چمکدار ستارہ ہے۔ (چراغ) روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مفید درخت (یعنی) زیتون سے جو نہ پورب رُخ ہے

غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ

نہ پچھم رُخ ہے ۷۷ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا اگرچہ آگ اسے نہ بھی چھوئے ۷۸ نور ہی نور ہے ۷۹

ھادی اھل السموات والارض (جصاص عن انس)

ای مثل نور اللہ تعالٰی فی قلب المومن وھو النور الذی یھتدی بہ (معالم)

انجیل میں بھی خدا کو نور کہا گیا ہے، یوحنا کے پہلے عام خط میں ہے:۔

"خدا نور ہے، اور اس میں ذرا بھی تاریکی نہیں"۔ (۱ : ۵)

اصل انجیل یوحنا، باب اول کے شروع میں بھی اس قسم کی کچھ عبارتیں ہیں۔

نور۔ اپنے لغوی معنی میں وہ روشنی ہے، جس کا ادراک آنکھ سے ہو سکے۔ تو حق تعالٰی پر اس کا اطلاق جب بھی ہوگا، مجازی ہی معنی میں ہوگا۔

النور فی کلام العرب الضوء المدرک بالبصر واسنادہ الی اللہ تعالٰی مجاز (بحر)

یا یوں کہا جائے کہ اس کی صفت نورانیت کے اظہار عظمت کے لئے ہے۔

وتسمیتہ تعالٰی بذلک لمبالغۃ فعلہ (راغب)

۷۷ یعنی نہ اس کے جانب شرقی میں کوئی آڑ ہے، نہ جانب غربی میں۔ اس کا فیض شرق و غرب کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کوئی جانب اس سے خالی نہیں۔ وہ مقید کسی جہت کے ساتھ نہیں ——— جو درخت زیتون کسی آڑ میں نہ ہو، اس کا تیل بھی روشن تر ہوتا ہے۔

زیتونۃ۔ روغن زیتون اپنی لطافت، صفائی، روشنی کے لئے مشہور ہے۔ عرب میں مشہور تر تھا۔

مثل۔ اہل تحقیق نے بطور عبارۃ النص یہاں لکھا ہے کہ اللہ کی صفات کی مثال بیان کرنا جائز ہے، بشرطیکہ خلاف آداب حضرت نہ ہو۔ اور نفی لیس کمثلہ شیٔ میں جس چیز کی کی گئی ہے، وہ وجود مثل و نظیر کی ہے۔

۷۸ یعنی وہ روغن اپنی غایت تنویر سے از خود روشن ہو جانے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ خود ایمان غایت وضوح سے کسی ایضاح خارجی کا محتاج نہیں۔

۷۹ نور علی نور۔ کا یہ ترجمہ اردو محاورہ کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ "ایک تو اس میں خود قابلیت نور کی اعلٰی درجہ کی تھی، پھر اوپر سے فاعل یعنی نار کے ساتھ

یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ

اللہ اپنے اس نور تک جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔^۸۰ اور اللہ لوگوں کے لئے (یہ) مثالیں بیان کرتا ہے۔^۸۱

وَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳۵﴾ فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ

اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔^۸۲ (وہ^۸۳) ایسے گھروں میں ہیں جن کے لئے اللہ نے حکم

وَ یُذۡکَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ ۙ

دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے۔^۸۴

اجتماع ہوگیا، اور پھر اجتماع بھی ان کیفیات کے ساتھ کہ چراغ قندیل میں رکھا ہو جس سے بالمشاہدہ چمک بڑھ جاتی ہے اور پھر وہ ایسے طاق میں رکھا ہو جو ایک طرف سے بند ہے، ایسے موقع پر شعاعیں ایک جگہ سمٹ کر بہت تیز روشن ہوتی ہیں، اور پھر تیل بھی زیتون کا، جو مزید اشراق وقلت دخان میں مشہور ہے، تو اسقدر تیز روشنی ہوگئی جیسے بہت سی روشنیاں جمع ہوگئی ہوں، اس کو نور علیٰ نور فرمایا، یہاں مثال ختم ہوگئی پس اسی طرح مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے، تو روز بروز اس کا انشراح قبول حق کے لئے بڑھتا چلا جاتا ہے، اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔۔۔ اور جب اس کو علم حاصل ہوتا ہے تو نور عمل یعنی عزم علی العمل کے ساتھ جو کہ ایک حال رفیع ہے، نور علم بھی منضم ہو جاتا ہے، جس سے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے پس علم وعمل جمع ہو کر نور علی نور صادق آجاتا ہے"۔ (تھانویؒ)

۸۰ اور انھیں اپنے قانون تکوینی کے ماتحت منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

اس نعمت پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہیے۔

۸۱ (تاکہ معقولات ومجردات، محسوسات کی مثالوں کے ذریعہ سے آسان وقریب الفہم ہوجائیں اور اس سے خوب ہدایت حاصل ہو)

"یہ ہدایت جو ضرب، مثال پر مرتب ہے عامہ ہے، اور یهدی اللّٰه میں ہدایت خاصہ ہے، اس لئے وہاں من یشاء کے ساتھ مقید ہے اور یہاں جمیع ناس کے لئے پس باہم تعارض نہیں"۔ (تھانوی)

۸۲ ہدایت کے طریقے بھی اس نے کافی بلکہ وافی اختیار کئے ہیں۔ اور ہر ایک شخص کی صلاحیت ہدایت کا بھی صحیح علم اسی کو ہے۔ اور یہ بھی اسی علیم کل پر روشن ہے کہ کون مثال کس کے لئے زیادہ قریب الفہم ہوگی۔

۸۳ یعنی وہی ہدایت پائے ہوئے اشخاص۔

فی۔ حرف فی کو بعض نے مصباح سے متعلق لیا ہے، اور بعض نے یسبح سے۔

لہ اختلف فی الفاء من قولہ فی فقیل ھی متعلقۃ بمصباح وقیل بیسبح لہ (قرطبی)

۸۴ مراد مسجدوں کا ہونا ظاہر ہے۔

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ

ان میں وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں ۸۵ ایسے لوگ جنہیں نہ تجارت غفلت میں

وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ

ڈال دیتی ہے نہ (خرید و) فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے ۸۶

قال ابن عباسؓ هذه البيوت هي المساجد قال اكثر المفسرين قالوا المراد المساجد (كبير)

المساجد وكذلك قال الحسن ومجاهد۔ (جصاص)

ترفع ۔ رفع کے لفظی معنی بلند کرنے کے ہیں۔ لیکن بلندی ہمیشہ مادّی ہی نہیں ہوتی معنوی بھی ہوتی ہے۔

الرفع يقال تارة في الأجسام الموضوعة ۔۔۔۔ وتارة في المنزلة إذا شرفتها (راغب)

ترفع اى تشرف (راغب)

اور معنوی بلندی یہ ہے کہ مسجدوں کی تعظیم وتطہیر کا اہتمام رکھا جائے۔

اى تعظم وتطهر عن الانجاس، وعن اللغو من الأقوال (كبير عن الزجاج)

ان تعظم بذكره (جصاص عن مجاهد)

فقہاء نے یہیں سے مسجد کی تعظیم وادب اور اس کے اندر بیٹھ کر دنیوی امور میں مشغولیت کی ممانعت نکالی ہے۔

هذا يدل على انه يجب تنزيهها من العقود وفي الأمور الدنيا مثل البيع والشراء وعمل

الصناعات ولغو الحديث الذي لا فائدة فيه والسفه وما جرى مجرى ذلك (جصاص)

بعض نے توسع سے کام لے کر بیوت کے تحت میں عام مؤمنین کے گھروں کو بھی داخل کیا ہے جہاں ذکر الٰہی

ہوتا رہتا ہے۔

۸۵ صبح وشام سے محاورہ میں مراد دوام سے ہوتی ہے۔ اس سے قطع نظر، اصیل کا وقت دن ڈھلنے

کے بعد سے پوری رات تک رہتا ہے۔ گویا نماز فجر اگر غدو میں آ گئی تو ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازیں اصال ہیں۔

۸۶ احکام شرعی میں سے یہ دو، اقامت صلوٰۃ وایتاء زکوٰۃ نہایت اہم ہیں۔ انھیں بطور نمونہ کے

بیان کر دیا گیا۔

ذکر اللہ ۔ اللہ کی یاد سے مراد اس کے احکام کی بجا آوری ہے۔

تجارۃ ولا بیع ۔ خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے اس خاص فضیلت کے موقع پر ذکر کس کا فرمایا گیا

ہے۔ گوشہ نشین، تارک دنیا، زاہدوں، راہبوں کا نہیں، بلکہ اُن کا جو دنیا کے معاملات میں پوری طرح

پڑے ہوئے ہیں، بیع وتجارت میں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی دل ان کے کہیں اور بھی اٹکے ہوئے ہیں۔

فرائض میں غفلت نہیں کرتے، ادائے حقوق میں سستی نہیں برتتے۔

روى عن الحسن في هذه الآية والله لقد كانوا يتبايعون في الأسواق فاذا حضر حق

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٣٧﴾

وہ ڈرتے رہتے ہیں ایسے دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ ۵۸۷

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ

انجام یہ ہوگا کہ اللہ اُن کو اُن کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا۔

يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ

اور اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار دے دیتا ہے۔ ۵۸۸ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال مثل سراب کے

كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا

ہیں چٹیل میدان میں کہ پیاسا اس کو پانی خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اسے کچھ بھی نہیں پایا،

وَوَجَدَ اللَّهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾

اور اس کے پاس (قضاء) الٰہی کو پایا۔ ۵۸۹ سو اللہ نے اس کا حساب پورا چکا دیا۔ ۵۹۰ اور اللہ بہت ہی جلد حساب کر دیتا ہے۔

ومن حقوق الله يدعوا بحق الله حتى يقضوه ثم عادوا إلى تجارتهم (جصاص)

والاية نزلت في اهل الأسواق قاله ابن عمر۔ (قرطبي) وقال ابوهريرة صلى الله عليه وسلم هم الذين يضربون في الارض يبتغون من فضل الله (قرطبي)

صوفیہ کے مسئلہ خلوت در انجمن کی اصل بھی یہیں سے نکلتی ہے۔

۵۸۷ یہ بیان ان کے کمال خشیت وتقویٰ کا ہے کہ باوجود پابندی احکام کے ہر وقت روز جزا سے ڈرتے رہتے ہیں —— روز جزا کا نام صراحت سے لینے کے بجائے اس کے ایسے وصف کا ذکر کر دیا، جس سے نفس میں اس کی ہیبت کا استحضار ہو جائے۔

۵۸۸ مفصل، مستقل ومتعین وعدہ اہل ایمان سے جس جزا کا ہے، وہ تو جنت ہے لیکن اس کے علاوہ محض اپنے فضل وکرم سے اللہ جس کو جتنا نواز دینا چاہے اس کے لئے کوئی حد وحساب بھی نہیں —— اسلام کا خدا بعض دوسرے مذہبوں کی طرح کرم وعطا میں کنجوس نہیں۔

۵۸۹ (یعنی تڑپ کر پیاس سے مرگیا اور اپنے کو عذاب الٰہی سے ہم کنار پایا۔)

ای عقابه تعالی او زبانیته تعالی۔ (بیضاوی)

یہ مثال ان کافروں، منکروں کی ہے، جو اپنے اپنے باطل مذہب پر قائم، اپنے زعم میں عمر بھر اعمال صالحہ

أَوْ كَظُلُمٰتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ

یا (وہ اعمال) ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو ایک (بڑی) موج نے ڈھانپ لیا ہو پھر اس (موج) کے اوپر (ایک اور

سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ

موج ہو پھر اس کے اوپر بادل ہو (غرض) اوپر تلے اندھیرے ہیں کہ اگر کوئی اپنا ہاتھ نکالے تو اس کے دیکھنے کا احتمال تک

يَكَدْ يَرٰهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿٤٠﴾ ع أَلَمْ

ع ۵ ۱۱

نہیں ۹۱ اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کے لئے (کہیں سے) نور نہیں ۹۲ کیا تجھے معلوم نہیں

تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ

ہوا کہ اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں ۹۳

میں لگے رہے۔ اور ان کے صلہ وجزا کے امیدوار۔

ان بدنصیبوں کی آخری مایوسی کی شدت کا کیا ٹھکانہ ہے کہ جب حقیقت کا انکشاف ہوگا تو اُن کی دل خوش کن امیدیں کچھ بھی کام نہ دیں گی۔ اور غایت تحسر کے ساتھ انھیں قعر ہلاکت میں گرنا ہوگا۔

۹۰ یعنی کوئی ظلم اس پر بھی نہ ہوا، بلکہ جو مقتضائے عدل ہے، وہی اُس کے ساتھ پیش آیا۔

۹۱ یہ مثال ان کافروں کی ہے جو سرے سے ملحد یا لامذہب ہیں۔ اور جنھیں کوئی وہمی سہارا بھی آخرت کا حاصل نہیں، ان کی غایت ظلمانیت کا کیا کہنا۔ ایک تو قعر سمندر کی تاریکیاں خود ہی معاذ اللہ کیا کم ہیں، اور پھر سطح سمندر کے اوپر موج در موج! اور اس پر چھائی ہوئی گھٹائیں، غرض کیسا کچھ اندھیر اگھپ!

سحاب۔ سیاق میں ابر ہے مراد اس سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جاتا ہے۔

وقد یذکر لفظہ ویراد بہ الظل والظلمۃ علی طریق التشبیہ (راغب)

۹۲ چنانچہ یہ بھی اپنے اغراض کے باعث ایسی تاریکیوں میں گھرے اور پڑے رہ گئے ہیں کہ اب ان کا کوئی سہارا نہیں! —— انھیں چاہئے تھا کہ اتباع احکام الٰہی کا قصد اپنی طرف سے کرتے، حق تعالیٰ اپنی عادت کے موافق ان کے عزم پر فعل کو بھی ضرور مرتب کر دیتا۔

ومن لم یجعل اللہ لہ نورا۔ اور اللہ کی طرف سے ہدایت سے محروم وہی رہتے ہیں جو خود ہی حصول ہدایت کا قصد نہیں کرتے۔

بغیر اس نور ہدایت کے دنیا بھر کے "کمالات" لاحاصل اور صفر محض۔

صوفیہ نے یہیں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس میں استعداد نہیں اس میں عقل بھی نہیں۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾

ہر ایک کو معلوم ہے اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح ۔ ۹۴ے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ یہ لوگ کرتے رہتے ہیں ۹۵ے

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿٤٢﴾ أَلَمْ تَرَ

اور اللہ ہی کی ملک ہیں آسمان اور زمین ۔ اور اللہ ہی کی طرف واپسی ہے ۔ ۹۶ے کیا تجھے یہ علم

أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى

نہیں کہ اللہ ایک ایک بادل کو چلاتا رہتا ہے پھر اس کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا

الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا

ہے بارش کو کہ وہ اس کے بیچ میں نکل کر آتی ہے ۔ اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا

مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ۖ

ہے ، پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے ، اور اسے ہٹا دیتا ہے جس سے وہ چاہتا ہے ۔

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿٤٣﴾

اس (بادل) کی بجلی کی چمک گویا اب بینائی لیا ہی چاہتی ہے ۹۷ے

۹۳ے (اور بظاہر زمین و آسمان کی درمیانی فضا میں معلق)

الم تر ۔ خطاب عام سننے والے سے ۔ یعنی کیا تجھ پر دلالت عقل و مشاہدات سے یہ بات واضح نہیں ہوئی ۔

یسبح لہ من فی السموٰت والارض ۔ یہ تسبیح خواہ قالاً ہو یا حالاً ۔ ہر صنف موجودات کے اپنے اپنے مرتبۂ وجود کے مطابق ہوتی ہے ۔

والطیر ۔ پرند پرستی جاہل قوموں میں بہت زیادہ پھیلی رہی ہے ۔ باز ، عقاب ، مور ، طوطا ، نیل کنٹھ ، ہنس ، بھجنگا ، ننکرا اور خدا معلوم کتنے اور پرندے پج چکے ہیں ۔ مخلوقیت و عبدیت کے موقع پر پرندوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ عجب نہیں کہ اسی مصلحت سے ہو ۔

۹۴ے (یہ طریق الہام)

کل ۔ یہاں مراد پرند (الطیر) بھی ہو سکتی ہے ، جو بالکل قریب ہے ۔ اور ہر موجود و مخلوق بھی مراد ہو سکتی ہے ۔

كل واحد مما ذكر أو من الطير (بیضاوی)

۹۵ ؎ (اور وہ ان کو وقت مناسب پر سزا دے کر رہے گا)۔
اشارہ ہے ان لوگوں کی جانب جو دلالتوں کے باوجود توحید وایمان سے اعراض وانکار کرتے رہتے ہیں۔

۹۶ ؎ اس وقت یہ ملکیت وحاکمیت سب کے مشاہدہ میں آکر رہے گی۔
یہی واپسی کا استحضار ہی ہے، جو مومن وغیر مومن کے درمیان فرق قائم کئے ہوئے ہے ـــــ "ماڈرن" انسان سارے ہی "کمالات" کا جامع ہوگا، ہوا پر اڑے گا، سارے "علوم وفنون" کی تحقیقات کر ڈالے گا، محروم ہوگا تو اسی یاد آخرت سے۔

۹۷ ؎ غرض اپنی مشیت تکوینی کے یہ عجائب وغرائب ہر لحظہ اور ہر آن دکھاتا رہتا ہے۔ دیکھنے کے لئے صرف چشم بینا ہونا چاہئے ـــــ ایک مناسب وقت پر، مناسب موسم میں، ابر کو پیدا کرنا، ایک مناسب بلندی پر لے جانا، ہوا میں مناسب حال تغیرات پیدا کرنا، ابر کے منتشر ٹکڑوں کو تلے اوپر جمع کر کے انہیں گھنگھور گھٹاؤں کی شکل میں تبدیل کر دینا، پھر ایک مناسب مقدار میں، مناسب مدت تک بارش کرتے رہنا، یہ سب کام اسی صانع مطلق حکیم برحق کے ہیں۔

من السماء۔ سماء کے لغوی معنی بر حاشیے کئی بار گزر چکے۔ ہر بلند سائبان اور چھت پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے، یہاں مراد ابر ہے، جیسے کہ اور بھی کئی آیتوں میں ابر ہی مراد ہے۔

من الغمام (بیضاوی)

اى من السحاب (روح)

هو الغيم المرتفع على رؤس الناس (كبير)

من جبال عربی محاورہ میں کثرت وعظمت کے اظہار کے لئے آتا ہے، مثلاً کثرت علم کے موقع پر عندہ جبالٌ من العلم۔ کثرت زر کے موقع پر فلان يملك جبالا من الذهب (بحر)
اردو محاورہ میں بھی بولتے ہیں۔ "اس کے پاس تو سونے کے پہاڑ ہیں"۔

من قطع عظام تشبه الجبال فى عظمها أو جمودها (بیضاوی)

يريد الكثرة بذكر الجبال كما يقال فلان يملك جبالا من ذهب (کشاف)

اى مقدار جبال فى الكثرة من البرد (معالم)

اراد بقوله من جبال السحاب العظام (كبير)

زجاج لغوی کا قول نقل ہوا ہے کہ من جبال یہاں کجبال کے معنی میں ہے، حرف تشبیہ ك محذوف ہے۔ (بحر)

سحابًا۔ لفظاً واحد ہے، لیکن بطور اسم جنس جمع کے معنی میں ہے۔

المعنى يسوق سحابة إلى سحابة۔ (بحر)

بينه۔ کو بین اجزائه کے معنی میں لیا گیا ہے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

اللہ رات اور دن کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ اس میں (بڑا) سبق ہے اہل بینش کے لئے ۹۸

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ

اور اللہ ہی نے ہر چلنے والے جانور کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ سو ان میں وہ بھی ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ

اور ان میں وہ بھی ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں۔ اور ان میں وہ بھی ہیں جو چار پیروں پر چلتے ہیں۔

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۹۹ بے شک ہم نے کھلے ہوئے

اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

نشان نازل کئے ہیں۔ اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت کر دیتا ہے۔ ۱۰۰

ای یولف بین اجزائہ (بحر)

ومعنی تالیف الواحد أنہ یکون قزعًا فیضم بعضہ إلی بعض وجاز بینہ وھو واحد لأن المعنی بین أجزائہ۔ (کشاف)

فیصیب بہ من یشاء۔ جسے چاہتا ہے اپنی مشیت تکوینی کے مطابق مال اور جان کا نقصان پہنچا دیتا ہے۔

یصرفہ عن من یشاء۔ جس کو چاہے اپنی مشیت تکوینی کے مطابق محفوظ کر دیتا ہے۔

من السماء۔ میں من ابتداء غایت کا ہے، یعنی اولے کی ابتدا سماء یا بادل سے ہوتی ہے۔ اور سماء کا یہاں بادل کے معنی میں ہونا بالکل ظاہر ہے۔

ای من السحاب (روح)

من جبال۔ میں من تبعیض کا ہے یعنی سارے بادل میں نہیں، اس کے بڑے بڑے حصوں میں۔

من برد۔ من تبیین جنس کا ہے۔ (جصاص، کشاف، ابن کثیر وغیرہم)

فیھا۔ ضمیر جبال کی جانب ہے، مراد یہ ہے کہ بادل (سماء) کے ان بڑے بڑے ٹکڑوں (جبال) سے اولے برساتا ہے۔

ای ینزل من السماء جبالًا۔ فی تلك الجبال برد (روح)

وَيَقُولُونَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُولِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ

اور یہ لوگ کہتے (تو) ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لے آئے اور ان کا حکم مانا پر ان میں کا ایک گروہ

مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا دُعُوٓا

اس کے بعد سرتابی کر جاتا ہے۔ اور یہ لوگ ہرگز ایمان والے نہیں ۱۰۱ھ اور جب یہ اللہ اور اس کے

اِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۴۸﴾

رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں کا ایک گروہ پہلوتہی کرتا ہے ۱۰۲ھ

وَاِنْ يَكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿۴۹﴾ ط

اور اگر ان کا حق (نکلتا ہوتا) ہے تو (رسول) کی طرف سر تسلیم خم کئے آجاتے ہیں ۱۰۳ھ

۹۸ھ (اللہ کی توحید و ربوبیت کا، اس کی صنعت کاملہ و قدرت مطلقہ کا)
یہ ساری صناعیاں اسی صانع مطلق کی ہیں۔ کوئی دیوی دیوتا اس میں اس کا شریک نہیں۔

۹۹ھ (اس قدیر پر کچھ بھی مشکل نہیں وہ جو جانور جس قسم کا بھی چاہے پیدا کر دے۔)
يمشي على بطنه۔ پیٹ کے بل چلنے والوں میں کل رینگنے والے جانور یعنی حشرات الارض بھی آگئے جیسے سانپ۔ اور تیرنے والے جانور بھی جیسے مچھلی۔
يمشي على رجلين۔ دو پایہ جانور کی مثال خود انسان ہے نیز پرند جب وہ زمین پر چل رہے ہوں۔
يمشي على اربع۔ چوپایہ جانوروں کی مثالیں بالکل ظاہر ہیں۔
واللّٰه خلق كل دابة من مآء۔ حاشیہ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۳۰ میں گزر چکا۔
جو لوگ "بیالوجی" اور "زولوجی" کے جزئیات میں پڑ کر اور الجھ کر اللہ کی قدرت کاملہ کی بصیرت سے محروم رہ جاتے ہیں، ان کی بے بصری بڑی ہی حسرت انگیز ہے۔

۱۰۰ھ یہ احسان خاص ہے ہدایت یافتوں کے لئے۔ یہ ظہور ہے رحمت خاصہ کا۔
لقد انزلنا اٰيٰت مبيّنٰت۔ یعنی دلائل حق سب کی ہدایت کے لئے نازل کئے ہیں۔ یہ ظہور ہے رحمت عامہ کا۔

۱۰۱ھ ان لوگوں کے ایمان کامل کی نفی بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی دل میں ایمان تو کسی منافق کے بھی نہیں۔ لیکن ان کھلم کھلا عدول حکمی کر جانے والوں نے تو اس ایمان کا ظاہری پردہ بھی ہٹا دیا۔
من بعد ذٰلك۔ یعنی جب اس زبانی دعوی کے عملی ظہور کا وقت آتا ہے۔
ذکر منافقین کا ہے۔ زبان سے تو یہ لوگ بڑے دعوے ایمان و اطاعت کے کیا کرتے ہیں، مگر جب

أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

آیا اُن کے دلوں میں مرض ہے یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا ان کو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول

وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ

ان پر ظلم نہ کرنے لگیں۔ (نہیں) بلکہ یہ لوگ تو خود ہی ظالم ہیں۔ ۱۰۴ ایمان والوں کا تو قول یہ ہے کہ

الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا

جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو وہ کہہ اٹھتے

وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾

ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ۱۰۵ تو ایسے ہی لوگ تو (پورے) فلاح یاب ۱۰۶ الف ہیں۔

وقت اس دعویٰ کے ثبوت کا آتا ہے تو ان میں کا زیادہ شریر حصہ صاف نکل جاتا ہے۔

۱۰۲ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے سے)

یہ آیت اوپر کی آیت کی تفصیل کر رہی ہے۔ یعنی اپنے قضیوں، جھگڑوں کے فیصلہ کے واسطے جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں طلب کئے جاتے ہیں تو یہ لوگ یہ سمجھ کر کہ وہاں تو فیصلہ تمام تر حق و انصاف ہی کے مطابق ہوگا، اور کوئی خیانت، چالاکی چلنے نہ پائے گی ٹال مٹول کر جاتے ہیں۔

دعوا الی اللہ۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی طلبی صرف بارگاہ رسول ہی میں ہوتی تھی مگر چونکہ رسولؐ کے فیصلے عین خدائی فیصلوں کے نافذ کرنے والے ہوتے تھے اس لئے دعوا کے ساتھ الی اللہ بڑھا دیا گیا۔

دعوا الی اللہ۔ میں دعوت حکم اللہ کی طرف ہے۔ اور یہیں سے فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ حاکم اسلام جب کسی مقدمہ کے تصفیہ کے لئے بلائے تو حاضری لازمی ہے۔

معناه إلى حكم الله، هذا يدل على من ادعى إلى غيره حقا، ودعاه إلى الحاكم فعليه إجابته والمصير معه إليه (جصاص)

هذه الآية دليل على وجوب اجابة الداعى الى الحاكم (قرطبی)

۱۰۳ یعنی جب ان کا حق کسی اور کے ذمہ نکلتا ہوتا ہے، اور یہ خود مظلوم ہوتے ہیں تو پھر بے تکلف چلے آتے ہیں، اس اطمینان پر کہ وہاں تو انصاف ہی ہوگا۔

۱۰۴ (اور چونکہ خود برسر ظلم ہوتے ہیں، اس لئے ان مقدمات کو حضور نبویؐ میں لاتے سے پہلو بچاتے ہیں کہ وہاں تو قلعی کھل کر رہے گی۔)

أفي قلوبهم مرض۔ مرض سے مراد کفر قطعی ہے۔ یعنی آیا یہ انکار نبوت میں جزم کے

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جو کوئی بھی کہا مانے گا اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے گا اور اس (کی نافرمانی) سے بچے گا تو بس ایسے ہی لوگ بامراد ہوں گے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا

اور یہ لوگ بڑے زور سے اللہ کی قسم کھاتے رہتے ہیں کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم نکل پڑیں۔ ۱۰۶ آپ کہئے کہ (ایسی)

تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

قسمیں نہ کھاؤ۔ فرمانبرداری معلوم ہے۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے ۱۰۷

ساتھ مبتلا ہیں؟

ام ارتابوا۔ یعنی آیا یہ نبوت و رسالت کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں؟

۱۰۵ (اور یہ فوراً حضور نبویؐ میں حاضر بھی ہو جاتے ہیں)

یعنی اہل ایمان کے قول بیان کا عمل گواہ رہتا ہے۔

الی اللّٰہ۔ کے معنی کئے گئے ہیں کہ حکم الٰہی کی طرف۔

معناه إلى حكم الله (جصاص)

إلى كتاب الله وحكم رسوله (قرطبی)

اور فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حاکم شریعت جب طلب کرے حاضری ضروری ہو جاتی ہے۔

هذه الآية دليل على وجوب اجابة الدعوىٰ إلى الحاكم لان الله تعالىٰ ذم من دعى إلى رسول الله ليحكم بينه وبين خصمه فلم يجب با قبح المذمة (ابن العربی)

تاكيد لما تقدم ذكره من وجوب الاجابة إلى الحكم إذا دعوا إليه وجعل ذلك من صفات المومنين (جصاص)

اور فقہاء نے اسی معنی میں یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔ من دعى إلى سلطان فلم يجب فهو ظالم لاحق له (جصاص)

۱۰۵ الف اولئك هم المفلحون۔ یہ پورا فقرہ ایک آیت اوپر کے فقرہ اولئك هم الظالمون کے مقابلہ میں ہے۔

۱۰۶ (گھر بار سب چھوڑ چھاڑ)

اب ذکر ان ہی منافقین کا ہے۔ بیچ میں جملہ معترضہ مومنین صادقین کی مدح میں آ گیا تھا۔

۱۰۷ (اور اس خبیر ہی نے مجھے بھی بتا دیا ہے۔)

مطلب یہ ہے کہ زبانی اور نمائشی دعوؤں سے کچھ بھی نہیں ہونے کا۔ ضرورت صرف مخلصانہ عمل کی ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر روگردانی کروگے تو (سمجھ لو کہ) رسول کے ذمہ اسی قدر

عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ

ہے جس کا بار ان پر رکھا گیا ہے اور تمہارے اوپر اسی قدر جس کا بار تم پر رکھا گیا ہے ۱۰۸ اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی ۱۰۹ تو راہ سے جا لگو گے

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۵۴ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے ۱۱۰ تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں

مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ

اور نیک عمل کریں ان سے اللہ وعدہ کرتا ہے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت عطا کرکے رہے گا جیسا کہ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠

ان سے پہلے لوگوں کو خلافت (ارضی) دے چکا ہے ۱۱۱

طاعۃ معروفۃ۔ یعنی تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت خوب معلوم ہو چکی۔

کأنہ قیل لا تقسموا علی ما انتم علیہ من الطاعۃ۔ لان طاعتکم طاعۃ معروفۃ بانہا واقعۃ باللسان فقط من غیر مواطاۃ من القلب (روح)

۱۰۸ یعنی رسول کے ذمہ تو تبلیغ تھی، وہ اسے پوری طرح ادا کر چکے۔ اب آگے اس پر عمل تمہارا کام تھا، تم وہ نہیں کرتے، سو خود ہی بھگتو گے۔ رسول کا اس سے کیا ضرر؟

واطیعوا الرسول۔ اطاعت الٰہی کے ساتھ ساتھ یہ مستقل اطاعت رسولؐ کی بھی تصریح مدنظر رہے۔

۱۰۹ (جو عین اطاعت ہے اللہ کی۔)

کا۔ ضمیر کھلی ہوئی رسول کی جانب ہے۔

بندوں کے پاس اور کوئی بھی ذریعہ احکام الٰہی و مرضیات الٰہی کے علم کا نہیں، بجز وساطت رسولؐ کے۔

۱۱۰ (نہ کہ کسی کو ہدایت پر مجبور کر دینا)

یہ بات بھی باربار صاف کرنے کی تھی، دنیا کو کثرت سے اس باب میں ٹھوکر لگی ہے۔

تہتدوا۔ یعنی ہدایت پاکر خود ہی فائدہ میں رہو گے۔

محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت سے کشف حقائق ہوتا ہے۔ اور وہی حاصل ہے اهتداء کا۔

۱۱۱ (جیسے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی حکومتیں مستقل طور پر، اور طالوت کی حکومت جالوت اور زبردست فلسطینیوں کے مقابلہ میں، یا یوشع بن نون کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو زبردست قوم عمالقہ کے مقابلہ میں اور حضرت یوسفؑ کا عہد حکومت)

منکم۔ خطاب مسلمانوں سے ہے یعنی تم مسلمانوں میں سے جو طبقہ بھی ایمان و مقتضیات ایمان پر عمل کرے گا۔

لیستخلفنھم۔ میں دہری دہری تاکید ہے، یعنی کامل الایمان، اطاعت شعار مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ خلافت ارضی ضرور ہی دے کر رہے گا۔ اور یہ پیش خبری اس وقت کی جارہی ہے جب مسلمان عین حالت مغلوبیت میں تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تکذیب زوروں پر جاری تھی۔ اس وقت کسی کو اس کا گمان ہی کیوں ہونے لگا تھا۔

استخلاف۔ کے معنی خلیفہ یا جانشین بنانے کے ہیں۔

واستخلفہ ای جعلہ خلیفتہ۔ (جوھری)

وخلف فلانا اذا جعلہ خلیفۃ، کاستخلفہ، ومنہ قولہ تعالیٰ ولیستخلفنھم (تاج)

خلیفہ کرد فلاں را بجائے خود (منتہی الارب)

اور یہ خلافت یا نیابت ہمیشہ غائب ہی کی نہیں ہوتی، کبھی اس کا استعمال موقع تعظیم پر ہوتا ہے۔

الخلافۃ النیابۃ عن الغیر اما ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ واما التشریف المستخلف وعلی ھذا الوجہ الأخیر استخلف اللہ اولیاءہ فی الارض۔ (راغب)

حکومت و حاکمیت کا مفہوم بھی گو اکثر خلافت کے ساتھ شامل ہوگیا ہے لیکن "خلافت" حکومت و حاکمیت کے مترادف نہیں۔

خلافت کے لئے حکومت کا "عادلہ" ہونا لازمی ہے جس میں شریعت ربانی کا سکہ چلے اور حدود الٰہی کی پوری نگہداشت ہو۔ یہ اللہ کی ایک نعمت ہے۔ اسی کا وعدہ کامل الایمان مسلمانوں سے ہے، اور یہی اُن کے لئے مطلوب ہے ـــــ ایسی حکومت جو مزرعۂ آخرت ہو۔

مطلق حکومت جس کی بنیاد ہی جاہ و تفوق، مسابقت و خود غرضی پر ہوتی ہے، ایک شکل خالص دنیا کی ہے۔ وہ ہرگز کسی مسلمان کا مطلوب نہیں ہوسکتی، اور نہ اس کا کوئی وعدہ مسلمانوں سے ہے۔ وہ تو دوسری تکوینی چیزوں کی طرح محض مادی تدبیروں، دنیوی اسباب کی فراہمی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ جیسی آج بھی یورپی اور امریکی قوموں کو حاصل ہے۔

افسوس ہے کہ اس لفظ کے ترجمہ میں بعض اچھے اچھے جید علماء و فضلاء کے قلم کو تسامح ہوگیا، اور انھوں نے اس کا ترجمہ مطلق حکومت یا حاکمیت سے کردیا۔ لیکن الحمد للہ اکثر اکابر مترجمین (مثلاً شاہ ولی اللہ، شاہ رفیع الدینؒ اور اُن کے بعد کے متعدد حضرات) مسلک صحیح پر قائم رہے۔ اور شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی تفسیر عزیزی میں اسے خوب صاف کردیا ہے۔ خلافت کے معنی انھوں نے "پس نشستن رسول" لئے ہیں، اور الفاظ آیت کے معنی کئے ہیں "البتہ خلیفہ سازد ایشاں را در زمین"، اور آگے لکھا ہے کہ خلیفہ جفقی معنی

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ

اور جس دین کو اُن کے لئے پسند کیا ہے اُس کو اُن کے واسطے ضرور ہی قوت دے گا ۱۱۲ اور اُن کے خوف کے بعد

خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ

ضرور اس کو امن سے تبدیل کر کے رہے گا۔ (بشرطیکہ) میری عبادت کرتے رہیں کسی کو میرا شریک نہ بنائیں ۱۱۳

میں تو وہی خلفائے راشدین ہی رہے ہیں۔ اور باقی بنو امیہ و عباسیہ وغیرہ تو محض مجازاً خلیفہ کہے جاسکتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے قرآن مجید میں "خلیفہ" کا لفظ اسی معنی میں موقع مدح پر آیا ہے۔ یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق (سورہ صٓ آیت ۲۶) اور حدیث رسول میں جو آیا ہے۔ الخلافۃ بعدی ثلاثون ثم تکون ملکا (میرے بعد خلافت ۳۰ سال تک رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت ہو جائے گی) صاف خلافت اور حکومت کے اسی فرق کی جانب مشیر ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ گویا نص ہے، خلفاء اربعہ کے برسرِ حق ہونے کی۔ اُن کی ذات میں اللہ کا وعدہ استخلاف فی الارض و تمکین دین پوری طرح پورا ہو کر رہا۔ البتہ امیر معاویہؓ اس زمرہ میں شامل نہیں کہ وہ نزول آیت کے وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، اور نص میں ان کی جانب اشارہ نہیں۔

وفیہ الدلالۃ علی صحۃ امامۃ الخلفاء الاربعۃ لان اللہ تعالیٰ استخلفهم فی الأرض ومکن لهم کما جاء الوعد ولا یدخل فیهم معاویۃ لانہ لم یکن مومناً فی ذلک الوقت (جصاص)

الآیۃ أوضح دلیل علی صحۃ خلافۃ الخلفاء الراشدین لان المستخلفین الذین آمنوا وعملوا الصالحات هم هم (مدارک)

قال بعض السلف خلافۃ أبی بکر و عمر رضی اللہ عنهما حق فی کتاب اللہ ثم تلا هذہ الآیۃ۔ (ابن کثیر)

۱۱۲ یہ گویا اس حکومت سے مقصود ہوگا۔ یعنی حکومت دنیوی مقصود بالذات نہ ہوگی بلکہ ذریعہ اور واسطہ ہوگی اللہ کے پسند کئے ہوئے دین اسلام کی تقویت کا ______ اب تو نص ہی سے بالکل صاف ہوگیا کہ خلافت ارضی اور مطلق حکومت میں کتنا بڑا فرق ہے۔

ولیمکنن لهم۔ میں بھی تاکید دہری دہری ہے۔

۱۱۳ یعنی توحید اور مقتضیات توحید پر قائم رہیں۔

ولیبدلنهم۔ میں بھی دہری دہری تاکید ہے یعنی خوف و اندیشہ کے بعد ایسے کامل الایمان بندوں کو امن و اطمینان حاصل ہونا ضروری ہے۔

ولیبدلنهم... امنا۔ پُرقوت دشمن کی طرف سے خوف ایذا طبعی ہوتا ہے۔ اور یہ ایمان کامل

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اور جو کوئی اس کے بعد بھی کفر کرے گا سو ایسے ہی لوگ تو (آپ کے) نافرمان ہیں ۱۱۴ اور نماز کی پابندی رکھو

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ تاکہ تم پر رحمت (کامل) کی جائے ۱۱۵

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ

جو لوگ کافر ہیں ان کی نسبت یہ خیال نہ کرنا کہ وہ زمین میں (ہمیں) ہرا دیں گے۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ

وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ ۱۴

ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ۱۱۶ اے ایمان والو تمہارے مملوکوں کو اور تم میں جو (لڑکے) حد بلوغ کو نہیں

اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ

پہنچے ہیں۔ ان کو تم سے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے۔ ۱۱۷

کے منافی نہیں۔

لایشرکون بی شیئا۔ کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ کسی کو بھی میرا شریک نہ بنائیں، دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ کسی طرح کا بھی شرک میرے ساتھ روا نہ رکھا جائے۔

۱۱۴ (تو ان سے کوئی وعدۂ استخلاف ارض کا کیوں ہونے لگا)

بعد ذلک۔ سے مراد ہے اللہ کے اس وعدہ صریح کے بعد۔

ای بعد الوعد (مدارک)

گویا اب کفر و فسق اور اشد ہے۔

الکاملون فی فسقھم۔ (مدارک۔ بیضاوی)

ومن کفر۔ کفر۔ یہاں محدود اصطلاحی معنی میں نہیں، بلکہ اپنے وسیع معنی میں ہے، کفر کی ہر نوع پر شامل۔

۱۱۵ (دنیا و آخرت دونوں میں)

یعنی طاعات بدنی و مالی میں تمام تر مشغول رہو۔ اور رسول برحق کے جملہ احکام و ہدایات کی پابندی کرتے رہو ـــــ یہ تاکید ہے ان ہی ارشادات کی جو اوپر گزر چکے۔

اطیعوا الرسول۔ اور یہ اطاعت رسول تو اطاعت الٰہی ہی ہے ـــــ حکم ابھی اوپر بھی آچکا تھا۔ یہ تکرار و تاکید ظاہر کر رہی ہے کہ حکم مؤکد و اشد ہے۔

مِنۡ قَبۡلِ صَلٰوةِ الۡفَجۡرِ وَحِيۡنَ تَضَعُوۡنَ ثِيَابَكُمۡ مِّنَ الظَّهِيۡرَةِ

(ایک) نماز صبح سے پہلے (دوسرے) جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو۔ اور (تیسرے)

وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ ۛؕ ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّكُمۡ ؕ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ وَلَا عَلَيۡهِمۡ

بعد نماز عشاء۔ (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے ہیں ۱۱۸ ان (اوقات) کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے

جُنَاحٌۢ بَعۡدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ بَعۡضُكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ؕ كَذٰلِكَ

اور نہ ان پر۔ ۱۱۹ وہ بہ کثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس ۱۲۰ اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ ؕ

اللہ تم سے احکام کھول کر بیان کرتا ہے۔

کررت طاعۃ الرسول تاکیدًا لوجوبہا (مدارک)

۱۱۶ یعنی آخرت میں تو ان کے لئے عذاب جہنم ہے ہی، دنیا میں بھی خیال نہ گزرے کہ ان کی چالیں خدائی تدبیروں پر غالب آسکتی ہیں، اور معاندین منکرین ہمارے قہر کی گرفت سے بچ کر کہیں نکل جاسکتے ہیں۔

خطاب یہاں عام ہے ہر پڑھنے والے سے۔

فی الارض۔ یعنی زمین کے کسی حصہ میں بھی۔

۱۱۷ عام آنے جانے والوں، عاقلوں، بالغوں، آزادوں کے واسطے حکم اوپر گزر چکا ہے کہ گھروں میں جب آئیں، اجازت لے کر آئیں۔ اب حکم ہو رہا ہے مملوکوں کے لئے، غلاموں اور کنیزوں کے لئے، جنہیں گھروں میں بار بار آنے جانے کی ضرورت رہتی ہے۔ نیز نابالغ بچوں کے لئے جو بلا ضرورت بھی گھر کے اندر چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے اس عام حکم کی پابندیاں دشوار تھیں۔ اب ان کے بابمیں حکم الگ نازل ہو رہا ہے ——— اللہ اللہ! مسلمان کے گھر کی اندرونی راحت کا اہتمام کس درجہ مدنظر ہے! کیسے کیسے جزئیات تک کے احکام اس غرض کے لئے صادر ہو رہے ہیں!

الّذین ملکت ایمانکم۔ پر حاشیہ گزر چکا۔

۱۱۸ (کہ یہ تین وقت عام طور پر تخلیہ و استراحت کے ہوتے ہیں)

"یعنی یہ اوقات چونکہ عادۃً اور غالبًا تخلیہ اور استراحت کے ہیں، ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں، اس لئے اپنے مملوکین اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع اور اجازت لئے ہوئے تمہارے پاس نہ آیا کریں۔" (تھانوی)

فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کچھ تخصیص ان ہی تین وقتوں کی نہیں۔ جہاں جیسی ضرورت ہو وجود علت

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٨﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ

اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۱۲۱ؔ اور جب تم میں کے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں ۱۲۲ؔ

فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

تو انھیں بھی اجازت لینا چاہیئے جیسا کہ ان کے اگلے لوگ اجازت لے چکے ہیں۔ اسی طرح اللہ تم سے اپنے احکام

پر مدار ہے حکم معلول کا۔ اوقات خواب وتخلیہ تابع نص کے نہیں بلکہ یہاں خود نص میں رعایت عرف عام کی ہے۔

۱۱۹ؔ اُن پر الزام بلا اجازت چلے آنے میں نہیں، اور تم پر الزام انھیں منع کرنے میں نہیں۔

۱۲۰ؔ "مطلب اس کا موافق مذہب حنفیہ کے یہ ہے کہ غلام تو تمھارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں نہ کہ عورتوں کے پاس، کیونکہ غلام کا حکم غیر محرم مرد کا سا ہے، اور لونڈیاں عورتوں کے پاس بھی، اور اسی طرح نابالغ بچے سب جگہ آتے ہیں پس ہر وقت اجازت لینے میں دقت ہے، اور چونکہ یہ وقت پردہ کے نہیں ہیں، اس لئے ان میں اعضاء مستورہ کو چھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں پس مرد تو غلام کے سامنے ناف سے زانو تک چھپائے رکھے اور عورت کا قر لونڈی سے بجز مواقع زینت کے باقی سب چھپائے رکھے، اور مرد کو لونڈی سے اگر وہ اس کے لئے حلال ہے کسی بدن کا چھپانا ضروری نہیں، اور اگر حرام ہے تو ناف سے زانو تک چھپائے رکھے، اور عورت مسلمان لونڈی سے صرف ناف سے زانو تک چھپائے رکھے سو اس استتار میں کوئی دشواری نہیں، لہذا بے اذن آنا جائز ہوا اور نابالغ بچہ کے روبرو مرد صرف زانو سے ناف تک اور عورت بہ استثناء مواقع زینت کے سب چھپائے رکھے، یہ بھی دشوار نہیں اور ہر وقت اجازت لینے میں تنگی ہے، کیوں کہ اس کی آمد ورفت بھی بہت ہے۔" (تھانویؒ)

يعني أن بكم وبهم حاجة إلى المخالطة والمداخلة يطوفون عليكم للخدمة وتطوفون عليهم للاستخدام (مدارك)

واستيناف ببيان العذر المرخص في ترك الإستئذان (بيضاوی)

يشق عليهم الاستئذان في كل وقت بكثرة دخولهم وخروجهم وهو معنى طوافون عليكم بعضكم على بعض۔ (جصاص)

فقہاء مفسرین نے یہاں سے یہ بھی نکالا ہے کہ احکام فقہی مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔

وفيه دليل على تعليل الاحكام۔ (بیضاوی)

۱۲۱ؔ (سو اس علیم وحکیم کی نظر انفرادی، اجتماعی ساری حکمتوں اور مصلحتوں پر ہے، اس کے احکام میں سب ہی پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے)

۱۲۲ؔ یعنی بالغ یا تقریبًا بالغ ہو جائیں۔

خطاب یہاں احرار مسلمین سے ہے۔ ممالیک کا ذکر تو ابھی اوپر آچکا۔

لَكُمُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ

کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۱۲۳ اور بڑی بوڑھیاں جنھیں نکاح کی امید

لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ

نہ رہی ہو ۱۲۴ اُن کو کوئی گناہ نہیں (اس بات میں) کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار رکھیں ۱۲۵

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ ۭبِزِيْنَةٍ ؕ

(بشرطیکہ) زینت کو دکھلانے والیاں نہ ہوں ۱۲۶

۱۲۳ (اس کے احکام کو خفیف اور اس کی ہدایات کو حقیر نہ سمجھو۔)

یہ تاکید و تکرار اس امر کی صاف دلیل ہے کہ یہ احکام جو بظاہر محض ادنیٰ جزئیات معلوم ہوتے ہیں، اللہ کے قانون میں حد درجہ اہمیت رکھنے اور حد درجہ اہتمام کے مستحق ہیں۔

فلیستاذنوا .... قبلھم۔ یعنی جب بچے سیانے ہونے لگیں تو جس طرح ان کے بڑوں پر اندر آنے کے لئے ہر وقت اجازت کی ضرورت تھی ان پر بھی اجازت لینا ان ہی تین اوقات میں نہیں، بلکہ ہر وقت واجب ہوگی۔

ای فی جمیع الأوقات (کما استأذن) الذین بلغوا الحلم من قبلھم وھم الرجال (مدارک)

۱۲۴ یعنی وہ اس سن کو پہنچ گئی ہوں کہ اب اصلاً محل رغبت نہ رہیں، اور ان کی بے پردگی سے احتمال فتنہ کا باقی نہ رہے۔

القواعد من النساء۔ کے لفظی معنی ہیں، خانہ نشین عورتیں۔

۱۲۵ یعنی نامحرم کے روبرو اس ہیئت سے آجائیں کہ ان کے جسم پر چادر وغیرہ لپٹی نہ ہو۔

یعنی بہ الرداء أو المقنعۃ التی فوق الخمار وھو قول ابن مسعود (ابن العربی)

۱۲۶ یہ قید یہاں بھی لگی ہوئی ہے، قدرتی یا مصنوعی زیبائش کے حصوں کو نامحرموں کے سامنے بے پردہ لانا، اس سن کی بوڑھیوں کے لئے بھی جائز نہیں، جو حد نکاح سے گزر چکی ہوں۔ اور جو بظاہر محل شہوت رہی بھی نہیں ہیں۔

غیر مظھرات لما یتطلع إلیہ منھن ولا متعرضات بالتزئین للنظر إلیھن وإن کن لیس بمحل ذلک منھن۔ (ابن العربی)

اس سے ظاہر ہے کہ جوان جہاں عورتوں کو اپنے جسم کے اخفاء کے باب میں کتنا اہتمام چاہیئے، یہاں تک کہ چہرہ اور ہتھیلیاں جو بالذات داخل ستر نہیں، بقول فقہاء کے احتمال فتنہ سے وہ بھی داخل ستر ہو جاتی ہیں۔

متبرجات۔ لفظ تبرج برج سے ہے، اور متبرج کپڑا اس کپڑے کو کہتے ہیں، جس پر (بروج) ستاروں کی تصویر بنی ہو اور اس لئے اس کی خوشنمائی مسلم ہو۔ اور اسی تشبیہ سے عورت کے لئے بھی جب وہ نمائش حسن کرے فعل تبرجت استعمال ہونے لگا ہے۔

وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۚ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٦٠﴾ لَيْسَ عَلَى

اور اگر (اس سے بھی) احتیاط رکھیں تو ان کے حق میں اور بہتر ہے ۱۲۷ اور اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے ۱۲۸

الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ

نہ اندھے (آدمی) پر الزام ہے اور نہ لنگڑے (آدمی) پر الزام ہے اور نہ بیمار (آدمی) پر الزام ہے

وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ

اور نہ خود تم پر اس بات میں کہ تم اپنے گھروں میں سے کھانا کھالو ۱۲۹

وثوب مبرج صورت علیہ بروج فاعتبر حسنہ، فقیل تبرجت المرأۃ أی تشبھت به فی إظهار المحاسن۔ (راغب)

اور محققین نے باریک لباس پہننے کو جس سے جسم جھلکتا نظر آئے اسی تبرج کے تحت میں داخل کیا ہے۔

من التبرج أن تلبس المرأۃ ثوبا رقیقا یصفها۔ (ابن العربی)

۱۲۷ خوب خیال کرلیا جائے حجاب و تستر کی جو پابندیاں بوڑھیوں پر واجب نہیں، لیکن بہتر وہ بھی ان کے حق میں ہیں۔

۱۲۸ (تمہارا ظاہر و باطن، تمہارے رمز و کنائے، تمہارے ارادے اور نیتیں سب ہی اس سمیع و علیم پر روشن ہیں) صحیح تقوی و عفت میں اعمال ظاہری کے علاوہ کتنا بڑا دخل اخلاص نیت کو ہوتا ہے، یہ ان موقعوں پر اللہ تعالیٰ کی صفات "علیم" وغیرہ لے آنے سے بالکل ظاہر ہے۔

۱۲۹ عرب جاہلیت میں کھانے پینے کے باب میں ایک ہلکی سی شکل کمیونزم (اشتمالیت) کی جاری تھی۔ دستور یہ تھا کہ جو جس کے یہاں پہنچ جاتا بے تکلفی سے اس کے یہاں کی چیزیں کھانا پینا شروع کر دیتا۔ یہ بے تکلفی بجائے خود تو اچھی چیز تھی، لیکن افراط اس میں بھی اس قدر ہوگئی تھی کہ مستحقین پر نوبت ظلم کی پہنچ گئی تھی، اور گھر والے اکثر گھاٹے میں رہنے لگے تھے۔ جب آیت لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل نازل ہوئی تو متقی مسلمان، فرط خشیت سے بہت زائد احتیاط کرنے لگے۔ اور وہاں بھی کھانے پینے سے پرہیز کرنے لگے، جہاں رضا یقینی طور پر معلوم تھی۔ اور اپنے ساتھ میں اندھوں، لنگڑوں، بیماروں، معذوروں کا لیجانا تو بالکل ہی رک گیا، اس شدت احتیاط کو توڑنے اور اعتدال قائم کرنے کے لئے آیت بالا نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ جن گھروں کی تفصیل بیان کی جارہی ہے، یہاں خود کھالینے یا اپنے ساتھ معذوروں کو کھلا دینے میں، جب کہ صاحب خانہ کی رضا کا یقین ہو، کوئی مضائقہ نہیں۔

من بیوتکم۔ "اپنے گھروں سے" میں بیوی اور اولاد کے گھر بھی داخل ہیں۔

علی۔ یہاں فی کے معنی میں لیا گیا ہے یعنی اندھوں، لنگڑوں وغیرہ کے باب میں نہ تم پر کوئی الزام

اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ

یا اپنے باپ کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے

اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں

اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ

کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا (ان کے گھروں سے) جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہوں یا اپنے دوستوں (کے گھروں) سے ۱۳۰

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ

تم پر کچھ الزام نہیں ہے کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ ۱۳۱ پھر جب تم گھروں

ہے نہ ان پر۔

۱۳۰ (کہ عادۃً اور اغلباً ان جگہوں میں رضا مل ہی جاتی ہے۔)

لیکن اگر کہیں عدم رضا ہو، تو فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ اس موقع پر یہ حکم ثابت نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر ان گھروں کے علاوہ بھی یہ رضا مل جائے تو وہاں یہ حکم ثابت ہو جائے گا۔ غرض یہ کہ مدار اس حکم کا صاحبِ خانہ کی رضا پر ہے۔

مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ کسی کے گھر کا کھانا بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں، البتہ اجازت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ صریحی ہو۔ ضمنی، حکمی، عرفی اجازت بھی اجازت ہی ہے۔

ما ملكتم مّفاتحه۔ سے مراد وہ گھر ہیں، جن کا یہ مخاطب امین، نگراں وغیرہ ہو۔

بعض لوگ جہاں لڑکی بیاہی ہو یعنی اپنے سمدھیانے میں کھانا پینا باعث عار سمجھتے ہیں۔ یہ تمام تر مشرکین ہند کی صحبت کا اثر ہے۔

۱۳۱ فرط تقویٰ سے بعض صحابہؓ کو اپنے اپنے متعلق خیال یہ پیدا ہو گیا تھا کہ ساتھ کھانے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں زیادہ کھا جاؤں، اور ساتھیوں کے حصہ کی حق تلفی ہو کر رہے۔ آیت میں بتلا یا گیا کہ اتنے دقیق احتمالات قابلِ اعتناء نہیں۔

"دو تنگیاں تو اوپر رفع کی جا چکیں تیسری تنگی جو ساتھ کھانے سے متعلق تھی وہ اب رفع کی جاتی ہے یعنی ایسے ضعیف وسوسے کہ شاید میں زیادہ کھاؤں تو پرایا حق کھا لیا اور دوسرا کم کھائے تو اس کا حق رہ گیا شریعت کو مطمح نظر نہیں ہیں مخالطت میں ایسے دقائق کی تکلیف نہیں البتہ اگر کسی کے کھانے پر گھر والے کی رضا نہ صراحت قال سے معلوم ہو نہ دلالت حال سے اس وقت

بُیُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ تَحِیَّۃً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً

میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو (جو) دعا کے طور پر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے بابرکت

طَیِّبَۃً ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ ع

(اور) عمدہ (چیز)۔ اللہ اسی طرح تم سے کھول کر احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو ۱۳۲ے

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اِذَا کَانُوۡا

بس مومنین تو وہی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر اور جب رسول کے پاس

جائز نہیں اسی طرح جس مواکلت میں شریک باختیار راضی نہ ہو اس کی تقسیم ضروری ہے اگر شریک با اختیار نہیں ہے جیسے یتیم باعتبار اپنے وصی وقیم کے کہ اس کی رضا وعدم رضا بوجہ عدم بلوغ کے نامعتبر ہے وہاں بلا رضا بھی مخالطت درست ہے بشرط رعایت اس کے مصالح کے " (تھانویؒ)

کھانے میں چھوت چھات کا دخل ہونا، اونچی ذاتوں کا نیچی ذاتوں کے ساتھ ایک کھانے پر جمع نہ ہونا، یہ دستور مشرک قوموں کا رہا ہے۔ ہندوستان میں یہ دستور آج تک زندہ ہے۔ مصر قدیم میں بھی رہ چکا ہے۔ آیت میں اس عقیدۂ باطل کی تردید کی طرف اشارہ ہے۔

صدیقکم۔ لفظ صدیق لفظ عدو کی طرح معنیً جمع ہے۔

الصدیق بمعنی الجمع وکذلک العدو (قرطبی)

وھو یقع علی الواحد والجمع کالخلیط (بیضاوی)

۱۳۲ے ایک بار اسی کی تاکید کہ معاشرتی و خانگی زندگی کے یہ جزئی احکام حد درجہ اہم اور واجب الاعتناء ہیں۔

سلموا علیٰ انفسکم۔ یعنی جو مسلمان وہاں موجود ہوں انھیں سلام کر لیا کرو، سعید بن جبیر حسن بصری، قتادہ، زہری تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔ (ابن کثیر)

کذٰلک یبیّن اللّٰہ لکم الاٰیٰت۔ ان احکام کے سلسلہ میں یہ فقرہ مکرر ہی نہیں تیسری بار لایا گیا ہے۔ اور اسی سے ظاہر ہے کہ ان احکام کا کسقدر اہتمام مقصود ہے۔

کررہ ثالثا لمزید التاکید وتفخیم الاحکام المختتمۃ بہ (بیضاوی)

مبٰرکۃ۔ بابرکت اس اعتبار سے کہ سلام پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔

طیّبۃ۔ عمدہ اس اعتبار سے کہ مخاطبین کا دل اس سے خوش ہو جاتا ہے۔

مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

(کسی ایسے) کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے تو جب تک آپ سے اجازت نہیں لے لیتے جاتے نہیں ۱۳۳ؔ بے شک

يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا

جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہ تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ۱۳۴ؔ

اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ

پھر جب یہ لوگ آپ سے اجازت طلب کریں اپنے کسی کام کے لئے تو آپ ان میں سے جس کے لئے چاہیں اجازت دیدیں ۱۳۵ؔ

۱۳۳ؔ منافقین پر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضری ہی بار تھی، پھر عبادت (مثلاً خطبۂ جمعہ) میں حاضری تو اور زیادہ، جب موقع پاتے تو چپکے سے کھسک جاتے، ان کے مقابلہ میں یہاں مدح مؤمنین کی ہو رہی ہے، کہ ان کی شان تو یہ ہے کہ اگر اتفاقاً انھیں کوئی ضرورت مجلس مبارک سے چلے جانے کی پیش آجاتی ہے تو جب تک آپؐ سے اجازت لے نہ لیں، اور آپؐ دے نہ دیں اپنی جگہ سے ہلتے بھی نہیں۔

امر جامع۔ کے معنی اہم مشورت کے بھی ہیں، جس میں ضرورت اہتمام و اجتماع کی پڑتی ہے۔

هو الأمر الموجب للاجتماع۔ (کبیر)

یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جس معاملہ میں خطاب عام (پبلک اسپیچ) کی ضرورت پڑے۔

کل شئ تکون فیه الخطبة۔ (کبیر عن الضحاك)

۱۳۴ؔ یعنی جس طرح منافق اجازت نہیں لیتا اور مومن بغیر اجازت کے جاتا نہیں۔ اسی طرح جو اجازت لیتا ہے، وہ مومن ہی ہوتا ہے، منافق نہیں ہوتا۔

انّما المؤمنون .... یستاذنوه۔ کا یہ حاصل تھا کہ ایمان بدون استیذان کے نہیں پایا جاتا ـــــ ہر مومن اجازت ضرور لیتا تھا۔

ان الذین .... رسوله۔ کا حاصل یہ نکلا کہ استیذان بغیر ایمان کے نہیں پایا جاتا ـــــ کوئی غیر مومن (منافق) اجازت نہیں لیتا۔

۱۳۵ؔ یعنی آپ ان میں جن کے لئے مناسب سمجھیں، اجازت دیدیں، اور جن کے لئے مناسب نہ سمجھیں نہ دیں۔ ضرورت کے اہم وغیر اہم ہونے کا فیصلہ تمام تر رسول کے ہاتھ میں رہا۔ اور یہی اختیار امام المسلمین کو حاصل ہے۔ فقہاء نے یہاں سے بھی نکالا ہے کہ بعض احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رائے پر چھوڑ دیئے گئے تھے۔

تفویض للامر إلی رائ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واستدلال به علی أن بعض الاحکام مفوضة إلی رأیه صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بیضاوی)

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٢﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ

اور آپ ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا بھی کیجئے۔ بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے ۱۳۶ تم لوگ رسول کے

الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ

بلانے کو ایسا مت سمجھو جیسا تم میں ایک دوسرے کو بلا لیتا ہے ۱۳۷

واستدلال بہ علی أن بعض الاحکام مفوضۃ إلی رأیہ صلی اللہ علیہ وسلم (روح)

۱۳۶ (وہ غفور رحیم۔ تو گنہگاروں تک کو معاف کر دیتا ہے، تو یہاں تو معصیت سے کم کا معاملہ ہے)

استغفار کے ذکر سے یہ نکلا کہ گو اجازت لے کر چلا جانا جائز ہے۔ لیکن بہرحال کچھ بہتر نہیں، بلکہ ایک صورت نقص ہی کی ہے۔ اور استغفار جس طرح تلافی معصیت کے لئے ہے، تلافی نقص کے لئے بھی ہوتا ہے۔

وذکر الاستغفار للمستأذنین دلیل علی أن الأفضل أن لا یستأذن (مدارک)

۱۳۷ (کہ جی چاہا تو آئے، نہ جی چاہا نہ آئے، بلکہ رسول کا بلانا ایک حاکمانہ حیثیت رکھتا ہے اجابت واجب ہے، اور بلا اجازت چلا آنا حرام۔)

ای لا تقیسوا دعاءہ علیہ الصلاۃ والسلام إیاکم علی دعاء بعضکم بعضا فی حال من الأحوال (روح)

قیل نہاھم عن الابطاء والتأخر إذا دعاھم واختارہ المبرد والقفال وھذا القول موافق لمساق الآیۃ ونظمہا۔ (بحر)

فقہاء نے لکھا ہے کہ یہی حکم امام کے لئے بھی ہے۔ امام المسلمین اگر اب بھی بلائے تو جانا واجب ہوگا۔ اور بلا اجازت چلے آنا ناجائز۔ جو امور مباحات میں داخل ہیں امام کے حکم کے بعد واجب ہو جاتے ہیں، اور امت کا کسی جگہ جمع ہونا اور جمع رہنا جب امام کے حکم سے ہو، واجب ہو جائے گا۔ البتہ جب کسی اجتماع میں یہ معلوم ہو جائے کہ اب جمع رہنا امام کی طرف سے مامور نہیں تو بلا اجازت اُٹھ آنے میں بھی مضائقہ نہیں۔

دعاء الرسول۔ کی اس تفسیر میں مصدر کی اضافت فاعل کی جانب ہے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ مصدر کی اضافت مفعول کی جانب کی جائے۔ اس کے اعتبار سے معنی یہ ہوں گے کہ اے لوگو رسولؐ کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ مثلاً محض یا محمدؐ کہہ کر ــــ منقول یہ تفسیر بھی ہے گو سیاق سے بعید ہے۔

قال مجاھد وقتادۃ ادعوہ بالخضوع والتعظیم نحو یا رسول اللہ، یا نبی اللہ، ولا

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ

اللہ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے آڑ میں ہو کر کھسک جاتے ہیں ۱۳۸ ان لوگوں کو جو اللہ کے

الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ

حکم کی مخالفت کر رہے ہیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر (دنیا میں بھی) کوئی آفت نازل ہو جائے یا انھیں کوئی دردناک

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

عذاب آپکڑے۔ ۱۳۹ یاد رکھو کہ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے ۱۴۰

قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ

وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے جس (حالت) پر تم اب ہو ۱۴۱ اور اس دن کو بھی جب (سب) اس کے پاس لوٹائے

تقولوا یا محمد۔ (جصاص)

لا تجعلوا تسمیته ونداءه بینکم کما یسمی بعضکم بعضا (کشاف)

وذلك نهی من الله تعالیٰ أن یدعوا رسول الله صلی الله علیه وسلم بغلظ وجفاء، وامرلهم أن یدعوه بلین وتواضع (ابن جریر)

وتعقبه ابن عطیة بان لفظ الآیة یدفع هذا المعنی (روح)

۱۳۸ اشارہ انہی چپکے سے کھسک جانے والے منافقین کی طرف ہے۔

۱۳۹ اس وعید سے ظاہر ہو گیا کہ امر سے امر ایجابی مراد ہے۔

الآیة تدل علی أن الأمر للإیجاب (مدارك)

الذین یخالفون عن أمره۔ مراد وہی منافقین ہیں۔

ای الذین یصدون عن امره دون المومنین وهم المنافقون (مدارك)

بهذه الآیة احتج الفقهاء علی أن الأمر علی الوجوب (قرطبی)

عن امره۔ یعنی ان کے دین سے، یا ان کی اطاعت سے۔

ای عن طاعته ودینه۔ (مدارك)

۱۴۰ (اور اختیار و اقتدار اسی کا کامل ہے)

موقع کوئی سا بھی ہو، قرآن مجید تبلیغ توحید کا پہلو نکال ہی لیتا ہے۔

۱۴۱ (تو کیا بعید ہے کہ یہیں دنیا میں گرفت ہو جائے)

لفظ قد کے اضافہ نے وعید میں اور تاکید پیدا کر دی۔

بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۹ ۳ ۱۵

جائیں گے، پھر وہ انھیں جتلا دے گا جو کہ انھوں نے کیا تھا۔ اور اللہ سب ہی کچھ جانتا ہے کچھ ۱۴۲

۱۴۲ (اس کا علم جب دارین کے ساتھ متعلق ہے تو وہ سزا جب اور جہاں چاہے دے سکتا ہے) اللہ کا علم کامل بھی ہے اور محیط بھی۔ قرآن اس تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔

(۲۵)

آیاتہا ۷۷ — ۷۷ آیتیں

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتہا ٦ — ٦ رکوع

سورۂ فرقان مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت رحمت والے بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ

بڑی عالی ذات ہے وہ جس نے یہ فیصلہ (کی کتاب) اپنے بندہ (خاص) پر اتارا تاکہ وہ (بندہ) سارے دنیا جہان

نَذِيْرًا ۙ ① الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ

والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔ وہ وہی ہے کہ آسمان اور زمین اسی کی ملک ہیں اور اس نے کسی کو اپنی اولاد نہیں قرار دیا

يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ②

اور نہ کوئی اس کا شریک ہے حکومت میں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ کیا۔[1]

[1] (اور کوئی شے نہ اس کے دائرۂ تخلیق سے باہر ہے نہ دائرۂ تقدیر سے)

تبارك۔ کے معنی میں اہلِ زبان کا کسی قدر اختلاف ہے۔ کسی نے اسی تقدس کے معنی میں لیا ہے اور دونوں کو عظمت کے لئے مخصوص سمجھا ہے اور کسی نے برکۃ سے باب مفاعلہ میں لیا ہے، اور کسی نے صلہ وانعام کے ثبات و دوام کے مفہوم میں سمجھا ہے۔

فقال الفراء هو في العربية وتقدس واحد وهما للعظمة وقال الزجاج تبارك تفاعل من البركة قال ومعنى البركة الكثرة من كل ذي خير وقيل المعنى دام وثبت الانعام۔ (قرطبی)

الفرقان۔ فرقان کے معنی پر حاشیہ سورۂ بقرہ آیت ۵۳ میں گزر چکا۔ یہاں الفرقان سے مراد قرآن کے ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

ولا نزاع ان الفرقان هو القرآن۔ (کبیر)

عبده۔ مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا ظاہر ہے، عبد پر حاشیہ سورۂ بقرہ آیت ۲۳ وان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا الخ پر گزر چکا۔

ليكون۔ یکون کا تعلق عبدہ سے ظاہر ہی ہے لیکن جائز ہے کہ الفرقان کے ساتھ بھی سمجھا جائے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ

اور (مشرکوں نے) اللہ کے علاوہ (اور ایسے) خدا قرار دے رکھے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں اور خود ہی مخلوق ہیں

وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا

اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا اور نہ (کسی کی) موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (کسی کی)

وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

زندگی کا اور نہ (کسی کے) دوبارہ اٹھانے کا۔ ؎۲

یجوز ان یکون یعود علی الفرقان۔ (قرطبی)

للعالمین۔ عالمین کے لفظ نے ایک بار پھر یہ واضح کر دیا کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے کوئی نسلی، قومی یا وطنی مذہب نہیں۔ قرآن کی مخاطب ساری دنیا ہے۔ عرب یا کوئی ایک متعین قوم نہیں۔

وعموم الرسالۃ من خصائصہ علیہ الصلوٰۃ والسلام (مدارک)

ولم یکن غیرہ عام الرسالۃ إلا نوح فانہ عم برسالتہ جمیع الانس بعد الطوفان۔ (قرطبی)

لم یتخذ۔ مسیحی شرک کے مظہر خصوصی یہی دو ہیں، جن کی تردید یہاں کر دی گئی۔ ملاحظہ ہو سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت۔

خلق.... تقدیرًا۔ یونان کے مشرک فلسفی تقدیر الٰہی کے منکر ہوئے ہیں، اور انہی کی پیروی میں ان کی "حکمت" سے مرعوب ہو کر یہود کا بھی ایک فرقہ تقدیر الٰہی کا منکر ہو گیا تھا۔ آیت کے اس جزو میں اشارہ اسی گمرہی کی جانب ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

عقیدہ جس طرح جبر محض کا غلط ہے، اسی طرح اختیار محض کا بھی۔ کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب مشیت الٰہی تکوینی کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔ اور بندہ کے اعمال اختیاری میں ارادۂ عبد اس کا منافی نہیں۔

آیت میں شرک کی اہم ترین صورتوں کو اکٹھا کر کے سب کی تردید کر دی ہے۔

؎۲ مشرکین کے جہل و غباوت کا بیان ہو رہا ہے کہ ایسے قادر مطلق، ہمہ بیں، ہمہ تواں، خدا کا شریک بے بس مخلوق کو بھی بنائے جاتے ہیں۔ ان گڑھے ہوئے معبودوں کا اختیار اتنا بھی تو نہیں کہ کوئی نقصان اپنے سے دور کر سکیں کوئی نفع اپنے لئے حاصل کر سکیں کسی کی جان نکال سکیں، کسی میں جان ڈال سکیں حشر میں دوبارہ کسی کو اٹھا سکیں۔

لا یملکون.... نشورًا۔ مراتب وجود یہی تین، یعنی حیات و موت و نشور ہی ممکن ہیں اور ان سب سے غیر اللہ کی قدرت کی یہاں نفی کی جا رہی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بس نرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص نے گڑھ لیا ہے

عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۴ وَقَالُوْٓا

اور دوسروں نے اس میں اس کی مدد کی ہے ۳ سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے ۴ اور یہ لوگ

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً

کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو اگلوں کی بے سند باتیں ہیں جن کو اس شخص نے لکھوا لیا ہے پھر وہی اس (شخص) کو صبح و شام

وَّاَصِيْلًا ۵

پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ ۵

۳ بعینہ یہی جاہلانہ، بیدردانہ الزام آج بھی سیکڑوں یہودی، مسیحی، ملحد مستشرقین اپنی کتابوں میں دہرا رہے ہیں، اور اس جہل کو سند اپنی "روشن خیالی" کی سمجھ رہے ہیں! —— فرماتے ہیں، اور کسقدر مضحکہ انگیز نمائش علم و فضل کے ساتھ فرماتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) محمد تھے بڑے ذہین، زیرک، چالاک، ایک اثر انگیز کتاب اپنی طرف سے گڑھ کر اسے خدا کی جانب منسوب کر دیا!

اعانہٗ ... اٰخرون۔ حال کے "روشن خیالوں" کی طرح ماضی کے "روشن خیال" بھی یہی کہتے کہ یہ پیمبر یہ ساری کارروائی دوسروں کی سازش سے کر رہے ہیں۔

۴ (کہ حقیقت اور اصلیت سے اس قدر بعید، ثبوت و تحقیق سے اسقدر معریٰ دعوی کر بیٹھے، ثبوت کوئی ادنیٰ سا بھی پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ سارے قرائن الٹے اس کے مخالف ہی موجود ہیں۔)

ظلمًا وّزورًا۔ اس سیاق میں جی یہ چاہتا تھا کہ ٹھیٹھ اردو میں ظلم کا ترجمہ "اندھیر" اور زور کا "دھاندلی" سے کیا جائے۔ اور اساطیر الاولین کو اسی ٹھیٹھ اردو میں "اگلوں کی واہی تباہی کہانیوں" سے ادا کیا جائے۔

۵ اہل سیر اور اہل تفسیر کے ہاں اس سلسلہ میں تین نام آئے ہیں۔

(۱) ایک جبر۔ عبد اللہ بن الحضرمی کے غلام تھے، اور ابتداءً یہودی تھے۔ دل سے مسلمان حضورؐ کے قیام مکہ ہی کے زمانہ میں ہو چکے تھے۔ اعلان اسلام فتح مکہ کے بعد کیا۔ ذریعۂ معاش شمشیر سازی، اور برتنوں پر قلعی، صفائی وغیرہ کا کام تھا۔

(۲) دوسرے عداس عتبہ بن ربیعہ کے غلام تھے، اور ابتداءً مسیحی تھے۔

(۳) تیسرے یسار۔ عامر یہودی کے غلام تھے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

آپ کہدیجئے کہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے جسے آسمانوں اور زمین کے ہر راز کی خبر ہے۔ ف۶

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۶ وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ

بے شک وہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔ ف۷ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیسا ہے یہ رسول

یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ

جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی

اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۝۷

فرشتہ کیوں نہ بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ ڈراتا رہتا۔

تینوں غلام تھے، اور پھر معمولی قسم کے دکان دار ہو گئے تھے۔ جن کا کوئی پایہ نہ علم وحکمت میں تھا اور نہ فصاحت وبلاغت میں۔ ایسے گمناموں اور ہیچمدانوں کی جانب تصنیف قرآن کا انتساب نتیجہ یا تو کمال حمق کا ہوسکتا ہے، اور یا بھرا فراط عناد کا ——— کیا خوب نمونہ اور معیار تحقیق ہے، ان مدعیان تحقیق کی تحقیق کا! نام لئے بھی تو کیسے تین گمناموں بے نشانوں کے! اگر کہیں چند عالموں فاضلوں حکیموں اور دانشوروں کے نام لئے ہوتے جب بھی ایک بات تھی، اور ایک لمحہ کے لئے تو ان پر غور ہوتا!

ملاحظہ ہو سورۃ النحل آیت ۱۰۳ انھم یقولون انما یعلمہ بشر کا حاشیہ۔

ف۶ (اور جس طرح اس کا علم کامل ہے۔ جس سے مخلوقات کا علم کوئی نسبت نہیں رکھتا، اسی طرح اس کا کلام بھی بے شمار وجوہ اعجاز کا جامع ہے۔ اور تف ہے تمہاری سمجھ پر کہ ایسے اعلیٰ حکیمانہ، پُر معارف کلام کو منسوب ایسے نادانوں اور کم علموں کی جانب کر رہے ہو!)

ف۷ (اور اپنے انہی صفات غفر ورحمت کے تقاضے سے وہ غفور ورحیم بے ہودہ بکنے والوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا، بلکہ انھیں مہلت دیتا جاتا ہے، اور اگر وہ تائب ہو جائیں تو انھیں معاف بھی کردے گا۔)

قرآن مجید کی اگر صرف انہی آیتوں کو جمع کیا جائے جن میں ذکر اللہ کی شان غفر ورحمت کا ہے، تو ایک اوسط درجہ کی ضخامت کی کتاب تیار ہو جائے ——— کیسے ظالم ہیں وہ اہل قلم جنھوں نے اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ اسلام کا خدا ایک پر غضب وبے رحم خدا ہے!

أَوْ يُلْقَىٰٓ إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُۥ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ

یا اس کے پاس کوئی خزانہ (غیب سے) آپڑتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا (پیتا) ؎۸

وَقَالَ ٱلظَّٰلِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿٨﴾

اور (یہ) ظالم کہتے ہیں کہ تم لوگ تو بس ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو ؎۹

؎۸ (اور اس کو فکر معاش سے غیبی طور پر فارغ البالی حاصل رہتی)
جاہلی قوموں کے اصولی اعتراضات نقل ہو رہے ہیں۔ وحی و نبوت کا مسئلہ ہی اصلاً ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہی دیوی دیوتا والا اوتار والا عقیدہ صدیوں سے دلوں میں جما ہوا تھا، یعنی خدا خود تو دنیا میں آسکتا ہے، کسی انسان بلکہ حیوان کے قالب میں آسکتا ہے، لیکن کسی بشر کو اپنا نائب، اپنا سفیر، اپنا پیامبر بنانا کیا معنی؟ —— وہی کلیدی اعتراض اور وہی بنیادی گمراہی جو جاہلی قوموں میں آج تک چلی آرہی ہے۔
يَأْكُلُ ٱلطَّعَامَ وَيَمْشِى فِى ٱلْأَسْوَاقِ۔ یعنی کھانے پینے، چلنے پھرنے، خرید و فروخت کی بشری ضرورتیں پوری کرتے رہتے ہیں، یہ تو بالکل عام انسانوں کی طرح ہیں، انھیں پیمبر کیسے مان لیا جائے؟ —— گویا پیمبری عام بشری ضرورتوں کے منافی تھی! —— اسلام کی بنیاد خوارق پر نہیں، بلکہ اصل تعلیمات پر ہے۔ بہ خلاف اس کے مسیحیوں، خصوصاً فرقۂ کیتھولک کے ہاں تو مذہب کی روح یا جان ہی خوارق ہیں۔
مفسر تھانوی نے لکھا ہے کہ آیت سے مشی فی الاسواق کا غیر مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور حدیث میں جو اس کی کراہت آئی ہے تو وہاں بلا ضرورت بازاروں میں گھومنا پھرنا مراد ہے، بلکہ اگر عدم مشی فی الاسواق از راہ تکبر ہے تو مذموم عدم مشی قرار پائے گی، اور محمود مشی ٹھہرے گی۔
جاہل مسلمانوں نے بھی آج انہی جاہلی قوموں کے اثر سے یہی توقعات اولیاء اُمّت سے متعلق قائم کر لی ہیں۔ بجائے ان کی زندگی کی صالحیت اور پاکیزگی پر نظر کرنے کے تلاش ہر وقت عجائب و خوارق کی کی جاتی ہے۔ اور عوام کے خیال میں اب بزرگی اور مقبولیت کا اصل معیار حسی یا مادی کرامتیں ہی رہ گئی ہیں! —— فلاں صاحب اس لئے بزرگ ہیں کہ آٹھ آٹھ دن کچھ کھاتے نہیں، اور فلاں صاحب کے ولی اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بارش ہو یا تیز دھوپ برابر میدان میں لیٹے رہتے ہیں!
مذہب جاہلی کا اعتراض یہ ہے کہ پیمبر کو اگر آنا تھا تو دنیا کے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ خدم و حشم کی فوج کے ساتھ قارون کے خزانہ کے ساتھ فوق البشری خوارق و عجائب کے ساتھ آنا تھا۔
؎۹ یہ وہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ جب ان پیمبر میں خدائی یا ملکوتی قوت کچھ بھی موجود نہیں، اور پھر بھی یہ دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا کئے جاتے ہیں، تو لامحالہ ان کی عقل میں فتور ہے، اور یہ سحر زدہ یا مجنون ہی سے ہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کرتے ہیں سو وہ بالکل گمراہ ہو گئے پھر وہ (بالکل)

سَبِيْلًا ﴿۹﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ

ع ۱ / ۱۶

راہ نہ پاسکے۔ ۱۰ؔ وہ ذات بڑی عالی شان ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو اس سے بہتر چیز دے دے

ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ

(یعنی بہت سے) باغات کہ ان کے نیچے ندیاں بہتی ہوں اور آپ کو (بہت سے) محل

لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ

دے دے۔ ۱۱ؔ اصل یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کے منکر ہیں ۱۲ؔ اور ہم نے اس کے لئے جو

كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ۚ

قیامت کو جھٹلائے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

۱۰ؔ قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ ذرا دیکھئے تو، یہ لوگ آپ کے دعوی نبوت کا انکار کر کرکے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اس ایک نبوت کو نہ مان کر کیسی کیسی عجیب اور بے سروپا باتوں کے ماننے پر مجبور ہو گئے! ان کی عقلوں پر یہ کیسی مار پڑ رہی ہے! ——— یہی حال آج یورپ کے بڑے بڑے "عقل زدہ" "مستشرقین" کا ہے۔ سیدھے سادے دعوی نبوت سے انکار کے بعد انہیں کیسے کیسے بے سروپا اور خرافی "نظریات" ماننے اور فرض کرنے پڑتے ہیں!

۱۱ؔ (اسی دنیا میں)

یعنی یہ کافر تو صرف ایک ہی باغ غیبی کی فرمائش آپ کے لئے کر رہے ہیں، ہماری مشیت تکوینی اگر ہوتی تو ہم تو اس سے بھی کہیں بڑھ بڑھ کر چیزیں آپ کو یہیں اور ابھی دے دیتے، باغ ایک نہیں کئی ایک، قصر و محل متعدد، وغیرہا۔

۱۲ؔ یعنی یہ لوگ جو ایسے واہی تباہی مطالبات پیش کر رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہیں حق کی تلاش و طلب شروع ہو گئی اور دوران تحقیق میں کچھ شبہات پیش آ گئے، بلکہ دلوں میں انکار جزاء اعمال شروع سے بسا ہوا ہے۔ اس لئے سنجیدگی و ذمہ داری سے مسائل دین پر غور و فکر کی زحمت ہی کبھی گوارہ نہیں کرتے۔ اور ایسی بے سروپا باتیں زبان سے نکال ڈالتے ہیں۔

إِذَا رَأَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ

جب وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ اس کا جوش و خروش

زَفِيرًا ﴿١٢﴾ وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ

سنیں گے ۱۳ے اور جب وہ اس میں کسی تنگ جگہ ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت کو

ثُبُورًا ﴿١٣﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَّاحِدًا وَّادْعُوا ثُبُورًا

پکاریں گے۔ آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بہت سی موتوں کو پکارو۔ ۱۴ے

كَثِيرًا ﴿١٤﴾ قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ

آپ کہئے کہ آیا یہ (مصیبت) اچھی ہے یا وہ ہمیشگی کی جنت جس کا وعدہ متقیوں سے

الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَّمَصِيرًا ﴿١٥﴾

کیا جا چکا ہے ۱۵ے اور وہ ان کے لئے صلہ ہے اور آخری ٹھکانا۔

۱۳ے یعنی دوزخ ان بدبختوں کو دیکھ کر اس قدر غضبناک ہوگی کہ یہ دور ہی سے اس کا جوش و خروش سن لیں گے۔
رأتهم سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ دوزخ بھی صاحب شعور و ادراک ہے۔
اور بعض نے اس رویت کو مجاز پر محمول کیا ہے۔
علی سبیل المجاز (کشاف)
علی المجاز (بیضاوی)
سعیرا۔ سعیر مذکر ہے یہاں نار کے معنی میں ہے اور معنی کی مناسبت سے مؤنث لایا گیا ہے۔
جاء مؤنثا علی معنی النار (کبیر)
والتأنیث لانہ بمعنی النار۔ (بیضاوی)
لھا۔ کی ضمیر مؤنث بھی اسی جانب ہے۔ اور لھا یہاں فیھا کے معنی میں ہے۔
لھا ای فیھا (قرطبی)
۱۴ے وہ بدبخت دوزخی تو دوزخ ہی کی ناقابل برداشت ہولناکیوں سے گھبرا کر چیخ اٹھیں گے کہ کاش ہمیں موت آجاتی۔ تو انہیں جواب ملے گا کہ ایک ہی موت کیسی، اب تو تمہاری قسمت میں موتوں ہی موتوں کی تکلیفیں ہیں
۱۵ے اب بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت ہے، یہ لوگ خود غور کر کے فیصلہ کریں کہ ایک طرف دوزخ کی یہ ناقابل برداشت مصیبتیں ہیں، جو ثمرہ ہیں کفر و انکار کا۔ اور دوسری طرف جنت کی بے شمار راحتیں

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خٰلِدِينَ ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا

انھیں وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے ملے گا وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (یہ) وعدہ ہے آپ کے پروردگار کے ذمہ (اور)

مَّسْئُولًا ﴿١٦﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ

قابل درخواست ۱۶ے اور جس روز (اللہ) جمع کرے گا انھیں اور ان لوگوں کو جنھیں وہ اللہ کے سوا

فَيَقُولُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هٰؤُلَاءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا

پوجتے تھے پھر ان سے کہے گا کہ کیا تم ہی نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا ۱۷ے یا یہ (خود ہی) راہ سے

السَّبِيلَ ﴿١٧﴾ قَالُوا سُبْحٰنَكَ

بھٹک گئے تھے؟ وہ کہیں گے سبحان اللہ

ہیں، جو موعود ہیں ایمان و اطاعت پر۔

۱۶ے یعنی اللہ نے اپنے فضل اور عنایت سے یہ اجر اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اور یہ اس قابل ہے کہ اس کی درخواست کی جائے۔

مسئولاً۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں قابلِ درخواست یا مطلوب کے معنی میں لیا جائے۔

ای من حقہ ان یکون مسئولاً (کبیر)

حقیقا بان یسئل ویطلب (بیضاوی)

مطلوبا حقیقا ان یسئل (مدارک)

حقیقا أن یسئل (کشاف)

لکونہ مما یتنافس فیہ المتنافسون (روح)

لھم فیھا ما یشاءون۔ اس جنت کا پہلا وصف یہاں یہ بیان ہوا کہ جنت میں انہی کی مرضی کارفرما ہوگی۔ وہ جو کچھ بھی چاہیں گے، جو بھی نعمتیں، راحتیں، لذتیں، مادی، روحانی جس قسم کی بھی انھیں مرغوب ہوں گی بس وہ انھیں مہیا و حاضر مل جائیں گی ——— آج اور عالم ناسوت میں اپنی خواہشوں کو مرضی الٰہی کے تابع کر دینے کا یہی نتیجہ ہونا بھی چاہئے تھا۔

خٰلدین۔ دوسرا وصف یہ بیان ہوا کہ نعمتیں ساری کی ساری دائمی، سرمدی، اور غیر منقطع ہوں گی، ہرگز کسی تلف یا نقصان ختم و فنا کا اندیشہ نہ ہوگا۔

عجب کیا ہے جو اس عالم میں وقت کی یہ رفتار ہی روک دی جائے۔ اور ہم جس حرکت زمانی کے خوگر و مانوس ہیں، سرے سے یہی باقی نہ رہے۔

مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ

ہماری تو مجال نہ تھی کہ ہم تیرے سوا اور کارسازوں کو تجویز کریں،

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًا

ہاں تو نے انھیں اور ان کے بڑوں کو خوب آسودہ کیا یہاں تک کہ یہ (تیری) یاد ہی بھول بیٹھے۔ اور یہ لوگ برباد ہوکر

بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا

رہے ۱۸ سو تمہارے ("معبودوں ہی") نے تمہاری باتوں کو جھٹلا دیا، سو (اب) تم نہ (تو خود) ٹال سکتے ہو اور نہ

وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

(تمہیں) مدد ہی پہنچ سکتی ہے اور جو تم میں سے ظلم کرے گا (اپنے اوپر) اسے ہم بڑا عذاب چکھائیں گے ۱۹

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیمبر بھیجے ہیں سب کھانا بھی کھاتے تھے

الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۗ

اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔ ۲۰

یہ دو وصف ایسے جامع و مانع بیان ہو گئے کہ اب اس پر کسی اضافہ کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش ہی۔

۱۷ یہ سوال مشرکوں کو اور زیادہ قائل اور نادم کرنے کے لئے انبیاء، ملائکہ، اولیاء سے ہوگا، جنھیں مشرکین، ان بیچاروں کے شائبۂ رضا کے بغیر الوہیت و صفات الوہیت میں شریک رکھتے تھے۔

۱۸ یعنی تو نے تو ان کے لئے اسباب شکر فراہم کر دیئے تھے، جن کا مقتضا یہ تھا کہ منعم کی معرفت اور اس کے شکر و اطاعت میں خوب لگ جاتے لیکن انھوں نے اس کے برعکس راستہ اختیار کرکے انہی کو اسباب کفر بنا لیا۔

۱۹ (قیامت میں)

من یّظلم مّنکم۔ ظلم سے مراد کفر و شرک ہے۔ ابن عباسؓ صحابی اور تابعین سے یہی مروی ہے۔

ای یشرک باللّٰہ (ابن کثیر)

یشرک بہ (معالم)

الظلم ھنا الشرک، قالہ ابن عباس والحسن وابن جریج۔ (بحر)

۲۰ مشرکین کا اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بشری پر اوپر نقل ہو چکا ہے،

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝۲۰

اور ہم نے تم میں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے ۲۱ تو اب بھی صبر کرو گے ؟ اور آپ کا پروردگار بڑا دیکھنے والا ہے ۲۲

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

اور جو لوگ ہمارے سامنے آنے کی اُمید نہیں رکھتے ۲۳ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس

الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ نَرٰي رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا

فرشتے کیوں نہیں آتے، یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھ ہی لیتے ۲۴ یقیناً انھوں نے اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے، اور یہ حد

كَبِيْرًا ۝۲۱ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰۗىِٕكَةَ

سے بہت ہی دور نکل گئے ہیں۔ ۲۵ جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے

یہاں اسی کا جواب ہے کہ بشریت اور رسالت میں ذرا بھی تنافی نہیں۔ سلسلۂ نبوت کے جتنے حامل گزرے ہیں، یہ صفات بشری تو سب ہی کے ساتھ لگے ہوئے رہے ہیں۔

یاکلون الطعام۔ بھوک اور پیاس کی ضرورتوں سے معرّا پہلے پیمبر بھی نہیں ہوئے تھے۔

یمشون فی الاسواق۔ بازاروں منڈیوں میں حسب ضرورت چلنا پھرنا، سارے پہلے پیمبروں کا بھی معمول رہا ہے۔

۲۱ (اے انسانو!) چنانچہ انبیاء کو بھی ایسے حالات میں رکھا، جن سے اُمت کی پوری آزمائش ہو جائے کہ کون ان کے صفات بشری پر نظر کر کے تکذیب کرتا ہے اور کون کمالات نبوت پر نظر کر کے تصدیق۔

۲۲ (چنانچہ ان کے حالات بھی خوب دیکھ رہا ہے، اور وقت موعود پر انھیں سزا دے کر رہے گا۔)

۲۳ یعنی یوم حشر کے منکر ہیں، ساتھ ہی شرک اور اوہام پرستی میں مبتلا ہیں ——— مشرکین عرب میں یہ دونوں باتیں موجود تھیں۔

۲۴ مشرکین عرب دیوتاؤں کے قائل تھے اور ان ہی کو فرشتہ کہتے تھے۔ دعوی رسالت کی تکذیب کے وقت کہتے تھے کہ یہ "رسول" اگر اپنے دعوی میں سچے ہیں تو آسمانی دیوتا مجسّم اور متشکّل ہو کر ان کے ساتھ کیوں نہیں آئے جو ان کے دعوی کی تصدیق کرتے رہیں، یا خود خدا ہی کو ہمیں کیوں نہیں دکھا دیا جاتا جو ہم براہ راست اسی کی زبان سے ان کے دعووں کی تصدیق سُن لیں۔

۲۵ یعنی کافروں میں ان کے کفر و عدم ایمان ہی کی بنا پر، صلاحیت نہ رویت باری کی رہ گئی نہ ملائکۂ رحمت سے دوچار ہونے کی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو سلوک میں احوال باطنی غیر اختیاری کا منتظر رہتا ہے، اس کے

لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

اس روز مجرموں کے لئے کوئی خوشی کی بات ہوگی، اور یہ کہیں گے پناہ، پناہ! ۲۶ے

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

اور ہم ان کے کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے جو یہ کرچکے ہیں، سوان کو ایسا کردیں گے جیسے پریشان غبار۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ

اہل جنّت اس روز قیام گاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آرام گاہ میں بھی خوب اچھے۔ ۲۷ے اور جس دن

انتظار کا منشاء یہی تکبر ہوتا ہے۔ گویا وہ اپنے اعمال و مجاہدات کو استحقاق کی بنیاد قرار دیتا ہے۔

۲۶ے کافروں کا سامنا فرشتوں سے جب بھی ہوگا، عذاب ہی کے فرشتوں سے ہوگا، اور وہ وقت کافروں کی مسرت کا نہیں انتہائی مصیبت کا ہوگا۔

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔ ایک محاورہ ہے، عہد جاہلیت میں جب کسی کو کوئی بلا پیش آتی یا کوئی اپنے دشمن کو دیکھ پاتا اور خیال یہ ہوتا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو یہی لفظ پکار کر کہتا۔ جیسے اُردو محاورہ میں کہتے ہیں، دور، دور!

ھذہ کلمۃ کانوا یتکلمون بھا عند لقاء عدو موتور أو ھجوم نازلۃ او نحو ذلک یضعونھا موضع الاستعاذۃ۔ (کشاف)

کان الرجل اذا لقی من یخاف یقول ذلک۔ (راغب)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ سلوک میں حالات محمودہ غیر اختیاری کا پیش آجانا بعض طالبین کے حق میں مضر ہوتا ہے، اور اس کی فہم مشائخ اہل تربیت رکھتے ہیں۔

۲۷ے ماجرا قیامت کا بیان ہو رہا ہے، کافروں کو اپنے جن جن اعمال پر غرّہ ہوگا، کہ ہم نے دنیا میں فلاں فلاں اعمال خیر بھی تو کئے ہیں، چونکہ وہ ایمان سے خالی ہوں گے، قیامت کے دن انھیں غبار پریشان کی طرح بالکل بے مصرف کرکے دکھا دیا جائے گا۔ اسی حقیقت کی تعلیم ایک بار پھر ہوگئی، کہ جس طرح کوئی مکان بغیر بنیاد کے نہیں ہوسکتا اسی طرح کوئی حسن عمل بغیر ایمان یا اعتقادِ صحیح کے ممکن نہیں۔

مُسْتَقَرًّا.... مَقِيْلًا۔ مستقر، جائے قیام اور مقیل جائے آرام۔ دونوں سے مراد جنّت ہے، اور جنّت کا ہر حیثیت سے بہترین ہونا ظاہر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خیر مستقرا بہترین مکان ہے اور احسن مقیلا بہترین زمانہ۔ یعنی اہل جنّت کے لئے مکان و زمان دونوں اعتبار سے بہترین آسائشوں کا مجموعہ موجود ہوگا۔ اوپر جس طرح اہل جہنّم کے حرمان کامل کا بیان تھا، یہ ٹھیک اس کے

تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾

آسمان پھٹ جائے گا ایک بدلی پر سے اور فرشتے بکثرت اتارے جائیں گے۔ ۲۸ے

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

اس روز حکومت (ظاہر ہی ہے خدائے) رحمان ہی کی ہوگی ۲۹ے اور وہ دن کافروں پر بہت

عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى

سخت ہوگا۔ اور جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا، کہے گا کاش میں

اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾

رسول کے ساتھ راہ پر لگ لیتا! ۳۰ے

مقابلہ میں اہلِ جنّت کی آسائش کا بیان ہے۔

فاعلم أنه سبحانه لمابين حال الكفار في الخسار الكلي والخيبة التامة شرح وصف أهل الجنة تنبيهاً على أن الحظ كل الحظ في طاعة الله تعالىٰ۔ (كبير)

قدمنا الی ما عملوا۔ قدمنا یہاں قصدنا و عمدنا کے مترادف ہے (روح)

یقال قدم فلان الی امر کذا، ای قصدہ، وقال مجاهد: قدمنا ای عمدنا۔ (قرطبی)

صوفیہ نے وقدمنا الی ما عملوا۔۔۔۔ الخ سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بدون باطن کے محض ظاہری عمل ہرگز معتبر نہیں۔

۲۸ے (زمین پر)

یہ وقت وہ ہوگا جب صور کے نفخِ ثانی کے بعد زمین و آسمان سب ازسرِ نو درست ہو جائیں گے۔ حساب کتاب شروع ہو رہا ہوگا حق تعالیٰ کی ایک تجلّی خاص حساب و کتاب کی غرض سے ہوگی، ملائکہ اردگرد کثرت سے ہوں گے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۰ "هل ينظرون إلا أن يأتيهم الله في ظلل من الغمام والملٰئكة" میں بھی اسی موقع کا ذکر ہے۔

بالغمام۔ میں ب مرادف عن کے ہے۔

ای عن الغمام والباء وعن يتعاقبان (قرطبی)

قال الفراء: المراد من قوله بالغمام ای عن الغمام (كبير)

الغمام۔ کہا گیا ہے کہ یہ ہلکا بادل سفید رنگ کا مثل کُہر کے ہے۔

تشقق السماء۔ آسمان کا یہ پھٹنا بطور کُھلنے کے ہوگا، جو پھٹنا بطور تخریب و افناء کے ہوگا وہ

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ

ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا! یقیناً اس نے

الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ

نصیحت آئے پیچھے مجھے اس سے بہکا دیا، اور شیطان تو ہے انسان کو وقت پر

خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

دغا دینے والا۔ ۳۱ھ

نفخ اول کے وقت ہو چکا ہوگا۔

۲۹ھ عیاناً و شہوداً ہی، اور کسی کو ظاہراً بھی گنجائش، کسی کے دخل و تصرف کی نہ ہوگی، بہ خلاف اس کے کہ جیسے دنیا میں رہتی ہے)

یہ عالم ناسوت عالم اسباب و وسائط ہے اور یہی حجاب لاکھوں کروڑوں بندوں کو حق سے غافل رکھے ہوئے ہے، حشر میں یہ حجاب دور ہو جائے گا اور قدرۃً حق کا مشاہدہ براہ راست ہونے لگے گا۔

۳۰ھ یہ ہاتھوں کا کاٹنا فرط حسرت سے ہوگا۔

عض الیدین والانامل کنایۃ عن الغیظ والحسرۃ (کشاف)

من فرط الحسرۃ (بیضاوی)

الظالم۔ ظالم سے مراد کافر ہے اور 'ال' جنس کے لیے ہے۔

اللام فیہ للجنس قالہ مجاھد وابو رجاء (بحر)

اشارہ عقبہ بن ابی معیط اموی کی جانب ہے۔

قال ابن عباس وجماعۃ الظالم ھنا عقبۃ بن أبی معیط۔ (بحر)

یہ عقیدہ اس کے خاص دوست ابی بن خلف کا تھا۔

کان ندیماً لابی بن خلف۔ (المحبر)

۳۱ھ (چنانچہ قیامت میں زبانی ہمدردی تک کسی کے بھی کام نہ آئے گا)

فلانا۔ یہ اشارہ خاص اُبی بن خلف کی جانب سمجھا گیا ہے، جو جنگِ احد میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے قتل ہوا، بعض دوسرے نام بھی لیے گئے ہیں۔

یٰویلتٰی لیتنی۔ براعت کا مضمون اپنے اندر رکھتا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی گمراہیاں آتی ہیں، اور شیطان جب آتا ہے کسی آشنا، راز دار ہی کے قالب میں آتا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

اور رسول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری (اس) قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ ۳۲

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

اور ہم اسی طرح ہر نبی کے دشمن مجرم لوگوں میں سے بناتے رہتے ہیں ۳۳ اور آپ کا پروردگار ہی

هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

کافی ہے بطور ہادی و مددگار کے۔ ۳۴

فقہاء نے اس آیت سے بطور اشارۃ النص نکالا ہے کہ صحبت بد کا ترک واجب ہے۔ خصوصًا اس کا جو اغوا کرتا رہے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم ہے صحبت اشرار سے بچنے کی، اور شریر کی تفسیر یہ ہے کہ جو کوئی ذکر الٰہی سے بعید ہونے کا سبب بن جائے۔

لقد... جاءنی۔ آیت میں صاف اشارہ اس طرف موجود ہے کہ جن کافروں پر مواخذہ کا ذکر ہے، یہ وہ ہیں جنھوں نے تبلیغ کے بعد اور تبلیغ کے باوجود کفر اختیار کیا ہے۔

۳۲ ذکر وہی قیامت کا چل رہا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم جناب باری میں بطور شکایت عرض کریں گے، کہ جو قوم میری مخاطب دعوت تھی، اس نے قرآن کو ماننا اور اس پر عمل کرنا الگ رہا، اسے قابل التفات ہی نہ سمجھا۔

قومی۔ قوم سے مراد قریش کا ہونا تو ظاہر ہی ہے، جو براہ راست اور بلا واسطہ دعوت توحید کی مخاطب تھی۔ لیکن لفظ عام ہے اور مراد ساری ہی اُمّتِ دعوت ہو سکتی ہے، یعنی وہ کل قومیں جنھیں قرآن پہنچ چکا ہے۔

مھجورا۔ ھجر کے ایک معنی تو اعراض کرنے کے ہیں، جیسا کہ متن ترجمہ میں درج ہے اور دوسرے معنی ہذیان سمجھنے کے ہیں منقول دونوں معنی ہیں۔

ای متروکا فاعرضوا عنہ ولم یومنوا بہ (معالم)

من الایمان بہ مبعدا مقصیا من الھجر (بحر عن النخعی و مجاھد واتباعہ)

جعلوہ بمنزلۃ الھجر وھو الھذیان (معالم عن النخعی و مجاھد)

ای ترکوہ ولم یؤمنوا بہ من الھجران (مدارک)

بہر صورت اس شکایت کا تعلق منکرین قرآن سے ہے، نہ کہ ضعیف العمل مسلمانوں سے قرآن مجید سے تعلق واجب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اسے کلام الٰہی اور واجب العمل مانا جائے، اور یہ تعلق بھی اگر ٹوٹ گیا تو یہ کفر ہے۔ اعلیٰ درجہ تعلق کا یہ ہے کہ قرآن کو قولًا و فعلًا تمام تر اپنے اوپر حاوی کر لیا جائے اور اگر یہ درجہ نہیں قائم ہے تو یا تو معصیت ہے اور یا بعض صورتوں میں صرف حجاب۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ

اور کافر یہ کہتے ہیں کہ اس شخص پر قرآن اکبارگی (پورا) کیوں نہیں نازل کر دیا گیا؟ ۳۵ھ

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ مع

اس طرح اس لیے کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر اُتارا ہے ۳۶ھ

مہجوریت کا تعلق بالفرض مسلمانوں ہی سے سمجھا جائے تو مراد اعلیٰ اور اوسط درجہ کے تعلق کا ترک ہوگا ____ اس سے زیادہ ترک تعلق کا اشارہ مسلمانوں کی جانب سمجھنا اہلِ سنّت کا مذہب نہیں، مسلک خوارج میں جو کچھ بھی ہو۔

۳۳ھ (اپنی مشیت تکوینی کے ماتحت)

مطلب یہ ہے کہ حق ناشناس لوگ تو ہر زمانہ میں اپنے وقت کے پیمبر کے دشمن رہے ہیں، سو آپ کے بھی کفر پسند معاصرین آپ سے عداوت ٹھانے ہوئے ہیں، آپ اس پر اتنا غم نہ کیجیے ____ اس سے ایک مستقل سبق ہر داعیٔ حق کو مل گیا کہ ہر زمانہ اس کے ساتھ بدترین دشمنی کرتا رہے گا۔ ہجوم مخالفین و معاندین سے چارہ نہیں طوفانِ مخالفت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

عارفین کہتے ہیں کہ چونکہ ہر ولی نبی ہی کے قدم پر ہوتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ولی کا بھی کوئی عدو ہوتا ہے۔

۳۴ھ (چنانچہ جن کے لیے ہدایت منظور ہے انھیں اس ہادی کی طرف سے ہدایت ہوتی رہے گی اور مجرموں سے مقابلہ کی جب ضرورت ہوگی تو اس نصرت سے آپ کی نصرت بھی ہوتی رہے گی)

"یعنی غم کے دو سبب ہو سکتے ہیں، ایک ان کا گمراہ رہنا، اور دوسرا ان کا درپے ایذا ہونا، سو اللہ تعالیٰ ہدایت کے لئے بھی کافی ہے، اگر حکمت مقتضی ہوگی تو ہدایت کی توفیق دے دے گا، جب ہدایت نہیں ہوتی تو اس میں ہی حکمت ہے، اور ایذاء کے دفع کرنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ اگر چندے دفع نہ کرے، تو اسی میں حکمت ہوگی غرض نہ اِس سے غم کیجیے نہ اُس سے۔" (تھانوی)

اس آیت کے پہلے ٹکڑے میں آچکا ہے کہ پیمبر کے لئے ہجوم مخالفت لازمی ہے، آیت کے اس ٹکڑے میں اس زخم پر ٹھنڈا مرہم بھی رکھ دیا گیا۔ یعنی ہجوم مخالفت سے گھبرایا ذرا نہ جائے ہم خود پیمبر کی رفاقت و نصرت کے لئے موجود رہیں گے۔

۳۵ھ یعنی اگر خدا کا کلام ہوتا تو رفتہ رفتہ کیوں نازل ہوتا۔ یہ تو (نعوذ باللہ) انہی مدعی رسالت کا کلام ہے، سوچ سوچ کر حسب موقع تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔

۳۶ھ (ایسی ترتیل لطیف و بدیع کے ساتھ کہ اس کی نقل و تقلید ناممکن ہے)

ترتیلا۔ اس کا صیغۂ نکرہ اظہار عظمت کے لیے ہے۔

وتنکیر ترتیلا للتفخیم ای کذلک نزلناہ ورتلناہ ترتیلا (روح)

وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾

اور یہ لوگ جیسا بھی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں ہم اس کا جواب ٹھیک اور وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو بتا دیتے ہیں ۳۷ھ

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ لا اُولٰٓئِكَ

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے، یہ لوگ

شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ۳ ع ۱

جگہ کے لحاظ سے بھی بدتر ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔ ۳۸ھ اور بہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی

وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ ج صلے فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى

اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو ان کا معین بنا دیا۔ پھر ہم نے کہا کہ دونوں آدمی ان

لنثبت به فؤادك ۔ یعنی ایک بڑی مصلحت اس تدریجی نزول قرآن میں تو رسولؐ کی تقویت قلب ہے۔

لنثبت ۔ میں ل تعلیل کا ہے۔ (روح)

مشائخ نے کہا ہے کہ ثمرات و مقامات میں جو تاخیر و تدریج ہوتی ہے اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ ثبات و رسوخ حاصل ہونا جائے۔ جو چیز جلدی آتی ہے وہ جلدی نکل بھی جاتی ہے —— سالک کو دیر ہونے سے تنگ نہ ہونا چاہیئے، بلکہ صبر کرنا چاہیئے۔

علماء کے ہاں تعلیم کا سبقاً سبقاً ہونا اور مشائخ کے ہاں افادہ و افاضہ میں تدریج اسی آیت سراپا حکمت کی ماتحتی میں ہے۔ نیت کا مستحکم ہونا، قلب کا تحمل پر قادر رہنا، ملکۂ علمی کا راسخ ہونا سب اسی کے برکات ہیں۔

۳۷ھ یعنی ایسا جواب جو قطعی بھی ہوتا ہے اور قریب الفہم بھی۔

”جواب کی دو خوبیاں ہیں ایک ذاتی کہ فی نفسہٖ قاطع مادہ شبہ ہو اور دوسری اضافی کہ اپنی وضاحت کے سبب قریب الفہم ہو الحق میں خوبی اول اور احسن تفسیرا میں خوبی دوم کی طرف اشارہ ہے“ (تھانوی)

۳۸ھ جگہ سے مراد دوزخ اور طریقہ سے مراد مسلک اور مذہب اور یہ سزا مناسب اس لئے ہے کہ اعتراضات نگونساری عقل سے تھے سزا نگونساری بدن سے ہوئی“ (تھانوی)

اشارۃ النص سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ قادر مطلق اس پر پوری طرح قادر ہے کہ جس عضو، جس قوت سے جو کام جس وقت چاہے لے لے۔ خواہ اس کی عام عادت و معمول کے موافق ہو خواہ اس کے مخالف۔ اور ان فطرت پرستوں کی سطحیت اور بے مغزی بالکل آشکارا ہو جاتی ہے، جو ہمہ تواں خدا کی قدرت کو اسی کے

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ

لوگوں کے پاس جاؤ جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے سو ہم نے انھیں بالکل ہی ہلاک کر دیا ۳۹ اور ہم نے قوم نوح

لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَ اَعْتَدْنَا

کو بھی، جب انھوں نے پیمبروں کو جھٹلایا ۴۰ ہم نے انھیں غرق کر دیا اور ہم نے انھیں لوگوں کے لئے ایک نشان (عبرت) بنا دیا

لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾

اور ہم نے ظالموں کے لئے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۴۱

پیدا کئے ہوئے "نیچر کے قوانین" کا محکوم سمجھتے ہیں۔

۳۹ (چنانچہ قوم فرعون کی غرقابی مشہور واقعہ ہے۔ قرآن میں بار بار اس کا ذکر آچکا ہے)
کلمۂ ف ہمیشہ تاخر زمانی ہی کے لیے نہیں آتا۔ چنانچہ یہاں بھی معلوم ہے کہ نزول کتاب (توراۃ) کا واقعۂ مخاطبہ قوم فرعون سے قبل کا نہیں، بہت بعد کا ہے۔ اذھبا کا عطف قبل والی آیت کے جعلنا پر ہے اور جعل اور قول دونوں کے ماتحت واقعات کا وقوع ابتائے کتاب سے قبل کا ہے۔

فقوله فقلنا اذھبا معطوف على جعلنا وكل من الجعل والقول كان قبل ايتاء التوراة۔ (جمل)

الْكِتٰبَ۔ سے مراد توریت کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ گو اب اپنی اصل شکل میں توریت شاذ دنیا میں کہیں بھی باقی نہیں۔

بِاٰيٰتِنَا۔ "آیتنا میں دلائل توحید سے مراد یا تو دلائل عقلیہ ہیں اور ظاہر ہے کہ بعد سمجھ جانے ان دلائل کے توحید کا انکار ضرور قابل زجر ہے اور یا مراد دلائل نقلیہ ہیں جو انبیاء سابقین سے منقول ہوتے ہوئے ان لوگوں تک پہنچے ہوں گے ان کے انکار کا مذموم ہونا ظاہر ہی ہے۔" (تھانوی)

وَزِيْرًا۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ شرکت یا اعانت، نبوت کے منافی نہیں۔

والوزارة لا تنافي النبوة فقد كان في الزمان الواحد أنبياء يوازر بعضهم بعضا۔ (بحر)

كونه وزيرا لا يمنع من كونه شريكا له في النبوة۔ (کبیر)

وزیر کا لفظ جو اردو میں چلا ہوا ہے، اور شاہ کے مقابل ہیں اور یہ طور اس کے ماتحت آتا ہے یہ ایران کی سیاسی اصطلاح میں سب سے اعلیٰ ملکی عہدہ کا نام ہے۔ عربی میں یہ مفہوم نہیں۔ عربی میں اس کے معنی صرف شریک یا معین کے ہیں۔

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا۔ تدمیر اہلاک کی شدید ترین شکل کا نام ہے۔ یعنی انھیں بالکل پور چور، ریزہ ریزہ ہی کر ڈالا۔ نذیر احمدی زبان میں "ہم نے انھیں مار کر بٹر اکر دیا۔"

والتدمير أشد الاهلاك واصله كسر الشئ على وجه لا يمكن اصلاحه۔ (بحر)

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾

اور ہم نے (اسی طرح ہلاک کیا) عاد اور ثمود اور اصحاب رس کو اور ان کے درمیان میں بہت سی (امتوں کو)۴۲

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى

اور ہم نے ہر ایک سے عجیب عجیب مضامین بیان کئے، اور ہر ایک کو ہم نے بالکل ہی برباد کر دیا۔۴۳ اور (یہ لوگ) اس

الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ

بستی پر سے گزرے ہیں جس پر پتھر بری طرح برسائے گئے تھے۔۴۴ سو کیا یہ لوگ اس کو دیکھتے نہیں رہتے۴۵ بات یہ ہے

۴۰ شرک وجاہلیت میں مبتلا قوم نوحؑ کا انکار محض شخصی رسالت نوحؑ کا انکار نہ تھا، سارے سلسلۂ انبیاء کا اور نفس مسئلہ نبوت کا انکار تھا۔

امام رازی اور بعض دوسرے مفسرین اس نکتہ تک خوب پہنچ گئے کہ ممکن ہے یہ لوگ براہمنہ کی طرح سلسلۂ نبوت ہی کے منکر ہوں۔

اما لأنهم کانوا من البراهمة المنکرین لکل الرسل۔ (کبیر)

او کذبوا بعثة الرسل کالبراهمة۔ (بیضاوی)

او لم یروا البعثة الرسل کالبراهمة۔ (بحر)

الرسل سے بعض نے جنس رسل مراد لی ہے۔ (قرطبی)

یہ بھی امکان ہے کہ الرسل سے مراد اصطلاحی رسول یا پیمبر ہوں۔

۴۱ (آخرت میں، جیسا کہ دنیا میں سزا غرقابی کی ملی)

للظّٰلمین۔ ظالموں سے یہاں مراد ان ہی کافر قوموں سے ہے، جن کا یہاں ذکر ہے۔

والمراد بالظالمین القوم المذکورون۔ (روح)

۴۲ (ان کے انکار، تکذیب و نافرمانی کی بنا پر)

وقرونا بین ذٰلک کثیرا۔ یعنی ان چند معلوم و معروف امتوں کے، اور امتیں بھی بڑی کثرت سے گزر چکی ہیں۔

اصحٰب الرس۔ اصحاب رس سے متعلق مختلف قول نقل ہوئے ہیں۔ ترجیحی قول ابن جریر وغیرہ کا اختیار کیا ہوا ہے کہ "رس" ایک شہر علاقہ یمامہ میں تھا۔ یہاں قوم ثمود کا کوئی قبیلہ آباد تھا۔ موجودہ نقشوں میں یہ مقام وادی رُمّہ کے علاقہ میں ملتا ہے۔ طول البلد مشرقی ۴۳۔ عرض البلد شمالی ۲۶۔

الرس قریة بفلج الیمامة وهم بقیة ثمود (کبیر)

هم أهل قریة من قری ثمود۔ (ابن کثیر عن ابن عباس)

كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿٤٠﴾ وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ط

کہ یہ لوگ مرکر جی اٹھنے کا خیال ہی نہیں رکھتے۔ ٤٦ اور آپ کو جب یہ دیکھ لیتے ہیں تو آپ کے حق میں تمسخر کرنے لگتے ہیں۔

أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٤١﴾ إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا

کیا یہی وہ حضرت ہیں جنھیں خدا نے پیمبر بنا کر بھیجا ہے۔ ٤٧ اس شخص نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم

أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ

ان پر قائم نہ رہتے۔ ٤٨ اور عنقریب یہ جان لیں گے جب عذاب دیکھ لیں گے کہ کون (شخص) راہ سے

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جب نہ قرآن مجید سے کوئی اشارہ صریح نکلتا ہو، نہ حدیث صحیح ہی رہنمائی کرتی ہو اور نہ تاریخی روایت ہی کوئی متعین طور پر ہو تو ایسے مقام کو غیر فیصل سمجھ کر چھوڑ ہی دینا چاہیئے۔ اور امام رازی نے ابو مسلم کا حوالہ دے کر آخر میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

٤٣ یعنی ان میں سے ہر امت کو تبلیغ ہر اعتبار سے مؤثر اور بلیغ ہوتی رہی، اس کے بعد بھی جب یہ لوگ ایمان نہ لائے تو عذاب سے ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔
وکلا ضربنا له الامثال۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر مکذّب قوم پر پوری اور مؤثر تبلیغ سنت الٰہی رہی ہے۔

٤٤ (اور جہاں ہو کر یہ منکرین اپنے سفر شام کی آمد و رفت میں گزرتے رہتے ہیں۔ مراد سدوم وغیرہ قوم لوط کے علاقے ہیں۔

یعنی أن قریشا مروا مرارا کثیرۃ، فی متاجرهم إلی الشام علی تلك القریۃ التی اهلکت بالحجارۃ من السماء۔ (کبیر)

٤٥ (اور دیکھتے کیوں نہیں، یہ کہئے کہ چشم عبرت اور دیدۂ بصیرت سے نہیں دیکھتے۔)
مطلب یہ ہے کہ خدائی قانون سے بغاوت و سرکشی کرنے والی قوموں کی عبرت ناک سزائیں اور بربادیاں خوب ان کے علم میں ہیں، ان کے کھنڈر اور مٹے ہوئے آثار ان کے مشاہدہ میں آچکے ہیں ـــــ یہ فقرے تجارت پیشہ قریش سے بھی کہیں بڑھ کر آج کل کی تحقیق پیشہ فرنگی قوموں پر صادق آتے ہیں۔ ان کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں محققین کی ٹولیوں پر ٹولیاں تاریخی، جغرافی، اثری، تحقیق کا شاندار نام لے لے کر کتنے شہروں کے کھنڈروں کے ایک ایک چپے کا مطالعہ کرتی رہتی اور اپنی تحقیقات و معلومات ان کے متعلق شائع کرتی رہتی ہیں، لیکن کوئی ادنیٰ سبق بھی ان سے بندگی و عبدیت کا نہیں لیتیں۔

٤٦ (اور اس کا یقین ہی نہیں رکھتے کہ ہر عمل کی جزا و سزا کا ایک ضابطہ اور دستور و نظام ہے، اور ہر عمل پر ایک ثمرہ دنیا و آخرت میں مرتب ہوتا ہے اس لیے کفر کو موجب سزا و ہلاکت ہی نہیں تصوّر کرتے)

سَبِيۡلًا ﴿٤٢﴾ اَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰٮهُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِ

ہٹا ہوا تھا ؟ ۴۸ الف آپ نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے ؟ کیا

وَكِيۡلًا ﴿٤٣﴾ اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ يَعۡقِلُوۡنَ ؕ

آپ اس کے ذمہ دار رہ سکتے ہیں ؟ ۴۹ یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ، ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں ۔

یہاں لم بتا دی ان مشاہدین اور سیاحوں کی غفلت اور بے صبری کی ۔ یہ عبرت کا سبق لیں کیونکر، جب ان کے دل میں خیال آخرت درجۂ ادنیٰ میں بھی نہیں ۔ اور عبرت پزیری کا سرچشمہ سرے سے خشک ہے !

۴۷ اور وہ یہ فقرہ طنز واستہزاء کے طور پر کہتے ہیں یعنی اگر رسالت کوئی چیز ہے تو رسول کسی بڑے رئیس کو ہونا چاہیئے تھا نہ کہ ایک عام، معمولی درجہ کے شخص کو ۔

اھذا ۔ یہاں تحقیر کے لئے ہے ۔

ھذا استصغار ۔ (کشاف)

ھذا الإستفھام استصغار واحتقار منھم (بحر)

مفسرین نے یہ قول ابوجہل کی زبان سے نقل کیا ہے ۔ ابن حبیب نے کتاب المحبر میں قریش کے پانچ مستہزئین کے نام گنائے ہیں ۔ عاص[۱] بن وائل سہمی، حارث[۲] بن قیس کعبی، اسود[۳] بن مطلب، ولید[۴] بن مغیرہ مخزومی، اسود بن عبد[۵] یغوث ۔

۴۸ یعنی وہ تو کہو، خیر ہوگئی کہ ہم اپنی استقامت سے اپنے طریق قدیم پر قائم رہے، ورنہ اس شخص میں قوت تسخیر وجادو بیانی اس غضب کی ہے کہ اس نے ہمیں اکھاڑ ہی دیا ہوتا ۔

۴۸ الف یعنی اپنی موت کے وقت ۔

۴۹ یعنی آپ ان پر مسلط کر کے تو بھیجے نہیں گئے ہیں، پھر آپ ان کی بے راہی پر غم کیوں کیجئے ۔ پیمبر کا کام محض تبلیغ ہے، نہ کہ کسی کو ہدایت پر مجبور کر دینا ۔ ہدایت وضلالت تو محض مشیت الٰہی کے تابع ہیں ۔

أي ليست الھداية والضلالة موكولتين إلى مشيئتك، وانما عليك التبليغ ۔ (قرطبي)

من اتخذ الٰھہ ھوٰہ ۔ سے یہ صاف ہوگیا کہ ان کی گمراہی کی بنیاد میں کوئی شبہ عقلی و اجتہادی نہیں، بلکہ محض اتباع ہوائے نفس ہے ۔ جاہلیت عرب کے لوگ آج کل فرنگی طرح ایک نیم دہری قسم کے الحاد پسند لوگ تھے ۔ ان کی طبیعت ذکر وفکر آخرت کی طرف آمادہ ہی نہیں ہوتی تھی ۔ اور بت پرستی سے بھی بڑھ کر ہوا پرستی میں مبتلا رہتے تھے ۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی ۔

افانت تکون علیہ وکیلا ۔ اہل سنت نے اس سے فرقہ قدریہ کا رد نکالا ہے ۔

ھذا رد على القدرية (قرطبي)

منزل۴ ع۲

اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ﴿۴۴﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ

یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ ۵۰ کیا تم نے اپنے پروردگار پر نظر نہیں

كَيۡفَ مَدَّ الظِّلَّ‌ ۚ وَلَوۡ شَآءَ لَجَـعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ

کی، کہ اس نے سایہ کو کیونکر پھیلا دیا ۵۱ اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا رکھتا، پھر ہم نے آفتاب کو اس پر

عَلَيۡهِ دَلِيۡلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضۡنٰهُ اِلَيۡنَا قَبۡضًا يَّسِيۡرًا ﴿۴۶﴾

ایک علامت مقرر کر دیا۔ ۵۲ پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔ ۵۳

۵۰ (کہ وہ مکلّف نہیں، اور یہ مکلّف ہو کر بھی نہ حق بات سنتے ہیں، نہ فہم سے کام لیتے ہیں) اکثر منکرین کلام و پیام رسولؐ کو غور سے سنتے بھی نہ تھے، اور نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور یہی حال آج تک چلا آرہا ہے۔

ھم۔ یعنی وہی اکثر۔

والضمیر للأکثر۔ (روح)

کالانعام۔ چوپایوں سے تشبیہ ان کی بے حسی اور عدم تأثر میں ہے۔

۵۱ (اے مخاطب)

یہاں مسئلہ یہ بیان ہوا ہے کہ چیزوں کے سایہ کا طلوع آفتاب کے بعد، صبح کے وقت بڑھنا، اور آفتاب کے بلند ہونے پر خصوصًا دوپہر کو بالکل گھٹ جانا، اور پھر بڑھتے بڑھتے شام کو معدوم ہو جانا، یہ سب تخلیق باری تعالیٰ ہے، ارادۂ حق کا محتاج اور اس کے ماتحت ہے۔ محض اقتضائے طبیعت سے خود بخود نہیں ہو رہا ہے۔

الظل۔ صوفیہ کی اصطلاح میں ممکنات کو واجب الوجود کا ظل (سایہ) کہا گیا ہے۔

۵۲ یعنی آفتاب کے طلوع و بلندی کو ایک ظاہری علامت سایہ کی درازی و کوتاہی پر بنا دیا۔ اہلِ اشارات نے یہاں یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ سارے عالم کی تخلیق، ربوبیت و فنا حق تعالیٰ کے آفتابِ قدرت سے وہی نسبت رکھتی ہے جو سایہ کو نورِ آفتاب سے ہے۔

۵۳ یعنی وہ سایہ حواس انسانی کے نزدیک معدوم ہو جاتا ہے لیکن علم الٰہی سے غائب نہیں ہو جاتا ــــ ایک بار پھر مستحضر کر لیجئے کہ قرآن کتاب سماوی علوم کی نہیں، کہ اس میں سایہ کے پیدا ہونے اور غائب ہونے کے طبعی اسباب پر بحث ہونے لگتی۔ اس نے صرف بنیادی حقیقت بیان کر دی کہ سایہ پیدا اسی نے کیا، قائم اسی نے کیا اور غائب اسی نے کر دیا۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ

اور وہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو آرام کی چیز اور دن کو (گویا) جی اٹھنے کا

نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ

وقت بنا دیا۔ ۵۴ اور وہ وہی ہے جو اپنی بارش رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیج دیتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں،

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ

اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں خوب پاک وصاف (کرنے والا) ۵۵ تاکہ ہم اس کے ذریعہ سے مردہ بستی میں جان ڈال دیں۔

مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾

اور اپنے پیدا کئے ہوؤں میں بہ کثرت مویشیوں اور انسانوں کو سیراب کر دیں۔

۵۴ بیان توحید و یکتائی ذات حق کا ہو رہا ہے۔ دن اور رات اس نے بنائے، اپنی قدرت سے بلا کسی کی شرکت کے، اور اپنی حکمت سے کسی خاص مقصد و مصلحت کے لیے۔ اور ہر فطری و طبعیاتی تغیر و تبدل اسی کی قدرت و حکمت کے ماتحت ہوتا رہتا ہے۔

ایسے مضامین کی پوری قدر اس وقت ہوتی ہے۔ جب مشرک قوموں کے عقیدے بھی پیش نظر ہوں، جنھوں نے خود دن اور رات کو دیوتا قرار دیا ہے، یا انھیں کسی دیوی دیوتا کا پیدا کیا ہوا مانا ہے۔

والنّوم سباتا۔ نیند کا باعثِ تفریح و تازگی ہونا ایک طبّی حقیقت ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۵۵ ہوا بارش وغیرہ سب کا خالق وہی ایک ہے۔ اِندر دیوتا، یا کوئی اور دیوی دیوتا وجود نہیں رکھتے۔

طھور۔ فعول کے وزن پر طاہر کا صیغہ مبالغہ ہے۔ بعض فقہاء نے اسے مُطہّر کے معنی میں بھی لیا ہے۔

واختلف الناس فی معنی وصفہ بانہ طھور علی قولین احدھما انہ مطھر لغیرہ وبہ قال مالک والشافعی وخلق کثیر سواھما والثانی انہ بمعنی طاھر وبہ قال ابوحنیفہ۔ (ابن العربی)

فقہاء و مفسرین نے آیت کے تحت میں طہارت آب کے متعلق لمبی بحثیں چھیڑ دی ہیں۔ جن کا تعلق تفسیر قرآنی سے نہیں فقہیات سے ہے۔ یہاں صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ پانی کے اس وصف مخصوص سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ حکمی نجاستوں کے ازالہ اور طہارت کا کام صرف آب خالص ہی دے سکتا ہے۔ آبِ غیر خالص مثلاً عرق کیوڑا، عرق گلاب، عرق بید مشک، شربت انار، گو کیسے ہی لطیف ہوں، صرف طاہر ہیں مطہّر نہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

اور ہم اس (پانی) کو ان کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ وہ غور کریں ۵۶ تاہم اکثر لوگ ناشکرگزار ہوئے بغیر نہیں رہتے ۵۷

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ ۖ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ

اور اگر ہم چاہتے تو ایک ایک بستی میں ہم ایک ڈرانے والا بھیج دیتے ۵۸ سو آپ کافروں کا کہا نہ مانیے

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

اور قرآن کے ذریعہ سے ان کا مقابلہ زور و شور سے کیجئے۔ ۵۹

۵۶ (اور اس نتیجہ تک پہنچیں کہ یہ سارے طبعی تصرفات اور پھر انسانوں کے درمیان پانی کی حسب مصلحت تقسیم کسی بڑے قادر و حکیم ہی کے کام ہو سکتے ہیں۔)

صرفنٰه۔ میں ضمیر پانی کی طرف بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ ترجمہ میں اختیار کیا گیا۔ اور قول کی جانب بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی ہم نے یہ حقیقت ان پرانی امتوں کے سامنے بار بار دہرائی ہے۔

بلدة ميتا۔ سے مراد خشک زمین ہے۔

آیت میں بیان بارش والے پانی کے صحت بخش اثرات اور تطہیری خواص کا ہے۔ یہ آسمانی پانی نباتات، حیوانات اور سب کی زندگی کے لیے یکساں ضروری ہے۔

۵۷ (اور سب سے بڑی ناشکری کفر و شرک ہے)

اس ساری کائنات اور اس کے تکوینی تصرفات میں جو دخل عظیم نظام آبی کا ہے، تھوڑے سے غور کے بعد سمجھ میں آسکتا ہے، اور انسان کو ایک مومن شاکر بنا دینے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

۵۸ (اور تنہا آپ پر اتنا بار نہ ڈالتے۔ لیکن ہماری مشیت تکوینی اس کی مقتضی تھی، ہم تو دنیا اصلاح کا کام آپ ہی کے ذریعہ سے لینا چاہتے ہیں۔)

فی کل قریة۔ یعنی ہر بستی میں الگ الگ۔

۵۹ (جیسا کہ اب تک بھی کرتے رہے ہیں)

یعنی کافر تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ ان کی آزادی میں فرق نہ پڑنے پائے۔ اور آپ تبلیغ کے کام میں سست پڑ جائیں۔ سو آپ کہیں ان کے کہے میں نہ آجائیے گا۔ آپ قرآن کے قائم کئے ہوئے دلائل حق کے ساتھ تبلیغ عام و تام دونوں جاری رکھیے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق میں اور ترک نصیحت میں کافروں کی رعایت و اطاعت حرام ہے، اور اعلان قرآن، تبلیغ بالقرآن میں غایت سعی و جہاد واجب۔

به۔ میں ضمیر قرآن کی جانب ہے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ

اور وہ وہی (اللہ) ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا، ایک شیریں و تسکین بخش ہے اور ایک کھاری اور تلخ ہے۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿۵۳﴾

اور دونوں کے درمیان ایک حجاب اور ایک مانع قوی رکھ دیا۔ ۶۰ے

ای بالقرآن۔ (عن ابن عباس ابن جریر۔ قرطبی)

جهاداً کبیراً۔ جہاد کبیر کا حکم آپ کو اسی معنی میں ہے کہ ساری دنیا سے باطل کو مٹائیے اور اس کے بجائے توحید کا سکہ چلائیے۔

جہاد۔ "کافروں سے قتال" کے معنی میں تو بہت بعد کی ایک فقہی اصطلاح ہے۔ قرآن میں یہ اپنے لفظی معنی "سعی بلیغ" میں ہے۔ قتال کفار کے لئے تو بہت سی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے اور یہ حکم تو ایک امیر منتخب کی ماتحتی میں بس کہیں کہیں جاری ہوتا ہے، جہاد بالقرآن کا حکم تو مستقل اور ہر حال کے لئے ہے۔

۶۰ے (جو خود تو خفی اور غیر محسوس ہے، لیکن اس کا اثر یعنی امتیاز دونوں پانیوں کے درمیان محسوس ہے۔

"مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے بہتے سمندر میں آکر گری ہیں۔ وہاں باوجود اس کے کہ اوپر سے دونوں کا سطح ایک معلوم ہوتا ہے لیکن قدرت الٰہیہ سے ان میں ایک ایسی حد فاصل ہے کہ ملتقی کے ایک جانب سے پانی لیا جاوے تو شیریں اور دوسری جانب سے جو کہ جانب اول سے بالکل قریب ہے پانی لیا جاوے تو تلخ۔" (تھانویؒ)

دو دریاؤں کے درمیان اس قسم کے اختلاط صوری اور افتراق معنوی کا مشاہدہ متعدد مقامات پر ہو سکتا ہے۔ مثلاً صوبہ اراکان (برما) اور چاٹگام کے درمیان۔ اسی طرح ضلع باریسال (بنگلہ دیش) میں بھی دو ندیاں ایک دوسرے سے متصل اسی قسم کی بیان کی گئی ہیں۔

لیکن یہ انطباق تو محض محدود و مختص المقام رہا، باقی قرآن جس کی مخاطب تو صرف ہندوستان نہیں ساری دنیا ہے، اس کا سیاق وسعت و عموم چاہتا ہے۔ اس لیے زیادہ مناسب و صحیح یہ تشریح معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں پانی کے دو عظیم الشان مستقل ذخیرے ہیں۔ ایک سمندری پانی جو کھاری اور پیاس بڑھانے والا ہوتا ہے۔ دوسرا پانی جو دریا، جھیل، تالاب، پہاڑی چشموں وغیرہ میں ملتا ہے۔ اور شیریں اور مسکن ہوتا ہے۔

سمندری کھاری پانی کے ذخیرہ کا روئے زمین پر اندازہ ۳۱ کروڑ ۴۰ لاکھ مکعب میل کا کیا گیا ہے۔ اور بہتا پانی جو زیر زمین ہے اس کا اندازہ ۲۵ لاکھ میل مکعب کا ہے۔ قطبین کے منجمد پانی اور پہاڑوں

وَهُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهۡرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ

اور وہ وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا۔ ۶۱ پھر اس کو خاندان والا، سسرال والا بنا دیا۔ اور آپ کا پروردگار بڑا

قَدِیۡرًا ﴿۵۴﴾ وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُهُمۡ وَلَا یَضُرُّهُمۡ ؕ وَكَانَ

قدرت والا ہے۔ ۶۲ اور یہ (مشرک لوگ) اللہ کے مقابلہ میں ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نفع پہنچا سکیں اور نہ انھیں

الۡكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیۡرًا ﴿۵۵﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ﴿۵۶﴾

نقصان پہنچا سکیں۔ اور کافر تو اپنے پروردگار کا مخالف ہی ہے ۶۳ اور ہم نے تو آپ کو بس اس لئے بھیجا ہے کہ خوشخبری سنائیں اور ڈرائیں ۶۴

کے برفانی تودوں کا ذخیرہ اس کے علاوہ۔ یہ عظیم الشان نظام آبی قدرت کے عظیم ترین عجائبات میں سے ہے۔

قدیم مفسرین کا بھی ذہن اس طرف پہنچ چکا تھا۔

المراد من البحر العذب هذه الأودية، ومن الاجاج البحار الكبار۔ (كبير)

یہ دونوں پانی باہمی تقابل و تأثر کے باوجود اپنے الگ الگ خصوصیات پر قائم رہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

البحرین۔ بحر کا لفظ عربی زبان میں بڑی وسعت رکھتا ہے۔ اور اس کا ترجمہ اردو میں کسی ایک محدود المعنیٰ لفظ 'دریا'، یا 'سمندر' سے کرنا مشکل ہے۔ عربی میں وہ بر (خشکی) کی ضد ہے۔ اور اس کا اطلاق پانی کے ہر بڑے ذخیرہ پر ہوتا ہے خواہ ساکن ہو یا بہتا ہوا۔

البحر: الماء الكثير، ملحا كان أو عذبا وهو خلاف البر۔ (تاج)

اصل البحر كل مكان واسع جامع للماء الكثير۔ (راغب)

البحر خلاف البر۔ (اقرب)

صوفیہ نے اس نظیر سے فائدہ اٹھا کر معنوی حیثیت سے بھی دو بحر قرار دیئے ہیں۔ ایک بحر روح موصوف بصفات حمیدہ۔ دوسرا بحر نفس موصوف بصفات ذمیمہ۔ اور کہا ہے کہ سطحی طور پر دونوں ایک دوسرے سے ملتبس و مختلط معلوم ہوتے ہیں۔ مگر واقع میں دونوں میں امتیاز ہے جسے مبصر معلوم کر لیتا ہے۔

۶۱ اس سیاق میں پانی سے مراد نطفہ بشری لیا گیا ہے۔

أى خلق من النطفة إنسانا۔ (قرطبى)

ذكروا فى هذا الماء قولين۔۔۔ والثانى أن المراد النطفة۔ (كبير)

اگر مطلق پانی ہی مراد لیا جائے تو اس پر حاشیہ سورۃ الانبیاء میں آیت نمبر ۳۰ "وجعلنا من الماء كل شیء حی" کے تحت میں گزر چکا ہے۔

۶۲ (کہ کیسی بہ ظاہر بے حقیقت چیز سے اس رب قدیر نے کتنے عظیم الشان اور دور دراز کے تعلقات قائم کر دیئے۔)

قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے کچھ بھی معاوضہ تو اس پر مانگتا نہیں ۶۵؎ ہاں (یہ البتہ چاہتا ہوں کہ) جو کوئی چاہے اپنے

سَبِيۡلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡحَـىِّ الَّذِىۡ لَا يَمُوۡتُ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِهٖؕ وَكَفٰى بِهٖ

پروردگار تک راستہ اختیار کرلے۔ اور آپ بھروسہ اسی زندہ پر رکھئے جسے کبھی موت نہیں اور اسی کی حمد میں تسبیح کرتے رہئے اور وہ اپنے

بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِيۡرَا ۚۛ ﴿۵۸﴾ مع

بندوں کے گناہوں سے (خوب) خبردار ہے۔ ۶۶؎

اپنی صفت تدبیر کے ساتھ اپنے اسم رب سے اپنی ربوبیت کو یاد دلادینا اس موقع ومحل کے لئے کتنا معنی خیز ہے۔

فجعلہ نسبا وصھرا۔ اسلام نے سارے انسانی معاشرہ کی بنیاد خاندان ہی پر رکھی ہے، اور سسرال کو بھی خاندان ہی کا جزو ٹھہرایا ہے۔ عقد مناکحت کی پوری اہمیت جب ہی ذہن نشین ہوگی جب پہلے خاندان کی اہمیت اجتماعی زندگی میں ذہن نشین کرلی جائے۔

۶۳؎ (سو ایسے مخالف کی فکر و غم ہی میں آپ کیوں پڑیئے۔ اور اس کے ایمان و ہدایت کی کیوں اتنی پروا کیجئے۔)

الکافر۔ صورۃً مفرد ہے بطور اسم جنس آیا ہے۔

یرید بالکافر الجنس (کشاف)

والظاھران الکافر اسم جنس فیعم (بحر)

علی ربہ۔ لفظ رب لاکر جرم بغاوت کی اہمیت اور بڑھادی ہے۔ یعنی کافر بدبخت بغاوت کرتا بھی ہے تو کس سے؟ اپنے پالنے والے ہی سے!

ظھیرا۔ ظہیر مظاہر کے معنی میں ہے۔ اور فعیل بہ معنی مفاعل کثرت سے آیا ہے۔ گویا لفظی معنی ہوں گے (شیطان کے) پشت پناہ کے۔

أی مظاھرا کما قال الحسن ومجاھد وابن زید، وفعیل بمعنی مفاعل کثیر.... والمظاھرۃ المعاونۃ أی یعاون الشیطان علی ربہ سبحانہ بالعداوۃ والشرک۔ (روح)

۶۴؎ (اس تبشیر و انذار سے بڑھ کر کوئی ذمہ داری آپ پر ہرگز نہیں۔)

خوش خبری جنت کی، اور ڈراوا دوزخ کا۔

۶۵؎ اور میری کوئی غرض جاہی یا مالی، اس تبلیغ حق کے سلسلہ میں مطلق نہیں۔

پیمبر کے "تبلیغی لکچروں" کو گراں قدر فیسوں سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ پیمبر ایک

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ

(وہ) وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ دونوں کے درمیان ہے اسے پیدا کر دیا چھ دنوں میں پھر وہ

اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ

تخت پر قائم ہو گیا۔ ۶۷ (وہی ہے خدائے) رحمٰن سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہیئے۔ ۶۸ اور جب ان

لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا

سے کہا جاتا ہے کہ (خدائے) رحمٰن کو سجدہ کرو، تو کہتے ہیں کہ رحمٰن ہے کیا چیز؟ ۶۹ کیا ہم اس کو سجدہ کرنے لگیں گے جس کیلئے تم ہمیں حکم دو گے

پیکر بے غرضی و بے نفسی کا ہوتا ہے۔

علیہ۔ یعنی اس تبلیغ و رسالت پر۔

من۔ تاکید کے لئے ہے۔

من للتاکید (قرطبی)

۶۶ (وہ خدائے خبیر خود ہی جب اور جنھیں مناسب سمجھے گا پوری سزا دے لے گا)

حی الذی لایموت۔ ہم مسلمانوں کو ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے اور چونکہ کان شروع ہی سے اس کے عادی ہیں، حیرت اس پر ہوتی ہے کہ اس کے خلاف کوئی عقیدہ ممکن کیونکر ہے؟ یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ کوئی خدا بھی ہو اور ساتھ ہی فانی بھی! لیکن دنیا کی دوسری قوموں میں خدا کے تصوّر کے ساتھ یہ عدم فنا اور بقا کا لزوم ہرگز قائم نہیں ——— مشرک قومیں کثرت سے اپنے دیوتاؤں کی مستقل یا عارضی وفات کی قائل ہیں۔ اور "ابن اللہ" کی وفات (گو تین ہی دن کے لیے سہی) تو مسیحیت کا بنیادی اور مرکزی عقیدہ ہے۔

پورا فقرہ ان مشرکوں کے مقابلہ میں ہے جو مردہ خداؤں یا بے جان دیوی دیوتاؤں کی پوجا میں لگے رہتے ہیں

۶۷ (حکومت، حاکمیت، تدبیر و انتظام کے لیے)

ستة ایام۔ استوی، عرش۔ سب پر مفصل حاشیے سورۃ الاعراف آیت ۵۴ میں گزر چکے۔

زندہ و غیر فانی خدا پر توکل رکھنے کا حکم ابھی آچکا ہے اب یہ صفات اسی کی بیان ہوئی ہیں۔ توکل کے قابل کوئی ذات بجز ایسے ہمہ تواں، قادر، صانع اکبر کے اور ہو کون سکتی ہے؟

وما بینهما۔ آسمان اور زمین کے درمیانی مخلوقات کی بھی قرآن مجید نے صراحت بار بار کی ہے۔ اور اس میں سارے اجرام فلکی، چاند، ستارے، سورج وغیرہ آجاتے ہیں۔ ان کی اہمیت اس دور میں جتنی ظاہر ہوتی جاتی ہے شاید پہلے کبھی نہ ہوئی ہو۔

۶۸ (کافروں، مشرکوں اور منکروں کو کیا خبر اور کیا قدر)

وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ

اور انھیں اور زیادہ نفرت ہوگئی ہے۔ ۷۰ بہت عالی شان ہے وہ جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں

فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

ایک چراغ اور نورانی چاند بنا دیا۔ ۷۱ اور وہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک

خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنا دیا اس شخص کے لیے جو سمجھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہے ۷۲

خبیرا۔ خبیر سے اشارہ اہل کتاب قوموں کے اہل علم کی جانب سمجھا گیا ہے۔

مشرک جاہلی قومیں اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہوّا بنائے ہوئے ان سے محض ڈرنا، سہمنا، خوف کرنا جانتی ہیں، صفت رحمانیت کا مظہر کامل ہونا ان کی سمجھ میں بھی نہیں آتا ــــــ خود مسیحیوں کو بھی اسی صفت باری کے سمجھنے میں ٹھوکر لگی ہے اور اسی سے انھیں کفارہ وغیرہ کے عقائد تراشنے کی ضرورت ہوئی۔

بہ میں ب، عن کے معنی میں ہے یا یہ کہا جائے کہ سوال کا صلہ جس طرح عن آتا ہے ب بھی آتا ہے اہل نحو سے دونوں قول منقول ہیں۔

والباء فی به صلة سل کما تکون عن صلته۔ (کشاف)

والسوال کما یعدی بعن لتضمنة معنی التفتیش یعدّی بالباء لتضمنه معنی الاعتناء۔ (بیضاوی)

قال الزجاج معناه عنه۔ (کبیر)

قال الزجاج المعنی فاسئل عنه وقد حکی هذا جماعة من اهل اللغة أن الباء تکون بمعنی عن (قرطبی)

۶۹ یہ سوال مشرکین عرب کی طرف سے پیش ہوتا تھا وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اللہ تک تو خیر، لیکن یہ دوسرا نام الرحمٰن تم کیا لیا کرتے ہو؟ یہ کیا کوئی دوسرا خدا ہے؟ اس کی ماہیت اور اس کے صفات تو بیان کرو۔

۷۰ (اور بجائے اس کے کہ اسلام سے قریب ہوتے، اور زیادہ دور ہوگئے۔)

جہل مرکب اسی کو کہتے ہیں۔ بجائے اپنی نافہمی پر شرمندہ ہونے کے اور اس سے ہٹنے کے، اس پر اور زیادہ جم گئے، اور اکڑ گئے، اور دین حق سے اور دور ہی ہوتے گئے۔

۷۱ سراجا۔ سراج سے مراد یہاں آفتاب ہے اور سراج اپنی دلالت میں عام ہے ہر روشن چیز کے لئے۔

یعنی الشمس (راغب) ولیعبر به عن کل مضیئ (راغب)

وهی الشمس المنیرة هی کالسراج فی الوجود (ابن کثیر)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ

اور (خدائے) رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں ۷۳ اور جب ان سے جہالت

الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا

والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر ۷۴ اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ و قیام میں لگے

بروجا۔ بروج کے معنی بڑے بڑے ستاروں کے ہیں۔

البروج هی الکواکب العظام (کبیر عن ابن عباس)

هی الکواکب العظام (ابن کثیر عن مجاهد وسعید بن جبیر وابی صالح والحسن وقتادة)

فیها سے یہ لازم نہیں آتا، کہ یہ اجرام فلکی، فلک کے اندر ہی ہوں۔ اور لفظ سماء میں فلک سے کہیں زیادہ گنجائش ہے۔

۷۲ مطلب یہ ہے کہ یہ مہیب اور عظیم الشان نورانی اجسام تو ایسے ہیں، کہ مشرک تو ہیں ان ہی کو دیوتا، اور صاحب اختیار و تصرف خدا سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان سب کا ایک نظام کے ماتحت ہونا، ایک آئین میں جکڑا ہونا، ان کے خالق و صانع کی قدرت، حکمت، صفت سب کے کمال، اور صفت یکتائی پر ایک دلیل قوی ہے۔

لمن......شکورا۔ "یہ سب سمجھنے والے کی نظر میں استدلالات ہیں اور شکر گزاری کرنے والے کی نظر میں انعامات ہیں"۔

۷۳ (اور اس کا اثر ان کی چال ڈھال تک میں نمایاں رہتا ہے)

یعنی بجائے فخر و غرور و تمکنت کے، جو جاہلیت اور جاہلی قوموں کا شعار خاص ہے۔ ان کے مزاج میں نرمی و تواضع غالب آگئی ہے، یہاں تک کہ چال میں بھی اس کا اثر ظاہر ہونے لگا ہے — مقصود یہاں رفتار کی کوئی خاص ہیئت نہیں بلکہ محض تواضع و انکسار کا بیان ہے۔

المراد مدحهم بالسکینة والوقار فیه (روح)

سورۃ المومنون میں مومنین فلاح یاب کی اخلاقی، روحانی، دینی زندگی بیان ہو چکی ہے، اب یہاں عباد الرحمٰن (بندگان رحمانی) کے آداب زندگی کی ایک جھلک دکھائی جا رہی ہے۔

رکوع میں اللہ کے بندگان خاص کے جو اوصاف بیان ہو رہے ہیں، گو عمومی رنگ میں ہیں: تاہم براہ راست اس کے مصداق نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر مومنین یعنی صحابۂ کرامؓ ہیں۔ جو ابھی ابھی شرک کے دین اور جہالت کے آئین کو چھوڑ کر داخل اسلام ہوئے ہیں۔ رسولؐ کی صحبت سے ان کی قلب ماہیت ہو چکی ہے۔

عباد الرحمٰن۔ کا ذکر کیا گیا ہے، ارشاد عباد اللہ نہیں ہوا ہے، عباد الرحمٰن ہوا ہے۔

وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ

رہتے ہیں۔ ۵۷۵ اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھیو۔

اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾

کہ بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔ بے شک وہ جہنم بُرا ٹھکانہ ہے، اور (بُرا) مقام ہے۔ ۵۷۶

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ

اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ اور اسی کے درمیان (ان کا خرچ)

اللہ اسم ذات ہے اور ساری ہی مخلوق اس سے یکساں نسبت رکھتی ہے۔ اسم صفت رحمٰن میں اس کی صفت رحمت نمایاں ہے۔ یعنی ایسے بندے جو صفت رحمانیت سے نسبت کا شرف خصوصی رکھتے ہیں۔ جن پر رحمانیت کی تجلیات خاص پڑ چکی ہیں۔

۵۷۴ (اور اپنے نفس کے لئے انتقام قولی وفعلی کے درپے نہیں ہو جاتے۔) اور خود تو کسی شر یا شرارت کی ابتدا کیا کرتے، اہل باطل جب ان سے شر و شرارت کے ساتھ پیش آتے ہیں، تو بھی یہ جواب ترکی بہ ترکی نہیں دیتے بلکہ اپنی طرف سے بات ختم سلامت روی کے ساتھ ہی کر دیتے ہیں۔

یعنی لوگ نہ صرف اپنے معاملات میں متواضع و منکسر ہیں بلکہ دوسروں کے مقابلہ کے وقت بھی ضبط و تحمل کے پیکر بنے رہتے ہیں۔ اور از خود کسی پر زیادتی کرنا الگ رہا، جب دوسرے ان پر زیادتی کرنے لگتے ہیں، جب بھی اشتعال قبول کر کے آمادہ جنگ نہیں ہو جاتے غرض حقوق اللہ، حقوق العباد دونوں کی ادائی میں سرگرم رہتے ہیں۔

"جو خشونت تادیب و اصلاح سیاست شرعیہ یا اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہو، اس کی نفی مقصود نہیں"۔ (تھانوی)

الجاھلون۔ جہالت والوں سے مراد ہر وہ شخص ہوتا ہے جو بات جہالت کی کرے۔ مگر جس طرح جاہلیت کا اطلاق خاص طور پر، شرک قبل اسلام پر ہوتا ہے۔ الجاھلون سے بھی مراد خصوصیت کے ساتھ دور قبل اسلام کے مشرکین ہیں۔

سلما۔ سلام "تسلیم" سے نہیں "تسلّم" سے ہے۔

قال النحاس، لیس "سلاما" من التسلیم انما ھو من التسلم، تقول العرب: سلاما ای تسلما منك، ای براءۃ منك (قرطبی)

"خیر" اردو محاورہ میں ایسے ہی موقع پر آتا ہے جہاں بات کو ختم کر دینا اور پی جانا منظور ہوتا ہے۔

قالوا سلما۔ بجائے جواب ترکی بہ ترکی دینے کے اور انھیں منہ لگانے کے۔ کوئی کلمہ نرم اور

قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ

اعتدال پر رہتا ہے ۷۷ اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے ۷۸ اور جس (انسان) کی جان کو

النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ

اللہ نے محفوظ قرار دے دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر ۷۹ اور نہ زنا کرتے ہیں ۸۰ اور جو کوئی یہ (حرکتیں)

مروّت والا جملہ کہہ کر بات ختم کر دیتے ہیں۔

۷۵ یہ لوگ راتیں شراب خانوں میں نہیں، جوئے خانوں میں نہیں، نشاط خانوں میں نہیں، فحبہ خانوں میں نہیں، کسی شبینہ کلب میں نہیں، ناچ گھروں میں نہیں گزارتے۔ سینما، تھیٹر، کلچرل شوز وغیرہ میں اپنی راتیں وقف آوارگی نہیں کرتے۔ جائز استراحت جسمانی میں بھی توغل سے کام نہیں لیتے۔ الٹے نماز و عبادت میں اور توجہ الی اللہ میں گزار دیتے ہیں۔

ان بندگان رحمٰن کی زندگی کے معاملاتی پہلو کا بیان آیت ما قبل میں ہو چکا، اب بیان عبادتی پہلو کا ہے ـــــ خلق کے ساتھ وہ صابر و شاکر، متواضع و صلح جو، فیاض و نرم خو رہتے ہیں۔ اور خالق کے سامنے مطیع و عبادت گزار مستعد و فرماں بردار رہتے ہیں۔

۷۶ عملی طور پر اس صراط مستقیم پر چلنے کے ساتھ ساتھ وہ دعاہیں بھی انتہائی مسکنت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

باوجود طاعت و عبادت میں اس اہتمام تام کے، ان کی خشیت قلب کی کیفیت یہ رہتی ہے کہ برابر توبہ و استغفار ہی میں لگے رہتے ہیں۔ اپنے تقویٰ و عبادت پر نازاں ذرا سے بھی نہیں ہوتے۔ اور دوزخ کی گرفت سے اپنے کو بالاتر اور مستغنی نہیں سمجھتے ـــــ افسوس کے قابل ہے ان نقلی صوفیوں کا حال جو اس قسم کی شاعری کر جاتے ہیں۔ ع

نہ دوزخ کا کھٹکا نہ جنّت کی پروا

اہل اللہ و بندگانِ خاص کی تو یہ علامت ہے کہ جنّت کی طلب اور تمنّا اور دوزخ سے پناہ مانگنے میں لگے رہتے ہیں۔

ساءت مستقرا و مقاما۔ بری جگہ عارضی قیام کے لحاظ سے اور مستقل قیام کے لحاظ سے بھی۔

۷۷ یعنی مالی معاملات میں ان کا طریقہ عین اعتدال و میانہ روی کا رہتا ہے۔ نہ وہ افراط کہ معصیت کی راہ میں خرچ کرنے لگیں۔ نہ یہ تفریط کہ طاعت و عبادت کے موقع پر بھی پیسہ اٹھانے سے بخل کریں

قیل الإسراف هو الانفاق فی المحارم ... والتقتیر منع الواجب (بیضاوی)

اسلام کی نظر میں اسراف و بخل دونوں شدید اخلاقی امراض ہیں قرآن مجید نے اسے بار بار صاف کیا ہے

۷۸ یعنی اپنے عقیدہ میں کوئی شائبہ شرک کا نہیں آنے دیتے ـــــ اعمال صورۃً بہتر سے بہتر

اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾

کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا جائے گا اور اس میں ہمیشہ ذلیل ہو کر پڑا رہے گا۔ ۸۱

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ

مگر ہاں جو توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے، سو ایسے لوگوں کو اللہ ان کی بدیوں

سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط

کی جگہ نیکیاں عنایت کرے گا۔ ۸۲

سہی بجائے خود ہرگز کافی نہیں جب تک ان کی روح وعقیدہ صحیح یا عقیدۂ توحید نہ ہو۔

۷۹ یعنی جب کسی کے قتل کے وجوب یا جواز پر کوئی شرعی سند مل جاتی ہے، جب تو اور بات ہے ورنہ یوں قتل وخون سے ان نیک بندوں کا دامن ہمیشہ پاک رہتا ہے۔

اس کی پوری قدر اس وقت ہوگی، جب یہ پیش نظر رہے کہ عرب جاہلی اسلام سے قبل قتل وخونریزی میں کس قدر غرق تھا بلکہ اسے دلیل شرافت سمجھا جاتا۔ بات بات پر تلواریں نکل آتیں اور گردنیں بے تکلف کٹ جاتیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۸۰ حالانکہ چند ہی سال قبل زناکاری عرب معاشرہ میں ذرا بھی معیوب نہ تھی، بلکہ ٹھیک آج کل کی فرنگی قوموں کی طرح اس قدیم جاہلی تہذیب میں یہ عورت بازی اور رضامندی کے ساتھ زناکاری عین فیشن میں داخل تھی۔

۸۱ ذلك میں اشارہ ان تمام اعمال کی طرف آگیا، جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یعنی شرک قتل، زنا۔

ذلك يظهر أنه اشارة إلى المجموع (بحر)

اى ومن يفعل ماذكر (روح)

يضعف .... مهانا۔ عذاب کے ساتھ زیادتی عذاب، دوام عذاب اور اہانت کی قیدوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود یہاں کفار ومشرکین ہی ہیں ——— عاصی مومن پر عذاب اگر ہوگا بھی تو محض اصلاح وتطہیر کی غرض سے۔

مهانا۔ اس تصریح سے ظاہر ہوگا کہ عذاب حسّی وجسمانی کے ساتھ عذاب معنوی وروحانی بھی ہوگا۔ اور مستحق عذاب ہدف تحقیر وذلت ہی ہوتا رہے گا۔

۸۲ یعنی جو شخص اپنے کفر کو اسلام سے بدل دے، اور اپنے فسق کو طاعت سے آئندہ نیکیاں بھی اس کے لئے لکھی جائیں گی۔

ایسی سب آیتوں پر غور کرنے سے صاف نظر آجاتا ہے کہ مغفور صرف وہی لوگ نہ ہوں گے جو

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ

اور اللہ تو ہئی ہے بڑا مغفرت کرنے والا بڑا رحمت والا ہے۔ ۸۳ اور جو کوئی توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ

يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا

بھی اللہ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔ ۸۴ اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں

بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

اور جب وہ لغو مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو خودداری کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ ۸۵

گناہوں سے بچتے ہیں۔ بلکہ اُمت کے بڑے بڑے عاصی و خاطی بھی مغفور ہوں گے۔ بشرطیکہ اپنے معاصی کی تلافی و تدارک میں لگے رہیں گے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اللہ ان کے نفس میں بجائے ملکۂ معصیت کے ملکۂ طاعت رکھ دے گا۔

یبدل ملکة المعصیة فی النفس بملکة الطاعة (بیضاوی)

۸۳ چنانچہ بہ اقتضائے غفوریت وہ غفور گناہوں کو محو کر دیتا ہے، اور بہ اقتضائے رحیمیت وہ رحیم حسنات کو ثبت فرماتا رہتا ہے۔

۸۴ یہاں ذکر مومن عاصی کا ہے جو معصیتوں سے تائب ہو رہا ہے اور ان معصیتوں کا ممکن حد تک اعادہ نہیں ہونے دیتا۔

۸۴ یعنی نظریں نیچی کئے ہوئے سلامت روی کے ساتھ ان منظروں سے گزر جاتے ہیں، نہ ان بیہودگیوں کی طرف خود سے مشغول ہوتے ہیں، نہ عاصیوں کی تحقیر کر کے خواہ مخواہ اپنی بڑائی اور اپنے تقدس کا اعلان کرتے ہیں ____ عبداللہ بن مسعود صحابیؓ سے متعلق منقول ہے کہ راستے میں گانے کی آواز اگر آپ کے کان میں پڑ جاتی تو آپ تیز چلنے لگتے، اور اس سے بچ کر نکل جاتے۔

روی أن عبد اللّٰه بن مسعود سمع غناء فأسرع وذهب (قرطبی)

الزور۔ زور کے معنی کذب اور میل عن الحق کے ہیں (راغب) لیشهدون الزور۔ سے مراد لی گئی ہے ناجائز مجمع میں حاضری و شرکت۔

ای حضور مواضع الکذب (کبیر) ویحتمل کل موضع یجری فیه مالا ینبغی (کبیر)

لایحضرون محاضر الکذب (بیضاوی)

اور اس کے تحت میں مشرکوں کے جشن اور فاسقوں کے جلسے سب داخل ہیں۔

والذین لایشهدون شیئًا من الباطل لاشرکا ولاغناء ولاکذبا ولاغیرہ وکل مالزمه اسم الزور (ابن جریر)

مایعم کل شئ باطل مائل عن جهة الحق من الشرك والکذب والغناء والنیاحة ونحوها (روح)

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انھیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے پروردگار کی آیات کے ذریعہ سے، تو پھر یہ ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے[۵۸۶]

لا یحضرون الکذب والباطل ولا یشاھدونه، والزور کل باطل زوّر وزخرف (قرطبی)

آج کل کے "کلچرل شو" اور "کاک ٹیل پارٹی"، اور "ورائٹی شو"، تو اس کے تحت میں کھلے طور پر آجاتے ہیں۔ ایک معنی مجلس غنا یا بزم طرب بھی کئے گئے ہیں، بعض اکابر تابعین سے یہی معنی منقول ہیں۔

قال مجاھد الغناء وقاله محمد بن الحنفیة ایضا (قرطبی)

عن مجاھد قال لا یسمعون الغناء (ابن جریر)

اور اہل لغت نے بھی اس قول کو تسلیم کیا ہے۔

الزور مجلس الغناء (قاموس)

قال الزجاج مجلس الغناء (تاج)

اور امام قرطبی نے اپنے زمانہ کے اسپین کی ان مجلسوں کا ذکر کیا ہے جن کی شرکت ہر طرح نفس کے لئے ہیجان انگیز ہوتی تھی، اور جن میں باجے گاجے، اور شہوانی اشعار کے ساتھ اور مناظر بھی ہوتے تھے۔

من الغناء ماینتھی سماعه الی التحریم وذلك کالاشعار التی توصف فیھا الصور المستحسنات والخمر وغیر ذلك مما یحرك الطباع ویخرجھا عن الاعتدال، لاسیما اذا اقترن بذلك شبّابات وطارات مثل مایفعل الیوم فی ھذا الازمان۔ (قرطبی)

یشھدون الزور۔ کے دوسرے معنی "جھوٹی گواہی دیتے ہیں" کے بھی کئے گئے ہیں۔

الزور یحتمل اقامة الشھادة الباطلة (کبیر) ای انھم لا یشھدون شھادة الزور۔ (کبیر)

اور ابن عباس سے مروی ہے کہ مراد مجالسِ زور ہیں، جن میں اللہ اور رسول سے متعلق باتیں گڑھ گڑھ کر بیان کی جاتی ہیں۔

المراد مجالس الزور التی یقولون فیھا الزور علی اللہ تعالیٰ ورسوله (کبیر)

اور کوئی گواہی جھوٹی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ شرک کی گواہی دی جائے۔ امام رازی نے یہ سب معانی بیان کر کے لکھا ہے کہ درست یہ سب ہو سکتے ہیں، البتہ زور کا استعمال کذب کے معنی میں اکثر ہوتا ہے۔

واذا مرّوا۔ یعنی جب کبھی اتفاقی طور پر ادھر ان کا گزر ہوتا ہے تو اپنا دامن بچاتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

واذا اتفق مرورھم به مروا ولم یتدنسوا منه بشیٔ (ابن کثیر)

واذا مروا، علی طریق الاتفاق (روح)

باللغو۔ لغو ہر وہ لایعنی مشغلہ ہے جو بچنے کے قابل ہوتا ہے۔

ای بما ینبغی ان یلغی ویطرح مما لاخیر فیه۔ (روح)

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا

عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔۸۷ ایسے لوگوں کو (جنت کے) بالاخانے ملیں گے بہ وجہ ان کی ثابت قدمی کے

وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ﴿۷۵﴾

اور ان کا وہاں دعا اور سلام کے ساتھ استقبال کیا جائے گا۔۸۸

قال الحسن اللغو المعاصی کلھا، وھذا جامع (قرطبی)

لغو کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ المومنون آیت ۳ حاشیہ ۳

اللغو المعاصی کلھا، (معالم)

معرضین منکرین لایرضونه (قرطبی)

ای مسرعین معرضین (معالم)

مکرمین أنفسهم عن الوقوف علیه والخوض فیه معرضین عنه (روح)

۸۶ یعنی قرآن کے حقائق ومعارف کی طرف سے اندھے بہرے نہیں ہو جاتے، بلکہ عقل وفہم کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوتے اور تعمیل احکام میں لگ جاتے ہیں۔ انھیں بہ گوشِ قبول سنتے اور بہ چشمِ عبرت دیکھتے ہیں

اٰیات ربھم سے مراد احکام الٰہی بھی ہو سکتے ہیں، اور اللہ کی تکوینی نشانیاں بھی۔

علیھا۔ ضمیر ھا معاصی کی جانب بھی کی گئی ہے۔

الھاء للمعاصی (بیضاوی)

۸۷ یعنی ہمارے گھر والے ہمارے بیوی بچے، سب ایسے دین دار اور پابند شریعت ہوں کہ، ہم انھیں دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو جایا کریں۔ اور ہم کو تقویٰ میں کمال بھی اس درجہ کا عطا کر کہ دوسرے اہل تقویٰ ہم سے ہدایت پائیں ــــــ متقین کا پیشوا تو کوئی انسان جب ہی ہو سکتا ہے جب وہ تقویٰ میں درجۂ کمال پر ہو۔

۔ ضمناً یہ بات بھی نکل آئی، کہ صاحب اہل وعیال ہونا، ایمان کیا معنی کمال ایمان وتقویٰ کے بھی منافی نہیں۔ اور اس میں رد ہے مسیحیوں اور ان مشرک قوموں کا، جنھوں نے تجرد، انقطاع نسل اور رہبانیت کو دلیل سمجھا ہے۔

بیوی بچے ہونا اسلام کی نگاہ میں کوئی چیز عیب یا بے کمالی کی نہیں بلکہ ان کا شوہر اور باپ کی نظر میں محبوب ہونا عین سنت مردان خدا کی ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ

اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا اچھا ہے وہ ٹھکانہ اور مقام! آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار تمہاری پروا ذرا نہ

لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

کرے گا۔ اگر تم عبادت نہ کرو گے۔ سو تم خوب جھٹلا چکے۔ سو عنقریب یہ (تکذیب) وبال بن کر رہے گی۔ ۸۹ع

قرۃ اعین۔ اعین کا صیغۂ نکرہ۔ قرۃ (ٹھنڈک) کی تعظیم اور اس کے قبل الوقوع ہونے کے اظہار کے لئے ہے۔

وتنکیر الاعین لارادۃ تنکیر القرۃ (بیضاوی)

اماما۔ صیغہ واحدؔ یا تو بہ طور اسم جنس کے ہے اور یا یہ مراد ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو امام بنادے۔

وتوحیدہ لدلالتہ علی الجنس (بیضاوی)

۸۸ (فرشتوں کی طرف سے بہ طور جنّتیوں کی تعظیم واکرام کے)

الغرفہ۔ بہ طور اسم جنس غرفات کے معنی میں ہے۔

وھی اسم جنس (بیضاوی)

ثابت قدمی سے مراد ہے دین پر ثابت قدمی۔ ہجوم مشکلات میں صبر استقامت۔

۸۹ (خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں، خواہ دونوں ہی جگہ)

اس میں رد آگیا ان جاہل صوفیوں کا جو محض تبرکات یا کسی صالح کے ساتھ انتساب کو مقبولیت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ حقیقتہً دربار خداوندی میں بندوں کی جو بھی قدر ہے ایمان و طاعت ہی کی بنا پر ہے۔

حسنت مستقرا ومقاما۔ جنّت کی یہ مدح، عین جہنّم کی مذمّت ساءت مستقرا ومقاما کے مقابل میں ہے۔ آیت نمبر ۶۶

لزاما۔ مصدر ہے۔ بہ طور اسم فاعل استعمال ہوا ہے۔

فاوقع المصدر موقع اسم الفاعل (عسکری)